تحریکِ ختمِ نبوّت

ڈاکٹر محمد بہاؤالدین

مکتبہ قدوسیہ

انّہ من سلیما ن و انّہ بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم

تحریک ختم نبوت

۱۸۹۱ء تا ۱۹۱۲ء

جلد ہشتم

محمد بہاء الدین

نام کتاب تحریک ختم نبوت جلد ہشتم

مؤلف محمد بہاء الدین

صفحات ۵۲۸

طبع اول ۲۰۰۸ء

زیر اہتمام

فہرست

اپنی ذات میں انجمن

تحریک ختم نبوت جلد ہشتم کی تکمیل کے ساتھ اس کتاب کا پاکستانی اڈیشن چار ہزار دوسو چالیس صفحات پر پھیل چکا ہے۔ ہندوستانی اڈیشن کے صفحات اس سے بھی زیادہ ہیں جہاں چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور جلد ہفتم اور ہشتم عنقریب طبع ہونے جا رہی ہیں۔ اور مؤلف محترم سے گفتگو کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ انشاء اللہ ابھی مزید دو جلدیں سامنے آئیں گی۔

اس نوعیت کے علمی اور تاریخی کام کرنے کیلئے برسوں پر محیط منصوبے بنائے جاتے ہیں، مقصد سے لگن رکھنے والے اہل علم کے بورڈ بٹھائے جاتے ہیں، فنڈ قائم کئے جاتے ہیں، اپیلیں کر کے مالی وسائل فراہم کئے جاتے ہیں، وظائف کی صورت میں مؤلفین کی معاش کے انتظامات کئے جاتے ہیں، انہیں مددگار فراہم کئے جاتے ہیں، لٹریچر کی فراہمی کیلئے دورے کئے جاتے ہیں، کاتب فراہم کئے جاتے ہیں، طباعت واشاعت کیلئے رقوم مخصوص ہوتی ہیں۔ غرض کیا کیا کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن جب اللہ سبحانہ وتعالی کو تحریک ختم نبوت پر زیر نظر کام کروانا منظور ہوا تو اس نے اپنے فضل وکرم سے ہمارے دوست ڈاکٹر بہاء الدین کو ان کی اپنی ذات میں انجمن بنا دیا۔ انہیں پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی محبت سے سرشار کر کے اس عظیم منصوبے پر کام کرنے کی لگن عطا فرمائی، ترتیب وتالیف کی صلاحیتوں سے نوازا، طویل منصوبے کی تکمیل کیلئے ضروری عزم وہمت سے نوازا، اور ایک بیمار کو اپنے لامتناہی خزانہ سے وقت کی خیرات عطا فرمائی، لٹریچر کی تلاش اور فراہمی کیلئے چند مخلص دوست مہیا کر دیئے، پاکستان میں اس کی طباعت واشاعت کیلئے ضروری مالی وسائل فراہم کر دیئے۔ ان جیسے بے شمار عطایا وانعامات کے شکریئے میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے شب وروز آقائے نامدار ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کی تاریخ مرتب کرنے میں لگا رکھے ہیں۔ اللہ تعالی اس کام میں برکت ڈال کر اسے حسن قبول عطا فرمائے۔ اور مؤلف اور معاونین کیلئے کفارہ سیئات اور توشہ آخرت بنائے۔

اپنی کاوش کو تو ہر کوئی سراہتا ہے دیکھنا یہ چاہیے کہ دوسرے کیا کہتے ہیں۔ شائد اسی لئے عرب شعراء اپنے قصیدے کو کعبہ شریف میں معلق کر دیا کرتے تھے جو نشر واشاعت کا ایک طریقہ

ہونے کے علاوہ قصیدے پر دیگر اہل علم وفن کی آراء حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ تھا۔ اور شائد حدیثِ دیگراں ہی نے عربی ادب میں ان قصائد کا مقام متعین کیا ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو تجویز کیا کہ کتاب ہذا کی مختلف جلدوں پر اہل علم نے جو تقریظات اور تبصرے لکھے ہیں انہیں بھی جلد ہذا میں نقل کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بنا بریں جلد ہذا کے اختتامی حصے کو چند اہل علم کی آراء سے مزین کیا گیا ہے۔

ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے۔ وہ یہ کہ پاکستان میں اس سلسلہ کتب کی طباعت و اشاعت کے مصارف ہمارے مخدوم ڈاکٹر صاحب خود ہی برداشت کر رہے ہیں اور اور مطبوعہ جلدیں اپنے بیٹے سے رابطہ کرنے والے اہل علم کی خدمت میں تحفتاً پیش کئے جا رہے ہیں۔ برصغیر ہندو پاک کی جماعت اہلحدیث کی گذشتہ ایک سو سال کی تاریخ میں اتنی بڑی کتاب کے مؤلف کے اپنے خرچ پر طبع ہو کر یوں تحفتاً تقسیم ہونے کی کم ہی مثالیں ہونگی۔ اللہ تعالی قبول فرمائے۔

محترم قارئین یہ بھی معلوم رہے کہ اللہ تعالی محسن جماعت ڈاکٹر بہاء الدین صاحب دامت برکاتھم سے جہاں تحریک ختم نبوت پر اتنا وقیع، وسیع اور جامع کام لے رہا ہے وہیں برصغیر میں تاریخ اہل حدیث کو مرتب کرنے کا جو اہم کام کئی عشروں سے زیر التوا پڑا تھا، جو گویا کہ جماعت پر بطور قرض باقی تھا، ڈاکٹر صاحب جماعت کے اس قرض کو بھی اعزازاً وتمنناً ادا کرنے میں جٹ گئے ہیں اب تک تاریخ اہل حدیث کی دو جلدیں (جن کی مجموعی ضخامت ۱۳۵۰ صفحات ہے) مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی جانب سے شائع ہو چکی ہیں اور تیسری جلد زیر طبع ہے جب کہ دو جلدوں کا مواد ان دنوں زیر ترتیب ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تاریخ اہل حدیث کا یہ سلسلہ بھی دراز سے دراز تر ہوتا چلا جائیگا۔ بس میں اللہ رب العزت کی ذات کریم سے یہی امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالی ان دونوں اہم عنوانوں پر ڈاکٹر صاحب سے مکمل کام لے لے۔ اس راہ میں جتنی رکاوٹیں ہیں انہیں دور فرمائے اور اس بے لوث خدمت کے بدلے انہیں جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

(مولانا) شیر خان جمیل احمد عمری ناظم تعلیمات مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

۲۔ نومبر ۲۰۰۸ء

آغاز کلام

تحریک ختم نبوت کی زیرنظر جلد میں تحریک کے ابتدائی دور کی گراں قدر تحریریں مثل مولانا محمد ابراہیم میرؒ کی شہادۃ القرآن، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کا صحیفہ محبوبیہ، شیخ غلام حیدر کی عشرہ کاملہ اورشحنہ ہند میرٹھ سے مولانا احمد حسن شوکتؒ کی چندتحریریں مثل اتّبعو السّواد الاعظم ، لا یبقی من النّبوّۃ الّا المبشّرات ،وغیرہ ؛اور مولانا محمد حسین بٹالویؒ کے اشاعۃ السنہ سے انکے چند مقالات، مثل: آتھم اور قادیانی کے مباحثہ پر ریویو، جلسہ تحقیق مذاہب، پیش گوئی متعلقہ آتھم، جلسہ اعظم مذاہب، حکم ارتداد وغیرہ شامل ہیں ۔ ان تحریروں کو من وعن نقل کرنے کی بجائے غیرضروری عبارات اورمکررات کوحذف کر دیا گیا ہے۔ مناسب مقامات پر حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے اور نئے و پرانے حواشی کومتن کے ساتھ ہی باریک خط میں بین القوسین نقل کر دیا گیا ہے۔

پروف ریڈنگ کا خاطرخواہ انتظام نہ ہو سکنے کے باعث میں نے خود ہی کمپوز شدہ مسودے کو دوتین بار پڑھ لیا ہےلیکن وہ جو کہتے ہیں کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آجاتا ہےلیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظرنہیں آتا ، اسلئے مجھے خدشہ ہے کہ بڑی بڑی غلطیاں کتاب ہذا میں باقی رہ گئی ہیں۔ وسائل کی کمی اور ہمت کی پستی کی بنا پر کتاب ہذا میں درآنے والی ایسی غلطیوں پر میں معذرت خواہ ہوں اورقارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ مطالعہ کتاب کے دوران انہیں کوئی تنکے یا شہتیر نظر آجائیں تو مجھے اطلاع دیں،انشاء اللہ کسی آئندہ موقع پران کی اصلاح کی کوشش کی جائیگی ۔

اس حصہ کی ترتیب وتالیف میں جن محسنین کا تعاون شامل حال رہا ہےان میں ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری بنارس،مولانا شیرخان جمیل احمد عمری برمنگھم، شیخ عبدالہادی عمری برمنگھم، مولانا محفوظ الرحمٰن جامعہ سلفیہ بنارس، ڈاکٹرعبد الوہاب انصاری کاسگنج، ڈاکٹرلائق علی خان کاسگنج ، مولانا محمد اشرف جاوید فیصل آباد، پروفیسر ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر بہاولپور، مولانا محمد داوٗد ارشد کوٹلی ورکاں ، مولانا رئیس الاعظم فیضی دہلی ، عزیزم محمد سہیل بوریوالہ، شامل ہیں ۔ اللہ تعالی ان سب محسنین کو جزائے خیرعطافرمائے اور کتاب ہذا کواہل اسلام کیلئے نفع مند بنائے ۔

ربّنا تقبل منّا انک انت السّمیع العلیم

فقیر بارگاہ صمدی ۔ **محمد بہاء الدین** ۔ ۳ نومبر ۲۰۰۸ء

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم

آتھم اور قادیانی کے مباحثہ پر ریویو

۱۸۹۳ء میں ڈپٹی عبداللہ آتھم عیسائی کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کا امرتسر میں مباحثہ ہوا جس کا ذکر ہم کئی جگہ کر چکے ہیں۔ اس مباحثے کے بعد قادیانی حضرات نے اپنے پیرو مرشد کی مناظرانہ صلاحیتوں کے ترانے گائے اور مباحثے میں فریقین کے پرچوں کو شائع کر کے فخر وتعلّی کا اظہار کیا۔ قادیانیوں نے ظاہر کیا کہ یہ مباحثہ اسلام اور عیسائیت کے مابین تھا حالانکہ اس وقت کے علماء اسلام اسے نئے اور پرانے عیسائیوں کا باہمی مباحثہ قرار دیتے تھے اور خود عیسائیوں نے بھی مباحثے سے قبل کہہ دیا تھا کہ چونکہ مرزا صاحب کو علماء اسلام دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اس لئے مرزا قادیانی کی فتح وشکست، اسلام کی فتح وشکست قرار نہیں دی جاسکتی۔ مباحثے کے بعد جب قادیانیوں نے فریقین کے پرچے شائع کئے تو مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے اپنے ماہنامہ اشاعۃ السنہ کی جلد ۱۶ میں اس پر ایک بسیط اور منصفانہ ریویو کرتے ہوئے بتایا کہ کس موقع پر کس فریق کے دلائل مضبوط تھے اور کس کے کمزور۔ اور جہاں مرزا صاحب نے (مسلمانوں کی طرف سے) کوئی کمزور دلیل پیش کی تھی وہاں مناسب دلیل کون سی ہونا چاہیے تھی، اور مرزا صاحب کو یہ بھی بتایا کہ مسلمانوں کی طرف سے مباحثہ کا صحیح طریق کیا ہونا چاہیے تھا؟ ذیل میں اس مباحثے پر مولانا کا ریویو نقل کیا جاتا ہے۔ کہیں کہیں انگریزی عبارات بائبل کا اضافہ میں نے خود نے کیا ہے۔

مولانا محمد حسین بٹالویؒ لکھتے ہیں:

(قادیانیوں اور عیسائیوں کی) اس جنگ کے متعلق ایک مختصر رائے ہم اس جنگ کے واقع ہونے سے پہلے ظاہر کر چکے ہیں اور ایک مفصل اب ظاہر کرتے ہیں۔ ہر چند وہ مختصر رائے وقوع جنگ سے پہلے چھپ چکی تھی مگر اہل اسلام امرتسر (جن کے اہتمام میں وہ رائے چھپی تھی) کی غفلت

سے وہ عام طور پر پبلک میں شائع نہیں ہوسکی، صرف خاص خاص لوگوں میں اس کی اشاعت ہوئی اور مرزا قادیانی کے پاس بھی اس کی ایک کاپی اس کے ایک حواری کے ہاتھ بھیجی گئی۔ اور چونکہ وہ رائے باوجود وقت اشاعت گذر جانے کے اب بھی کئی فوائد پہنچاتی ہے۔ مثلاً

۱۔ اس سے مرزا قادیانی کی غرض مباحثہ مسلمانوں کو معلوم ہوگی۔

۲۔ اس مباحثہ کے نتیجہ سے اس میں پیش گوئی کی گئی تھی، اس کی مسلمانوں کو اب تصدیق ہوگی تو وہ رائے اور اس کی پیشگوئی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

۳۔ اس سے کئی دام افتادگان قادیانی کو اس کے دام سے مخلصی ہوگی۔

۴۔ قادیانی کے اشتہار مبلغ پانچ ہزار روپئہ مندرجہ صفحہ ۱۱۶ رسالہ الحق نمبر ۷ جلد ۳ کی یہ دروغ گوئی

کہ وہ مختصر رائے مسلمانوں کی لعنت ملامت کے باعث شائع ہونے سے روکی گئی تھی، اور اس کے خلیفہ حامد سیالکوٹی کی صفحہ ۴ فوٹو جنگ مقدس کی یہ دروغ گوئی کہ اس مختصر رائے کی اشاعت مولوی صاحب کو اس لئے ملتوی کرنی پڑی تھی کہ بحث زور شور سے ہو پڑی تھی،

مسلمانوں پر ظاہر ہوگی۔ اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچے گی کہ وہ اشاعت کارکنوں کی غفلت سے ملتوی ہوئی تھی، راقم کو اس کا التواء پسند ہوتا اور اس التواء میں وہ فائدہ دیکھتا تو اب اس کی اشاعت رسالہ (یعنی اشاعۃ السنہ جلد ۱۶) میں کیوں کرتا۔

۵۔ مرزا قادیانی کے اشتہار پانچ ہزار روپئہ مطبوعہ ۱۷ مارچ ۱۸۹۴ء کی یہ دروغ گوئی کہ وہ اشتہار (یہ مختصر رائے) مسلمانوں کی لعن طعن کے باعث شائع ہونے سے رگ گیا مسلمانوں پر ظاہر ہوگی اور یہ بات ثابت ہوگی کہ اس التواء کا باعث لعن طعن ہوتا تو اب اس رائے کو کیوں شائع کیا جاتا؟

(مرزا صاحب لکھتے ہیں: بعض دوست یہ اندیشہ نہ کریں کہ ممکن ہے کہ شیخ محمد حسین بٹالوی جو عوام میں مولوی کر کے مشہور ہے، اس وقت بھی ہمارے اس رسالہ کے شائع ہونے پر بالمقابل عربی رسالہ بنانے میں عیسائیوں کی ایسی ہی مدد کرے گا جیسا کہ اس نے جون ۱۸۹۳ء میں ہمارے مباحثہ کے وقت پوشیدہ طور پر ان کی مدد کی تھی اور اپنے اشاعۃ السنہ کا فتوی بھیج دیا تھا اور ان کی تائید میں ایک اشتہار بھی چھپوایا تھا جو بعض مسلمانوں کے لعن طعن کے باعث شائع ہونے سے رک گیا جس کی ایک کاپی ایک خاص ذریعہ سے ہم کو مل گئی، جو اب تک موجود ہے۔ مجموعہ اشتہارات جلد ۲۔ اشتہار معیار الاخیار والاشرار۔ ۱۷ مارچ ۱۸۹۴ء صفحہ ۶ حاشیہ)

وعلی ہذا القیاس اور فوائد ہیں، لہذا اس مختصر رائے کا اس مقام میں نقل کرنا مناسب معلوم

ہوتا ہے اور بعض حضرات کے پاس اصل سابق مطبوعہ پرچہ بھی ارسال کیا جائے گی تاکہ ان کو معلوم ہو کہ جو اس میں پیش گوئی کی گئی ہے وہ مرزا قادیانی کی طرح بعد الوقوع نہیں کی گئی۔

☆ وہ مختصر رائے یہ ہے:

پرانے عیسائیوں (حضرت مسیح صادق علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروان) اور نئے عیسائیوں (مسیح کاذب دجال قادیانی علیہ مایستحقہ کے متبعان) (مرزائیوں کو عیسائی کہنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ غلام احمد قادیانی کو ابن اللہ کہتے ہیں جیسے قدیم عیسائی حضرت مسیح کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ اور یہ عیسائیوں کی طرح ایک قسم کی تثلیث اور فدیہ کے بھی قائل ہیں مگر دونوں کی تثلیث اور کفارہ میں کسی قدر فرق ہے۔ محمد حسین) میں ایک جنگ مقدس (مذہبی مباحثہ) قرار پائی ہے (جس کا ذکر قدیم عیسائیوں کے اخبار نور افشاں اور جدید عیسائیوں کے رسالہ حجت میں چھپ کر مشتہر ہوا ہے) مگر مسیح کاذب اپنی عادت قدیم دروغ گوئی وحیلہ جوئی سے جو گریز کیلئے اس کے استاد ملہم (معلم الملکوت) نے اس کو سکھا رکھی ہے جنگ کیلئے ایسی مشکل شرط مباہلے کی پخ لگا دی ہے جس سے وہ جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔

(جس عذر سے پرانے عیسائیوں نے اس جنگ کو موقوف کرنا چاہا تھا اس کا بیان اشاعۃ السنہ جلد ۱۵ نمبر ۱ میں ہے۔ جو اس عذر کا جواب قادیانی نے پرانے عیسائیوں کو دیا تھا وہ اشاعۃ السنہ صفحہ ۲۷۷ نمبر ۱۱ جلد ۱۵ میں منقول ہے۔ اس پر پرانے عیسائیوں نے چشم پوشی کی اور قادیانی کو ایک فرضی طور پر مسلمان قرار دے کر اس سے جنگ منظور کر لی۔ اس باب میں ڈاکٹر کلارک کا ایک خط جو اخبار نور افشاں کے جون ۱۸۹۳ء کے ایک شمارے میں شائع ہوا ہے، اس کی نقل یہ ہے:

مشفق مہربان مرزا صاحب! بعد ما وجب واضح ہو کہ آپ کا خط پہنچا۔ چونکہ اس امر کی ہمیں کچھ پرواہ نہیں کہ آیا آپ کافر ہیں، یا جنہوں نے آپ کو دائرہ اسلام سے خارج ٹھہرایا وہ کافر ہیں۔ یہ آپ کے گھر کی باتیں ہیں۔ آپ جانیں اور وہ جانیں۔ فریقین میں سے کون غلطی پر ہے اس کا فیصلہ ہمارے ذمہ نہیں۔ لیکن چونکہ اسلام کے بڑے مستند علماء وارا کین دین آپ کو نہ کسی فرقہ محمدی سے، پر دائرہ اسلام سے ہی جس میں کل فرقے ہیں، خارج کرتے ہیں۔ آپ پر خوب روشن ہو گا کہ اس حالت میں آپ اسلام کی طرف سے پیشوا ہو کر اس مباحثہ میں نہیں آسکتے، جنڈیالہ کے محمدیوں نے آپ کو پیش کیا۔ جیسی ان کی عقل ہے، آپ خوب جانتے ہیں۔ چنانچہ آپ خود بھی لکھ چکے ہیں۔ خلاصہ ان ساری باتوں کا یہ ہے کہ اگرچہ شرط آپ سے پوری نہیں ہو سکتی، اور الہام تو در کنار، اتنے ہی میں بموجب شرط ان شرائط کے

ہم آپ کو شکست یافتہ تصور کر سکتے ہیں۔ اور اہل اسلام کی طرف سے میں آپ کو قبول بھی نہیں کر سکتا۔ تاہم جس حال میں آپ اپنے آپ کو محمدی قرار دے کر مباحثہ پر آمادہ ہیں، اور قرآن کی رو سے کلام کریں گے تو خاطر خواہ آویں اور مباحثہ ضرور ہووے۔

راقم ڈاکٹر ایچ ایم کلارک میڈیکل مشنری امرتسر۔

مولانا بٹالوی فرماتے ہیں: اور عبداللہ آتھم کا قادیانی کو فرضی مسلمان سمجھنا اثناء تقریرات مباحثہ میں ہوا ہے۔ لہذا اب ہم کو حاجت نہیں رہی کہ اس جنگ کے متعلق زیادہ خامہ فرسائی کریں)۔

ہاں آئندہ اس جنگ کے وقوع کے احتمال وخیال سے دو باتیں، ایک تو مسلمانوں کو اور دوسری عیسائیوں کو، کہہ دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

مسلمانوں کو یہ بات کہ اس جنگ میں (اگر آئندہ بہ تسلیم شرط مباہلہ یہ وقوع میں آوے) مسلمان شریک نہ ہوں۔ جو مسلمان اس میں قادیانی کا طرف دار ہو کر شریک ہوگا اس کو عیسائیوں سے ضرور شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر صرف مسائل اختلافیہ مابین اہل اسلام و فرقہ نصرانیہ میں گفتگو ہوتی تو اس وجہ سے کہ اسلام کے اصول و مسائل غالب اور حق ہیں اور الاسلام یعلو و لا یعلی بچا ہوا کلیہ ہے، نہ اس وجہ سے کہ قادیانی کی تقریر یا تحریر میں برکت ولیاقت سے ممکن ومتوقع تھا کہ نئے عیسائیوں کو پرانے عیسائیوں پر فتح ہوگی اور اس کے ذریعہ سے اسلام اور مسلمانوں کو بحکم حدیث انّ اللّٰہ یؤیّد الدّین با لرّجل الفا جر مدد پہنچتی ہے، مگر مشکل یہ ہے کہ مسیح کاذب نے اس گفتگو کے ساتھ مباہلہ کی پخ لگا دی ہے اور یہ امر کہ قادیانی کے ہاتھ سے نشان آسمانی ظاہر ہو، ایسا ناممکن ہے جیسا سوئی کے سوراخ سے اونٹ کا نکل جانا عادۃً ناممکن ہے۔ لہذا وہ فتح بھی ناممکن ہے اور اس لئے مسلمانوں کو جو قادیانی کے طرف دار ہو کر شامل مباہلہ ہونگے ندامت اٹھانا ایک لازمی ولابدی امر ہے۔

اس امر کی دلیل کہ قادیانی کا نشان آسمانی دکھانا ناممکن ہے، محتاج بیان نہیں ہے، کیونکہ مسلمان یقین رکھتے ہیں اور مرزا قادیانی نے بھی اس یقین کو ظاہر کیا اور مان لیا ہے کہ اس وقت آسمانی نشان بجز اہل اسلام کوئی دکھا نہیں سکتا۔ اور یہ بات باتفاق جمہور علماء پنجاب و ہندوستان مسلّم ہو چکی ہے کہ قادیانی مسلمان نہیں ہے بلکہ وہ ملحد و مرتد، زندیق اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، تو پھر مسلمانوں کے اعتقاد میں اس کا نشان آسمانی دکھانا کیونکر ممکن ہے؟

جو مسلمان قادیانی کے عقاید سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس کو مسلمان جانتے ہیں وہ

اس اتفاقی دلیل کو نہ مانیں تو ان کیلئے یہ دلیل تسلی بخش ہے کہ اگر قادیانی کے پاس آسمانی نشان دکھانے کی طاقت ہوتی تو اس وقت تک وہ آسمانی نشان دکھا کر ہزاروں بلکہ لاکھوں ہندوؤں، عیسائیوں وغیرہ کو مسلمان کر لیتا۔ اور نہیں تو ڈاکٹر جگن ناتھ ملازم ریاست جموں جیسے مدعیان تسلیم و تصدیق کو ہی نشان دکھا کر اسلام میں لاتا۔ اس سے یہ امر آج تک نہیں ہوا، تو اس سے صاف ثابت ہے کہ اس کے پاس نشان آسمانی کی طاقت نہیں، جو جوہر ہے وہ صرف لفاظی، حیلہ سازی، دھوکہ بازی، افترا پردازی ہے دگر ہیچ۔

اس دلیل میں بھی ان مسلمانوں کو شک ہے تو وہ پہلے قادیانی کا کوئی نشان آسمانی جو اس سے پہلے وہ دکھا چکا ہو ہم مسلمانوں پر ظاہر کریں، اس کے بعد وہ قادیانی کے طرف دار ہو کر عیسائیوں سے مباہلہ و مقابلہ کے مدعی بنیں۔ مسلمان اس کے سابق نشانوں کو نہ مانیں گے تو آئندہ وہ عیسائیوں کو کیوں کر نشان دکھا سکے گا۔ وہ مسلمان ہماری اس دلیل و سوال پر غور کرتے وقت اشاعۃ السنہ نمبر ا لغایت ۸ جلد ۱۵ کو (جس میں اس کے سابق نشانات پر بحث کی گئی ہے) ملاحظہ کریں گے تو امید ہے کہ اس دلیل کو حق جان کر ہمارے سوال کے جواب میں یہی کہیں گے کہ قادیانی نے آج تک کوئی نشان نہیں دکھایا اور نہ آئندہ وہ دکھا سکتا ہے۔

عیسائیوں کو جو بات ہم نے کہنی تھی وہ بات بغیر ہماری ہدایت یا اشارہ کے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک میڈیکل مشنری امرت سر نے اپنے ایک مطبوعہ خط اسمی مرزا قادیانی میں کہہ دی ہے کہ قادیانی صاحب آپ باتفاق میجارٹی اہل اسلام دائرہ اسلام سے خارج کئے گئے ہیں لہذا آپ سے مباحثہ کرنا محمدیوں سے مباحثہ متصور نہ ہوگا۔ اور نہ آپ پر الزام مسلمانوں پر الزام سمجھا جاوے گا۔ کوئی محمدی (مسلمان) مباحثہ کرے تو ہم اس سے مباحثہ کریں گے، اور یہ بات بھی اس مباحثہ کی موقوفی کا ایک سبب بن گئی۔

(اس میں مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کی اس تہمت کے ردّ و جواب کی طرف اشارہ ہے جو وہ کہہ رہے ہیں کہ پادریوں کو ابو سعید محمد حسین بٹالوی نے کہہ کر یہ مباحثہ موقوف کرایا ہے۔ جیسا کہ مرزا قادیانی کے خلیفہ حامد سیالکوٹی، فوٹو جنگ مقدس میں لکھتے ہیں:

افسوس سے اس بات کا بھی اظہار کیا جاتا ہے کہ اس بحث کے ملتوی ہو جانے اور بے اثر ثابت ہونے میں بہت سا حصہ شیخ بٹالوی نے بھی لیا اور جہاں تک ہو سکا عیسائیوں کے ساتھ اس بحث کے ہونے اور اسلام کی حقانیت ظہور پانے میں انہوں نے روک تھام کی۔

اس مقام پر ہم یہ کہنا بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ لعنت اللّٰہ علی الکاذبین۔ قادیانی اور اس کے حواری اپنے خیال و مقال میں سچے ہیں تو اس پر بیش باد کہیں اور نعرہ آمین پکاریں اور اگر خلیفہ حامد کہیں کہ اگر تم نے اس بحث کے ملتوی ہو جانے میں حصہ نہیں لیا تو پھر اس بحث کے ملتوی ہو جانے کی خوشی میں وہ دو ورقہ، یعنی یہ مختصر رائے، کیوں چھپوایا؟ اس کے جواب میں ہم پھر وہی کہتے ہیں لعنت اللّٰہ علی الکاذبین۔ اس دو ورقہ میں نہ موقوفی بحث کی صلاح دی گئی ہے اور نہ موقوفی پر مسرت ظاہر کی گئی ہے۔ اس میں تو صرف دو باتیں، ایک مسلمانوں کو اور ایک پادریوں کو، کہی گئی ہیں جو متن میں مشرح ہیں۔ پادریوں کو یہ بات کہی ہے کہ قادیانی مسلمان اور مسلمانوں کا وکیل نہیں ہے۔ لہذا اس بحث میں جو الزام اس پر قائم ہوگا وہ مسلمانوں پر الزام نہ سمجھا جائے گا۔ خلاصہ و مقصود صرف اتنا ہے کہ قادیانی سے بحث شوق و ذوق سے کرو، مگر اس کو مسلمان سمجھ کر اس کے الزام کو مسلمانوں کا الزام قرار نہ دو۔ سو اس مقصود کو ڈاکٹر کلارک نے اپنے اس خط میں جو منقول بالا ہے، بخوبی سمجھ اور مان لیا اور اس کو خارج از اہل اسلام تسلیم کر کے اور صرف فرضی طور پر مسلمان قرار دے کر اس سے مباحثہ منظور کیا جس کا نتیجہ مفید بحق اہل اسلام یہ نکل رہا ہے کہ اب جو پادری۔ مرزا قادیانی پر فتح کا فخر کر رہے ہیں یہ فخر بمقابلہ اہل اسلام متصور نہیں ہو سکتا)

پادری صاحب کے اس بات کے کہنے پر بعض اسلام کے نادان دوست اور قادیانی کی حقیقت سے ناواقف ہم پر یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ اشاعۃ السنہ کی سعی و کوشش سے قادیانی اسلام سے خارج تصور کیا گیا تو پادریوں کو یہ بات کہنے کا موقع ملا۔ اور یہ کہہ کر انہوں نے قادیانی سے اپنا پیچھا چھڑایا۔ یہ امر اشاعۃ السنہ سے وقوع میں نہ آتا تو قادیانی جیسا کیسا تھا، آج مسلمانوں کے کام آتا، پادریوں سے ان کو بچاتا، اسلام کی لاج رکھ لیتا جیسا کہ پہلے سال ہا سال سے مخالفین اسلام سے وہ مقابلہ کر رہا ہے خواہ اپنی ذات میں وہ کافر و ملحد ہی کیوں نہ ہو۔ اب اس کے سوا اور کون ہے جو اس وقت پادریوں سے مقابلہ کرے اور مسلمانوں کی عزت رکھ لے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ قادیانی نے ابتداء سے آج تک اسلام اور مسلمانوں کی کیا مدد کی ہے کہ آئندہ اس سے امید ہو سکے۔ کس مخالف اسلام سے اس نے مباحثہ کر کے اس پر فتح نمایاں پائی؟ کس اصول مخالفین اسلام پر اس نے پوری بحث کر کے اس کی بیخ کنی کی ہے؟ کون سی کتاب میں اس نے اسلام کی پوری تائید کی ہے؟ براہین احمدیہ میں اس نے بیان تین سو دلائل حقیت اسلام کا جھوٹا وعدہ دے کر اور خلاف واقع طمع دلا کر دس ہزار سے زائد روپیہ مسلمانوں کا کھینچا اور خورد برد کیا اور اس کتاب میں ایک دلیل بھی پوری بیان نہ کی، اور نہ دس برس کے عرصے میں کتاب چھپوائی

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اور اس کے دلائل ہنوز در بطن شاعر کا مصداق ہیں۔

سرمہ چشم آریہ میں ایک آریہ سے مباحثہ کر کے دو پرچوں میں اس کو محدود کر دیا اور اس کو اور بخارات نکالنے کا موقع دے کر ان کو دفع نہ کیا، اور نہ خود جملہ اعتراضات عقلیہ کو بیان کر کے ان کا جواب دیا۔ اس نے رسالے میں تناسخ کی بحث کو چھیڑا تو اس کو بھی ادھورا چھوڑا۔ تحقیقی دلائل عقلیہ سے اس کا کلی استیصال نہ کیا۔

اشتہارات اور متفرق تحریرات میں ہمیشہ آسمانی نشان نمائی کا دعوی کیا مگر شرمناک شروط و قیود پر کیود اور لمبی میعادیں لگا کر آج تک کوئی نشان نہ دکھلایا اور مخالفین اسلام کو اسلام پر ہنسایا۔ اس کی ان کاروائیوں کو اے میرے بھائیو! غور سے دیکھ کر بتاؤ کہ وہ اسلام و مسلمانوں کو فائدہ پہنچا رہا ہے یا سراسر نقصان پہنچا رہا ہے اور ان کی ہتک کر رہا ہے۔

ہاں ان کاروائیوں سے فائدہ تو اس کی ذات خاص کو ہے کہ وہ دس ہزار روپئہ سے زائد لوگوں کا مال کھا کر اس بڑھاپے میں خوب موٹا تازہ بن گیا ہے اور جہلاء عوام اور بعض ناواقف خواص وعوام میں وہ مسیح موعود و مہدی وولی و پیغمبر تسلیم کیا گیا ہے اور اس وجہ سے اب اس کے کفر کو اسلام اور حقائق سمجھا جاتا ہے۔ اس میں ان بے چارے مسلمانوں کے دین اور دنیا دونوں کا نقصان ہوا ہے۔ دنیا کا نقصان یہ کہ ہزار ہا روپئہ برباد ہوا۔ دین کا نقصان یہ کہ اسلام چھوٹا، کفر ہاتھ آیا۔ ایسے اشخاص سے آئندہ بھی مباحثہ مخالفین اسلام سے اسلام و مسلمانوں کو یہی فائدہ پہنچے گا جو ابھی بیان ہوا ہے۔ جہلاء میں وہ حامی اسلام متصور ہو کر اور بھی لوگوں کو دام تزویر میں لائے گا اور سیدھی جہنم کی راہ دکھائے گا اور ان کا صد ہا روپئہ اس مباحثے کے بہانہ سے برباد کر دے گا۔ اور آخر آسمانی نشان دکھانے سے عاجز ہو کر خود تو وہ شرمندہ نہ ہوگا، کیونکہ بڑا حوصلہ والا ہے، مگر ان مسلمانوں کو جو اس کے طرف دار ہوں گے ضرور شرمندہ کرائے گا۔

اس اعتراض کے اخیر میں جوان بھولے بھالے مسلمانوں نے یہ سوال کیا ہے کہ قادیانی اس مباحثے کے لائق نہیں تو پھر اور کون بحث کرے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک نہیں بہت سے علماء اسلام اس وقت لاہور و امرتسر وغیرہ بلاد پنجاب میں موجود ہیں اور پہلے ہی سے تحریراً و تقریراً پادریوں سے مباحثے کر رہے ہیں۔ پادری صاحبان کو مباحثہ منظور ہے تو ان میں سے جس سے چاہیں خط و کتابت کریں جیسے کہ وہ اپنی ناواقفی سے یا کسی کی دھوکہ دہی سے قادیانی سے خط و کتابت کر چکے ہیں۔ پھر ہمارے وہ بھولے بھالے مسلمان اور پادری صاحبان دیکھ لیں گے کہ کس قدر علماء

اس مباحثہ کیلئے مستعد ہیں ۔ ان کو اختیار ہے کہ سب سے پہلے خادم دین سید المرسلین ﷺ اڈیٹر اشاعۃ السنہ النبویہ علی صاحبہا الصّلوۃ و التّحیّۃ ہی کو اپنا مخاطب بناویں اور اس باب میں اس سے خط و کتابت کر کے امور لائق بحث و شروط مباحثہ کا تصفیہ کریں ۔

(مولانا بٹالویؒ لکھتے ہیں) یہ مختصر رائے کی نقل ہے اس میں جو پیشگوئی کی گئی تھی کہ مرزا قادیانی کا نشان آسمانی دکھانا ناممکن امر ہے لہذا جو مسلمان اس نشان کی امید پر اس کے ساتھ شامل ہونگے ان کو ضرور ندامت اٹھانی پڑے گی، پوری ہوگئی ۔ مرزا قادیانی نے باوجود دعوی نشان نمائی، کوئی نشان نہیں دکھایا اور ان مسلمانوں کو شرمندہ کیا اور جو مرزا قادیانی نے ڈپٹی عبداللہ آتھم کی موت کو نشان قرار دیا ہے یہ نشان آسمانی نہیں ہے بلکہ لاف زنی اور مکر شیطانی ہے اس کی نسبت اشاعۃ السنہ نمبر ۹ جلد ۱۵ میں بخوبی ثابت کیا گیا ہے کہ اگر ڈپٹی عبداللہ آتھم اپنی اجل سے فوت ہوگیا تو اس کو کوئی مسلمان باخبر و صاحب عقل آسمانی نشان نہ سمجھے گا، بلکہ ایک رملی یا جوتشی کی پیشینگوئی سے بڑھ کر نہ سمجھے گا ۔ چہ جائے کہ مخالفین اسلام اس کو آسمانی نشان سمجھ لیں ۔

☆ اب اس جنگ کی نسبت اسلامی مطول رائے بیان کی جاتی ہے :

اس جنگ میں دونوں فریق کا اپنی اپنی فتح ظاہر کرنا اور فریق مقابل کو شکست دینے کا دعوی زبان پر لانا ایک شرمناک جھوٹ ہے ۔ نہ مرزا قادیانی نے اپنے بھائیوں (پرانے عیسائیوں) کے ٹوٹے پھوٹے دلائل کا دندان شکن اور بادلیل جواب دے کر ان کو شکست دی اور نہ پرانے عیسائیوں نے مرزا قادیانی کے ملحدانہ دلائل اور لچر پوچ جواب کو اٹھا کر اس کو لاجواب کیا۔

اسلام کا یہ دعوی کہ مسیح ابن مریم صرف رسول ہیں، نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے، ایک ایسا اجلی دعوی ہے کہ اگر کوئی عقلمند اور باخبر بچہ بھی یہ دعوی کرے اور اس کے دلائل عقلیہ اور نقلیہ بڑے بڑے بوڑھے اور پرانے مدعیان علم و فضل عیسائیوں کے سامنے پیش کرے، تو ایک لمحہ میں ان کو لاجواب و عاجز کر دے، مگر نادان (اور بحسب دعوی ہمہ دان) قادیانی نے اس دعوی کا ثبوت پیش کرنے کے وقت صرف ادلہ نقلیہ قرآنیہ اور عقلیہ برہانیہ سے کام نہ لیا بلکہ اس کے ساتھ اپنے ملحدانہ دلائل کا الجھاؤ ڈال دیا اور اس کے جواب و مقابلہ کیلئے اپنے خصوم کو یہ موقع دے دیا کہ وہ اپنی محرف اور کایا پلٹ کتابوں سے جو چاہیں پیش کرتے چلے جائیں اور اس کے ملحدانہ دلائل پر جب تک چاہیں عقلی اعتراضات کرتے رہیں اور بحث کو ختم نہ ہونے دیں اور اپنے عجز کے معترف نہ ہوں ۔

پرانے عیسائیوں کی طرف سے جو مسئلہ رحم بلا مبادلہ یعنی کفارہ اور مسئلہ جہاد و جبر و اختیار کی بابت سوالات پیش ہوئے ہیں وہ ایسے کمزور دلائل اور بے ہودہ پیرایہ میں ہوئے ہیں کہ ادنی طالب العلم اسلامی کتابوں میں نظر رکھنے والا تھوڑی دیر میں ان کا جواب دے کر انہیں لاجواب کر سکتا ہے۔ مگر نادان قادیانی نے ان سوالات کے جواب میں بھی اپنی عقل خام اور بے ہودہ اور طولانی تقریروں سے کام لیا اور اسلامی کتابوں کی طرف رجوع کر کے ان کو مسکت جواب نہ دیا اگر وہ اشاعۃ السنہ ہی کی طرف (جو ہمیشہ سے اسکے پاس جاتا تھا اور وہ اس سے ہمیشہ نفع اٹھاتا رہا ہے) مراجعت کرتا تو اس کے نمبر ا جلد ۹ میں کفارہ مجوزہ نصاری کا جواب اور نمبر ا وغیرہ جلد ۱۲ میں اعتراض جبر کا جواب اور نمبر ۹ جلد ۹ میں اعتراض جہاد کا جواب ایسا پاتا جس سے وہ عیسائیوں کو لاجواب کر دیتا۔

مرزا قادیانی کی بے خردی، بے ضبطی، ملحدانہ دلائل کی طرف رجوع کرنے اور خصوم کو محرفات معنوی و لفظی بائیبل کے پیش کرنے کا موقع دینے کی نظر سے عموماً اہل اسلام کی (جو اہل علم ہیں اور قادیانی کے دام تزویر میں مبتلا نہیں ہیں) اس مباحثہ کی نسبت یہی رائے ہے کہ قادیانی نے اس مباحثہ سے اسلام کو ضرر پہنچایا ہے اس سے کوئی نفع اس کو نہیں پہنچا۔ مولوی تاج الدین احمد لاہوری نے، جو مشہور اہل علم خاندان سے ہیں اور لاہور میں وکالت کرتے ہیں، میرے سامنے فرمایا کہ

> مرزا غلام احمد نے اس مباحثہ سے مسلمانوں کی اس عزت کو کھو دیا ہے جو حافظ ولی اللہ مرحوم کے وقت سے پادریوں کے مقابلہ میں ان کو حاصل تھی۔ یعنی اس رعب داب کو اٹھا دیا جو حافظ ولی اللہ نے عیسائیوں سے مباحثہ کر کے اور ان کو عاجز و لاجواب کر کے ان پر جما رکھا تھا۔

مولوی سید احمد علی مشہور واعظ دہلوی نے (جو مدت سے لاہور میں رہتے ہیں) قادیانی پر بہت ناراضی ظاہر کی اور یہ بات فرمائی کہ اس سے ان آیات بائیبل کے جواب میں جو عیسائیوں نے مسیح کی الوہیت کے باب میں پیش کی ہیں کچھ بن نہ آئی اور ان آیات کی جو عیسائی معنوی تحریف کر کے ان کو مسیح پر جماتے ہیں، صحیح تاویل نہ بتائی گئی۔ بلکہ سید احمد علی صاحب نے اس باب میں ایک تحریر خاکسار کے پاس بھیج دی جس کی اصل عبارت یہ ہے:

> اس مباحثہ کو ہم نے خوب دیکھا اور غور کیا۔ نہ معترض کا اعتراض درست ہے اور نہ مجیب کا جواب۔ یہ مباحثہ محض بے فائدہ ہوا، اسی باعث کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ہر دو فریق نے اپنی اپنی فتحیابی کا ڈنکا بجا دیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو مباحثہ کا ڈھنگ یاد نہیں بلکہ مباحثہ بائیبل کے کلام الہی ہونے پر کرنا لازم تھا تاکہ عبداللہ آتھم عیسائی کتب بائیبل کا رطب و یابس پیش نہ کر سکتا اور اگر

یہ ہی طرز مرزا کو پسند تھی تو مرزا قادیانی کو عبداللہ آتھم کی پیش کردہ رطب و یابس پر گرفت اور مواخذہ کر کر اس کی غلطی ظاہر کرنا لازم تھا۔ مرزا نے کچھ گرفت نہ کی صرف اپنی طول طویل تقریر کا بار بار بیان کیا کہ بارہ تیرہ روز میں ایک مسئلہ بھی حل نہ ہوا۔ مرزا قادیانی نے جیسے دعوی الہام کا سہل اور آسان سمجھ لیا ہے، ویسے ہی وہ اہل کتاب سے مباحثہ کرنا سہل و آسان سمجھے تھے۔ ان کو سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنی قوم کے کسی مناظر و مباحث سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے تو غیر قوم پر کیسے غالب آتے۔ یہ حصہ سلطان المناظرین و واعظین ردّ نصاری مولوی رحمت اللہ مرحوم اور ان کے شاگردوں کا ہے۔ یہ ہر ایک کا کام نہیں۔

مولوی غلام نبی امرتسری نے جو پنجاب کے مناظرین اہل کتاب میں مولوی رحمت اللہ صاحب کے قائم مقام ہیں اور مولوی ابوالمنصور دہلوی کی مانند امام فن مناظرہ اہل کتاب کا خطاب پانے کا استحقاق رکھتے ہیں، خاکسار کے اس سوال جواب میں کہ : آپ کی رائے اس مباحثہ کی نسبت کیسی ہے؟ فرمایا ہے کہ

میں پہلے جلسہ مباحثہ میں شریک ہوا تھا، مجھے مرزا غلام احمد کے مباحثہ کا ڈھنگ پسند نہ آیا۔ لہذا میں پھر شریک جلسہ نہ ہوا۔

اور قادیانی کی اس بے عقلی پر بھی افسوس اور خلاف رائے ظاہر کیا کہ

اس نے عیسائیوں کو بائیبل سے آیات الوہیت مسیح پیش کرنے کا موقع دیا اور پھر ان آیات کے مقابلہ میں یہ ثابت نہ کیا کہ یہ آیات مسیح کے حق میں نہیں اور ان سے ان کی الوہیت ثابت نہیں ہوتی۔

ان سب شہادات سے بڑھ کر شہادت سنو! حکیم نورالدین جمونی بھیروی نے، اس مباحثہ کو پسند نہیں کیا۔ ہمارے ایک معزز دوست نے (جو ان کا بھی دوست ہے) ہمارے پاس بیان کیا کہ حکیم صاحب نے فرمایا ہے کہ مرزا صاحب کو ان کی (یعنی عیسائیوں کی) کتابوں کی طرف پوری توجہ نہیں ہے۔ بجائے مرزا صاحب میں ہوتا، تو ایک دم میں عیسائیوں کا منہ بند کر دیتا (انکے الفاظ پورے یاد نہیں مفہوم وہی ہے جو یہاں لکھا گیا ہے)

حکیم صاحب اب اس رائے کے ظاہر کرنے سے انکار کریں گے تو ہم ایک مجلس عام اہل اسلام میں اپنے اس دوست کو پیش کریں گے اور جو کچھ ان سے نقل کیا ہے ان سے کہلا دیں گے۔ پھر وہ جانیں اور وہ۔

یہ ہم نے متعدد اشخاص کی رائے پیش کی ہے ناظرین اور جس اہل علم سے (جو مرزائی نہ ہو) اس مباحثہ کی نسبت رائے پوچھیں گے اس سے یہی رائے پائیں گے۔ ہم ان شہادتوں کی زیادہ تفصیل کرتے ہیں تو بہت تطویل ہوتی ہے۔

ذیل میں پہلے قادیانی کی تقریر سوال کو نقل کیا جائے گا پھر اس کے خصم مقابل کے جواب کو۔ اس کے بعد مطول اسلامی رائے بیان ہوگی۔ انشاء اللہ تعالی۔

} مرزا قادیانی کے پہلے سوال ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء کا خلاصہ یہ ہے:

قرآن کی تعلیم جامع اور مکمل ہے اور اس کا ثبوت قرآن نے خود دیدیا ہے۔ اور اگر تعلیم انجیل کی نسبت عیسائیوں کا یہی دعوی ہے، تو وہ پہلے یہ دعوی انجیل سے نقل کریں پھر اسی انجیل سے اس کا ثبوت پیش کریں۔

اس سوال کی تقریر میں قادیانی نے ایک یہ اصول مقرر کیا جس کو اس نے سوال مذکور کی دلیل ٹھہرایا ہے کہ الہامی کتاب کی نسبت جو دعوی کیا جائے، اس دعوی کا اس کتاب میں موجود ہونا ضروری ہے۔ اور اس کی عقلی یا تاریخی دلیل بھی اسی کتاب سے پیش کرنا ایک لازمی امر ہے۔ اور جس کتاب کے کسی دعوی کی دلیل عقلی یا تاریخی کتاب میں مذکور نہ ہو وہ کتاب الہامی نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ اس پرچہ کے صفحہ ۳ میں لکھا ہے:

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے بطور کلام کلی کے اس امر میں جو مناظرہ کی علت غائی ہے انجیل شریف اور قرآن کریم کا موازنہ کیا جائے۔ لیکن یہ بات یادرہے کہ اس مقابلہ و موازنہ میں کسی فریق کو اختیار نہیں ہوگا کہ اپنی کتاب سے باہر جائے یا اپنی طرف سے کوئی بات منہ پر لاوے بلکہ لازم اور ضروری ہوگا کہ جو دعوی کریں وہ دعوی اس کتاب الہامی کے حوالہ سے کیا جائے جو الہامی قرار دی گئی ہے۔ اور جو دلیل پیش کریں وہ بھی اسی کتاب کے حوالہ سے ہو، کیونکہ یہ بات بالکل سچی ہے اور کامل کتاب کی شان سے بعید ہے کہ اس کی وکالت اپنے تمام ساختہ پرداختہ سے کوئی دوسرا شخص کرے اور وہ کتاب بکلی خاموش ہو۔

اور اس کے صفحہ ۷ میں لکھا ہے:

اللہ جل شانہ جو قوی اور قادر نہایت درجہ کے علوم وسیع رکھتا ہے جس کتاب کو ہم اس کی طرف منسوب کریں وہ کتاب اپنی ذات کی آپ قیوم چاہیے۔ انسانی کمزوریوں

سے بالکل مبرا اور منزہ چاہیے کیونکہ اگر وہ کسی دوسرے کے سہارے سے اپنے دعوی اور اثبات دعوی میں محتاج ہے، تو وہ خدا کا کلام ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اس عبارت سے وہ اصول جو ہم نے قادیانی سے نقل کیا ہے بجز اس تفصیل کے کہ وہ: دلیل عقلی ہو یا تاریخی، صاف ثابت ہے۔ اب رہی وہ تفصیل سو اس کے پرچہ ۲۳ مئی ۱۸۹۳ء صفحہ ۲ و ۳ اور پرچہ ۲۴ مئی ۱۸۹۳ء کے صفحہ ۷، اور پرچہ ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء کے صفحہ ۸، ۹، ۱۰ میں موجود ہے۔ پرچہ ۲۳ مئی کے صفحہ ۲ و ۳ میں لکھا ہے:

میرا مطلب یہ تھا کہ جس کتاب کی نسبت یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ وہ فی حد ذاتہ کامل ہے اور تمام مراتب ثبوت کے وہ آپ پیش کرتی ہے، تو پھر اسی کتاب کا یہ فرض ہوگا کہ اپنے دعاوی کیلئے دلائل معقول بھی آپ پیش کرے۔ جس کتاب نے اپنے کامل ہونے کا دعوی کیا ہے وہ دعوی بھی بتصریح ثابت کیا جائے اور پھر وہی کتاب اس دعوی کے ثابت کرنے کیلئے معقول دلیل پیش کرے۔

اور پرچہ ۲۳ مئی ۱۸۹۳ء کے صفحہ ۷ میں لکھا ہے:

اگر دلائل معقولی سے یا تاریخی سے سلسلہ استقراء کے مخالف کوئی امر خاص پیش کیا جائے اور اس کو ادلہ عقلیہ یا ادلہ تاریخیہ سے ثابت کر کے دکھلایا جائے تو ہم اس کو مان لیں گے۔

اور اس کی شرح قادیانی نے پرچہ ۲۲ مئی ۱۹۲۳ء کے دوسرے سوال میں بصفحہ ۸، ۹، ۱۰ کی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

اگر کوئی شخص مقدس کتاب پیش کرے اور اس میں یہ امر لکھا ہو کہ پہلے زمانہ میں انسان آنکھوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، کانوں کے ذریعہ بولتا تھا، گو ہم فرض کے طور پر یہ تسلیم کرلیں کہ عجیب تحریروں کے لکھنے والا کوئی مقدس اور راست باز آدمی تھا مگر ہم اس یقینی نتیجہ سے کہاں اور کدھر گریز کر سکتے ہیں جو قیاس استقرائی سے پیدا ہوا ہے۔ میری رائے میں ایسا بزرگ نہ صرف ایک بلکہ کروڑ سے بھی زیادہ ہوں اور قیاس استقرائی سے نتائج یقینیہ کو توڑنا چاہے تو ہرگز ٹوٹ نہ سکیں گے بلکہ اس بزرگ کو ہم درحقیقت ایک بزرگ سمجھتے ہیں اور اس کے ایسے الفاظ میں ایسے ایسے کلمات خلاف حقیقت مشہودہ محسوسہ کے پاتے ہیں تو ہم اس بزرگ کی خاطر سے صرف عن الظاہر کریں گے

اور ایسی تاویل کریں گے جس سے اس بزرگ کی عزت قائم رہ جائے۔ ورنہ یہ ہرگز نہ ہو گا کہ جو حقائق استقراء کے یقینی اور قطعی ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہیں وہ ایک روایت سے ٹال دیئے جائیں۔ اگر ایسا کسی کا خیال ہو تو بار ثبوت اس کی گردن پر ہے ...مثلاً اگر ایک ڈاکٹر سے اس بات کا تذکرہ ہو کہ سم الفار اور بیش زہر نہیں ہیں اور اس کا ثبوت یہ دیوے کہ ایک مقدس کتاب میں ایسا لکھا ہے اور راوی معتبر ہے، تو کیا وہ ڈاکٹر صاحب اس مقدس کتاب کا لحاظ کر کے ایک ایسے امر کو چھوڑ دیں گے جو قیاس استقرائی سے ثابت ہو چکا ہے۔،

یہ عبارات صاف ناطق ہیں کہ دلیل سے (جو دعاوی کتاب اللہ کی مثبت ہو سکتی ہے اور اس کے سوائے کوئی دعوی کتاب اللہ کا قادیانی کے نزدیک قابل سماعت نہیں) عقلی یا تاریخی دلیل مراد ہے اور جو کتاب الہامی آسمانی اپنے کسی دعوی کی کوئی دلیل عقلی یا تاریخی، جس کو عقلاء اور تاریخ دان تسلیم کرلیں، پیش نہ کرے وہ کتاب مرزا قادیانی کے نزدیک الہامی نہیں ہو سکتی۔ اسی دلیل اور اصول کی دستاویز سے قادیانی نے فریق ثانی کے دعوی الوہیت مسیح پر پہلا سوال وارد کیا ہے چنانچہ پرچہ ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء کے صفحہ ۸ میں آیت قرآن مجید کی مالمسیح ابن مریم الّا رسول قد خلت من قبله الرّسل و امّه صدّیقه کانا یا کلان الطّعام انظر کیف نبیین لهم الآیات ثمّ انظر انّی یؤفکو ن (یعنی مسیح ابن مریم میں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ وہ صرف ایک رسول ہے اور اس سے پہلے بھی رسول آتے رہے ہیں) نقل کر کے اس کی ملحدانہ تفسیر و تقریر استدلال میں یہ کہا ہے:

یہ کلمہ کہ اس سے پہلے بھی رسول ہی آتے رہے ہیں، یہ قیاس استقرائی کے طور پر ایک استدلال لطیف ہے کیونکہ قیاسات کی جمیع اقسام میں سے استقراء کا مرتبہ وہ اعلی شان کا مرتبہ ہے کہ اگر یقینی اور قطعی مرتبے سے اس کو نظر انداز کر دیا جائے تو دین اور دنیا کا تمام سلسلہ بگڑ جاتا ہے۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ حصہ کثیرہ دنیا کا اور ازمنہ گذشتہ کے واقعات کا ثبوت اسی استقراء کے ذریعہ سے ہوا ہے۔،

اس کے بعد استقراء کے قطعی ہونے کی تفصیل و تمثیل میں آنکھ سے کھانے اور کان سے بولنے کی مثالیں ذکر ہیں۔ پھر صفحہ ۱۰ میں کہا ہے:

غرض جب کہ قیاس استقرائی دنیا کے حقائق ثابت کرنے کیلئے اول درجہ کا مرتبہ رکھتا ہے تو اسی جہت سے اللہ جل شانہ نے سب سے پہلے قیاس استقرائی کو ہی پیش کیا

اور فرمایا قد خلت من قبلہ الرّسل ۔ یعنی حضرت مسیح بے شک نبی تھے اور اللہ جل شانہ کے پیارے رسول تھے مگر وہ انسان تھے ۔ تم نظر اٹھا کر دیکھو کہ جب سے یہ سلسلہ تبلیغ اور کلام الٰہی کے نازل کرنے کا شروع ہوا ہے ہمیشہ اور قدیم سے انسان ہی رسالت کا مرتبہ پا کر دنیا میں آتے رہے ہیں یا کبھی اللہ تعالیٰ کا بیٹا بھی آیا ہے ۔،

پھر عیسائیوں کے اس سوال مقدر کا کہ بائیبل میں نبیوں کو بیٹا کہا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیٹے بھی رسول ہو کر آتے ہیں، یہ جواب دیا ہے :

ہاں اگر بائبل کے وہ تمام انبیاء اور صلحاء جن کی نسبت بائیبل میں یہی الفاظ موجود ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے تھے یا خدا تھے، حقیقی معنوں پر حمل کر لئے جائیں، تو بے شک اس صورت میں ہمیں اقرار کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ بیٹے بھی بھیجا کرتا ہے، بلکہ بیٹے کیا کبھی کبھی بیٹیاں بھی ۔ اور بظاہر یہ دلیل تو عمدہ معلوم ہوتی ہے اگر عیسائی صاحبان اس کو پسند فرماویں ۔ اور کوئی اس کو توڑ بھی نہیں سکتا، کیونکہ حقیقی غیر حقیقی کا تو وہاں کوئی بھی ذکر نہیں، بلکہ بعض کو تو پہلوٹا بھی لکھ دیا ۔ ہاں اس صورت میں بیٹوں کی میزان بہت بڑھ جائے گی ۔،

اس کے بعد اسی پرچہ ۲۳ مئی ۱۸۹۳ء کے صفحہ ۱۱ میں قادیانی نے اور دلائل کو جو اس آیت سے اس نے نکالے ہیں ذکر کیا اور کہا ہے :

غرض اللہ جل شانہ نے سب سے پہلے ابطال الوہیت کے لئے یہی دلیل استقرائی پیش کی ہے ۔ پھر اس کے بعد ایک اور دلیل پیش کرتا ہے و امّہ صدّیقہ ۔ یعنی والدہ حضرت مسیح کی راست باز تھی ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اگر حضرت مسیح کو اللہ کا حقیقی بیٹا فرض کر لیا جاوے تو پھر ضروری امر ہے کہ وہ دوسروں کی طرح ایسی والدہ کے اپنے تولّد میں محتاج نہ ہو، جو باتفاق فریقین انسان تھی ۔ کیونکہ یہ بات نہایت ظاہر اور کھلی کھلی ہے کہ قانون قدرت اللہ جل شانہ اسی طرح واقع ہے کہ ہر ایک جاندار کی اولاد اس کی نوع کے موافق ہوا کرتی ہے ۔ مثلاً دیکھو کہ جس قدر جانور ہیں مثلاً انسان اور گھوڑا اور گدھا اور ایک پرندہ اپنے نوع کے لحاظ سے وجود پذیر ہوتے ہیں ۔ یہ تو نہیں ہوتا کہ انسان سے پرند پیدا ہو جائے ۔ یا پرند انسان کے پیٹ سے نکلے ۔

پھر ایک تیسری دلیل یہ پیش کی ہے:

کانا یاکلان الطّعام ۔یعنی وہ دونوں حضرت مسیح اور آپ کی والدہ کھانا کھایا کرتے تھے ۔آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ انسان کھانا کیوں کھاتا ہے اور کیوں کھانے کامحتاج ہوتا ہے ۔اس میں اصل بھید یہ ہے کہ ہمیشہ انسان کے بدن میں سلسلہ تحلیل کا جاری ہے یہاں تک کہ تحقیقات قدیمہ اور جدیدہ سے ثابت ہے کہ چند سال پہلا جسم تحلیل پا کر معدوم ہو جاتا ہے ۔اور دوسرا بدن بدل ما یتحلل ہو جاتا ہے ۔اور ہر ایک قسم کی جو غذا کھائی جاتی ہے اس کا بھی روح پر اثر ہوتا ہے کیونکہ یہ امر بھی ثابت شدہ ہے کہ کبھی روح جسم پر اپنا اثر ڈالتا ہے اور کبھی جسم روح پر اپنا اثر ڈالتا ہے ۔جیسے اگر روح کو یک دفعہ کوئی خوشی پہنچتی ہے تو اس خوشی کے آثار یعنی بشاشت اور چمک چہرہ پر بھی نمودار ہوتی ہے ۔اور کبھی جسم کے آثار ہنسنے رونے کے روح پر پڑتے ہیں ۔اب جب کہ یہ حال ہے تو کس قدر مرتبہ خدا سے یہ بعید ہوگا کہ اپنے اللہ کا جسم بھی ہمیشہ اڑتا رہے اور تین چار برس کے بعد اور جسم آوے۔ ماسوائے اس کے کھانے کامحتاج ہونا بالکل اس مفہوم کے مخالف ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات میں مسلّم ہے ۔اب ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ان حاجتمندیوں سے بری نہیں تھے جو تمام انسانوں کو لگی ہوئی ہیں ۔پھر یہ ایک عمدہ دلیل اس بات کی ہے کہ وہ باوجود ان دردوں اور دکھوں کے خدا بھی تھے یا ابن اللہ تھے ۔اور درد ہم نے اس لئے کہا کہ بھوک بھی ایک قسم کی درد ہے اور اگر زیادہ ہو جائے تو موت تک نوبت پہنچاتی ہے ۔

یہ سوال اول الوہیت مسیح کے متعلق قادیانی کے پہلے پرچہ ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء کی بلفظہ نقل لے ۔اب اس کے مقابلہ میں اس کے پہلے خصم (اس مباحثہ میں قادیانی کے دو خصم تھے۔اول ڈپٹی آتھم ،دوم ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک) ڈپٹی عبداللہ آتھم کے پہلے پرچہ کی نقل کی جاتی ہے:

} قادیانی کے پہلے خصم اپنے پہلے پرچہ ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء میں لکھتے ہیں :

اگر یہ جناب کا قول صحیح ہے کہ ہر امر کی حقیقت تجربہ ہی پر مدار رکھتی ہے ۔یعنی جو تجربہ کے برخلاف ہے وہ باطل ہے، تب تو ہم کو صفت خالقیت کا بھی انکار کرنا پڑے گا کیونکہ ہمارے تجربہ میں کوئی چیز خلق نہیں ہوتی ۔اور آدم کا بغیر والدین کے پیدا ہونے کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔اور ہم یہ نہیں جانتے کہ ایسا ہم کیوں کریں ، کیونکہ ناممکن مطلق ہم اس کو کہتے ہیں جو کوئی امر کسی صفت ربانی کے مخالف ہو۔اور یہ چیزیں جو ہمارے تجربہ

کے باہر ہیں مثلاً خلقت کا ہونا، یعنی بلاسامان کے عدم سے وجود میں آنا، اور آدم کا بخلاف سلسلہ موجودہ کے پیدا ہونا، ہم کسی صفت مقدسہ خدا تعالی کے مخالف نہیں دیکھتے

دوم بجواب آپکے دوسرے مقدمہ کے آپ کو یقین ہونا چاہیے کہ ہم اس شئے مرئی کو جو کھانے پینے وغیرہ حاجتوں کے ساتھ ہے، اللہ نہیں مانتے، بلکہ مظہر اللہ کہتے ہیں اور یہ ایک ایسا مقدمہ ہے کہ

جیسا قرآن میں بابت اس آگ کے جو جھاڑی میں نظر آئی تھی، لکھا ہے کہ اے موسی اپنی نعلیں دور کر کیونکہ یہ وادی طوی ہے۔ اور کہ میں تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا خدا ہوں۔

موسی نے ان کو تسلیم کیا۔ اب فرمایئے! شئے مرئی تو خدا نہیں ہوسکتی۔ اور رؤیت مرئی تھی پس ہم اس کو مظہر اللہ کہتے ہیں، اللہ نہیں کہتے بلکہ مظہر اللہ کہتے ہیں۔ کیا یہ ستون جو خشت وخاک کا سامنے نظر کے ہے اس میں سے اگر خدا آواز دے کر کہنا چاہے کہ میں تمہارا خدا ہوں اور میری فلانی بات سنو۔ تو گو تجربہ کے برخلاف یہ امر ہے تو کیا امکان کے بھی برخلاف ہے کہ خدا ایسا نہیں کرسکتا (ہمارے نزدیک تو امکان کے برخلاف نہیں)۔

سوم: ہم نے ابن اللہ کو جسم نہیں مانا ہم تو اللہ کو روح جانتے ہیں جسم نہیں۔

چہارم امر کے بارہ میں ہماری التماس یہ ہے کہ بے شک تاویل طلب امر کو تاویل کرنا چاہیے لیکن حقیقت کو چاہیے کہ تاویل نہ بگاڑے، اگر کوئی حقیقت برخلاف امر واقعی کے ہے تو بالمرہ حکم بطلان کا اس پر دینا چاہیے۔ نہ کہ بطلان کو مروڑ کے حق بنانا۔

پنجم امر کے بارے میں جناب کی خدمت میں واضح ہو کہ لفظ بیٹے اور پہلوٹھی کا بائیبل میں دو طرح پر بیان ہوا ہے۔ یعنی ایک تو یہ کہ وہ یکتن ساتھ خدا کے ہو، دوم یہ کہ یک من ساتھ رضائے الہی کے ہو (ایک تن وہ ہے جو ماہیت میں واحد ہو، اور ایک من وہ ہے جو ماہیت کا شریک نہیں بلکہ رضا کا شریک ہو)۔ کس نبی یا بزرگ کے بارے میں بائیبل میں لکھا ہے کہ اے تلوار میرے چرواہے، اور ہمتا پر اٹھ۔ (زکریا۔۱۳۔۷)

اور پھر کس کے بارہ میں ایسا لکھا ہے کہ تخت داؤدی پر یہود صدقنو آوے گا۔ یرمیاہ ۲۳، اور کس نے یہ کہا کہ میں الفاء اومیگا قادر مطلق ہوں۔ اور کس کے بارہ میں یہ لکھا گیا کہ میں جو حکمت ہوں قدیم سے خدا کے ساتھ رہتے تھے۔ اور میرے وسیلہ سے یہ ساری

خلقت ہوئی۔ اور یہ کہ جو کچھ خلقت کا ظہور ہے اسی کے وسیلہ سے ہے۔ خدا باپ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ لیکن اکلوتے (خدا) نے اسے ظاہر کر دیا۔ یوحنا ۱۔ ۱۸۔ اب اس پر انصاف کیجئے کہ یہ الفاظ متعلق یک تن ہیں یا یک من کے ۔ نیز یہ بھی ایک بات یاد رکھنے کے لائق ہے یسیعاہ ۹۔۱۔ میں کہ وہ جو بیٹا ہم کو بخشا جاتا ہے، اور فرزند تولد ہوتا ہے، وہ ان خطابوں سے مزین ہے۔ یعنی خدا قادر۔ اب۔ ابدیت شاہ سلامت مشیر عجوبہ تخت داؤدی پر آنے والا جس کی سلطنت کا زوال کبھی نہ ہوگا۔

ششم جو آپ نے قرآن سے استدلال کیا ہے مجھے افسوس ہے کہ میں اب تک اس کے الہامی ہونے کا قائل نہیں، جب آپ اس کو الہامی ثابت کر کے قائل کر دیں گے تو اس کی سندات آپ کی مانی جائیں گی۔

ہفتم۔ جناب من! فطرت یا خلقت فعل الٰہی ہے۔ اور الہام قول الٰہی۔ فعل اور قول میں تناقض نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کوئی کلام مبہم معلوم ہووے یا بادی النظر میں مشکل معلوم ہو تو اس کی تاویل ہم معقولات ہی سے کریں گے۔ ورنہ کہاں جائیں گے۔ چنانچہ جناب نے خود ہی فرمایا ہے کہ امور تاویل طلب کی تاویل واجب ہے اور جناب اس سے بھی بڑھ کر فرماتے ہیں کہ تجربہ کے برخلاف ہم کچھ نہ لیویں گے۔ تو گویا یہ بھی رجوع کرنا طرف فطرت کے ہے جس کے ساتھ ہم کلیۃً متفق نہیں ہیں۔

ہشتم: بجواب آٹھویں کے اتنی ہی عرض ہے کہ جہاں بیٹے حقیقی اور غیر حقیقی کی امتیاز بائبل میں نہ ہو تو ہماری عقل کو روک نہیں کہ ہم اس میں امتیاز نہ کریں اور دوسروں کے ساتھ بھی اگر یہی صفات ملحقہ ہوں جیسے مسیح کے ساتھ ہیں تو ہم ان کو بھی مسیح جیسا مان لیں گے۔

Awake, O sword, against my shepherd, and against the man that is my fellow, saith the Lord of the hosts; smite the shepherd, and the sheep will be scattered.(Zech 13:7 KJV)

Behold, the days come, saith the Lord, that I will raise unto David a righteous branch, and a king shall reign and prosper, and shall execute judgement and justice in the earth.

In his day Judah shall be saved, and Israel shall dwell safely; and this is his name whereby he shall be called, the Lord Our Righteousness. (Jeremiah 23:5-6. KJV)

No man hath seen God at any time; the 'only begotton Son, which is in the bosom of the father, he hath declared him. (John:1: 18 KJV)

☆ مولانا بٹالویؒ فرماتے ہیں کہ یہ فریق ثانی کے پہلے پرچہ کی بعینہ نقل ہے۔اب فریقین کے باقی پرچوں کا خلاصہ باختصار نقل کیا جاتا ہے۔اس اختصار کی وجہ یہ ہے کہ مرزا قادیانی کے پرچہ اول کے بعد اس کا جو پرچہ نکلا ہے اس میں پرچہ اول کے سوال واصول و دلائل کا بار بار تکرار و اعادہ ہوا ہے۔اور جہاں کوئی نئی بات کہی ہے وہ اصول سوال الوہیت مسیح سے اجنبی ہے۔ایسا ہی فریق ثانی کی طرف سے جو پرچہ اول کے بعد نکلا ہے وہ تکرار مطالب اور اجنبی باتوں کے بیان پر مشتمل ہے۔لہذا فریقین کی اصل کلام کو پورا پورا نقل کرنا عبث اور فضول اور بلاضرورت اپنی اوقات کا خون کرنا ہے اور ان کے نقل میں خلاصہ واختصار واجب ہے۔اس خلاصہ سے ناظرین اس رائے کی تصدیق کریں گے اور خود بخود جان لیں گے کہ اس بحث کو فریقین نے بلا فائدہ طول دیا۔اور اصل بحث سے خروج کیا۔اور وہ اس خلاصہ کو پڑھ کر اس کے متعلق اسلامی ریویو کے منتظر نہ رہیں گے۔ومعہذا ہم اس خلاصہ پر بھی ریویو کریں۔

} خلاصہ پرچہ ۲۳مئی۔قادیانی:

مرزا قادیانی نے پرچہ اول ۲۳ مئی ۱۸۹۳ء میں صفحہ ۲ سے ۵ تک اصول دلائل پرچہ ۲۳ مئی ۱۸۹۳ء کا بہت تطویل کے ساتھ اعادہ کیا۔پھر صفحہ ۵ میں کہا ہے کہ آدم کا بغیر باپ پیدا ہونا فریقین کے نزدیک مسلّم ہے۔پھر صفحہ ۶ میں کہا کہ استقراء تام کی تسلیم سے خدا کی خالقیت کا انکار لازم نہیں آتا کیونکہ فریقین کی کتاب سے ثابت ہے کہ خدا تعالی نے جیسا زمین آسمان کو پیدا کیا ہے ویسا ہی اس کی مثل پیدا کرسکتا ہے۔اور اس کی قدرت اور قوت جو استقراء سے ثابت ہے اس حد تک ختم نہیں ہوئی۔پھر صفحہ ۷ میں کہا ہے کہ جو پیش گوئیاں ڈپٹی آتھم نے الوہیت مسیح کے متعلق پیش کی ہیں وہ زبردستی ان پر لگائی جاتی ہیں۔ان پیش گوئیوں کو نہ مسیح نے اپنے اوپر لگایا نہ یہودیوں نے ان کو مسیح کے حق میں سمجھا اور نہ ان کے وہ معنی کئے جو عیسائی کرتے ہیں۔آپ پہلے اصل عبرانی زبان میں ان پیش گوئیوں کو نقل کریں پھر ثابت کریں کہ مسیح نے ان کو اپنے اوپر لگایا ہے۔پھر یہ بھی ثابت کریں کہ کل مفسرین اور یہودی ان کے یہی معنی کرتے ہیں،تو ہم اس کو قبول کریں گے۔

} خلاصہ پرچہ ۲۳مئی ۱۸۹۳ء فریق ثانی:

اس کے جواب میں ڈپٹی آتھم نے پرچہ ۲۳مئی میں اول استقراء کی شرح کا سوال کیا

ہے۔ پھر قادیانی کے اس اصول کو کہ الہام اپنی شرح آپ کرے، تسلیم کیا۔ مگر اس کے ساتھ یہ ضمیمہ لگایا ہے کہ الہام کو سمجھنے کیلئے عقل ایسی ہے جیسے آنکھ کیلئے خارجی روشنی۔ پھر کہا ہے ان پیش گوئیوں کے معنی سمجھنے کیلئے یہودیوں کا اتفاق کیوں مانگا جاتا ہے؟ عبرانی لغت اور قواعد موجود ہیں جس لفظ پر آپ گرفت کریں گے، پیش کیا جائے گا۔ پھر کہا ہے پہلے نوشتوں میں یہ پیش گوئیاں مسیح پر لگائی گئی ہیں اور اس پر متی ۲۶ باب ۱۳، یسیعاہ ۶ باب ۱ تا ۱۲۔ بمقابلہ یوحنا ۱۲ باب ۴۰۔۴۱ وغیرہ کا حوالہ دیا ہے اور ۸ سطروں کو ناحق سیاہ کیا کیونکہ ان حوالہ جات میں سے عہد عتیق سے ایک بھی ایسا نہیں جس میں الوہیت کا ذکر یا اشارہ ہو۔ اور جدید سے جو اس الوہیت کا متضمن ہے اس کا ذکر پہلے پرچہ میں ہو چکا ہے۔ اور پھر پرچہ ۲۵ مئی میں مفصل ہوگا، یہاں اس کا مجمل ذکر فضول ہے۔ اخیر میں کتاب اللہ کے کمال اور نجات کی بابت سوال کیا ہے اور ایک اجنبی بحث کو چھیڑ دیا اور قادیانی کو اس میں تطویل کرنے اور اصل بحث سے نکل جانے کا خوب موقع دے دیا۔

} اس کے جواب میں قادیانی پرچہ دوم ۲۳ مئی ۱۸۹۳ء میں خوب کھل کھیلا ہے اور کہیں کا کہیں نکل گیا۔ اس جواب میں قادیانی نے دس باتیں کہی ہیں۔

۱۔ ڈپٹی آتھم جسم کو صرف مظہر اللہ جانتے ہیں اور اللہ روح کو جانتے ہیں تو کیوں صاف نہیں کہتے کہ ہم مسیح کو خدا جانتے ہیں۔

۲۔ جسم کسی شخص کا اسکا جزء نہیں ہوتا کیونکہ وہ چند برس کے بعد بدل جاتا ہے اور ایک نیا جسم آ جاتا ہے۔ تو مسیح کا پہلا جسم جس کے ساتھ انہوں نے تولد پایا تھا کفارہ نہ ہوا اور کسی کام نہ آیا۔

۳۔ اگر عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح درحقیقت خدا تعالی ہے تو مظہر کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا ہم انسان کو مظہر انسان کہہ سکتے ہیں۔

۴۔ اگر حضرت مسیح کی روح انسانی روح نہ تھی تو اس کا ثبوت دیں کہ انہوں نے مریم کے رحم میں اس طریق اور قانون قدرت سے روح حاصل نہیں کی، جس طرح انسان حاصل کرتے ہیں۔

۵۔ خدا اپنے صفات کاملہ میں تقسیم نہیں ہوسکتا۔ ایک صفت بھی باقی رہ جائے تو اس پر خدا کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ پھر خدا تین کیونکر ہو گئے۔ تفریق ناموں کی چاہتی ہے کہ کسی صفت میں کمی بیشی ہو۔ مگر جب عیسائی مان چکے ہیں کہ کسی صفت میں کمی بیشی نہیں تو پھر تینوں اقنوم میں مابہ الامتیاز کیا ہے۔

۶، جھاڑی کی جو تمثیل پیش کی گئی ہے اس کی نسبت سوال ہے کہ قرآن میں کہاں آیا ہے کہ یہ آواز

کہ : میں تیرا رب ہوں، آگ سے آئی تھی۔

۷۔قرآن میں اس موقع پر کہاں کہا ہے کہ میں اسحاق، ابراہیم کا باپ ہوں۔

۸۔تورات میں یک تن، یک من کی تشریح کہاں ہے۔

۹۔ اگر مسیح کو ابن اللہ کہنے سے یک تن ہونا نکالا ہے، تو اور انبیاء اس لقب کے زیادہ مستحق ہیں جن کو خدا کہا گیا ہے دیکھو یوحنا ۱۰۔ باب ۳۵، ۔

۱۰۔ ابن اللہ سے بڑھ کر تعریفوں کے متضمن جو مسیح کے حق میں پیش گوئیاں پیش کی گئی ہیں وہ ہماری شرط کے موافق نہیں۔ نہ یہودیوں نے ان کے وہ معنی کیئے جو عیسائی کرتے ہیں۔ نہ حضرت مسیح نے۔ بلکہ حضرت مسیح نے ان کو صاف رد کر دیا ہے چنانچہ یوحنا ۱۰۔ میں ہے۔

My father which gave them to me, is greater than all, and no man is able to pluck them out of my Father's hand.

I and my father are one.

Then the Jews took up stones again to stone him.

Jesus answered them many good works have I shewed you from my Father, for which of those works do you stone me?

The Jews answered him, saying, for a good work we stone thee not; but for blasphemy; and because that thou, being a man, makest thyself God.

Jesus answered them, 'Is it not written in your law, I said, Ye are gods?

If he called them gods, unto whom the word of God came, and the scripture cannot be broken .

Say ye of him, whom the father hath sanctified, and sent into thw world, Thou blasphemest; because I said, I am the Son of God? (John 10: 29-36 KJV)

} اس کے جواب میں ڈپٹی عبداللہ آتھم نے پرچہ اول ۲۴ مئی ۱۸۹۳ء میں اول قادیانی کے اس امر کو تسلیم کر لینے پر کہ آدم کی پیدائش استقراء سے مستثنیٰ ہے، خوشی ظاہر کی ہے۔ پھر قادیانی کے سوال اول کے جواب سے سکوت اختیار کر کے اس کے دوسرے سوال کے جواب میں کہا ہے کہ ہم انسانی جسم کو مسیح نہیں کہتے، اس کو مظہر اللہ کہتے ہیں، یعنی جائے ظہور اللہ۔ لہذا اس کا قائم و دائم رہنا کفارہ ہونے کیلئے ضروری نہ تھا۔

پھر اسکے تیسرے سوال کے جواب میں کہا کہ انسان میں تین چیزیں (جسم، جان، روح) ، علیحدہ علیحدہ ہیں۔ مسیح کا خدا یا مظہر اللہ ہونا ان ساری چیزوں سے علیحدہ ہے اور وہ قائم فی نفسہ ہے

پھر اس کی چوتھی بات کے جواب میں کہا ہے کہ مسیح کی انسانی روح قانون قدرت کے موافق پیدا نہیں ہوئی تاہم وہ خلقت میں مساوی ہے۔ اور ایک روح دوسری روح سے حاصل نہیں ہوتی۔ پھر کیوں کہا کہ مسیح کی روح مریم کی روح سے حاصل ہوئی۔ کیوں نہ کہیں کہ وہ نئی مخلوق ہوئی ۔ ماسوا اس کے الوہیت سے اس کو علاقہ نہیں۔ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ مظہر اللہ ماسوا انسانیت ہے۔

پھر بجواب سوال پنجم کہا ہے:

تثلیث ایک صورت میں ایک ہے دوسری صورت میں تین جیسے بیحدی اور بےنظری ہے کہ ان میں ایک مثل بیحدی قائم فی نفسہ ہے دوسری مثل بےنظیری لازم وملزوم۔

پھر جواب سوال ششم قادیانی کے سورہ قصص، سورہ ق، سورۃ طہ سے جھاڑی سے یہ آواز آنا کہ: میں تیرا رب ہوں، نقل کر کے قادیانی کو شرمندہ کیا۔

پھر بجواب سوال ہفتم قادیانی اپنی غلطی کو مان کر یہ کہا ہے کہ یہ ذکر توریت میں ہے، نہ قرآن میں۔

پھر بجواب سوال ہشتم قادیانی یہ اعتراف کیا کہ یہ ہمارا استنباط واجتہاد ہے، توریت میں یہ صریح الفاظ نہیں ہیں۔

پھر بجواب سوال نہم ودہم قادیانی کہا ہے کہ کسی نبی کے حق میں وہ الفاظ نہیں کہے گئے جو مسیح کے حق میں کہے گئے ہیں۔ اور ذکریا ویسیعاہ یرمیاہ کے مذکورہ بالا کا اعادہ کیا ہے، اور کہا یوحنا ۱۰ باب ۲۵ میں مسیح نے تو ان پیشگوئیوں سے انکار کیا نہ اثبات بلکہ صرف یہودیوں کی دہان بندی کی۔

} اس کے جواب میں قادیانی نے پرچہ ۲۴ مئی میں پہلے استقراء کی وہ شرح کی جو اس کے پرچہ اول سے منقول ہو چکی ہے۔ پھر ڈپٹی آتھم سے اس قاعدہ کو تسلیم کرنے کو نقل کیا ہے کہ الہام اپنی شرح آپ کرے مگر اس ضمن میں ایک ایسی بات ان کے ذمہ لگا دی ہے جو ان کے کلام سابق میں پائی نہیں جاتی۔ (گو اس پر ڈپٹی آتھم کا سکوت کرنا اس کا اس کو قائل بناتا ہے) وہ یہ کہ آپ کے نزدیک الہام کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنے دعاوی کو آپ دلائل عقلیہ سے ثابت کرے۔ پھر اس بات پر ان کو وہ الزام دیا ہے جو قبل ازیں قادیانی کلام سے نقل ہوا۔ پھر انجیل یوحنا باب ۱۰ کی یہ اصل عبارت نقل کی ہے:

میرا باپ جس نے انہی مجھے دیا ہے سب سے بڑا ہے۔اور کوئی انہیں میرے باپ کے ہا تھ سے چھین نہیں لے سکتا ۔ میں اور باپ ایک ہیں ۔تب یہودیوں نے پھر پتھرا ٹھائے کہ اس پر پتھراؤ کریں ۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ میں نے اپنے باپ کے بہت اچھے کام تمہیں دکھائے ہیں ۔ ان میں سے کس کام کے لئے تم مجھے پتھراؤ کرتے ہو۔ یہودیوں نے اسے جواب دیا اور کہا کہ ہم تجھے اچھے کام کے لئے نہیں بلکہ اس لئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تو کفر کہتا ہے ۔اور انسان ہو کے اپنے تئیں خدا بناتا ہے ۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو۔ جب کہ اس نے انہیں، جن کے پاس خدا کا کلام آیا، خدا کہا۔اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو۔تم اسے جسے خدا نے مخصوص کیا، اور جہاں میں بھیجا ہے ، کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ میں نے کہا، میں خدا کا بیٹا ہوں ۔،

پھر کہا، اب ہر ایک منصف سمجھ سکتا ہے کہ یہودیوں کا یہ اعتراض اور خیال تھا کہ مسیح اپنے تئیں خدا کا حقیقی بیٹا قرار دیتا ہے۔اس کے جواب میں حضرت مسیح نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ مجھ میں کوئی بات زیادہ نہیں ۔ دیکھو تمہارے حق میں تو خدا کا اطلاق بھی ہوا ہے۔اب ظاہر کہ اگر مسیح درحقیقت اپنے تئیں ابن اللہ جانتے تو اس بحث اور پرخاش کے وقت مردمیدان ہو کر صاف کہتے کہ میں درحقیقت ابن اللہ ہوں اور وہ تمام پیش گوئیاں پیش کر دیتے جو ڈپٹی صاحب نے پیش کی ہیں ۔اور یہ کہتے کہ تم تو صرف خدا کا بیٹا کہنے پر ناراض ہو گئے ہو میں تو بموجب فلاں و فلاں پیشگوئی قادر مطلق بھی ہوں ۔خدا کا ہمتا بھی ہوں ۔کون سا مرتبہ خدائی ہے جو مجھ میں نہیں ہے۔

آخر میں قادیانی نے کہا ہے کہ یہودیوں کا اتفاق اس لئے طلب کیا گیا ہے کہ مسیح نے خود کہا ہے کہ فقیہہ وفریسی موسی کی گدی پر ہیں، وہ جو کچھ تمہیں ماننے کو کہیں وہ عمل میں لاؤ ، ولیکن ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں پر کرتے نہیں۔

{ اس کے جواب میں ڈپٹی آتھم نے پرچہ دوم ۲۴ مئی ۱۸۹۳ء میں انجیل کی فضیلت و کمال اسی انجیل کے حوالوں سے بیان کی جس کو اصل مدعا سے کوئی تعلق نہیں ۔ پھر مرزا قادیانی کے معنی استقراء کو تسلیم کر کے کہا ہے کہ مسیح کا مقدمہ اس سے مستثنی ہے جس پر پیش گوئیاں سابق الذکر دلیل ہیں ۔مزید براں مسئلہ کثرت فی الوحدت عہد عتیق میں موجود ہے۔

اول پیدائش باب ۱ آیت ۲۶ میں کہ خدا نے کہا کہ ہم آدم کو اپنی صورتوں اور اپنی شکلوں پر بنا دیں۔

اور پیدائش۳ باب ۔آیت۲۲ میں کہ انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا ہے ۔ پھر یہودیوں سے اور سرسید احمد خان سے جا لپٹے ہیں اور ان کی تاویل کی عدم صحت کے مظہر ہوئے ۔ پھر کہا ، الوہیت مسیح ادراک سے باہر ہے اور ہم نے اس کا امکان عقل سے ثابت کر دیا ۔ آخر میں یوحنا باب ۱۰ کا وہی جواب دیا جو پہلے پرچہ ۲۳ مئی میں دے چکے ہیں ۔

And God said, 'Let us make man in our image. (Genesis 1:26)

So God created man in his own image, in the image of God created he him; male and female created he them. (Genesis 1:27)

And the Lord God said, behold, the man is become as one of us, to know good and evil. (Genesis3:22)

} اس کے جواب میں قادیانی نے پرچہ اول ۲۵ مئی ۱۸۹۳ء میں قرآن کے کمال کی بحث کی ہے جس کو اصل سوال الوہیت سے کوئی تعلق نہیں ۔

{ اس کے جواب میں ڈپٹی آتھم نے پرچہ ۲۵ مئی میں ایک فہرست پیش کی ہے جس میں پہلے الوہیت مسیح کے ثبوت میں یرمیاہ باب ۲۳ آیت ۶ سے نقل کیا ہے :۔

اس کے دنوں جوڈا نجات پاوے گا اور اسرائیل سلامتی سے سکونت کرے گا اور اس کا یہ نام رکھا جاوے گا ، خداوند ہماری صداقت اصل میں ہے ۔ یھودا صد قنیو ۔

پھر یسیعاہ ۷ باب ۱۴ سے نقل کیا ہے :۔

دیکھو کنواری حاملہ ہو گی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام ایمانوایل رکھیں گے ۔ تم منصوبہ باندھو پھر وہ باطل ہو گا ۔ حکم سناؤ پر وہ نہ ٹھہرے گا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے ۔

Behold, the days come, saith the Lord, that I will raise unto David a righteous branch, and a king shall reign and prosper, and shall execute judgement and justice in the earth.

In his day Judah shall be saved, and Israel shall dwell safely; and this is his name whereby he shall be called, the Lord Our Righteousness. (Jeremiah 23:5-6. KJV)

Therefore the Lord himself shall give you a sign: behold, a virgin shall conceive, and bear a son and shall call his name Im-man-u-el.

Butter and Honey shall he eat, that he may know to refuse the evil and choose the good (Isaiah

6:14-15)

اوراس کی تائید میں چند حوالے اور دیئے ہیں۔ پھر مسیح کے چند لازمی صفات سے اس کی الوہیت ثابت کی ہے اوراس پر عہد جدید کا حسب تفصیل ذیل حوالہ دیا ہے :

اول ازلیت۔اس کے ثبوت میں یوحنا ا باب سے یہ عبارت نقل کی ہے:

ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔سب چیزیں اس سے موجود ہوئی ہیں اور کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اس کے ہوئی ہو۔

In the beginning was the word, and the word was with God, and the word was God.

The same was in the beginning with God.

All things were made by him; and without him was not any thing made that was made.

(John1:1-3)

اور یوحنا ۸ باب ۵۸ سے نقل کیا ہے۔:

یسوع نے کہا: میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ پیشتر اس سے کہ ابراہام ہو، میں ہوں۔

اور مکاشفات ا باب ۸ سے نقل کیا ہے کہ:

میں الفا اور او میگا، اول آخر، جو ہے اور تھا، اور آنے والا قادر مطلق ہوں۔

I am Alpha and Omega, the beginning and the ending, saith the Lord, which is, and which was, and which is to come, the Almighty (Revelation 1:8)

دوم خالقیت: اس کے ثبوت میں یوحنا ا باب ۳۔۴ سے نقل کیا ہے:۔

سب چیزیں اسی سے موجود ہوئیں۔کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اس کے ہوئی ہو۔

سوم: محافظ کل ہستی۔ اس کے ثبوت میں فلسی ا باب ۱۷ سے نقل کیا ہے:

وہ سب سے آگے ہے اور اس سے ساری چیزیں بحال رہتی ہیں۔

چہارم۔لاتبدیل۔اس کے ثبوت میں عبرانی ۱۳۔۸ سے نقل کیا ہے:

یسوع مسیح کل اور آج اور ابد تک ایکسان ہے۔

پنجم۔ہمہ دانی۔ اس کے ثبوت میں مکاشفات ۲۔۲۳ سے نقل کیا ہے:

میں وہی ہوں یعنی مسیح جو دلوں اور گردوں کا جانچنے والا ہوں اور میں تم میں سے ہر ایک کو اس کے کاموں کا بدلہ دونگا۔

ششم۔حاضروناظر۔(مکانی)۔اس کے ثبوت میں متی ۱۸۔۲۰ سے نقل کیا ہے:۔
جہاں دو یا تین میرے نام پر اکھٹے ہوں وہاں میں ان کے بیچ میں ہوں۔(زمانی)
اس کے ثبوت میں متی ۲۸۔۲۰۔یوحنا ۱۔۲۵ کا صرف حوالہ دیا ہے۔
ہفتم قادر مطلق۔اس کے ثبوت میں یوحنا ۵۔۲۱ سے نقل کیا ہے:
جس طرح باپ مردہ اٹھا تا ہے اور جِلا تا ہے بیٹا بھی جنہیں چاہتا ہے جِلا تا ہے۔
اور مکاشفات ۱۔۸ سے قول سابق الذکر نقل کیا ہے۔
ہشتم: جس کو خوش بیانی سے سوم قرار دیا ہے۔المسیح مالک کل ہے:
اس کے ثبوت میں رومی ۱۴ باب ۹ سے نقل کیا ہے کہ:
مسیح اس لئے ہوا، اور اٹھا اور جیا کہ مردوں اور زندوں کا بھی خداوند ہوا۔تمطاؤس ۶۔۱۵، اعمال ۱۰۔۲۶ وغیرہ۔
نہم (یابقول آتھم چہارم) مسیح کل عالم کا اختیار رکھتا ہے: اس کے ثبوت میں متی ۲۸، ۱۸ سے نقل کیا ہے کہ:
یسوع نے پاس آکر اسے کہا کہ آسمان وزمین کا سارا اختیار مجھے دیا گیا ہے۔
دہم (یابقول آتھم پنجم) المسیح کی پرستش: اس کے ثبوت میں متی ۲۔۱۱ وغیرہ کو پیش کیا ہے
یازدہم (یابقول آتھم ششم) المسیح سے دعا مانگی جاتی ہے: اس کے ثبوت میں اعمال ۷۔۵۹ وغیرہ کو پیش کیا ہے۔
دوازدہم (یابقول آتھم ہفتم) المسیح دنیا کی عدالت کرے گا: اس کے ثبوت میں متی ۱۶۔۲۷ سے نقل کیا ہے:
مسیح ہر ایک کو اس کے عمل کے موافق بدلہ دے گا۔
سیزدہم (یابقول آتھم ششم) المسیح گناہ بخشتا ہے اس کے ثبوت میں متی ۹۔۶ سے نقل کیا:
ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے۔
چہاردہم (یابقول آتھم نہم) مسیح اپنے فرشتوں کو بھیجتا ہے۔اس کے ثبوت میں مکاشفات ۱۔اور متی ۱۳۔۴۱ پیش کیا ہے۔
ان حوالہ جات وعبارات کو نقل کرنے کے بعد ڈپٹی آتھم نے ایک نوٹ کے ضمن میں کہا ہے کہ اگر مسیح محض انسان ہوتا تو صفات مذکورہ بالا جو فقط ذات باری پر عائد ہوسکتی ہیں اس پر کس

طرح عائد ہوسکتیں۔

} اس کے جواب میں مرزا قادیانی پرچہ دوم ۲۵ مئی ۱۸۹۳ء میں وہی پرانا رونا رویا ہے کہ یہ پیش گوئیاں میری شرط کے موافق نہیں۔ میری شرط یہ تھی کہ پہلے الہامی کتاب سے دعوی الوہیت پیش کیا جاوے پھر عقلی دلائل سے ان کا ثبوت دیا جاوے اور پیش گوئیاں عقلی دلائل نہیں، بلکہ خود دعاوی ہیں جو محتاج ثبوت ہیں۔ اسکے بعد وہی پرانا قول مسیح کا یوحنا باب ۱۰ سے نقل کیا اور کہا کہ اس قول میں مسیح نے اپنی الوہیت سے صاف انکار کیا ہے۔ اس کے بعد کہا کہ مسیح خدا یا خدا کا بیٹا ہوتا تو یہودیوں کے جواب میں بقول ڈپٹی آتھم ڈر نہ جاتا اور تقیہ نہ کرتا بلکہ صاف الوہیت کا مدعی ہوتا اور اسکے ثبوت میں پیش گوئیاں پیش کرتا۔ اور دوسرا ثبوت اپنی الوہیت کا یہ پیش کرتا کہ میں نے فلاں چیز پیدا کی ہے۔ اسکے بعد ان پیش گوئیوں کے مقابلہ ومعارضہ میں چار مقام انجیل کے پیش کئے ہیں

اول وہ مقام جس میں مسیح نے قیامت کے علم سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔

دوم وہ مقام متی ۱۹۔۱۶ جس میں آپ نے اس شخص کو جس نے آپ کو نیک فرمایا تھا، فرمایا ہے کہ کوئی نیک نہیں مگر ایک خدا۔

سوم وہ مقام متی ۲۰۔۲۰ جس میں آپ نے بہشت کے دائیں بائیں بیٹھانے کی درخواست کے جواب میں فرمایا کہ اس میں میرا اختیار نہیں۔

چہارم وہ مقام متی ۲۶۔۳۸ جس میں آپ کا صلیب سے بچنے کے لئے رو رو کر دعا کرنا پایا جاتا ہے۔

پھر قادیانی نے کہا ہے کہ آپ نے حواریوں سے بھی دعا کرائی تھی جیسے عام انسان مصیبتوں کے وقت مسجدوں میں جاکر دعائیں کراتے ہیں، مگر وہ دعا قبول نہ ہوئی۔ پھر کہا اس سے وہ تمام پیش گوئیاں ردّ ہوگئیں۔

آخر میں قادیانی نے یہ کہا کہ اگر آپ مسیح کو قادر مطلق کہتے ہیں تو اس سے نشان طلب کریں۔ اور میں خدا تعالی سے (جو درحقیقت قادر مطلق ہے نہ بگفتن اور وہ مجھ سے بالمقابلہ نشان دکھانے کا وعدہ کر چکا ہے) طلب کرتا ہوں۔ اگر بالمقابلہ میں نشان دکھانے سے قاصر رہا، یا آپنے بھی میرے مقابلہ میں کوئی نشان دکھا دیا تو میں ہر ایک سزا اپنے اوپر اٹھا لوں گا۔

{ اس کے جواب میں ڈپٹی آتھم نے پرچہ اول ۲۶ مئی میں اکثر پرانی باتوں کا اعادہ کیا اور بعض جو نئی لکھیں وہ اصل مدعا سے اجنبی لکھیں۔

اول یوحنا باب ۱۰ کا وہی پرانا جواب دیا۔ اس میں اس قدر بڑھا دیا کہ یہ جواب اپنی انسانیت کی نظر سے دیا تھا اور آپ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی انسانیت سے بھی اپنے آپ کو ابن اللہ کہوں تو اس سے کچھ زیادہ نہیں کہ تمہارے نبی خدا کہلائے۔

پھر کہا کہ وہ اپنی انسانیت میں بھی مخصوص اور مرسلہ شخص تھا جس کے معنی الوہیت کے کئے گئے ہیں۔

پھر کہا کہ اس نے جو قیامت اور بہشت کے دائیں بائیں بٹھانے کے اختیار کی نفی کی ہے اس کے انسان ہونے کی نظر سے ہے۔ اور ایسے ہی نیک ہونے کی اور اکیلے خدا کے نیک ہونے کا اثبات اس شخص کے خطاب میں دیا جو اس کو نیک نہ سمجھتا تھا۔

پھر کہا کہ قرآن کا راہ نجات میں کمال کیونکر ہے۔

کہا کلمہ توحید سے حصول نجات ناممکن ہے، شیطان بھی خدا کو ایک جانتا اور ایک کہتا تھا

اور کہا کہ صداقت محتاج دلیل نہیں ہوتی لہذا وہ پیش گوئیاں جو خود صداقت و دلائل ہیں، محتاج ثبوت و دلائل نہیں ہیں۔

پھر کہا کہ مسیح نے بحیثیت انسانی کچھ نہیں بنایا مگر بحیثیت الوہیت سب کچھ اس نے بنایا۔ مسیح یہودیوں سے ڈر نہیں گیا بلکہ ان کے غصہ کو فرو کیا۔

پھر کہا کہ مسیح نے مظہر اللہ ہو کر وہ صفات ظاہر کئے ہیں جو اور طرح پر نہ ہو سکتے تھے۔

اور کہا کہ خدا کا باپ ہونا متی سے ثابت ہے:

خدا محبت ہے۔ یوحنا ۳۔۱۶۔ خدا روح ہے۔ یوحنا ۴۔۲۴۔

اور کہا کہ کثرت فی الوحدت توریت میں صاف لکھی تھی اور اس پر آیات منقولہ سابق کا حوالہ دیا۔

اور کہا فریسی اور فقیہوں کے حق میں مسیح کے قول کے (جو قادیانی نے پرچہ ۲۴ مئی میں دیا ہے) یہ معنی ہیں کہ وہ لوگ مخالف توریت ہیں۔

اور کہا کہ بدن مسیح کے زوال کو کفارہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

} اس کے جواب میں قادیانی نے پرچہ اول ۲۶ مئی میں کمال ونجات کی طولانی اور اجنبی بحث کی ہے اور اس کا ثمرہ نجات یافتہ سے نشان نمائی وصدور کرامات قرار دیا ہے۔ اور اس میں اپنے مخاطب سے چیلنج (طلب موازنہ ومقابلہ) کیا اور کہا کہ اگر آپ نجات پر ہیں تو نشان دکھاویں یا اپنے

عجز کا اقرار کر کے مجھ سے نشان طلب کریں۔ مجھے خدا تعالی نے فتح اور نشان نمائی کا وعدہ دیا ہے میں ضرور نشان دکھاؤنگا اور آپ پر فتح پاؤنگا۔

{ عبداللہ آتھم نے اس کے جواب میں پرچہ ۲۶ مئی یوحنا باب ۱۰ کا وہی پرانا جواب دیا ہے کہ مسیح نے یہودیوں کو یہ کہا تھا کہ میں انسان ہو کر بھی اپنے آپ کو ابن اللہ کہہ سکتا ہوں۔ اور کہا ہے کہ اس جواب کی نسبت یہ کہنا کہ مسیح نے یہ کیوں نہ کہا کہ میری الوہیت کی تصدیق فلاں فلاں پیش گوئی میں ہے، خدا کی کلام میں چون و چرا کرنا ہے۔ اور یہ کہنا ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ خدا نے دو آنکھیں پیشانی کے پیچھے کیوں نہ لگا دیں۔

پھر کہا کہ قادیانی نے یہ سچ نہیں کہا کہ مسیح نے حواریوں سے دعا چاہی۔

پھر کہا کہ نشان دکھانے سے ہم عاجز ہیں۔ اپنے اندر اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ لیکن جناب کو اس پر ناز ہے تو آپ نشان دکھاویں۔ یہ تین شخص پیش کئے جاتے ہیں۔ ایک اندھا، ایک لنگڑا، ایک گونگا۔ آپ ان کو اچھا کر دکھائیں۔ اور خلق خدا پر رحم کریں اور اپنا چیلنج پورا کریں۔

پھر کہا کہ نجات کے بارہ میں جو آپ نے کہا ہے اس کی پڑتال ہم آئندہ کریں گے کیونکہ اس کا موقعہ وہی ہے، جب ہمارے حملے شروع ہوں گے (اس قول میں ڈپٹی آتھم نے صاف اقرار کیا کہ اس موقعہ پر نجات کی بحث اجنبی ہے اور یہ نہ سوچا کہ پھر ہم نے اس بحث کو کیوں چھیڑا۔ اور پرچہ ۲۳، و ۲۶ مئی میں کیوں اس کی بابت سوال کیا اور قادیانی کو خروج از بحث کا کیوں موقعہ دیا)۔

} اس کے جواب میں قادیانی نے پرچہ دوم ۲۶ مئی میں پھر مسیح کا قول یوحنا باب ۱۰ سے پیش کیا۔ اور لفظ مخصوص اور مرسل کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ الفاظ موسیٰ اور ہارون کے حق میں کہے گئے ہیں اور اس پر چند حوالے دیئے۔

پھر نشان نمائی کی درخواست کا جواب یہ دیا ہے کہ ایسے خاص نشان دکھانا مسیحیوں کے لئے حضرت عیسیٰؑ نشان قرار دے گئے ہیں اور فرما گئے ہیں کہ اگر تم سچے ایماندار ہو تو تمہاری یہ علامت ہے کہ بیمار پر ہاتھ رکھو گے وہ چنگا ہو جائے گا۔ اور حضرت مسیح یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوتا تو اگر تم پہاڑ کو کہتے کہ یہاں سے چلا جا تو وہ چلا جاتا۔ بناء علیہ آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہی ان بیماروں پر ہاتھ رکھ کر انکو چنگا کر دیں۔ ورنہ رائی برابر بھی ایمان ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

پھر کہا کہ یہ الزام ہم پر عائد نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالی نے قرآن میں ہماری یہ نشانی

مقرر نہیں کی۔ اور یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تم کو یہ اقتدار دیا جائے گا کہ تم اقتداری طور پر جو نشان چاہو گے دکھاؤ گے بلکہ صاف فرما دیا ہے قل انما الآیات عند اللّٰہ (یعنی ان کو کہدے کہ نشان اللہ کے پاس ہیں)۔ جس نشان کو خدا چاہتا ہے اس کو ظاہر کرتا ہے۔

(یہاں تو یہ تصریح ہے اور کتاب دافع الوساوس کے صفحہ ۶۵۔ ۶۷ وغیرہ میں اہل کمال کیلئے اقتداری خوارق حاصل ہونے کا دعوی کیا۔ صفحہ ۶۷ میں کہا ہے اور ہمارے ہادی ومقتدی نبی ﷺ نے یہ اقتداری خوارق نہ صرف آپ ہی دکھلائے بلکہ ان خوارق کا ایک لمبا سلسلہ روز قیامت تک اپنی امت میں چھوڑ دیا۔ محمد حسین)

اور کہا حضرت مسیح بھی اقتداری نشان دکھانے سے عاجز رہے، مرقس ۱۸۔ میں ہے کہ اس نے فریسیوں سے آہ کھینچ کر نشان دکھانے سے صاف انکار کر دیا۔ یہودیوں نے کہا تھا کہ مسیح اسرائیل کا بادشاہ ہے تو صلیب سے اتر آوے، مسیح نہ اتر سکے۔ متی ۱۲۔ ۳۸ میں ہے کہ اس نے کہا کہ اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان مانگتے ہیں۔ پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان نہ دکھلایا جاوے گا۔

اور کہا کہ خدا تعالی نے مجھے جو نشان دکھانے کا وعدہ دیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا نشان ہوگا جو انسانی طاقتوں سے باہر ہوگا۔ معلوم نہیں کہ کس طور کا ہوگا۔ اگر میں اس میں جھوٹا نکلوں تو جو سزا آپ چاہیں مجھے منظور ہے۔ اور اگر مجھ سے ایسے خاص نشان چاہیں گے جیسے حضرت مسیح بھی نہیں دکھا سکے، بلکہ سوال کرنے والوں کو گالیاں سنا دیں تو میرے نزدیک ایسے نشان دکھانے کا دم مارنا کفر ہے (کتاب دافع الوساوس میں اس کفر کا آپ دم مار چکے ہیں۔ محمد حسین)

} اس کے جواب میں آتھم نے پرچہ ۲۷ مئی میں پہلے راہ نجات ونشانی نجات کی بحث کو آئندہ ہفتہ پر ملتوی کیا (اب آپ کو سوجھا کہ اس اجنبی بحث کو ہم نے بے وقت چھیڑا تھا۔ محمد حسین)۔

پھر قول یوحنا باب ۱۰ کی نسبت کہا کہ ہم اس کا جواب بار ہا دے چکے ہیں۔ اس کا اعادہ و تکرار کیوں چلا جاتا ہے۔

پھر لفظ مخصوص ومرسل کے بحق غیر مسیح مانے جانے سے انکار ظاہر کیا۔

پھر کہا کہ عیسائی مذہب میں نشان نمائی کی علامت ہمیشہ کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ ہمیشہ کی علامت محبت ہے اور اس پر اعمال ۸۔ ۱۴؛ اول قرنطی ۱۳ کا حوالہ دیا۔

پھر کہا کہ مسیح نے مطلق نشان دکھانے سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ خاص کر بد اور حرامکار لوگوں کو جو نشان دیکھ کر ٹھٹھا کرنے کو مزید نشان مانگتے تھے، نشان دکھانے سے انکار کیا۔

پھر کہا کہ حرام کار کو بد اور حرام کار کہنا گالی نہیں ۔ آپ ایک معصوم نبی کی طرف گالی دینے کو منسوب کرتے ہیں اور آپ اسلام کی موافقت نہیں کرتے ۔

} اس کے جواب میں قادیانی پرچہ ۲۷ مئی میں وہی پرانا رونا رویا ہے کہ میرے سوال کا جواب میری شرط کے موافق نہیں دیا۔ شرط یہ تھی کہ پہلے انجیل سے دعوی الوہیت مسیح پیش کیا جاوے ، پھر اسی انجیل سے اس کے عقلی دلائل نکالے جائیں ۔ مگر ڈپٹی صاحب نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ بجائے دلائل عقلیہ، انجیل ہی کی چند پیشگوئیوں کو، جو خود دعاوی ہیں ، نہ دلائل ، پیش کر دیا ہے ۔ ایسے دعاوی تو ہندو بھی اپنے پرانوں اور شاستروں سے پیش کرتے ہیں اور ان سے برہما، بشن، مہادیو، کی الوہیت ثابت کرتے ہیں ۔ پھر جب ان کے نقلی دلائل سے برہما، بشن، مہادیو کی الوہیت ثابت نہ ہوئی تو ان پیش گوئیوں سے مسیح کی الوہیت کیونکر ثابت ہو سکتی ہے ۔

پھر انجیل یوحنا باب ۱۰ سے قول پیش کیا۔ اور اس سے مسیح کا انکار الوہیت نکالا جو قادیانی کی کلام سابق میں نقل ہو چکا ہے ۔

پھر ان پیش گوئیوں کے مقابلہ میں چند آیات قرآن کو پیش کیا جن میں یہ بیان ہے کہ یہود و نصاری کے معبود عزیر و مسیح و احبار و رہبان لائق عبادت نہیں ہیں، یہ لوگ کسی چیز کے خالق نہیں

پھر اس کے بیچ میں محض اجنبی بات یہ بھی کہدی کہ مسیح نے کہا ہے کہ روح حق آوے تو تمہیں سچائی کی راہ بتاوے اور اس سے آنحضرت ﷺ مراد ہیں نہ روح القدس ۔

پھر ڈپٹی آتھم کے اس بات کا کہ، چاند سورج وغیرہ حضرت مسیح نے پیدا کئے ، یہ جواب دیا ہے کہ یہ دعوی ہے نہ کہ دلیل ۔

پھر عیسائیت میں نشان نمائی کے عام ہونے پر یوحنا ۱۴۔۱۲ سے نقل کیا کہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے، جو میں کام کرتا ہوں وہی کام کریگا۔ پھر اس کی دستاویز سے عیسائیوں سے نشان طلب کیا۔

پھر کہا کہ مسیح نے اگر خاص لوگوں کو نشان دکھانے سے انکار کیا تھا جو دیکھ چکے ہیں تو میں بھی تم کو ایک نشان دکھا چکا ہوں جس کا نور افشاں ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء میں ذکر ہے (یعنی پھر مجھ سے دوبارہ نشان مانگتے ہو تو میں بھی انکار کرسکتا ہوں جیسا کہ مسیح نے کیا تھا) ۔

پھر اخیر میں کہا کہ میں آئندہ بھی نشان دکھانے کو تیار ہوں ۔ صرف درخواست اور تحریر شرائط کی دیر ہے ۔

پھر گالی دینے کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ الزامی جواب ہے ۔ آپ ہی کے مذہب کے

موافق کہا گیا ہے۔ میں حضرت مسیح کو سچا نبی مانتا ہوں۔

} اس کے جواب میں قادیانی کے دوسرے خصم ڈاکٹر ایچ ایم کلارک ڈپٹی آتھم کی بیماری کی علت سے میدان میں آئے اور انہوں نے بھی اپنے پرچہ اول ۲۹ مئی ۱۸۹۳ء میں کئی پرانی باتیں آتھم کی کہی ہوئی کہیں۔ اور کچھ نئی کہیں جن میں بعض اصل مقصود سے اجنبی ہیں۔

اول آپ لکھتے ہیں۔ المسیح اور رام چندر، اور جلالی انجیل اور ہندوؤں کی کتابیں یکساں نہیں۔ ایسی تشبیہ گناہ ہے۔

۲۔ مدعیان الوہیت اگر جھوٹے ہوئے ہیں تو ان میں کوئی سچا بھی ضرور ہوگا، جیسے کھوٹے روپئوں میں کھرا بھی ہوتا ہے۔

۳۔ پیش گوئیاں جو پیش کی گئی ہیں خود صداقتیں ہیں نہ دعاوی۔ ان کو عقل سے پرکھنا ہمارا حق نہیں۔ خدا کی شہادت سب سے بڑھ کر ہے۔

۴۔ ان سب پیش گوئیوں کو مسیح نے اپنے اوپر کئی دفعہ لگایا ہے۔ دیکھو متی باب ۲۳۔ ۴۱۔ یوحنا ۵۔ ۲۹۔ متی ۱۱۔ ۱۰ وغیرہ۔

۵۔ یوحنا باب ۱۰ کا جواب کئی بار دیا گیا ہے۔ معلوم نہیں کیوں خیال میں نہیں آتا۔ مسیح نے الوہیت کا دعوائے پختہ کیا آپ نے فرمایا ہے:

ابتدا میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ کلام خدا تھا۔ کلام مجسم ہوا۔ جس کے پاس کلام پہنچا اس کا اتنا درجہ ہو گیا تو تم کلام مجسم کو کہتے ہو، کہ کفر بکتا ہے۔

۶۔ لفظ مخصوص کا غیر مسیح کے حق میں استعمال ہونا جن حوالوں سے آپ نے بتایا ہے ان کا پتہ ندارد ہے۔ لفظ مرسل یا بھیجا گیا مسیح کے حق میں اور ہی طرح تھا۔

یوحنا ۱۶۔ ۱۸ میں ہے: میں باپ سے نکلا ہوں اور پھر باپ کے پاس جاتا ہوں۔

۷۔ مسیح نے جو یوحنا ۱۰ میں کہا ہے اس کی نسبت آپ کا یہ کہنا کہ مسیح نے یوں کیوں کہا، یوں کیوں نہ کہا، اس بزرگ نبی سے اپنے آپ کو دانا کہنا ہے۔

۸۔ بموجب یوحنا باب اول مسیح نے سب کچھ بنایا، آپ نہیں مانتے تو انجیل کو جھوٹی کہیں

۹۔ مسیح نے انکار علم قیامت وغیرہ صفات بشری میں اپنے آپ کو فرو کیا۔

۱۰۔ رائی کے دانہ برابر ایمان ہم لوگوں میں نہ ہونیکے دعوی میں آپ نے ہمارے سر پر پشمینہ میں لپیٹ کر جوتی چلائی ہے۔ اس باب میں جو آپ نے مرقس باب ۱۶ پر بنیاد قائم کی وہ خام

ہے۔اس میں حال کے لوگوں کے لئے نشانی کا بیان ہے نہ آئندہ کے لوگوں کے لئے۔ مسیح نے صاف کہدیا ہے کہ دائمی نشان جس سے دنیا جانے گی کہ تم میرے ہو، نہ کرامات و معجزہ پر، محبت ہے۔ دیکھو یوحنا ۱۳: ۳۴-۳۵۔ یوحنا ۱۲-۱۴ میں مسیح حواریوں سے مخاطب تھے نہ آپ سے اور نہ مجھ سے

۱۱۔معجزہ ونشان ابتدا میں تھے تا کہ دینی تعلیم کو کامل کریں نہ ہمیشہ کے لئے کیونکہ جو شئے ایک دفعہ کامل کی گئی اس کو دوبارہ کامل کرنے کی ضرورت نہیں۔

۱۲۔مسیح معجزہ دکھانے سے انکاری نہیں ہوئے۔اس وقت بھی انہوں نے یونس نبی کا معجزہ دکھانے کا وعدہ کیا تھا۔

۱۳۔مسیح کے صلیب سے اتر نہ آنیکی وجہ یہ تھی کہ یہودی سنگدل تھے، وہ ایمان نہ لاتے۔

۱۴۔انسان کا بدن چار سال بعد تبدیل نہیں ہوتا بلکہ سات سال کے بعد ہوتا ہے۔آپ کے نزدیک ایسی تبدیلی کے باعث کفارہ محال ہے تو چاہیے کہ سات برس کے بعد شوہر اپنی بیوی کا خاوند نہ ٹھہرے، نہ باپ بچوں کا والد۔ جب سات برس گذر جائیں دوبارہ نکاح رجسٹریاں کرائیں

}	قادیانی نے پرچہ ۲۹ مئی ۱۸۹۳ء میں اکثر پرانی باتوں کا اعادہ کیا ہے اور جو نئی کہیں وہ اجنبی اور فضول کہیں۔ اولاً آپ کہتے ہیں کہ الوہیت مسیح کی قرآن نفی کرتا ہے۔ پھر اس مضمون کی چند آیتیں اور نقل کیں۔

۲۔ یہودی کسی ایسے مسیح کے منتظر نہ تھے جو دنیا میں خدا بن کر آنے والا ہے باوجودیکہ وہ ان پیش گوئیوں کو دن رات پڑھتے تھے جن سے مسیح کی الوہیت نکالی جاتی ہے کسی نے ان کے وہ معنی نہ سمجھے جو عیسائی کہتے ہیں۔ وہ سب کے سب متعصب نہ تھے۔

۳۔توریت خروج ۲۹ باب ۳ میں صاف لکھا ہے کہ تم زمین کی کسی چیز کو خدا نہ بناؤ۔اور لکھا ہے کہ اگر کوئی نبی معجزہ دکھا کر غیر معبودوں کی پیروی کو کہے تو تم اس کی بات نہ سنو۔

۴۔ مسیح نے خود فرمایا ہے کہ حیات ابدی یہ ہے کہ وہ تجھے اکیلا خدا اور یسوع مسیح کو جسے تم نے بھیجا ہے جانیں۔ یوحنا ۱۷-۳۔

۵۔ بھیجا کا لفظ توریت کے کئی مقام میں ان ہی معنوں سے ہے کہ خدا تعالی کسی بندہ کو نبی بنا کر بھیجے۔عیسائی اس لفظ کے اور معنی ثابت کریں تو بطور شرط جو چاہیں وصول کریں۔

۶۔عیسائیوں میں سے فرقہ یونی ٹیرین مسیح کو خدا نہیں مانتے۔کیا وہ انجیل کو نہیں مانتے یا ان پیش گوئیوں سے واقف نہیں۔

۷۔خود مسیح نے یوحنا باب ۱۰ میں اپنے تئیں خدا کہنے میں دوسروں کا ہم رنگ قرار دیا ہے اور قیامت کے علم سے لاعلمی ظاہر کی ہے اور اپنے آپ کو نیک کہنے کی اجازت نہیں دی۔

۸۔مسیح نے کہا ہے کہ پیش گوئیوں کے معنی وہ کرو جو یہودی کرتے ہیں۔

۹۔آپ کے معجزات دوسرے نبیوں سے کم ہوئے ہیں بوجہ اس تالاب کے جس کی مٹی میں صحت امراض کی تاثیر تھی۔

۱۰۔عقل بھی ان نامعقول خیالات کے مخالف ہے۔پھر اسقدر حملے اس عقیدہ الوہیت پر ہو رہے ہیں تو آپ کو الوہیت مسیح کیلئے ایسا ثبوت دینا چاہیے جس میں کوئی اختلاف نہ کر سکتا۔

۱۱۔یہ پیشگوئیاں ایسی نہیں، ان کی بابت اول یہودیوں سے فیصلہ کیجئے۔پھر یونی ٹیرین سے، پھر مسلمانوں کے سامنے ان کو پیش کیجئے۔

۱۲۔نشان دکھانا مسیح کے مخاطبوں حواریوں سے مخصوص ہے تو چاہیے کہ تمام انجیل ان ہی سے مخصوص ہو جس کی اخلاقی تعلیم میں حواری ہی مخاطب تھے۔

۱۳۔اخیر میں نشان دیکھنے یا دکھانے کا بڑی تطویل کے ساتھ سوال کیا اور اسی کو پورا فیصلہ ٹھہرایا اور کہا عیسائی مذہب کیوں بے پھل ہے کہ آپ نشان نہیں دکھا سکتے۔

{ اس کے جواب میں ڈاکٹر کلارک نے پرچہ دوم ۲۹ مئی ۱۸۹۳ء میں بہت سی پچھلی باتوں کا اعادہ کیا اور کچھ نئی باتیں کہیں جن میں بعض اصل مقصود سے اجنبی ہیں۔

اول آپ کہتے ہیں کہ یہودی گمراہ اور سنگ دل تاریکی کے بیٹے پیش گوئیوں کا فیصلہ ان کے سپرد کیوں ہوتا ہے۔

۲۔یونی ٹیرین کوئی عیسائی فرقہ نہیں۔(عیسائیو! کیا ڈاکٹر کلارک کا یہ قول حق ہے؟)۔

۳۔ایسی دلیل پیش کرنے سے جس میں کسی کا شک و اختلاف نہ ہو خدا بھی عاجز ہے۔ خدا کے وجود سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز روشن نہیں، ہزاروں احمق اس میں بھی اختلاف کرتے ہیں

۴۔عیسائی مذہب کو بے پھل کہا ہے۔اس میں ہم کو منافق اور ریاکار قرار دیا ہے۔ پہلے تو آپ کا دعوی پیغمبری سنا جاتا تھا، اب آپ دعوی الوہیت کرنے لگے۔دلوں کی باتیں بتانے لگے

۵۔اگر خدا کی ذات کو ہم سمجھ لیں تو پھر ہم اس کے مساوی ہو گئے۔اس لئے میں محمدی توحید کا قائل نہیں۔اس کو تو بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔اس وحدانیت کا کونسا امر سمجھ سے باہر ہے ولیکن کثرت فی الوحدت ایک مسئلہ ہے۔تو نہ اس کا سمجھنے والا پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔ذات الٰہی ایک ایسی

چیز ہے کہ نہ عقل سے ثابت کی جاتی ہے نہ عقل سے اس کی تردید کی جاسکتی ہے۔

۶۔ صحیح تعلیم اللہ کی کتابوں کی یہی ہے کہ تین اقنوم اور ایک خدا تعالی ظاہر کرتا رہا ہے کہ میں تمہارا نجات دہندہ ہوں۔ وقت پر کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور تم نے اس کا نام عمانوایل رکھنا۔ فرشتوں کی گواہی، حواریوں کی گواہی، روح القدس کبوتر کی شکل میں اتر آئے۔ دشمنوں نے بھی گواہی دی۔ انجیل میں سب گواہیاں موجود ہیں۔

۷۔ نشان جھوٹے نبیوں سے بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ استثنا ۱۳۔ ۱ و ۲۔ نیز مرقس ۱۳۔ ۲۲ بایں ہمہ آپ نے دعوے کر کے کچھ نہ دکھایا اور تاویل کر کے ٹال گئے۔

۸۔ ہم نے امور ذیل کا اثبات کیا اور آپ کے سوالات کا بخوبی جواب دیا۔ ۱۔ آپ کے استقراء کا یہ جواب کہ مسیح کا رسالت لے کر دنیا میں آنا مستثنی ہے۔ ۲۔ الوہیت مسیح کا عقل سے امکان اور آیات بائیبل سے وقوع ثابت کیا۔ ۳۔ یوحنا باب ۱۰ کا جواب دیا گیا۔ ۴۔ توریت و انجیل سے پیش گوئیاں پیش کی گئیں ہیں، یہودا صدقنو وغیرہ۔ ۵۔ مسیح کا انسان کامل و خدائے کامل ہونا ثابت کیا۔ ۶۔ علم قیامت وغیرہ سے مسیح کے انکار کا جوب دیا گیا۔ ۷۔ قرآن کی آیات کا جواب کہ ہم اس کو مستند نہیں جانتے۔ ۸۔ مرقس ۱۶ باب کا جواب دیا گیا۔ ۹۔ آپ کے دعوی کرامات و نشان نمائی کا جواب دیا گیا۔ مگر آپ نے ہمارے کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ جو کہا ہیچ۔ ۹۔ مباہلہ اور نشان نمائی کا جواب یہ ہے کہ لعنت کہنا تو ہمارا مذہب نہیں۔ نشان آپ نے خوب دکھایا۔ ۱۰۔ آپ کو فتح کا وعدہ دیا گیا تھا مگر آپ سے نہ عقلی دلیل کا مقابلہ ہوسکا نہ نقل کا، نہ الہام و کرامت آپ کے کام آئی۔ مگر فتح کسی اور پر شگفتہ ہوئی۔ یہ فتح اور ہر ایک جنگ میں فتح عیسائیوں کی ہے۔

یہ حصہ اول مباحثہ اور سوال الوہیت مسیح سے متعلق فریقین کی گفتگو کا خلاصہ مطالب ہے

حصہ دوم مباحثہ میں اور سوال متعلق کفارہ و جبر و اختیار میں جو گفتگو ہوئی ہے اس میں بھی شیر بہادر قادیانی الوہیت مسیح کی بحث کو کھینچ کر لے گیا اور آخر فریق ثانی کو بھی ناچار ہو کر اس میں کچھ کہنا پڑا۔ اس حصہ میں سے بھی ہم اس گفتگو کا جو الوہیت مسیح کے متعلق ہوئی ہے یہاں میں خلاصہ نقل کرتے ہیں۔

} قادیانی نے پرچہ ۳۰ مئی ۱۸۹۳ء میں کہا ہے کہ ڈپٹی آتھم کے نزدیک حضرت مسیح میں دو روحیں تھیں۔ ایک انسانی دوسری خدائی۔ اس پر ایک یہ سوال ہے کہ مدبر بدن دو روحیں تو ہو نہیں

سکتیں ۔ پس اگر ایک ہی خدائی روح مدبر ہے، تو پھر مسیح انسان کامل کیونکر ہوئے ۔ جسم کے لحاظ سے تو کوئی انسان انسان نہیں کہلا سکتا کیونکہ جسم معرض تحلل میں پڑا ہوا ہے ۔ اور اگر انسانی روح مدبر بدن تھی تو پھر خدائی روح کس کام آئی ۔ دوسرا سوال یہ کہ اگر مسیح روح کے لحاظ سے انسان تھے تو پھر خدا نہ ہوئے ۔ اور اگر روح کے لحاظ سے خدا تھے تو پھر انسان نہ ہوئے ۔

۲ ۔ عیسائیوں کے نزدیک باپ، بیٹا، روح القدس تینوں کامل تھے تو تینوں کے ملنے سے خدا کا زیادہ کمال ہونا چاہیے ۔ جیسے تین تین سیروں کے جمع ہونے سے ۹ سیر ہو جاتے ہیں ۔

۳ ۔ حضرت مسیح کی الوہیت پر عقلی دلائل بیان نہیں ہوئے، صرف پیشگوئیاں بیان ہوئی ہیں جو دعاوی ہیں نہ کہ دلائل ۔ اور یہودی ان کے وہ معنی نہیں کرتے جو عیسائی کرتے ہیں ۔

{ ڈپٹی آتھم نے اس کے جواب میں پرچہ دوم ۳۰ مئی میں کہا ہے کہ ہم اس مسیح کو جو مرئی ومخلوق ہے، اللہ نہیں کہتے ہیں، بلکہ مظہر اللہ کہتے ہیں اور اس باب میں ہم امکان عقل سے اور وقوع نقل سے ثابت کر چکے ہیں ۔ امکان ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ خدا قادر ہے کہ ستون میں سے، جو مٹی اور اینٹوں کا بنا ہوا ہے، جواب دے ۔ اس سے کون چیز مانع ہے ۔ اور اس سے کون سی صفت الٰہی گھٹتی ہے؟ ایسا ہی اس کا مخلوق میں ظہور ممکن ہے ۔ وقوع کلام الٰہی سے بیان کیا ہے ۔ آپ اس کو کلام الٰہی نہیں جانتے تو یہ دیگر بات ہے ۔

۲ ۔ مسیح میں دو روحیں نہیں بلکہ مخلوق کامل مسیح میں ایک روح کامل تھی لیکن خدا تعالیٰ اپنی ہستی سے، بجہت اس کے کہ بے حد ہے، ہر جگہ اندر و باہر موجود ہے (یعنی وہ روح مظہر اللہ تھی) ۔

۳ ۔ وزنوں کے بیان میں آپ نے لطیف خدا کو کثیف بنایا ۔ ہم خدا کی ذات کو کثیف نہیں جانتے ۔ وحدت فی الکثرت کی مثال بے حدی و بے نظیری ہے کہ ایک صورت میں ایک ہے، ایک صورت میں تین ۔ ایسے ہی اقانیم ثلاثہ، اقنوم اول قائم فی نفسہ ہے باقی دو اقنوم لازم وملزوم ۔

۴ ۔ کلام الٰہی (یعنی پیش گوئیوں) کو آپ دعاوی کہتے ہیں اور ان کے ثبوت کے لئے اور دلیل طلب کرتے ہیں ۔ کیا آپ اس کے کلام الٰہی ہونے میں متردد ہیں، یقین نہیں رکھتے ۔

} قادیانی نے اس کے جواب میں پرچہ ۳۱ مئی میں کہا ہے ۔

۱ ۔ ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کے نزدیک مسیح کی روح مخلوق تھی اور جسم بھی مخلوق تھا اور خدا تعالیٰ سے ان کا تعلق ایسا تھا جیسا کہ ہر چیز سے اور ہر جگہ سے ہے تو پھر خاص کر وہ مظہر اللہ کیسے ہوئے؟ ایسی مظہر تو ہر چیز ہے ۔

۲۔ روح القدس کے نزول سے وہ مظہر اللہ ہو گئے، تو اس سے بھی آپ کی کچھ خصوصیت نہیں۔ یہ روح القدس اوروں پر بھی نازل ہوئی ہے۔

۳۔ آپ کے نزدیک اقنوم دوم حضرت (عیسی) مجسم خدا تھے۔ اقنوم سوم روح القدس بھی کبوتر مجسم کی شکل میں اترا۔ اقنوم اول خدا تعالی بھی مجسم ہے کیونکہ یعقوب سے کشتی کی۔ یعنی پھر آپ کا خدا کو کثیف نہ ماننا کیا معنی رکھتا ہے۔

۴۔ وحدیت حقیقی و کثرت حقیقی ایک جگہ جمع کیونکر ہو سکتے ہیں۔ ایک کو اعتباری کہنا تو آپ کا مذہب نہیں۔

۵۔ مسیح دائمی طور پر مظہر اللہ تھے یا اتفاقی اور کبھی کبھی ہوتے تھے۔ دائمی تھے تو ان میں دائمی طور پر عالم الغیب و قادر مطلق ہونا پایا جانا ضروری تھا۔ حالانکہ انجیل اس کی تکذیب کرتی ہے۔

۶۔ مسیح کی روح ایک ہی انسانی تھی جس میں الوہیت کی آمیزش نہ تھی اور خدا کی روح اس کے ساتھ ایسی رہتی تھی جیسی ہر چیز کے ساتھ اور ہر جگہ ہے، جیسا کہ لکھا ہے کہ یوسفؑ میں بھی اس کی روح تھی۔ تو پھر حضرت مسیح اپنی ماہیت کے لحاظ سے کیونکر اقنوم دوم اور خدا ٹھہرے۔

۷۔ تینوں اقنوم برابر کامل ہیں تو تینوں کے ملنے سے خدا کی طاقت کیوں زیادہ نہ ہوگئی۔

۸۔ وزنوں کی ہم نے ایک مثال دی ہے، سو بھی آپ کی کتابوں سے ثابت کر دکھائی۔ آپ کثیف جسموں کی طرف ناحق کھینچ کر لے گئے۔

} اس کے جواب میں ڈپٹی آتھم پرچہ ۳۱ مئی میں لکھتے ہیں:

۱۔ مسیح نزول روح القدس کے وقت مظہر اللہ ہوئے۔

۲۔ ہر سہ اقانیم کا مجسم ہونا آپ نے بہت صحیح نہیں فرمایا تا، ہم مجلس ہونے سے وہ وزنی ہو جاتے (اصل میں ایسا ہی ہے مگر شائد لفظ ,نہیں، کاتب سے چھوٹ گیا) جیسا کہ آپ نے کہا ہے۔

۳۔ ہمارا تثلیث کو ماننا یوں ہے کہ ایک صورت میں ایک، دوسری صورت میں تین۔ اور ان تین میں اس قسم کا علاقہ ہے جیسے بے نظیری بے حدی سے نکل کر زمان و مکان دوسرا نہیں چاہتے تاہم دو صفات کی تعریف علیحدہ علیحدہ ہے اور یہ دونوں صفات ایک جیسے ہیں۔ ایسے ہی اقانیم کی صورت ہے کہ ایک قائم فی نفسہ ہے، دو لازم ملزوم ساتھ اس کے۔

} قادیانی نے اپنے پرچہ دوم ۳۱ مئی میں وہی بات کی ہے کہ آتھم نے سوالات و جواب میری شرط کے موافق پیش نہیں کئے۔ میری شرط یہ تھی کہ ہر یک دعوی انجیل سے پیش کیا جائے اور

دلائل معقول بھی اسی انجیل سے نکالے جائیں، آپ اس شرط کو چھوڑ کر گویا ایک نئی انجیل بنا رہے ہیں

۲۔ پھر کہا کہ آپ کا یہ کہنا کہ روح القدس کے نزول کے وقت سے مسیح مظہر اللہ ہوئے، پہلے مظہر اللہ نہ تھے، اس بات کو تسلیم کرنا ہے کہ تیس برس کی عمر تک مسیح محض اور خالص انسان تھے مظہر اللہ نہ تھے اور یہ آپ پر اقبالی ڈگری ہے۔ اور ہمارے لئے فتح عظیم ہے۔

۳۔ پھر اس روح القدس کے نزول سے مظہر اللہ ہو جانا بھی دعوی بلا دلیل ہے۔ روح القدس تو حضرت یحی وزکریا و یوسف و یوشع پر بھی اتری۔ اور کل حواریوں پر اتری تھی۔ پھر چاہیے کہ وہ بھی سب کے سب خدا ہو جائیں۔

۴۔ پھر کہا آپ کا ہر ایک خدا مجسم ہے تو پھر وزنی نہ ہونیکے کیا معنی۔ کوئی ایسا جسم آپ پیش کر سکتے ہیں جو وزنی نہ ہو۔ مگر شکر ہے آپ نے باپ بیٹے روح القدس تینوں کو مجسم تو مان لیا ہے

۵۔ پھر کہا آپ نے کثرت فی الوحدت اور وحدت کے بلحاظ جہات مختلفہ ایک جگہ پائے جانے کا دعوی کیا۔ مگر یہ نہ بتایا کہ آپ حقیقت کس کو جانتے ہیں، وحدت کو یا کثرت کو۔

{ اس کے جواب میں ڈپٹی آتھم نے پرچہ یکم جون ۱۸۹۳ء میں کہا ہے کہ میں نے یہ نہیں کہا کہ مسیح تیس برس تک الوہیت سے خالی رہے۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ خصوصیت مظہریت تب نمودار ہوئی، جب مسیح ہوئے۔ جب تیس برس کے ہوئے بپتسما پا کر یردن سے نکلے۔ اور یہ آواز آئی کہ میرا پیارا بیٹا ہے میں اس سے راضی ہوں تم اس کی سنو۔ اسی وقت سے وہ مسیح ہیں۔

} قادیانی نے اس کے جواب میں پرچہ یکم جون ۱۸۹۳ء میں ڈپٹی آتھم کے پرچہ ۳۱ مئی کی اصل عبارت نقل کر دی جس میں صاف تصریح ہے کہ مسیح، نزول روح القدس کے وقت مظہر اللہ ہوئے۔ نہ یہ کہ مخفی طور پر وہ پہلے بھی مظہر اللہ تھے، علانیہ تب ہوئے جب روح القدس اترے۔ یہ بات انکی عبارت سے ہرگز نہیں نکلتی۔

{ اس کے جواب میں ڈپٹی آتھم نے پرچہ دوم یکم جون میں لکھا ہے کہ میں نے تیس برس کے بعد مسیح کا مسیح ہونا بیان کیا ہے، نہ یہ کہ تیس برس تک وہ الوہیت سے خالی رہے۔ بے حدی سے تو کوئی چیز خالی نہیں، چہ جائے مسیح۔

۲۔ پھر کہا ہمارے نزدیک مظہر اللہ کے معنی جائے ظہور اللہ کے ہیں۔ واسطے عہدہ مسیحیت کے روح القدس اس امر کی گواہی کے لئے آیا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے، نہ اس لئے کہ وہ اس وقت اس کے اندر آن کر گھس جائے۔

۳۔ پھر کہا کہ آپ نے اس سوال کا جواب نہ دیا کہ جبریل، مریم کے پاس آئے تھے یا نہیں، اور مسیح کی پیدائش معجزہ ہے یا نہیں۔

} اس کے جواب میں مرزا قادیانی نے پرچہ دو جون میں لکھا ہے کہ ڈپٹی آتھم نے فرمایا ہے کہ بے حدی سے کوئی چیز خالی نہیں، چہ جائے کہ مسیح اس سے خالی رہے۔ یعنی نزول روح القدس سے پہلے بھی مظہر اللہ تھے کیونکہ عام معنوں میں تمام مخلوقات مظہر اللہ ہے اور یہ صاف اقرار ہے کہ مسیح خاص طور پر مظہر اللہ روح القدس کے بعد ہوئے۔ پہلے عام مخلوق کی طرح مظہر تھے

۲۔ پھر کہا کہ تین اقنوم کے ثبوت میں کوئی دلیل عقلی نہیں دی۔ یوں تو ہر ایک نبوت کے سلسلہ میں تین چیزوں (یعنی خدا، روح القدس یعنی فرشتہ ورسول) کا ہونا ضروری ہے۔ آپ صاحبوں نے خوش فہمی سے ان کا نام تین اقنوم رکھ لیا۔

۳۔ روح القدس جیسے مسیح پر آئی، ویسے اور نبیوں پر آئی، مسیح میں نئی بات کون سی تھی۔

{ اس کے جواب میں ڈپٹی آتھم نے پرچہ ۲ جون ۱۸۹۳ء میں کہا ہے کہ میں نے یہ نہیں کہا کہ پہلے سے بھی مظہر تھے، بلکہ یہ کہا ہے کہ اقنوم ثانی اور انسانیت کا باہم علاقہ رہا۔ مظہر تو وہ تب ہی ہوئے جب مسیح ہوئے۔ یعنی تیس برس کے بعد۔

۲۔ تثلیث کا کافی ثبوت دیا گیا ہے، عقل سے اس کا امکان بتایا گیا، کلام الٰہی سے وقوع

۳۔ بجز حضرت مسیح کس نبی پر روح القدس بشکل کبوتر اترے۔ کون سا نبی اس امر میں ان کا مساوی ہے۔

} اس کے جواب میں قادیانی نے پرچہ دو جون ۱۸۹۳ء میں لکھا ہے کہ

۱۔ مظہریت سے پہلے اقنوم ثانی کا انسانیت سے علاقہ ہونا لائق تسلیم نہیں جب تک صریح نقل انجیل سے اس امر کو ثابت نہ کیا جائے۔

۲۔ پھر کہا کہ عقل سے امکان تثلیث ثابت نہیں کیا گیا۔ عقل کا فیصلہ ہمیشہ کلی ہوتا ہے۔ اگر عقل مسیح کا داخل تثلیث ہونا روا رکھتی ہے تو اوروں کیلئے یہ بھی امکان واجب کرے گی۔

۳۔ پھر کہا کہ کبوتر چھوٹا سا جانور ہے۔ اگر قوی الجثہ ہاتھی یا اونٹ کی شکل پر روح القدس نزول کرتے تو اس پر ناز کی جگہ تھی۔

{ اس کے جواب میں ڈپٹی آتھم نے پرچہ ۳ جون میں اولاً کہا ہے،

۱۔ جناب نے کلام کے مجسم ہونے پر تکرار کیا ہے۔ کلام یعنی اقنوم ثانی انجیل یوحنا کے

پہلے باب میں لکھا ہے کہ کلام مجسم ہوا مگر مظہریت اس کے واسطے تیس برس کی عمر میں ظاہر ہوئے۔

۲۔ پھر کہا کہ آپ تو تثلیث فی التوحید پر بار بار اعتراض کرتے ہیں آپ پہلے توحید مطلق کو تو بدون صفات متعددہ ثابت کریں۔

۳۔ پھر کہا کہ صفت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک قوت ہو جو خاص قسم واحد پر حاوی ہو۔ ذات وہ ہے جو جامع صفات ہو۔ ہم صفت کو اقنوم قرار نہیں دیتے۔ اقنوم شخص معین ہے جو مجموعہ صفات ہے۔ اقانیم ثلاثہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شئے قائم فی نفسہ ہے اور دوسری مساوی اسکے لازم وملزوم۔ اقنوم اول باپ ہے اور وہ قائم فی نفسہ ہے۔ اور دوسرے اقانیم ابن وروح لازم وملزوم۔

۴۔ روح القدس کو قادیانی کے ہاتھی سے نسبت یا تشبیہ دینے پر آتھم نے آنحضرت ﷺ کو سیمرغ سے تشبیہ دی اور آنحضرت ﷺ کی سخت توہین کی جسکا مظلمہ قادیانی پر ہے۔ اس نے آیت لا تسبّو الّذین یدعون من دون اللّٰہ فیسبّوا اللّٰہ عدواً بغیر علم کو پس پشت ڈال کر عیسائیوں کے ایک معبود (روح القدس) کو ہاتھی بنایا تو انہوں نے اس کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کو.....۔ بنایا۔ پھر کہا۔

۵۔ سوائے خدا کوئی شخص نیک نہیں، مسیح نے اس شخص کو کہا تھا جو مسیح کو خدا نہیں جانتا تھا۔

In the beginning was the word, and the word was with God, and the word was God.

The same was in the beginning with God.

All things were made by him; and without him was not any thing made that was made.

In him was life; and the Life was light of men.

And the light shineth in the darkness; and darkness comprehended it not (John 1: 1-5)

} اس کے جواب میں قادیانی نے ۵ جون ۱۸۹۳ء کے پرچے میں کہا کہ

۱۔ آپ کے اس اعتقاد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کا جسم بھی خدا تھا۔ لیجئے حضرت یک نہ شد دو شد۔

۲۔ پھر کہا آپ کے اس قول پر کہ اقنوم کے معنی شخص معین کے ہیں اور یہ تین جدا جدا اشخاص ہیں، اور ماہیت ایک ہے، یہ سوال ہے کہ یہ تینوں شخص اور تینوں کامل ہیں تو پھر باوجود اس حقیقی تفریق کے اتحاد ماہیت کیونکر ہے۔ نظیر بے حدی و بے نظیری کی اس مقام سے کچھ تعلق نہیں رکھتی۔ کیونکہ وہاں حقیقی تفریق قرار نہیں دی گئی۔

۳۔ پھر کہا ستون میں خدا بولنے کا امکان ہے ،تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ستون خدا یا ابن اللہ کہلا وے۔ بلکہ جیسا پہلے تھا ویسا کہلا وے گا۔ نیز ایک ستون میں بولنا دوسرے ستون میں بولنے سے مانع نہیں۔ ایک ہی سیکنڈ میں ہزاروں ستون میں وہ بول سکتا ہے۔مگر یہ آپ کے اصول کے برخلاف ہے۔

۴۔ مسیح کا بلا پدر پیدا ہونا میری نگاہ میں عجوبہ بات نہیں۔حضرت آدمؑ کے ماں باپ دونوں نہ تھے۔آپ برسات آتے ہی ضرور باہر جا کر دیکھیں کہ کتنے کیڑے مکوڑے بغیر ماں باپ کے پیدا ہوتے ہیں۔اس سے مسیح کی خدائی کا ثبوت نکالنا صرف غلطی ہے۔

{ اس کے جواب میں ڈپٹی آتھم پرچہ ۵ جون میں کہا ہے مجسم ہونے سے..

(میرے پاس اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ کا صفحہ ۲۴۸۔۲۴۹ موجود نہیں۔شائد ان صفحات پر آتھم کے پرچہ ۵ جون اور قادیانی کے پرچہ ۵ جون کا خلاصہ ہے اور اس کے بعد مولانا بٹالوی نے تبصرہ شروع کیا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی کے بیان کردہ اس اصول پر تبصرہ ہو رہا ہے:

> الہامی کتاب وہ ہے جو اپنے دعاوی کے دلائل خود بیان کرے۔کوئی دوسرا اس کے دعاوی کے دلائل سے تعرض نہ کرے اور جس کتاب کے دعاوی کے دلائل کو کوئی دوسرا شخص بیان کرے گا اس کتاب کو الہامی تسلیم نہ کیا جائے گا۔

تبصرے کو آغاز کے فقرات موجود نہ ہونیکے باعث حذف کر کے صفحہ ۲۵۰ سے نقل کیا جاتا ہے۔ بہاء)

....تصدیق کا محتاج نہیں ہے۔اور ایک ملہم کا بیان لاکھ مورخ کے بیان سے مقدم اور احق بالتصدیق ہے اور وہ ان کی شہادت کی ضرورت نہیں رکھتا۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ کسی مسلمان مرد یا عورت کو یہ نہیں پہنچتا کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی امر میں فیصلہ فرماویں تو ان کو اس کے ماننے یا نہ ماننے کا اختیار باقی رہے۔ جو کوئی اللہ اور رسول کا نافرمان بردار ہو وہ ،یعنی اس نے اپنا اختیار باقی سمجھا ،وہ صاف بھول گیا۔

> وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللّٰہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یّعص اللّٰہ و رسولہ فقد ضلّ ضلا لاً مبیناً۔
>
> احزاب۔ ع ۵۔

ہر چند آسمانی کتابوں خصوصاً قرآن مجید فرقان حمید نے اپنے بہت سے دعاوی و بیانات واحکام و ہدایات کو خود دلائل عقلی سے ایسا مدلل کر دیا ہے کہ اس کو عام اہل عقل یا خواص دقائق شناش

بخوبی سمجھ رہے ہیں ۔ (چنانچہ قرآن کریم میں حرمت خمر و قمار کو اس دلیل سے مدلل فرمایا ہے کہ ان سے آپس میں عداوت اور لڑائی اور خدا کی یاد سے غفلت اور روک پیدا ہوتے ہیں یا ایّھا الّذین آمنوا انّما الخمر و المیسر و الانصاب والازلام رجس مّن عمل الشّیطان فاجتنبوہ لعلّکم تفلحون ۔ انّما یرید الشّیطان ان یوقع بینکم العداوۃ و البغضاء فی الخمر و المیسر و یصدکم عن ذکر اللّٰہ وعن الصلوۃ فھل انتم منتھون ۔ مائدہ ع ۱۲ ۔ اور حکم افسری شوہر بہ نسبت زوجہ کو دو دلیلوں سے مدلل فرمایا کہ ایک تو ان کو قدرتی فضیلت ہے دوسری وہ مال خرچ کرتا ہے الرّجال قوّامون علی النّساء بما فضل اللّٰہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا ۔ (نساء ع ۵) فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأ تان ممّن ترضون من الشھداء ان تضل ا حدا ھما فتذ کر ا حد ھماا لا خری ۔ بقرہ ع ۳۹)۔؟؟؟ ولیکن کلیت کے ساتھ ان کتابوں کے ہر ایک دعوی میں بیان عقلی دلائل کا التزام پایا نہیں جاتا ۔ اوران میں بہت سے ہدایات اور بیانات ایسے پائے جاتے ہیں جن کا عقلی یا تاریخی ثبوت نہ ان کتابوں میں پیش کیا گیا ہے اور نہ ان کتابوں کو الہامی ماننے والے اشخاص سے ہر شخص اپنی طرف سے اس کا عقلی یا تاریخی ثبوت پیش کرسکتا ہے ۔

جیسے وجود وصفات ملائکہ ہیں جن پر ایمان لانے کا حکم قرآن میں آچکا ہے ۔ پھر اس کا ثبوت عقلی اس کتاب میں پیش نہیں کیا گیا ۔ اور نہ ہر مسلمان ان کے وجود وصفات پر عقلی دلائل بیان کرنے کی قدرت رکھتا ہے ۔ یا حکم حرمت نکاح امہات واخوات وحلت نکاح اجانب ہے جو قرآن میں فرمایا گیا ہے مگر اس حکم کا عقلی ثبوت اس میں نہیں دیا گیا ۔ اور نہ عام مسلمانوں سے وہ ثبوت بیان ہوسکتا ہے ، گوخواص علماء اسلام نے اس کا کافی ثبوت دے دیا ہے ۔ یا قصہ اصحاب کہف وقصہ ذوالقرنین ہے ، جن کے واقعہ ہونے کی نسبت قرآن نے صرف دعوی کیا ہے اور اس کا کوئی تاریخی ثبوت وحوالہ نہیں دیا جس کی وجہ سے قرآن کو (حقیقۃً یا ادعاء) ماننے والے اس کی مختلف تفسیریں کر رہے ہیں (سرسید احمد خان ازالہ الغین میں اس کی تفسیر کچھ کر رہے ہیں ۔ حکیم نور الدین تصدیق براہین احمدیہ میں کچھ اور ۔ اور مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب رسالہ ازالۃ الرین میں کچھ اور ۔ اگر قرآن میں اس کا تاریخی ثبوت یا حوالہ ہوتا تو یہ اختلاف کیوں پڑتا ؟) جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں ۔ وعلی ہذا القیاس ۔ پھر کیا ان کتابوں کو ماننے والے کی یہ شان اور یہ مقتضائے ایمان ہے کہ ایسے دعاوی و بیانات کی صحت سے انکار کرے ۔ اور ان دعاوی و بیانات کے قرآن میں غیر مدلل ہونے سے اس کے الہامی

ہونے سے منکر ہو جائے؟ نہیں نہیں ہر گز نہیں۔ بلکہ ایسا التزام عام کہ ان کتابوں میں ہر ایک دعوی و بیان و ہر حکم و ہدایت پر عقلی دلائل و تاریخی شواہد کا ایراد ہو، ان کتابوں کے الہامی ہونے کو بٹہ لگاتا ہے۔ اور ان کتابوں کی ہدایات واحکام واخبار پر ایمان بالغیب کو مٹاتا ہے۔ اور ان کے تسلیم وایمان کو صرف عقلی وتواریخی دلائل سے مستفاد قرار دے کر شرعی ایمان کی حد سے خارج کرتا ہے۔

الہامی کتابوں کا ہر ایک دعوی و بیان ان ہی کتابوں میں عقلی دلائل و تواریخی شواہد سے مدلل کیا گیا ہوتا تو پھر ان کا الہام کس کام آتا اور اس کا اثر ونتیجہ کیا ہوتا؟ اور جب ان دعاوی و بیانات کو عقلی دلائل وتواریخی شواہد سے مدلل ومستند دیکھ لیتے تو پھر ان کتابوں پر ایمان بالغیب کہاں رہتا۔ اور ایسا ایمان محل تکلیف وموجب اجر وثواب کیونکر ہو سکتا ہے۔

کیا دو دو نے چار یا ایک کو دو کا نصف مان لینے یا آفتاب کو روشن وشعاع دار تسلیم کرنے کا حاتم طائی کو سخی اور سکندر، دارا بادشاہ کو تاریخی شہادت سے مان لینے کو شرعی ایمان کہا جاتا ہے؟ اور کوئی عاقل اس کو محل تکلیف موجب ثواب قرار دے سکتا ہے۔ نہیں نہیں ہر گز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے احکام وعقاید کے صدہا اسرار علماء اسلام نے ایسے بیان کئے ہیں جن کا بیان صریح قرآن میں نہیں پایا جاتا۔ اور اس امر کو قرآن مجید کے نقائص نہیں سمجھا گیا بلکہ اس کا کمال تسلیم کیا گیا ہے جس کی طرف نص لا تنقضی عجا ئبه مشعر ہے۔ علماء اسلام کا عجائبات واسرار احکام قرآن کی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ اگر روئے زمین کے علماء اور عقلاء مل کر اسرار قرآن بیان کریں تو وہ اس کو پورا بیان نہ کر سکیں گے۔ اس کے بعد ایسے علماء وعقلاء اور پیدا ہوں گے کہ وہ بر طبق ہر کہ آمد براں مزید نمود، اور ہی اسرار بیان کریں گے۔

اور اگر بقول قادیانی بیان اسرار دلائل کتاب الہامی کا اسی کتاب میں انحصار ہوتا اور اس کتاب کے پیروان اور حامیوں کا یہ حق نہ ہوتا کہ وہ ان احکام کے اسرار ودلائل اپنے خداداد فکرِ رسا سے بیان کریں تو علماء اسلام احکام قرآن کے دلائل واسرار کے بیان سے تعرض نہ کرتے اور اپنے اس بیان کو قرآن کا فخر وکمال نہ سمجھتے۔ قرآن کے عدم التزام بیان اسرار دلائل جملہ احکام اور علماء کے تعرض بیان اسرار دلائل احکام قرآن سے صاف ثابت ہے کہ قادیانی نے جو اس کے برخلاف اصول مقرر کیا:

کہ الہامی کتاب وہ ہے جو اپنے دعاوی کے دلائل خود بیان کرے۔ کوئی دوسرا اس کے دعاوی کے دلائل سے تعرض نہ کرے اور جس کتاب کے دعاوی کے دلائل کو کوئی دوسرا شخص بیان کرے

گا اس کتاب کو الہامی تسلیم نہ کیا جائے گا۔،

ملحدانہ اصول ہے جس سے قادیانی کا مقصود یہ ہے کہ اہل مذاہب خصوصاً اہل اسلام جب اپنی کتابوں کے دعاوی واحکام اپنی کتابوں میں موجود نہ پائینگے تو ان کتابوں کی پیروی سے دست بردار ہو جائیں گے اور اپنے مذہب خصوصاً اسلام کو سلام کر کے قادیانی کی طرح ملحد و دہریہ بن جائینگے۔

اس پردہ دری اور افشاء راز دلی پر اگر مرزا قادیانی یہ کہے کہ میرے نزدیک قرآن مجید کا ہر ایک دعوی یا حکم قرآن مجید ہی میں عقلی اور تواریخی دلائل سے مدلل ہے لہذا اس اصول کی تاثیر سے لوگوں کا قرآن اور اسلام سے دست بردار ہو جانا ناممکن ہے۔ تو اس کے جواب میں اس سے یہ سوال کیا جائے گا کہ اگر آپ کا دلی اعتقاد یہی ہے تو براہ مہربانی آپ یہ فرماویں کہ زمانہ قدیم سے اس وقت تک کتنے مسلمان ایسے چلے آئے ہیں، یا اب موجود ہیں، جو قرآن کے ہر ایک دعوی یا حکم کے دلائل عقلی یا تاریخی اس قرآن سے نکال سکتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں وہ ضرور یہی کہے گا کہ تھوڑے اور بہت تھوڑے جو ایک ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کئے جا سکتے ہیں اور اس زمانہ میں تو ہمارے (خود بدولت قادیانی کے) اور ہمارے مخلص احباب حکیم نور دین وغیرہ کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو قرآن سے اس کے احکام اور دعاوی کے دلائل عقلی نکال کر بیان کر سکے۔ اس جواب سے صاف نتیجہ نکلے گا کہ اکثر مسلمان جو اس وقت قرآن کے منکر اور اس کے احکام و دلائل کا ثبوت عقلی یا تواریخی نہیں نکال سکتے، اس اصول کے ذریعہ سے قرآن کے منکر اور دین اسلام سے مرتد ہو جائیں گے جب وہ ان دلائل کو اپنے سمجھ و خیال میں قرآن میں نہ پاویں گے۔ اور یہ وہی نتیجہ ہے جو ہم نے آپ کے اس ملحدانہ اصول سے نکالا ہے۔

قادیانی اگر دل سے مسلمان ہوتا اور مذہب سے اس کو کچھ تعلق ہوتا تو بجائے اس ملحدانہ اصول کے کہ:

کتاب الہامی کے دعوی کی عقل یا تاریخ مصدق ہو تو وہ الہامی کتاب ہو سکتی ہے۔،

یہ اصول بیان کرتا کہ:

الہامی کتاب وہ ہے جس کا کوئی دعوی محال و قرار داہ عقل انسانی کے مخالف نہ ہو، یا واقعات اتفاقیہ تاریخیہ اس کے مکذب نہ ہوں۔،

اس اصول سے وہ ان کے عقیدہ الوہیت مسیح یا تثلیث کو آسانی سے باطل کر سکتا تھا۔ اور اسلام کے کسی اصول و مسئلہ پر حملہ آور بھی نہ سمجھا جاتا، اور ملحد و زندیق نہ کہلاتا۔ کیونکہ الوہیتِ

مسیح محال اور فتوی عقلِ انسانی کے مخالف ہے۔اس لئے اس اصول سے اسکا ابطال ہوسکتا ہے۔ اور اسلام کا کوئی اصول ومسئلہ عقلِ انسانی اور واقعات اتفاقیہ تاریخی کا مخالف نہیں ہے (گو اس کے بعض احکام وعقاید احاطہ ادراک عقل سے خارج ہیں۔عقل ان کی کنہ اور حقیقت کو نہیں پہنچتی، اور اس وجہ سے ان کی تصدیق وتکذیب دونوں سے قاصر وعاجز ہے) ایسے ہی تاریخ ان کی تصدیق یا تکذیب سے ساکت ہے ولہذا اسلام پر اس اصول کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اور محال اور مجہول الکنہ میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔اول کو عقل جائز نہیں رکھتی بلکہ صاف رد کرتی ہے۔اور ثانی کے ادراک سے عاجز ہونے کے سبب سے اس کی نہ تصدیق کرتی ہے اور نہ اس کو ردّ کرتی ہے۔ایسا ہی تواریخ کی تصدیق یا موافقت اور عدم تکذیب یا عدم مخالفت میں فرق ہے۔تاریخ کسی امر کی تصدیق یا موافقت اسی صورت میں کرتی ہے جب کہ وہ امر تاریخ میں مذکور ہو۔اور عدم تکذیب یا عدم مخالفت سکوت محض سے بھی ہوسکتی ہے۔یعنی جس امر سے تاریخ ساکت ہو، اس کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ تاریخ اس کی مکذب یا مخالف نہیں ہے۔مگر قادیانی چونکہ فلسفہ ومنطق سے جاہل ہے وہ ان الفاظ اور ان کے مفاہیم میں فرق نہیں کرتا۔اور ایک کی جگہ دوسرے کو استعمال میں لاتا ہے۔اور اس سے اپنا جاہل اور زندیق ہونا ثابت کر رہا ہے۔

اس اصول ملحدانہ کی تقریر میں قادیانی نے جو ثانیاً استقراء کو تاریخی سلسلہ کا ایک جزء ٹھہرایا ہے، اس میں اس نے اپنی جہالت کا اظہار کیا ہے اور اتنا نہیں سمجھا کہ استقراء عقلی دلیل ہے (چنانچہ خود قادیانی نے قول آئندہ میں اس کو قیاسات کا یقینی قسم ٹھہرایا ہے) اور تاریخ نقلی سلسلہ ہے۔ پھر امر عقلی، سلسلہ نقلی کا جزء کیونکر ہوسکتا ہے؟

سوال اول کی تقریر میں جو ثالثاً آیت قد خلت من قبلہ الرّسل سے قادیانی نے استدلال کر کے کہا ہے کہ

> یہ (آیت) قیاس استقرائی کے طور پر ایک استدلال لطیف ہے کیونکہ قیاسات کی جمیع اقسام سے استقراء کا وہ اعلی شان کا مرتبہ ہے کہ اگر اس کو یقینی اور قطعی مرتبہ سے نظر انداز کر دیا جائے تو دین ودنیا کا سلسلہ بگڑ جائے۔اسی جہت سے اللہ جل شانہ نے سب سے پہلے قیاس استقرائی کو پیش کیا ہے اور فرمایا کہ حضرت مسیح بے شک نبی تھے مگر وہ انسان تھے۔تم نظر اٹھا کر دیکھو کہ جب سے یہ سلسلہ تبلیغ احکام اور کلام الہی نازل ہونے کا شروع ہوا ہے، تب سے انسان ہی رسول ہو کر آئے ہیں، یا کبھی اللہ کا بیٹا بھی آیا ہے

اس میں قادیانی نے جہالت اور کفر کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ جہالت اس کا اس بات پر زور دینا ہے کہ قیاس استقرائی قطعی ویقینی دلیل ہے۔ قیاس استقرائی سے قادیانی کی جو مراد ہے اس کی تفصیل اس نے پرچہ ۲۴ مئی ۱۸۹۳ء میں بایں الفاظ کی ہے:

آتھم مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ استقراء کیا چیز ہے اور استقراء کی کیا تعریف ہے۔ اسکے جواب میں واضح ہو کہ استقراء اس کو کہتے ہیں کہ جزئیات مشہودہ کا، جہاں تک ممکن ہو، تتبع کر کے باقی جزئیات کا ان ہی پر قیاس کر دیا جائے۔ یعنی جس قدر جزئیات ہماری نظر کے سامنے ہوں، تاریخی سلسلہ میں ان کا ثبوت مل سکتا ہو تو جو شان خاص اور ایک حالت قدرتی پر وہ رکھتے ہیں اس پر تمام جزئیات کا اس وقت قیاس کر لیں۔

اور پھر اسی مراد سے قیاس استقرائی کو قطعی ویقینی بھی کہہ دیا ہے۔ یہ ایسی جہالت ہے جس پر ادنی طالب علم، جس نے منطق کے کوچہ میں بھولے سے بھی گذر کیا ہو، اور اس کے ابتدائی رسائل ایسا غوجی، تہذیب وغیرہ کو دور ہی سے دیکھا ہو، جرأت نہیں کر سکتا۔ ایسا استقراء جس کی مرزا قادیانی نے تفسیر کی ہے باتفاق عقلاء ظنی ہے اور چھوٹی بڑی کتابوں میں اس کے ظنی ہونے پر تصریح موجود ہے۔ ہم قادیانی اور اس کے ان اتباع کو جو کسی قدر علم کہلاتے ہیں، اور پھر اس کی ایسی جاہلانہ باتوں پر اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں (جیسے حکیم نور الدین بھیروی، اور مولوی محمد احسن امروہی) کو نادم کرنے کے لئے منطق کی ایک چھوٹی سی کتاب تہذیب اور اس کی شرح کی عبارت مع ترجمہ و تشریح نقل کرتے ہیں جو اس استقراء کو ظنی قرار دیتے ہیں۔ تہذیب میں کہا ہے:

الاستقراء تصفح الجزئيات لاثبات حكم كلّي ۔ هو اما تا م يتصفح حال الجزئيات باسرهاوهو يرجع الى القياس المقسم كقولنا كل حيوان اما ناطق او غير ناطق و كل ناطق حساس و كل غير ناطق حساس ينتج كل حيوان حساس و هذا القسم يفيد اليقين و اما ناقص يكتفى فيه بتتبع اكثر الجزئيات كقولنا كل حيوان يحرك فكه الاسفل عند المضغ لانّ الانسان كذلك و الفرس و البقر كذلك الى غير ذلك مما صادفناه من افراد الحيوان و هذا القسم لا يفيد الّا اظن اذ من الجائز ان يكون من الحيوانا ت التى لم نصادفه ما يحر ك فكه الاعلى ، عند المضغ كما نسمعه فى

التمساح ۔ شرح تهذيب المنطق ۔ کہ استقراء جزئیات کی تتبع وتلاش (جس سے حکم کلی ثابت کرنا مدنظر ہو) کا نام ہے۔اس کی شرح میں کہا ہے کہ استقراء دوقسم ہے۔ایک کامل دوسرا ناقص ۔کامل وہ ہے جس میں تمام جزئیات (یعنی نہ صرف اکثر) کا تتبع پایا جائے یہ استقراء قیاس مقسم کی طرف رجوع کرتا ہے (جو قضیہ منفصلہ اور حملیہ سے مرکب ہوتا ہے) جیسا ہمارا یہ کہنا کہ جو حیوان ہے وہ دو حال سے خالی نہیں۔وہ ناطق ہوگا (جیسا انسان ہے) یا غیر ناطق (جیسے گھوڑا) اور جو ناطق ہے وہ دیکھنے والا چھونے سننے والا ہے۔اور جو غیر ناطق ہے وہ بھی دیکھنے یا چھونے سننے والا۔ اس سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ جو حیوان ہے وہ دیکھنے، چھونے، سننے والا ہوتا ہے ۔یہ قسم استقراء (قیاس مقسم) یقین کا سبب ہوتا ہے۔ناقص وہ ہے جس میں اکثر جزئیات کے حال کا تتبع کیا جاتا ہے اوراس سے تمام جزئیات کا حکم نکال کر اس حکم کو کلی بنایا جاتا ہے (اوراسی استقراء کی قطعیت کا قادیانی کو دعوی ہے) اور یہ قسم استقراء کا بجز ظن کسی امر کے مثبت نہیں ہوسکتا۔ اس کی مثال ہمارا یہ قول وقیاس ہے کہ جو حیوان ہے وہ کسی چیز کو کھانے اور چبانے کے وقت اپنے منہ کا نیچے کا جبڑا ہلایا کرتا ہے جو اس تتبع وتلاش بعض جزئیات سے پیدا ہوا ہے کہ انسان کو دیکھا جاتا ہے تو وہ نیچے کا جبڑا ہلاتا ہے، گھوڑے، گائے ،بھینس کو دیکھا جاتا ہے تو وہ نیچے کا جبڑا ہلاتے ہیں۔ایسا ہی جس حیوان کو ہم نے پایا اس کے نیچے کا ہی جبڑا ہلتا دیکھا ہے۔اس سے ہم نے قیاس کیا اور حکم کلی لگا دیا کہ جو حیوان ہے وہ نیچے ہی کا جبڑا ہلاتا ہے مگر یہ قیاس بجز ظن کسی امر کا مثبت نہیں ہوتا کیونکہ اس امر کا جواز وامکان موجود ہے کہ جن حیوانات کو ہم نے نہیں دیکھا وہ نیچے کا نہیں بلکہ اوپر کا جبڑا ہلاتے ہوں جیسا کہ سنسار (جس کو عربی میں تمساح اور فارسی میں نہنگ کہتے ہیں) کا ایسا ہی حال سنا گیا ہے)۔

قادیانی صاحب! اس عبارت کو پڑھ کر ڈوب مرو۔حکیم نورالدین اور منشی محمد احسن! اگر قادیانی شرم نہ کرے تو آپ ہی کچھ شرم سے کام لیں اور کچھ کھا کر مرجائیں یا آئندہ ایسے جاہل کا (جو استقراء قیاس غیر مقسم کو قطعی کہتا ہے) ساتھ چھوڑ دیں یا ہم کو کسی چھوٹی بڑی کتاب منطق میں د کھلا دیں کہ ایسا قیاس جسکی قادیانی نے تفسیر کی ہے قطعی ویقینی ہوتا ہے اوراس پر جو چاہیں انعام لیں

اس قول میں جو کفر ہے وہ مرزا قادیانی کا یہ کہنا ہے کہ خداتعالی نے اس آیت میں قیاس استقرائی سے کام لیا ہے اور تتبع جزئیات کرکے اس پر قیاس کیا ہے، اوراس سے یہ عام اور کلی حکم نکال لیا ہے کہ جو نبی ہوا ہے وہ انسان ہوا ہے۔

اس میں قادیانی کئی کفر بکا ہے:

۱۔ خدا تعالی کے علم کو جزئیات سے مستفاد ٹھہرایا ہے۔

۲۔ اوراس کے لئے استکمال بالغیر تجویز کیا ہے۔

۳۔ اوراس کے علم کو تابع فروع وحوادث بنا کر حادث ٹھہرایا ہے۔

قرار داد اہل اسلام میں خدا تعالی کا علم ذاتی و ازلی ہے۔ خدا تعالی حوادث جزئیہ کو ان کے موجود ہونے سے پہلے جانتا تھا، ان جزئیات سے اس نے علم حاصل نہیں کیا۔ اس آیت میں اس نے اپنے علم ذاتی اور قدیم کا اظہار کیا اور اپنے ذاتی علم سے فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بھی ایسے ہی انسان تھے جیسے پہلے رسول انسان گزرے ہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہوا کہ خدا تعالی نے حضرت آدمؑ و حضرت ابراہیمؑ وحضرت موسیٰؑ وغیرہ انبیاء کو انسان دیکھ کران پر قیاس کیا ہو اوراس سے نکال لیا ہو کہ دیگر رسول بھی انسان ہی ہونگے۔ یہ قیاس تو انسان کا کام ہے جو جزئیات کی تتبع سے حاصل کرتا ہے نہ کہ خدا تعالی کا جس کی ذات اپنے غیر سے غنی، اس کا علم قدیم ساری صفات قدیم کہ:

علمش قدیم ست وذاتش غنی

عیسائیوں کے اس سوال مقدر کے کہ بائیبل میں مسیح کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے، کے جواب میں جو قادیانی نے رابعاً کہا ہے کہ اس صورت میں بیٹوں کی تعداد بڑھ جائے گی کیونکہ بائبل میں اوروں کو بھی بیٹا کہا گیا ہے، بلکہ بعض کو پہلوٹھا۔ یہ جواب درحقیقت لاجواب ہے۔ اس میں قادیانی مسلمانوں کے ساتھ رہا اورعیسائیوں سے اس کے جواب میں کچھ بھی بن نہیں پڑا۔

آیت قد خلت من قبلہ الرّسل سے جو قادیانی نے دوسری دلیل نکالی ہے اور خامساً یہ بات کہی ہے کہ امّہ صدّیقہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت مسیح اگر خدا کے حقیقی بیٹے ہوتے تو اوروں کی طرح اپنے تولد میں والدہ کے محتاج نہ ہوتے۔ یہاں تک تو مرزا قادیانی کا کہنا درست و بجا ہے۔ بے شک مطلق احتیاج و افتقار خواہ کسی چیز کی طرف ہو، الوہیت کے منافی ہے۔ خدا تعالی صمد ہے وہ کسی امر میں کسی کا محتاج نہیں۔ اور ہر ایک کی حاجت وہ پوری کرتا ہے۔ اس کے بعد جو قادیانی نے سادساً کہا ہے کہ

مسیح کی والدہ انسان تھی تو ضرور ہے کہ حضرت مسیح بھی انسان ہوں، کیونکہ ہر جاندار کی اولاد اس کی نوع کے موافق ہوتی ہے۔ اور قانون قدرت خداوندی اسی طرح واقع ہے

اس پر آیت مذکورہ بالا یا تمام قرآن میں کوئی حرف شاہد نہیں اور نہ قرار داد اہل اسلام

میں اس کی تائید وتصدیق پائی جاتی ہے۔ نہ قانون قدرت خداوندی اس کا مصدق ہے، نہ عقل اس پر شاہد ہے۔ بلکہ اس کا ماخذ قادیانی کا چھپا مذہب نیچری ہے اور اسی مذہب نیچری سے اس نے یہ بات نکالی ہے کہ ایک حیوان سے اس کی نوع سے مغائر پیدا ہونا قانون قدرت کے برخلاف ہے۔ قانون قدرت سے اسکی مراد یہی نیچر ہے جس کے نام لینے سے اس کو تقیہ مانع ہے۔

قرآن کا تو یہ حکم ہے انّ اللّٰہ علی کلّ شیءٍ قدیر یعنی خدا ہر شئے پر (جو صلاحیت وجود و امکان رکھتی ہے اور مشیت ایزدی اس کے متعلق ہوسکتی ہے) قادر ہے۔ وہ چاہے تو مٹی سے انسان پیدا کر دے جیسا کہ اس نے پہلے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور آخر حشر کے وقت یونہی زمین سے انسان کو کھڑا کر دے گا۔ قرار داد اہل اسلام یہ چلا آیا ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضرت صالح کی اونٹنی کو پہاڑ شق کر کے پیدا کیا، جس سے اس وقت تک کسی مسلمان نے انکار نہیں کیا۔ ہاں اس مسئلہ میں منکر ہیں تو آپ قادیانی صاحب ہیں یا آپ کے پیر و مرشد و ہادی و رہبر سرسید احمد خان جنہوں نے اپنی تفسیر میں اس سے انکار کیا ہے۔

قانون قدرت یا (قادیانی کے سمجھانے کو یوں کہو) نیچر محسوس و مشاہد میں بھی ایسا ہی دیکھا گیا ہے کہ بعض حیوان اپنی نوع کے مخالف مادہ سے جفت ہوتے ہیں تو ان سے ایسے مولود پیدا ہوتے ہیں جو نہ تو نر کی نوع سے ہوتے ہیں نہ مادہ کی۔ بلکہ اور ہی نوع کے ہوتے ہیں ازانجملہ ایک خچر ہے جو نہ گدھے کی نوع سے ہے نہ گھوڑے کی نوع سے۔ درختوں میں اس کی نظیر سنگترہ (یا رنگترہ) ہے جو دونوں جانب (نر، مادہ) کی نوع نہیں ہے بلکہ تیسرا نوع ہے۔ رنگترہ پر مٹھے کا پیوند کرنے سے پھر رنگترہ کی نوع کے مخالف مٹھے لگنے شروع ہوجاتے ہیں۔

عقل کے فتوی سے یہ امر کہ ایک چیز سے اس کی نوع سے مغائر چیز پیدا ہو جائے، حدّ امکان میں داخل ہے اور کوئی عقلی دلیل اس امر کے محال ہونے پر قائم نہیں ہے اور نظائر مذکورہ بالا اس امکان کی فعلیت ظاہر کر رہی ہیں۔

اس بیان سے صاف ثابت ہے کہ قادیانی کی وہ بات قرآن اور قرار داد اہل اسلام اور قانون قدرت اور عقل سب کے مخالف ہے ومعہذا اس کو آیت مذکورہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور نہ ابطال الوہیت مسیح کے لئے اس بات کے کہنے کی کچھ ضرورت ہے۔ اس ابطال کیلئے یہی بات کافی ہے جو آیت مذکورہ سے سمجھی جاتی ہے (اور قادیانی نے بھی کہی ہے) کہ حضرت مسیح کی والدہ تھیں جس سے وہ پیدا ہوئے اور وہ اپنی پیدائش میں اسکے محتاج تھے وبس۔

آیت مذکورہ سے جو قادیانی نے تیسری دلیل نکالی، اور سابعاً یہ بات کہی ہے کہ حضرت مسیح اوران کی والدہ کھانا کھایا کرتے اوراس کے محتاج تھے۔ اور یہ احتیاج کھانے کی الوہیت کے منافی ہے، یہ بھی درست و بجا ہے۔ بے شک مطلق احتیاج کھانے کی طرف ہو یا کسی اور چیز کی طرف الوہیت کے مخالف ہے۔مگر جو اس کے ساتھ قادیانی نے اپنے خانگی وخیالی فلسفے بگھارے، اور یہ بات کہی ہے کہ انسان کو کھانے کی احتیاج اس لئے ہوتی ہے کہ اس کا بدن تحلیل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ چندسال میں پہلا بدن معدوم ہوکر دوسرا بدن پیدا ہو جاتا ہے، اور کھانا تحلیل شدہ بدن کا بدل بنتا ہے، یہ محض لغو و بے ہودہ بات ہے۔اس کو نہ آیت کے کسی لفظ یا اس کی تفسیر سے تعلق ہے، نہ ابطال الوہیت مسیح اس پر موقوف ہے۔ مرزا قادیانی نے یہ اجنبی بات کہہ کر خروج از بحث کیا اوراپنے خصوم کواس کے متعلق فضول نکتہ چینی کا موقع دیا۔ چنانچہ ملاحظہ اقوال آئندہ فریقین سے ناظرین کومعلوم ہوگا انشاء اللہ۔

یہ قادیانی کی تقریر پرچہ اول کے مطابق اسلامی رائے ہے۔اب فریق ثانی کے پرچہ اول کے متعلق رائے ظاہر کی جاتی ہے۔اس مقام میں گوصرف مضامین پرچہ اول فریق ثانی کا ریویو مدنظر ہےمگر اس فریق کے جملہ متمسکات کا (جوالوہیت مسیح کے متعلق اس فریق نے پیش کئے ہیں اور وہ انکے دوسرے پرچوں میں مذکور ہیں) ریویوبھی اس مقام میں کیا جائے گا تاکہ بار باراس کے ریویو کی نوبت نہ آوے اورضرورت نہ رہے۔

تقریراول فریق ثانی کے متعلق اسلامی رائے

آتھم نے جوقادیانی کی تیسری بات کے جواب میں اولاً کہا ہےاسکا مضمون اور مطلب درست ہےاوراس کا جواب قادیانی سے کچھ بن نہیں سکا۔مگرڈپٹی آتھم کا طرز بیان عمدہ ومطلب خیز نہیں اوراس سے اس کا مطلب بخوبی ادانہیں ہوا۔ڈپٹی آتھم کی جوتحریر وتقریر ہم نے دیکھی ہے وہ ایسی ہی پائی جس کا مطلب اس سے بخوبی سمجھ میں نہ آیا اور وہ مطلبش دربطن شاعر کا مصداق معلوم ہوا

ہم اس کا مطلب اپنی عبارت میں ادا کرتے ہیں تاکہ ناظرین کومعلوم ہو کہ وہ مطلب درست ہے، اور جو جواب اس کا مرزا قادیانی نے دیا ہے وہ درست اور مطابق سوال نہیں ہے۔

ڈپٹی آتھم کا یہ مطلب ہے کہ اگر خدا تعالی کی قدرت وافعال واقوال کا امتحان بھی انسانی استقراء سے ضروری ہے اور جو بات خدا کی انسانی استقراء کے موافق معلوم نہ ہو وہ لائق تسلیم نہیں ہے،تو چاہیے کہ خدا کی صفت خالقیت کوبھی نہ مانیں کیونکہ انسانی استقراء وتتبع سے عموماً خلق کی یہی

صورت نظر آئی ہے کہ ایک مادہ (لکڑی یا مٹی یا لوہے وغیرہ) سے ایک چیز بنائی جاوے اور اس کے بنانے کے لئے آلات، اوزار، تیشہ، ہتھوڑا وغیرہ ہوں۔ جو چیزیں انسان بناتا ہے اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو بغیر مادہ اور بغیر آلات کے بنائی گئی ہو۔ اور خاص کر انسان کی خلق و پیدائش کی صورت انسانی استقراء و تتبع میں یہی نظر آتی ہے کہ مرد و عورت جفت ہوں اور ان دونوں سے بچہ تولد ہو۔ مگر عام خلق خداوندی میں بقول اہل مذاہب سماوی یہ صورت خلق، جو استقراء میں آئی ہے، پائی نہیں جاتی اور نہ خاص خلق آدم و مسیح میں یہ صورت استقرائی خلق کی پائی گئی ہے۔ بلکہ اہل اسلام خصوصاً مسلمان عام صفت خلق کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں

ام خلقوا من غیر شیء (یعنی بغیر مادہ وآلات) ام ھم الخالقون ۔(طور۔ع ۲)،

کہ خدا تعالی نے عالم کو بغیر مادہ کے بنایا اور اس خلق میں آلات و اوزار کا محتاج نہیں ہوا۔ اور خلق حضرت آدمؑ کی نسبت مسلمان و اہل کتاب یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آدم کو خدا تعالی نے بغیر کسی مرد و عورت کے صرف مٹی سے پیدا کیا۔ اور خلق حضرت مسیح کی نسبت مسلمان اور نصاری یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کو خدا تعالی نے صرف والدہ سے پیدا کیا۔ اور اگر خدا کی قدرت و افعال میں انسانی استقراء واجب اللحاظ ہے اور جو چیز اس کے موافق معلوم نہ ہو اس سے انکار لازم ہے، تو چاہیے کہ خدا تعالی کی عام صفت خالقیت سے انکار کیا جائے اور حضرت آدم کا بلا مادر و پدر ہونا اور مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا تسلیم نہ کیا جائے۔ حالانکہ اس سے قادیانی کو بھی انکار نہیں ہے۔ وہ بھی مانتا ہے کہ خدا نے عالم کو بغیر مادہ و آلات پیدا کیا اور آدم کو بلا مادر و پدر اور مسیح کو بلا پدر پیدا کیا ہے۔ اور جب کہ خدا کی صفت کی خالقیت اور حضرت آدم و حضرت مسیح کی پیدائش برخلاف صورت استقراء انسانی تسلیم کی گئی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے افعال و اقوال میں اس انسانی استقراء کا کچھ لحاظ نہیں ہے اور جس چیز کی نسبت خدا نے فرما دیا ہو کہ ہم نے اسکو ایسا کیا، یا وہ چیز باتفاق کل خدا کا فعل تسلیم کی جائے، اس میں انسانی استقراء کی موافقت کی شرط ایک ڈھکوسلہ ہے اور محض الحاد۔

مسٹر آتھم کا اس قول سے یہی مطلب ہے تو مسٹر آتھم پر واجب ہے کہ اپنے قصور بیانی کا معترف ہو کر آئندہ تقریر و تحریر کا کبھی نام نہ لیں، قلم توڑ دیں، اور کاغذ پھاڑ ڈالیں اور ہمارا شکریہ ادا کریں کہ ہم نے ان کی مردہ تقریر میں جان ڈال دی۔ اور اس کے جواب سے قادیانی کی عاجزی ظاہر کر دی۔ اور اس صورت میں جو کچھ قادیانی نے اس مطلب کے جواب میں کہا ہے وہ ہیچ و پوچ ہے۔ چنانچہ ناظرین کو اس کے جواب کے ملاحظہ سے یقین ہوگا۔ مگر اس سے وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ

جس مدعا کے واسطے انہوں نے یہ تقریر کی تھی ہم نے وہ مدعا مان لیا۔نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ہم نے ان کی تقریر کو شائستہ پیرایہ میں ادا کر کے صرف یہ ظاہر کر دیا ہے کہ خدا کی قدرت وافعال واقوال کے لئے انسانی استقراء معیار و پیمانہ صحت نہیں ہوسکتا اور قادیانی کا مجوزہ استقراء محض ایک ڈھکوسلہ ہے اس سے زیادہ یہ نہیں مانا (اور نہ ڈپٹی آتھم کی کلام میں اس کا ثبوت پایا جاتا ہے) کہ خدا تعالی نے بجز انسان کسی کو رسول بنا کر بھیجا ہے، یا اپنی پاک کلام میں اس کا اظہار فرمایا ہے کہ ہم نے اپنے حقیقی بیٹے یا اپنی جزء اور تیسرے حصہ (One of three equal Gods) کو رسول بنایا ہے۔اس باب میں جو کچھ ڈپٹی آتھم یا اس کے ثانی اثنین ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک یا روئے زمین کے کسی عیسائی نے کہا ہے وہ صرف دعوی ہی ہے جس کا کوئی ثبوت انہوں نے نہیں دیا۔اور اس کا خلاف (حضرت مسیح کا خدا یا تیسرا حصہ خدا نہ ہونا) ہمارے اس پرچہ میں اور دیگر تصانیف اہل اسلام اور توحیدی عیسائیوں میں ایسا ثابت ہے کہ اس میں تثلیثی عیسائیوں کو دم مارنے کی جگہ نہیں ہے۔

ڈپٹی آتھم نے قادیانی کی ساتویں بات کے جواب میں جو ثانیاً وثالثاً کہا ہے کہ

ہم مسیح کے جسم کو (جو کھانے پینے کا محتاج ہے) اللہ نہیں جانتے بلکہ مظہر اللہ کہتے ہیں، جیسے وہ جھاڑی تھی جس سے انی انا اللّٰہ کی آواز آئی تھی،

اور یہ امر کہ خدا ستون میں سے آواز دے کر کہے کہ میں تمہارا خدا ہوں،

ممکن ہے گو تجربہ یعنی ہمارے مشاہدہ واستقراء کے مخالف ہے۔ہم نے ابن اللہ کو جسم نہیں مانا۔ہم تو اللہ تعالی کو روح جانتے ہیں جسم نہیں۔یہ ایسا قول ہے جس کے معنی اور تو کوئی کیا سمجھے گا، ڈپٹی آتھم خود ہی نہیں سمجھے۔اور طرفہ یہ کہ قادیانی بھی اس کا مطلب کچھ نہیں سمجھا اور اس کا جواب اس نے کئی دفعہ دیا ہے۔جیسے کسی عقل مند نے اپنے مخاطب سے کہا تھا کہ میں تیرا سوال تو سمجھا نہیں مگر جواب اس کے دو دیتا ہوں،۔ہم اس قول کے قائل (آتھم) اور اس قول کے مجیب (قادیانی) سے چند سوال کرتے ہیں اور اس قول اور اسکے جواب کا مطلب ان سے پوچھتے ہیں۔

ڈپٹی صاحب کی مراد مظہر سے اگر مظہر ذات ہے اور جسم مسیح کے مظہر خدا ہونے سے یہ مقصود ہے کہ خدا کی ذات نے جسم مسیح میں ظہور کیا اور وہ بذات خود مجسم ہو کر اس جسم وشکل میں ظاہر ہوا جس کو مسیح کہا جاتا تھا (چنانچہ یوحنا باب اول بیان کہ کلام خدا تھا اور کلام مجسم ہوا، مشعر ہے۔اور ڈپٹی آتھم نے بھی اس کو پرچہ ۲ جون وغیرہ میں تسلیم کیا ہے) تو اس صورت میں آتھم سے یہ سوالات ہیں۔

ا۔اس حالت میں آتھم نے اس پرچہ میں اور پرچہ ۳۰ مئی میں جسم مسیح کو خدا ماننے سے کیوں انکار کیا

۲۔ اگراب اس جسم کو خدا مان لو، اوراس معنی کر اس کو مظہر اللہ جانتے ہو، تو جب سے وہ جسم پیدا ہوا ہو تب ہی سے کیوں اس کو مظہر اللہ نہیں مانتے۔اور پرچہ ۳۱ مئی ۱۸۹۳ء میں کیوں لکھا کہ مسیح روح القدس کے نازل ہونے کے وقت سے مظہر اللہ ہوئے۔اور پرچہ یکم جون میں کیوں کہا کہ جب تیس برس کے ہوکر وہ بپتسما پاکر یردن سے نکلے تو مظہر اللہ اور مسیح ہوئے۔

۳۔ اس صورت میں جھاڑی کی مثال کی تمثیل تمہارے لئے کب دستاویز ہوسکتی ہے۔جھاڑی کی نسبت قرآن یا تورات میں کہاں وارد ہے کہ وہ جھاڑی خدائے مجسم تھی۔

۴۔ اس صورت میں آپکا ستون میں سے خدا کے آواز دینے کا امکان پیدا کرنا کیا فائدہ دیتا ہے۔کیا اس ستون کو بھی آپ خدائے مجسم مان لیں گے۔

۵۔اس صورت میں ان اعتراضوں کا کیا جواب ہے جو خدا کے جسم ہونے پر، اور جسم کے کھانے پینے کی طرف محتاج ہونے پر وارد ہوتے ہیں۔اوران کو آپ بھی اس پرچہ میں مان چکے ہیں۔

٦۔ اس صورت میں ہندو جو اپنے اوتاروں کو مجسم خدا مانتے ہیں، آپکے نزدیک کیوں محل اعتراض ہیں۔آپکے مسیح کو مجسم خدا ماننے اور ہندوؤں کے رام چندر کو خدائے مجسم ماننے میں کیا فرق ہے۔

اوراس صورت میں قادیانی سے یہ سوال ہے کہ آپ نے ڈپٹی آتھم سے مظہریت کے یہ معنی تسلیم کرا کے اس کو انہی اعتراضات کا، جو خدا کے مجسم ہونے پر وارد ہوتے ہیں، کیوں مورد نہ بنایا اوراس سے اس کو کیوں لاجواب نہ کیا۔اور مظہریت کے دوسرے معنی تجویز کر کے بحث کو ناحق کیوں طول دیا؟

اور اگر مظہر سے مراد مظہر صفات خالق و قدرت خداوندی ہے اور جسم مسیح کے مظہر خدا ہونے سے یہ مقصود ہے کہ وہ پاک جسم خدا کی قدرت کا مظہر تھا، تو پھر اس صورت میں ڈپٹی آتھم سے یہ سوالات ہیں۔

۱۔ اس مظہریت سے مسیح کا خدا یا ابن اللہ بمعنی سوم حصہ یا جزء خدا (ون آف تھری ایکیوئل گاڈز) ہونا کہاں ثابت ہوتا ہے۔ یہ مظہریت تو باعتراف آپ کے پرچہ دوم ۳۰ مئی اور پرچہ دوم یکم جون کے ہر شیئے میں پائی جاتی ہے۔اس سے تو کوئی چیز بھی خالی نہیں ہے۔پس چاہیے کہ ہر چیز زمین آسمان اور دیوار کو ابن اللہ یا خدا کہیں، حالانکہ آپ اس کے قائل نہیں بلکہ اس ابنیت یا الوہیت کو مسیح سے مخصوص کرتے ہیں۔

۲۔اس معنی کر مظہریت تو مسیح کے جسم اور روح دونوں کو ہر وقت اور ہر آن حاصل تھی چنانچہ آپ کا

پرچہ دوم ۳۰ مئی مظہر ہے۔ پھر آپ نے اس پرچہ ۲۳ مئی میں اس مظہریت سے جسم کو کیوں خاص کیا اور پرچہ ۳۱ مئی ۱۸۹۳ء اور یکم جون ۱۸۹۳ء میں حضرت مسیح کے تیس برس کی عمر تک پہنچنے اور مسیح ہو جانے کے وقت کو اس مظہریت سے کیوں مخصوص کیا۔

۲۔ وہ جھاڑی جس سے انّی انا اللّٰہ کی آواز آئی تھی، اور ستون جس سے آپ کے نزدیک خدا آواز دے کر کہہ سکتا ہے کہ میں خدا ہوں، اسی معنے مظہریت سے انّی انا اللّٰہ کہتے تھے اور آواز دے سکتے ہیں۔ اور اس قول و آواز سے اس جھاڑی اور ستون کا خدائے مجسم ہونا آپ کی مراد نہیں تو دو مثالوں کا ذکر کس غرض سے ہے۔ اس معنی کر تو ہر چیز اور ہر ذرہ مظہر خدا ہو سکتا ہے۔

اس صورت میں قادیانی سے یہ سوال ہے کہ اس مظہریت سے تو حضرت مسیح کے ابن اللہ یا خدا یا سوم حصہ خدا ہونے کی صاف نفی ثابت ہوتی ہے۔ پھر تم نے کیوں اس قسم کے الزامات سے ڈپٹی آتھم کا منہ بند نہ کیا اور ان فضول سوالات سے کہ کیا مسیح میں دو روحیں تھیں؟ اور کیا وہ تیس برس کی عمر تک مظہریت سے خالی رہے؟ اور کیا وہ خدا مجسم تھے؟ جو پرچہ ۳۰۔ ۳۱ مئی اور یکم و دوم جون ۱۸۹۳ء میں وارد کئے ہیں کیوں بحث کو طول دیا۔

ڈپٹی آتھم نے مرزا قادیانی کے ملحدانہ اصول کی تمثیل اور بپاس قیاس استقراء نصوص کتب الہامی میں تاویل کے جواب میں جو رابعاً کہا ہے کہ:

> بے شک تاویل طلب امر کو تاویل کرنا چاہیے لیکن حقیقت کو چاہیے کہ تاویل نہ بگاڑے اور اگر کوئی حقیقت برخلاف امر واقعی کے ہو تو بالمرہ حکم بطلان اس پر دینا ہے، نہ بطلان کو مروڑ کر حق بنانا۔

یہ بھی ایسا قول ہے جس کا مطلب نہ قائل (آتھم) نے سمجھا نہ مجیب (قادیانی) نے۔ اور اس کا پہلا حصہ اخیر حصہ کے مخالف ہے اور اس سے متناقض ہے۔ اس کے پہلے حصہ میں تاویل کو جائز رکھا گیا ہے اور آخری حصہ میں کہا گیا ہے کہ تاویل ایسی ہو جو حقیقت کو نہ بگاڑے۔ اور یہ غور نہیں کیا گیا کہ تاویل جو ہوتی ہے وہ ایسی ہوتی ہے کہ اس میں حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کو مراد قرار دیا جاتا ہے۔ اور ہر ایک تاویل میں حقیقت کو توڑ مروڑ کر غیر حقیقت یعنی مجاز کو اس کی جگہ ٹھہرایا جاتا ہے۔ تاویل ہوئی تو پھر حقیقت کہاں رہی۔

ڈپٹی آتھم نے تو پیرانہ سالی کے سبب یا حقیقت و مجاز و تاویل کے معنی سے بے علمی و ناواقفی کے سبب اپنی کلام کو نہ سمجھا تھا اس لئے پہلے بحسب موقع تاویل کو جائز تسلیم کر کے آخر اسکو ردّ

کر دیا۔ مگر قادیانی کے سکوت سے اور اس کلام کے ردّ نہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس کلام کو نہیں سمجھا۔ سمجھتا تو ضرور اس کا یہ نقص وتناقض جو ہم نے بیان کیا ہے، بیان کرتا۔

ڈپٹی آتھم نے جو خامساً کہا ہے اس کے متعلق ہم اس کے قول ششم ہفتم وہشتم کے متعلق رائے ظاہر کرنے کے بعد اظہار رائے کریں گے کیونکہ وہ قول بہت بسیط اور طویل بحث کا خواہاں ہے لہذا اس کا علیحدہ بیان کرنا مناسب ہے۔

ڈپٹی آتھم نے قادیانی کے استدلال آیت قرآن کے جواب میں جو سادساً کہا ہے کہ میں قرآن کے الہامی ہونے کا قائل نہیں ہوں، یعنی پھر میرے سامنے قرآن کو کیوں پیش کیا گیا ہے اس سے ڈپٹی آتھم نے یہ جتایا ہے کہ ان کے فہم وشعور میں پیرانہ سالی کے سبب نقصان واقع ہو گیا ہے اور اس قول کے بعد قادیانی کو (اگر وہ کچھ فہم وشعور رکھتا) ہرگز مناسب نہ تھا کہ ان سے پھر وہ کلام بحث کرتا اور ان کو اپنا مخاطب بناتا۔ مگر قادیانی بھی ان ہی کی مانند بے شعور و نافہم ہے۔ وہ ایسی باتیں سن کر بھی ان کے بحث وخطاب سے دست بردار نہ ہوا۔

ڈپٹی آتھم اتنا نہ سمجھ سکے کہ قادیانی کا آیت قرآن سے استدلال اس کے اس ملحدانہ اصول کی بنا پر ہے کہ جو شخص اپنی الہامی کتاب کی نسبت کوئی دعوی کرے وہ پہلے اس دعوی کو اس کتاب سے نقل کرے، پھر اس کا عقلی یا تاریخی ثبوت اس کتاب سے نکال کر پیش کرے۔ نہ اس نظر سے کہ ڈپٹی آتھم قرآن کو الہامی مانتے ہیں، ولہذا وہ اس آیت سے موردالزام ہو سکتے ہیں۔

ڈپٹی آتھم نے جو سابعاً و ثامناً کہا ہے، اس کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ بائیبل میں جہاں غیر مسیح کے حق میں بیٹا بیٹی کا لفظ آیا ہے وہاں تاویل واجب ہے۔ ان اقوال میں ڈپٹی آتھم نے مرزا قادیانی کے اس اصول تاویل کو تسلیم کر لیا ہے جس سے قول چہارم میں انکار کیا تھا اور اس سے یہ جتایا ہے کہ وہ اپنی کلام کا مطلب خود نہیں سمجھتے۔

پرچہ اول ڈپٹی آتھم کے جملہ مطالب پر ریویو ہو چکا ہے اب صرف قول خامس کا ریویو باقی ہے جو ذیل میں کیا جاتا ہے:۔

ڈپٹی آتھم نے مرزا قادیانی کے جواب سوال مقدر کہ بائیبل میں اور صالحین کو بیٹا کہا گیا ہے، کے جواب میں جو خامساً کہا ہے کہ بیٹے کا لفظ بائیبل میں دو معنی میں مستعمل ہوا یعنی :۱۔ یک تن ۔۲۔ یک من ۔ اور مسیح کے حق میں اس کا استعمال بمعنی یک تن ہوا ہے چنانچہ بائیبل کے فلاں فلاں مقامات شاہد ومصدق ہیں، یہ محض دعوی ہی دعوی ہے اور ان مقامات بائیبل میں ایک

مقام بھی ایسا نہیں ہے جس سے مسیح کا خدا تعالی سے ہم تن ہونا ثابت ہو۔ اس تمام مباحثہ میں صرف یہی ایک مضمون اس لائق تھا کہ ڈپٹی آتھم اس کو مدلل کرتے اور قادیانی اس کا مفصل و مدلل جواب دیتا۔ مگر افسوس نہ آتھم نے اس کا کافی ثبوت بہم پہنچایا اور نہ قادیانی سے اس کا جواب مفصل و مدلل ہوسکا۔ ہم اس مقام میں اس مضمون پر ایسی تفصیلی بحث کرتے ہیں جس سے آتھم اور قادیانی دونوں قائل و منفعل ہوں۔ آتھم اس لئے کہ اس تفصیل سے ان کو معلوم ہوگا کہ ان کے پیش کردہ مقامات بائیبل سے مسیح کی الوہیت ثابت نہیں ہوتی۔ قادیانی اسلئے کہ اس تفصیل کے ملاحظہ سے اس کو واضح ہوگا کہ ان مقامات بائیبل کا جواب مسکت یہ ہے جو یہاں دیا گیا ہے، نہ وہ جو قادیانی نے دیا ہے۔

اس قول (پنجم) میں جو مقامات عہد عتیق کے نقل کئے گئے ہیں ان کی نسبت ہم اجمالی رائے محقق عیسائیوں کی نقل کرتے ہیں جس سے ثابت ہے کہ عہد عتیق میں حضرت مسیح کی الوہیت یا تثلیث پر کوئی تصریح نہیں ہے، جو ہیں بزعم عیسائیوں کے اشارات ہیں جن سے عیسائی لوگ عہد جدید کی مدد سے الوہیت مسیح یا تثلیث کا استنباط کرتے ہیں۔ پھر ہر ایک مقام پر تفصیلی بحث کر کے ثابت کریں گے کہ ان مقامات سے حضرت مسیح کی الوہیت ثابت نہیں ہوتی۔

اجمالی رائے کی نقل: بشپ ہیوبرج کہتے ہیں:۔

اگرچہ پرانے عہد نامہ میں تثلیث کا اشارہ اکثر آیا ہو، تاہم بغیر نئے عہد نامہ کے اس کو درست طور پر سمجھنا ایک امر دشوار ہے۔ چنانچہ باوجودیکہ یہودیوں کے درمیان توریت تین ہزار برس سے اور انبیاء دو ہزار برس سے ہیں، تو بھی آج کے دن تک وہ اس کو (یعنی تثلیث کو) اپنے ایمان کا رکن ہرگز نہ بنا سکے۔ بلکہ مثل محمدیوں کے اب تک مقر ہیں کہ خدا اقنوم میں اور ذات میں واحد مطلق ہے۔

پادری فنڈر صاحب مفتاح الاسرار میں لکھتے ہیں:

تثلیث کی تعلیم توریت میں صرف اشارہ کے طور پر ذکر ہوئی ہے، انجیل میں واضحۃً بیان ہوئی ہے۔ اسی سبب سے جب تک کوئی انجیل کو نہ سمجھا ہو تو توریت کے اکثر مطلبوں کو، جیسا کہ چاہیے، نہ سمجھے گا۔

بشپ برہٹ شرح عقائد دینی میں لکھتے ہیں:

عہد عتیق کو بغیر عہد جدید لو، تو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ مسئلہ تثلیث کو اس سے ثابت کرنا آسان کار نہیں ہے۔

ان اقوال ثلاثہ کومسٹر اکبر مسیح توحیدی عیسائی نے رسالہ تنقیح الوہیت مسیح میں اپنے اس دعوی کی تائید میں نقل کیا ہے کہ :

پرانے عہد نامہ میں خالص وحدت کی تعلیم ہوئی ہے۔احکام عشرہ کا پہلا حکم یہ ہے : میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہووے۔سن اے اسرائیل خداوند تمہارا اکیلا خداوند ہے۔(استثناء۔ ۵:۷، ۶:۴)۔ اس وحدت میں کثرت کی تعلیم مطلق نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کا عقیدہ بھی اس پر شاہد ہے۔کسی یہودی نے کبھی خدا کی وحدت میں کثرت کا خیال نہیں کیا۔ ،

Thou shall have none other gods before me (Deut: 5:7)

Hear, O Israel: 'The Lord our God is one Lord. (Deut :6:4)

اور بعد نقل اقوال ثلاثہ مذکورہ کہا ہے :

پس جب کہ صرف انجیل ہی کی روشنی میں پرانے عہد نامہ سے کثرت فی الوحدت کی تعلیم اخذ ہوسکتی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اگر انجیل میں کثرت فی الوحدت کی روشنی نہ مل سکے تو پرانا عہد نامہ کثرت کی تعلیم کی نسبت بالکل تاریک رہیگا۔اس لئے ہم اس رسالہ (تنقیح الوہیت مسیح) میں (ابطال الوہیت مسیح کے لئے) پرانے عہد نامہ پر مطلق بحث نہ کریں گے۔صرف انجیل پر غور کر کے دیکھیں گے کہ آیا یہ تعلیم اس میں ہے یا نہیں۔اگر انجیل میں کثرت فی الوحدت کی تعلیم نہ ملی تو پھر اس کے ڈھونڈنے کیلئے پرانے عہد نامہ کی طرف رجوع کرنا بالکل عبث ہوگا۔

اس کے بعد مسٹر اکبر مسیح نے انجیل میں حضرت مسیح اور انکے رسولوں کی تعلیم سے خالص توحید بلا تثلیث کو ثابت کیا۔ پھر اسی انجیل سے حضرت مسیح کی الوہیت کا ابطال کیا ہے اور اس میں لیاقت وقابلیت وتحقیق وحق پسندی کا کافی ثبوت دے دیا ہے۔

تفصیلی بحث۔منجملہ ان مقامات عہد عتیق کے جن کو آتھم نے قول پنجم میں پیش کیا ہے، ایک مقام ذکریا ۱۳:۷ ہے جس میں یہ بیان ہے کہ اے تلوار تو میرے چرواہے پر، اس انسان پر، جو میرا ہمتا ہے بیدار ہو۔رب الافواج فرماتا ہے اس چرواہے کو مار کہ گلہ پراگندہ ہوجائے۔

Awake, O sword, against my shepherd, and against the man that is my fellow, saith the Lord of the hosts; smite the shepherd, and the sheep will be scattered.(Zech 13:7 KJV)

ڈپٹی آتھم اور اس کے دوسرے بھائی غیر محقق ونا انصاف عیسائی خیال کرتے ہیں کہ اس مقام میں حضرت مسیح کے مارے جانے کی پیش گوئی کی گئی ہے جس میں اس کو خدا کا ہمتا کہا گیا ہے۔

مگر انصاف وتحقیق کی آنکھ سے اصل عبرانی کتاب ذکریا کو دیکھنے والے بخوبی جانتے اور یقین رکھتے ہیں کہ۔۱۔اس میں نہ حضرت عیسیٰؑ یا کسی اور شخص کو خدا کا ہمتا کہا گیا ہے۔۲۔ نہ حضرت عیسیٰؑ کے قتل ہونے کی خبر ہے۔

امر اول کا ثبوت:۔ اس پیش گوئی میں جس لفظ کے معنی ہمتا کئے گئے ہیں وہ عبرانی عمنی ثی ہے جس کے معنی ہم نشین یا ہم صحبت کے ہیں۔(چنانچہ کتاب لغات عبرانی ولیم ہو پر کے صفحہ ۲۹۱ سے معلوم ہوتا ہے) اور وہ نبی میں پائے جاتے ہیں اور اس وجہ سے جس شخص کی اس مقام میں پیش گوئی ہے وہ صرف خدا کا نبی ہوسکتا ہے، نہ کہ خدا۔ اور اس سے اس کی نبوت ثابت ہوسکتی ہے نہ کہ خدائی۔اس لفظ عمنی ثی کے معنی ہمتائے خدا کے نہیں ہیں اور واقعہ میں بھی کوئی انسان یا کوئی اور مخلوق خدا کا ہمتا نہیں ہوسکتا۔عہد عتیق وعہد جدید کے متعدد مقامات میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ خدا کا کوئی ہمتا نہیں اور اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔

عہد عتیق کی شہادت۔کتاب استثناء کے باب ۴ آیت ۳۵ میں ہے:

یہ سب تجھے دکھایا گیا تاکہ تو جانے خداوند تو خدا ہے،اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔

اور اس باب کی آیت ۳۹ میں ہے:

پس آج کے دن جان اور اپنے دل میں غور کر کہ خداوند خدا وہی خدا ہے جو اوپر آسمان میں اور نیچے زمین میں ہے اور کہ اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔

اور اس کتاب کے باب ٦ کی آیت ۴ میں ہے:

سن لے اے اسرائیل! خداوند تمہارا خداوند اکیلا خدا ہے۔

اور اس کتاب کے باب ۳۲ آیت ۳۹ میں ہے:

اب دیکھو کہ میں، ہاں میں ہی وہ ہوں۔اور کوئی معبود میرے ساتھ نہیں۔ میں ہی مارتا ہوں اور میں ہی جِلاتا ہوں۔ میں ہی زخمی کرتا ہوں اور میں ہی چنگا کرتا ہوں۔اور ایسا کوئی نہیں جو میرے ہاتھ سے چھوڑاوے۔

Unto thee it was shewed, that thou mightest know that the lord he is God; there is none else besides him. (Deut 4:35)

Know therefore this day, and consider it in thine heart, that the lord he is God in heaven above, and upon the earth beneath: there is none else. (Deut 4:39)

See now that I, even I, am he, and there is no god with me; I kill, and I make alive. I wound, and I heal: neither is there any that can deliver out of my hand . (Deut 32: 39)

اور کتاب دوم سموئیل کے باب ۷، آیت ۲۲ میں ہے:

سوتو اے خداوند خدا بزرگ ہے۔ اس لئے کہ کوئی تیری مانند نہیں ہے۔ اور تیرے سوا جہاں تک کہ ہم نے اپنے کانوں سے سنا ہے کوئی خدا نہیں ہے۔

اور کتاب اول سلاطین باب ۸ آیت ۲۲ میں ہے:

اور کہا اے خدا اسرائیل کے خدا تجھ سا کوئی خدا نہ اوپر آسمان میں ہے نہ نیچے زمین میں

اور زبور باب ۱۸ آیت ۳۱ میں ہے:

خداوند کے سوا خدا کون ہے۔ اور ہمارے خدا کو چھوڑ کر چٹان کون ہے۔

اور زبور باب ۷۷ آیت ۱۳ میں ہے:

اے خدا تیری راہ مقدس ہے۔ کون معبود خدا کی مانند بڑا ہے۔

اور کتاب یسعیاہ کے باب ۴۴ آیت ۶۔۷۔۸ میں ہے:

۶۔ خداوند اسرائیل کا بادشاہ اور اس کا نجات دینے والا رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ میں اول ہوں اور آخر ہوں۔ اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ ۷۔... : ۸۔ کیا میرے سوا کوئی خدا ہے؟

اور اس کتاب کے باب ۴۵ آیت ۵ تا ۷ میں ہے:

۵۔ میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں۔ میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ میں نے تیری کمر باندھی۔ اگر چہ تو نے مجھے نہ پہچانا۔ ۶۔ تا کہ لوگ سورج نکلنے کے اطراف سے غروب کے اطراف تک جانیں کہ میرے سوا کوئی نہیں۔ ۷۔ میں ہی روشنی بناتا ہوں اور تاریکی پیدا کرتا ہوں۔ میں ہی سلامتی کو بناتا ہوں اور بلا کو پیدا کرتا ہوں۔ میں ہی خداوند ان سبھو نکا بنانے والا ہوں۔

Thus saith the Lord the King of Israel, and his redeemer the Lord of hosts; I am the first, and I am the last, and beside me there is no God

And who as I shall call, and shall declare it, and set it in order for you, since I appointed the ancient people and the things that are coming, and shall come, let them shew unto them.

Fear ye not neither be afraid; have not I told thee from that time, and have declared it? ye are even my witnesses, is there a God beside me? yes there is no God; I know not any..(Isaiah 44: 6-8)

I am the Lord and there is none else, there is no God beside me; I girded thee, though thou hast not known me .

That they may know from the rising of the sun, and from the west, that there is none beside me. I am the lord, and there is none else.

I form the light, and create darkness; I make peace, and create evil; I the Lord do all these things. (Isaiah 45:5-7)

یہ دس مقام عہد عتیق کے ہیں جن میں خدا تعالی کے واحد، بے مثل و بے ہمتا ہونے پر تصریح ہے۔ اب عہد جدید کی شہادت سنو۔

انجیل متی کے باب ۱۹ آیت ۱۶۔۱۷ میں ہے:

۱۶۔اور دیکھو ایک نے آ کے اسے (مسیح کو) کہا۔ اے نیک استاد میں کون نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ ۱۷۔ اس نے اسے کہا تو مجھے نیک کہتا ہے، نیک کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ پر اگر تو زندگی میں داخل ہوا چاہے، تو حکموں پر عمل کر۔

اور انجیل مرقس باب ۱۲ آیت ۲۹۔۳۰ میں ہے:

یسوع نے اسے جواب میں کہا کہ سب حکموں سے اول یہ ہے کہ اے اسرائیل سن وہ خداوند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند کو، جو تیرا خدا ہے، اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے اور اپنے سارے زور سے پیار کر، اول حکم یہی ہے۔

اور انجیل یوحنا کے باب ۱۷، آیت ۱ و ۳ میں حضرت مسیح سے نقل کیا ہے کہ:

انہوں نے آسمان کی طرف اپنی نگاہیں اٹھا کر کہا اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وی تجھ کو اکیلا سچا خدا، اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے، مانیں۔

اور پولوس کے پہلے خط بنام قورنتیان کے باب ۸ آیت ۵۔۶ میں ہے:

۵۔ کیونکہ ہر چند افلاک و زمین میں بہت ہیں جو خدا کہلاتے ہیں (چنانچہ بہتیرے خدا اور بہتیرے خداوند ہیں) ۶۔ لیکن ہمارا ایک خدا ہے جو باپ ہے جس سے ساری چیزیں

ہوئیں اور ہم اسی کے لئے ہیں ۔ اور ایک خداوند ہے جو یسوع مسیح ہے جس کے سبب سے ساری چیزیں ہوئیں ۔ اور ہم اس کے وسیلہ سے ہیں ۔

And behold, one came and said unto him, "Good Master, what good thing I shall do, that I may havee entenal life?

And he said unto him, Why callest thou me good? There is none good but one, that is God; but if thou wilt enter into life, keep the commandments. (Matthew 19:16-17)

And Jesus answered him, The First of all the commandments is, "Hear, O Israel: The Lord our God is one Lord.

And thou shalt love the Lord thy God with all thy heart, and with all thy soul, and with all thy mind, and with all thy strength; this is the first commandment. (Mark 12:29-30)

These words spake Jesus, and lifted up his eyes to heaven, and said; glorify thy Son, that thy son also may glorify thee.

As thou hast given him power over all flesh, that he should give eternal life to as many as thou hast given him.

And this is life eternal that they might know thee the only true God, and Jesus Christ, whom thou hast sent. (John 17:1-3)

For though there be that, are called gods, whether in heaven or in earth (as there be gods many, and lords many)

But to us there is but one God, the Father, of whom are all things, and we, in him; and one Lord Jesus Christ, by whom are all things, and we by him. (1 Corinthians 8:5-6)

ان چار مقامات عہد جدید ، اور دس مقامات مذکورہ بالا عہد عتیق کو چشم بینا سے دیکھنے والے یقین رکھتے ہیں کہ لفظ عمنی ثی کتاب زکریا کے معنی ہمتا کے نہیں ہیں ۔ اور خدا کا ہمتا کوئی نہیں ہے۔ اس بات کو کوئی بے انصاف نہ مانے اور اس کے معنی ہمتا کرے، تو پھر اس آیت زکریا اور ان آیات توحید و بے ہمتائی خدا تعالی میں تعارض و تناقض واقع ہوگا ۔ اور اس سے ایک جانب کا کذب یا غلط ہونا لازم آئے گا جس کو کوئی عیسائی بھی پسند نہ کرے گا ۔ اس سے ثابت ہوا کہ

عمنی ثی کا ترجمہ غلطی سے کیا گیا ہے۔اور درحقیقت میں اس کا ترجمہ ہم نشیں یا ہم صحبت ہے جس سے بجز نبوت اس شخص کے جس کے حق میں پیش گوئی کی گئی ہے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔

(بائیبل کی زیر بحث آیت کا ایک جدید ترجمہ یوں بھی کیا گیا ہے:

The Lord Almighty says, " Wake up, sword, and attack the shepherd, who works for me! kill him, and the sheep will be scattered (Zech 13: 7 GNB)

اس ترجمے میں ہمتا ہونے کی طرف کسی بھی قسم کا اشارہ نہیں ملتا۔ بہاء)۔

امر دوم کا ثبوت: اس آیت کے جو معنی (صحیح یا غلط) کرو، ان کو حضرت مسیح سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ آیت آپ کے حق میں پیش گوئی نہیں کیونکہ اس میں ایسے شخص کی نسبت پیش گوئی کی گئی ہے جو تلوار سے مقتول ہوا ہے۔ یہ شخص یوحنا بپتسمہ دینے والا ہو جس کے سر کاٹنے کی خبر انجیل متی کے باب ۱۴ میں ہے، یا کوئی اور نبی جو تلوار سے شہید ہوا ہو، حضرت مسیح تو باتفاق عیسائیوں کے تلوار سے مقتول نہیں ہوئے۔لہذا وہ اس کے مصداق ہرگز نہیں ہو سکتے۔

اب مسٹر آتھم اور اس کے ہم خیال وحامیوں کو مناسب ہے کہ اس پیش گوئی کو انفعال و ندامت کے ساتھ واپس لیں اور اس سے حضرت مسیح کی الوہیت ثابت ہونے کا خیال دل سے نکال دیں۔ یا ہمارے دلائل کا جواب دیں۔

ازانجملہ دوسرا مقام کتاب یرمیاہ کا باب ۲۳ آیت ۵۔۶ ہے جس میں یہ بیان ہے:

دیکھو وے دن آتے ہیں خداوند کہتا ہے کہ میں داؤد کے لئے صداقت کی ایک شاخ نکالوں گا۔اور ایک بادشاہ بادشاہی کرے گا اور اقبال مند ہوگا اور عدالت صداقت زمین پر کرے گا۔ اور اس کے دنوں میں جوڈا نجات پاویگا اور اسرائیل سلامتی سے سکونت کرے گا اور اسکا نام یہ رکھا جائے گا: خداوند خدا ہماری صداقت۔

عبداللہ آتھم اور اسکے دوسرے بے انصاف عیسائی خیال کرتے ہیں کہ یہ پیش گوئی بھی حضرت عیسیٰؑ کے حق میں ہے۔ اور اس میں حضرت عیسیٰؑ کے حق میں کہا گیا ہے: خداوند ہماری صداقت، جس کا عبرانی لفظ یہوواہ صدیقنو ہے۔

مگر انصاف وتحقیق کی آنکھ رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو اس پیشگوئی سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس میں ایک بادشاہ کی نسبت پیش گوئی ہے کہ وہ تخت داؤدی پر بیٹھ کر بادشاہی کرے گا اور اقبال مند ہوگا اور عدالت کرے گا۔اور حضرت مسیح کو دنیا میں بادشاہی نصیب

نہیں ہوئی۔ بلکہ ان کی عمر فقیری اور بے نوائی میں گذری ہے چنانچہ وہ خود اپنے حق میں فرماتے ہیں

لوڑیوں کی بِلّیں اور ہوا کے پرندوں کے واسطے بسیرے ہیں، پر ابن آدم کو سر ٹکانے کو جگہ نہیں، (متی باب ۸ آیت ۲۰)

And Jesus saith unto him, The foxes have holes, and the birds of the air have nests, but the son of man hath not where to lay his head. (Matthew 8:20)

اور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ میری بادشاہی اس جہان کی اور دنیا کی بادشاہی نہیں ہے۔ لہذا وہ اس پیش گوئی کے مصداق ہرگز نہیں ہو سکتے۔...

اے حضرات پوادر! کتب تواریخ اور بائیبل میں نظر کرنے سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یرمیاہ باب ۲۳ میں تو لہراسپ شاہ ایران کی نسبت یا اس کے وائسرائے کورش داماد داریوش اول کی نسبت (جس کا نام بائیبل میں خورش بیان ہوا ہے) یا داریوش ثانی کی نسبت (جس کو بائیبل میں دارا بادشاہ لکھا گیا ہے اور وہ کورش اور اس کے جانشین احشوروش کے بعد لہراسپ شاہ ایران کی طرف سے بابل کا وائسرائے ہوا تھا) پیش گوئی ہوئی ہے۔جن کے عہد حکومت میں جوڈا اور اسرائیل بابل سے نکلے اور بخت نصر اور اس کے بیٹے کی قید سے رہائی پا کر یروشلم میں آباد ہوئے۔ اور ان بادشاہوں کے حکم واجازت اور حکی نبی کی ترغیب سے زروبابل اور یشوع وغیرہ اعیان بنی اسرائیل نے ہیکل بیت المقدس کو، جو بخت نصر نے ڈھائی تھی، از سر نو بنایا۔ اور جوڈا اور اسرائیل کو شاہان مذکور کی طرف سے آزادی ملنے کے سبب نجات وامن حاصل ہوا، اس وقت جوڈا اور اسرائیل کے ہر شخص کی زبان پر یہ کلمہ جاری تھا یھوواہ صد قنیو۔یعنی خداوند ہمارا سچا ہے جس نے ہم کو ستر برس کی قید بخت نصر سے چھوڑا کر یروشلم میں آباد کیا۔جس کلمہ کو اب عیسائی زبردستی حضرت مسیح پر لگاتے ہیں ۔اس مقام میں ہم بائیبل سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ پیشگوئی ان بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کی نسبت تھی اور وہ حضرت مسیح سے پانچ سو برس پہلے پوری ہو چکی ہے۔ حضرت مسیح سے اس کا تعلق بشہادت بائیبل حد امکان سے خارج ہے۔

پس اولاً ہم اس پیش گوئی کے معنی مذکورہ بالا اسی بائیبل کی شہادت سے بیان کرتے ہیں پھر اسی بائیبل کی شہادت سے یہ ثابت کر دکھائیں گے کہ اس معنی کر یہ پیش گوئی حضرت مسیح سے پانچ سو برس پہلے پوری ہو چکی ہے۔

واضح ہو کہ کتاب یرمیاہ کے باب ۲۳ میں جو شاخ نکالنے اور عدالت وصداقت سے

ایک بادشاہ کے بادشاہی کرنے اور جوڈا اور اسرائیل کی نجات وسلامتی پانے کا اجمالی ذکر ہوا ہے اس کی تفصیل میں کتاب یرمیاہ کے باب ۳۰ میں یوں فرمایا ہے:

۱۔وہ کلام جو خداوند کی طرف سے یرمیاہ کو پہنچا۔۲اور اس نے کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے، ساری باتیں جو میں تجھ سے کہوں، تو کتاب میں لکھ۔۳۔ دیکھ کہ وہ دن آتے ہیں خداوند کہتا ہے کہ میں اپنی قوم اسرائیل اور جوڈا کی اسیری کو موقوف کرونگا اور میں ایسا کرونگا کہ وے اس زمین میں جسے میں نے ان کے باپ دادوں کو دیا تھا، پھر آویں اور مالک ہوویں۔

۱۰۔اسلئے دیکھ میرے بندے یعقوب مت ڈر۔خداوند کہتا ہے اور اے اسرائیل مت گھبرا کہ دیکھ میں تجھے دور سے اور تیری اولاد کو اسیری کی سرزمین سے چھوڑاؤنگا اور یعقوب پھرے گا اور وہ چین کرے گا اور آسودہ ہوگا۔

۱۸۔خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں یعقوب کے خیموں کو جو اسیری میں ہیں پھیر لاؤنگا۔اور اس کے مسکنوں پر رحمت کرونگا۔اور شہر اپنے ٹیلے پر بنایا جائے گا۔اور قصر اپنے ہی مقام پر آباد ہو جائے گا۔

The word that came to Jeremiah from the Lord saying.

Thus speaketh the Lord God of Israel, saying, "Write thee all the words that I have spoken unto thee in a book.

For, lo, the days come, saith the Lord, that I will bring again, the captivity of my people Israel and Judah, saith the Lord: and I will cause them to return to the land that I gave to their fathers, and they shall posses it .(Jeremaih 30: 1-3)

10. Therefore fear thou not, O my servant Jacob, saith the Lord; neither be dismayed, O Israel: for , lo, I will save thee from afar , and thy seed from the land of their captivity; and Jacob shall return, and shall be in rest, and be quiet, and none shall make him afraid.

18. Thus saith the Lord; Behold, I will bring again the captivity of Jacob's tents, and have mercy on his dwelling places; and the city shall be builded upon her own heap, and the palace shall remain after manner thereof. (Jeremiah 30: 10 and 18)

اور اسکے باب ۳۱ میں کہا ہے:

۳۔سو خداوند قدیم سے مجھ پر ظاہر ہوا اور کہا کہ میں نے بڑے ابدی عشق سے تجھے پیار کیا اس واسطے میں نے اپنی شفقت تجھ پر بڑھائی ۔۴۔میں تجھے پھر بنا کرونگا اور تو بنا کی جائے گی۔

And the Lord hath appeared of old unto me, saying, Yea, I have loved thee with an everlasting love; therefore with loving kindness have I drawn thee

Again I will build thee, and thou shall be built, O virgin of Israel: thou shalt again be adorned with thy tabrets, and shalt go forth in the dances of them that make merry. (Jeremiah 31: 3-4)

ان آیات میں اس اجمال یرمیاہ ۲۳ باب کے کہ جوڈا نجات پائے گا اور اسرائیل سلامتی سے سکونت کرے گا، یہ تفصیل ہوئی ہے کہ جوڈا اور اسرائیل قید بخت نصر سے (جو ستر سال رہی) رہائی پائیں گے اور ہیکل بیت المقدس، جو بخت نصر نے ڈھائی تھی، از سر نو بنائیں گے۔

ایسی ہی اس اجمال کی تفصیل کتاب زکریاہ میں ہوئی ہے جسکے باب اول میں ہے۔

دارا (داریوش) کے دوسرے برس کے آٹھویں مہینے خدا کا کلام زکریاہ بن برکیاہ کو پہنچا۔

اور اس نے کہا خداوند تمہارے باپ دادوں سے بے نہایت ناراض ہوا

اس لئے تو ان سے کہہ کہ رب الافواج فرماتا ہے کہ تم میری طرف پھرو۔ رب الافواج فرماتا ہے تو میں تمہاری طرف پھرونگا۔

۱۲۔پھر خداوند کے فرشتے نے جواب دے کر فرمایا کہ اے رب الافواج تو یروشلم پر اور جوڈا کے شہروں پر، جن پر تو ستر برس سے غضب نازل کرتا ہے، کب تک رحم نہ کرے گا ۔۱۳۔ اور خداوند نے اس فرشتے کے جواب میں جو مجھ سے گفتگو کرتا تھا ملائم اور دلپذیر باتیں کہیں ۔۱۶۔ اس لئے خداوند یوں فرماتا ہے کہ میں رحمت کر کے یروشلم میں پھر آیا ہوں ۔اس میں میرا گھر بنایا جائے گا۔۱۷۔میرا شہر اقبال مندی سے لبریز ہوں گے۔

In the eighth month, in the second year of Darius, came the word of the Lord unto Zechariah, the son of Ber-e-chiah, the son of Id-do the prophet, saying,

The lord hath been sore displeased with your fathers.

Therefore say thou unto them, Thus saith the Lord of hosts; turn ye unto me, saith the Lord of

hosts, and I will turn unto you, saith the Lord of Hosts. (Zechariah 1: 1-3)

12. Then the angel of the Lord appeared and said, "O Lord of hosts, how long wilt thou not have mercy on Jerusalem and on the cities of Judah, against which thou hast had indignation these three score and ten years.

13 And the Lord answered the angel that talked with me with good words and comfortable words.

16.Therefore thus saith the Lord; I am returned to Jerusalem with mercies: my house shall be built in it, saith the Lord of hosts, and a line shall be stretched forth upon Jerusalem.

17. Cry yet, saying, Thus saith the Lord of hosts: my cities through prosperity shall yet be spread abroad; and the Lord shall yet comfort Zion, and shall yet choose Jerusalem. (Zech 1:12,13,16,17)

اوراس کے باب۳ کی آیت ۷۔۸ میں ہے:

رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ اگر تو میرے راہوں پر چلے گا اور میری شریعت کو حفظ کرے گا، تو تو میرے گھر پر حکومت کرے گا اور میرے صحنوں کی نگہبانی کرے گا اور میں تجھے ان میں سے جو یہاں پاس کھڑے ہیں ایسے لوگ ہیں جو کہ تیری رہنمائی کریں ۸۔اب اے یشوع سردار کاہن سن تو اور تیرے رفیق جو تیرے آگے بیٹھتے ہیں کیونکہ یہ اشخاص بطورنشانی کے ہیں۔دیکھ میں اپنے بندے شاخ نامی کو پیش لاؤنگا۔

7. Thus saith the Lord of hosts; if thou wilt walk in my ways, and if thou wilt keep my charge, then thou shalt also judge my house, and shalt also keep my courts, and I will give thee places to walk among these that stand by.

8. Hear now, O Jushua the high priest, thou and thy fellows that sit before thee, for they are men wondered at: for behold, I will bring forth my servant the BRANCH. (Zech 3:7-8)

(بائیبل کے ایک جدید ترجمہ میں ان آیات کا ترجمہ بایں الفاظ کیا گیا ہے۔بہاء

Then the angel told Joshua that the Lord Almighty had said: "If you obey my laws and perform the duties I have assigned to you, then you will continue to be in charge of my Temple and its courts, and I will hear your prayers, Just as I hear the prayers of the angels who are in my

presence. Listen then, Joshua, you who are the High Priest; and listen, you fellow priests of his, you are the sign of a good future: I will reveal my servant, who is called The Branch.(Zech 3:6-8)

اور اسکے باب ٦ کی آیت ۱۲ میں ہے :

دیکھ اور اس سے یوں کہہ کہ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ دیکھو وہ شخص جس کا نام شاخ ہے اور وہ اپنی جگہ سے اگے گا اور وہ خداوند کے ہیکل کو بناویگا
اور وہ صاحب شوکت ہوگا اور وہ اپنے تخت پر بیٹھ کر حکومت کرے گا اور وہ اپنے تخت پر جلوس کر کے کاہن بھی ہوگا اور سلامتی کی مشورت دونوں کے درمیان ہوگی
اور وے تاج حیلم اور طوبیاہ اور جیڈایاہ اور حین بن صفنیاہ کی طرف سے ہوں گے تا کہ وہ خداوند کی ہیکل میں ایک یادگار ہوویں اور وے جو دور دور کے ہیں سو آویں گے اور خداوند کی ہیکل تعمیر کرینگے ۔

12. And speak unto him, saying, Thus speaketh the Lord of hosts, saying, behold the man whose name is The BRANCH; and he shall grow up out of his place, and he shall build the temple of the Lord.

13. Even he shall build the temple of the Lord; and he shall bear the glory, and shall sit and rule upon his throne; and he shall be a priest upon his throne; and the counsel of peace shall be between them both

14. And the crowns shall be to He-lem. and to Tobiah, and to Jedai-ah, and to Hen son of Zeph-a-ni-ah for a memorial in the temple of the Lord.

15. And they that are far off shall come and build in the temple of the Lord, and ye shall know that the Lord of Hosts hath sent me unto you. And this shall come to pass, if ye will dilligently obey the voice of the Lord your God. (Zech 6 :12- 15) .

اور اس کے باب ۷، آیت ۴ میں کہا :

تب رب الافواج کا کلام مجھے پہنچا کہ مملکت کے سارے لوگ اور کاہنوں سے کہہ کہ جب تم لوگوں نے پانچویں اور ساتویں مہینے میں ان ستر برس تک روزہ رکھا اور ماتم کیا، تو کیا کبھی میرے لئے روزہ رکھا تھا۔

رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ تم سچی عدالت کرو۔ اور ہر کوئی اپنے بھائی پر کرم اور رحم کیا کرے۔

4.Then came the word of the Lord of Hosts unto me saynig.

5.Speak unto all the people of the land, and to the priests, saying, When ye fasted and mourned in the fifth and seventh month, even those seventy years, did ye at all fast unto me even to me .

9. Thus speaketh the Lord of the hosts, saying, Execute true judgment, and shew mercy and compassions every man to his brother. (Zech 7: 4 -5 & 9)

اوراس کے باب ۸ آیت ۳ میں کہا ہے :

۳۔ خداوند یوں فرماتا ہے کہ میں جیحوں میں پھر آیا اور یروشلم کے درمیان سکونت کرونگا۔ اور یروشلم کا کام سچائی کی بستی ہوگا۔ اور رب الافواج کا پہاڑ مقدس کہلائے گا۔

۴۔ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ پھر بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں یروشلم کے کوچوں میں بیٹھی ہوئی ہونگی۔

۵۔اورشہر کے کوچے لڑکےلڑکیوں سے معمور ہوں گے جو کوچوں میں کھیلتے ہوں گے۔

۷۔ رب الافواج فرماتا ہے دیکھ کہ میں اپنے لوگوں کو سورج کے نکلنے کے ملک اوراس کے غروب ہونے کے ملک سے چھوڑالاؤنگا۔ اور میں انہیں لاؤنگا اور وے یروشلم کے درمیان سکونت کریں گے۔ اور وے میرے لوگ ہوں گے اور میں سچائی اور صداقت سے ان کا خدا ہونگا۔

3.Thus saith the Lord: I am returned unto Zion, and will dwell in the midst of Jerusalem; and Jerusalem shall be called a city of Truth; and the mountain of the Lord of Hosts, the holy mountain.

4. Thus saith the Lord of Hosts; There shall yet old men and old women dwell in the streets of Jerusalem, and every man with his staff in his hand for very age.

5. And the streets of the city shall be full of boys and girls playing in the streets thereof.

.7. Thus saith the Lord of hosts; Behold I will save my people from the east country and from the west country.

8. And I will bring them, and they shall dwell in the midst of Jerusalem, and they shall be my people, and I will be their God, in truth and in righteousness. (Zech 8 : 3-8)

ان آیات میں شاخ (Branch) کی یہ تفصیل ہوئی کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو ہیکل تعمیر کرے گا اور نجات وسلامتی وعدل کی یہ تفصیل ہوئی ہے کہ لوگ بے کھٹکہ و بے روک ٹوک یروشلم میں رہیں گے اور عدل و رحمت سے باہمی سلوک کریں گے ۔ اور کلمہ یہوواہ صدقنیوہ کی یہ تفصیل ہوئی کہ یہ کلمہ خداتعالی کی نسبت کہا جائے گا اور خداتعالی ہی خداوند صداقت کہلائے گا۔ اور جب کہ اس پیش گوئی کے معنی بائیبل کی شہادت سے صاف طور پر وہ ثابت ہوئے جو ہم نے بیان کئے ہیں تو اب ہم بائیبل کی شہادت سے ثابت و بیان کرتے ہیں کہ اس معنی کر اس پیش گوئی کا وقوع حضرت مسیح سے پانچ سو برس پیشتر ہو چکا ہے ۔

عذرا (حضرت عزیر) نبی کی کتاب کے پہلے باب میں لکھا ہے : (جس کا سنہ حاشیہ میں پانچ سوچھتیس برس مسیح سے پیشتر بیان کیا گیا ہے)

> اور شاہ فارس خورس کی سلطنت کے پہلے برس میں اس خاطر کہ خداوند کا کلام جو یرمیاہ کے منہ سے نکلا تھا پورا ہووے (حضرات پادر! اپنی کتاب مقدس کے لفظ پورا ہووے ،کو چشم انصاف سے دیکھو اور شرم کو کام میں لا کر کہو کہ یہ لفظ پیش گوئی یرمیاہ کا وقوع پانچ سو برس قبل از مسیح ظاہر کر رہا ہے یا اس پیش گوئی کو وقت ظہور مسیح تک معلق کرتا ہے) خداوند نے شاہ فارس خورس کے دل کو ابھارا کہ اس نے اپنی تمام مملکت میں منادی کروائی ۔ اور اسے قلم بند بھی کر کے یوں فرمایا:
>
> ۲۔شاہ فارس خورس یوں فرماتا ہے کہ خدا آسمان کے خدا نے زمین کی ساری مملکتیں مجھے بخشیں اور مجھے حکم کیا کہ یروشلم کے بیچ جو یہودا میں ہے اس کیلئے ایک مسکن بناؤں ۔
>
> ۳ ۔ پس اس کی ساری قوم میں سے تمہارے درمیان کون کون ہے؟ اس کا خدا اس کے ساتھ ہووے اور وہ یروشلم کو جو شہر یہوواہ ہے جاوے اور خداوند اسرائیل کے خدا کا گھر بناوے (کہ وہی خدا ہے) جو یروشلم میں ہے ۔
>
> ۴۔اور ہر ایک جو باقی رہا ہوان مقاموں سے جہاں کہیں وہ پردیسی ہوا ہو،سواسی مقام کے لوگ سونا چاندی سے اور مال مویشی سے اس کی مدد کریں اور اس کے سوا وہ خدا کے گھر کے لئے جو یروشلم میں ہے اپنے جی کی خواہش سے ہدیئے گذرانیں ۔

۵ ۔ تب یہوداہ اور بنیامین،..اور کاہن اور لاوی ان سبھوں کے ساتھ جن کے دلوں کو خدا نے ابھارا اٹھے کہ جا کے یروشلم میں خدا کا گھر بنائیں ۔

۶ ۔ اور ان سب نے جو انکے پڑوس میں تھے چاندی کے برتن اور سونے کے اسباب اور مویشی اور قیمتی چیزوں سے ان کی دستگیری کی ۔ اس کے سوا اپنی خوشی سے ہدیئے دیئے ۔

۷ ۔ اور خورس بادشاہ نے بھی خداوند کے گھر کے برتنوں کو جنہیں بنوکدنضر (بخت نصر) نے یروشلم میں سے لے لیا تھا اور اپنے دیوتاؤں کے گھر میں رکھا تھا، نکال لایا ۔

۸ ۔ اور شاہ فارس خورس نے اپنے خزانچی متردات کے ہاتھ سے نکلوایا اور اس نے انہیں یہوداہ کے امیر شیش بضار کو گنوا دیا (پھر ان کی تعداد بیان کی) ۔

Now in the first year of Cyrus king of Persia, that the word of the Lord by the mouth of Jeremiah might be fulfilled, the lord stirred up the spirit of Cyrus king of Persia, that he made a proclamation throughout all his kingdom, and put it also on writing, saying,

2 . Thus saith Cyrus the king of Persia, The Lord God of heaven hath given me all the kingdoms of the earth; and he hath charged me to build him a house at Jerusalem, which is in Judah.

3.Who is there among you of all his people? his God be with him, and let him go up to Jerusalem, which is in Judah, and build the house of the Lord, God of Israel (he is the God) which is in Jerusalem.

4 . And whosoever remainneth in any place where he sojourneth, let the men of his place help him with silver, and with gold, and with goods, and with beasts, beside the freewill offering for the house of God that is in Jerusalem.

5. Then rose up the chief of the fathers of Judah and Benjamin, and the priests and Levites, with all them whose spirit God had raised to go up to build the house of the Lord which is in Jerusalem.

6. And all they that were about them strengthened their hands with vessels of silver, with gold, with goods and with beasts, and with precious things, beside all that was willingly offered.

7.Also Cyrus the king brought forth the vessels of the house of the Lord, which Nebuchadnezzar

had brought forth out of Jerusalem, and had put them in the house of his gods;

8. Even those did Cyrus King of Persia bring forth by the hand of Mithredath the treasurer, and numbered them unto Shesh-baz-zar, the prince of Judah (Ezra 1:1-8)

اور اس کے باب ۲ میں ان لوگوں کی تفصیلی فہرست لکھی جس کو شاہ بابل بخت نصر قید کر کے لے گیا تھا اور وہ اس بادشاہ فارس کے وقت میں یروشلم کو واپس آئے۔ اور اخیر میں اس کی میزان بیالیس ہزار تین سو ساٹھ بتائی۔

پھر باب ۳، آیت ۸ اور ۱۲ میں بیان کیا ہے کہ:

پھر خدا کے گھر کو یروشلم میں آ پہنچنے کے بعد دوسرے مہینے میں زروبابل بن سیالشیل اور یشوع بن یوصدق اور اس کے باقی بھائی کاہنوں اور لاویوں نے اور سب نے جو اسیری سے رہائی پا کے یروشلم کو آئے تھے، شروع کیا۔

۱۲۔ لیکن بہت لوگ ان کاہنوں اور لاویوں اور ... میں سے جو بوڑھے تھے جنہوں نے اس گھر کو دیکھا تھا جب اس گھر کی بنیاد ان کے دیکھنے میں ڈالی گئی تو وہ بڑی آواز سے چلا کر رونے لگے لیکن بہتیرے خوشی سے للکارے۔

8. Now in the second year of their coming unto the House of God at Jerusalem, in the second month, began Zerubbabel the son of She-al-ti-el , and Jesu-u-a the son of Jo-za-dak, and the remanant of their brethren the priests and the Levites, and all they that were come out of the captivity unto Jerusalem; and appointed the Levites, from twenty years old and upward, to set forward the work of the house of the Lord

12. But many of the priests and Levites and chief of the fathers, who were ancient men, that had seen the first house, when the foundation of this house was laid before their eys, wept with a loud voice, and many shouted aloud for joy .(Ezra 3: 8 & 12)

پھر باب ۴ میں بیان کیا ہے کہ:

جب یہودا اور بنیامین کے دشمنوں نے سنا کہ وے جو اسیر ہوئے تھے خداوند اسرائیل کے خدا کی ہیکل کو بناتے ہیں، تو وے زروبابل اور (بڑوں) کے پاس آئے اور انہیں کہا کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ تعمیر کرنے دو۔ انہوں نے انکار کیا۔ تو ان دشمنوں نے بادشاہ

ارتخششتا کے پاس اس مضمون کی عرضی بھیجی کہ بنی یہوداہ اس شہر اور گھر کو بنائیں گے، تو یہ سرکار سے باغی ہو جائیں گے اور مال گزاری نہ دیں گے۔ تب بادشاہ ڈر گیا اور اس گھر کا کام دارا کی سلطنت کے دوسرے برس تک موقوف رہا۔

پھر باب ۵ میں کہا ہے کہ:

حجی نبی اور زکریاہ بن عیدو کی نبوت (یعنی ہدایت) سے زروبابل اور یشوع اٹھے اور خدا کے گھر کو یروشلم میں بنانے لگے اور دارا بادشاہ کے سخت اور تاکیدی حکم سے وہ گھر بنا اور اس بادشاہ کی سلطنت کے چھٹویں سال تیار ہوا۔

پھر باب ۷ میں بیان کیا:

۹۔ ارتخششتا بادشاہ کی سلطنت کے ساتویں برس حضرت عزرا یروشلم میں آئے۔

اور بادشاہ کا فرمان اس مضمون کا انکو عطا ہوا۔

۲۵۔ اے عزرا کہ تو اپنے خدا کی اس دانش کے مطابق جو تجھے عنایت ہوئی ہے حاکموں اور قاضیوں کو مقرر کر کہ نہر کے پار سب لوگوں کا جو تیرے خدا کی شریعت کو جانتے ہیں انصاف کریں اور تم ان کو جو نہ جانتے ہوں سکھلاؤ۔

۲۶۔ اور جو کوئی تیرے خدا کی شریعت پر اور بادشاہ کے فرمان پر عمل نہ کرے گا اس پر فی الفور سزا کا حکم کیا جاوے گا۔ خواہ وہ قتل کا یا دیس نکالنے کا یا مال کی ضبطی کا یا قید ہو۔

Now when the adversaries of Judah and Benjamin heard that the children of captivity builded the temple unto the Lord God of Israel.

Then they came to Zerubbabel, and to the chief of the fathers, and said unto them, Let us build with you; for we seek your God, as ye do; and we do sacrifice unto him since the days of E-sar-had-don, king of Assur, which brought us up hither.

But Zerubbabel and Jeshua, and the rest of chief of the fathers of Israel, said unto them, Ye have nothing to do with us to build an house unto our God, but we ourselves together will build unto the Lord God of Israel, as king Cyrus the king of Persia hath commanded us.

Then the people of the land weakened the hands of the people of Judah, and troubled them in building

And hired counsellers against them, to frustrate their purpose, all the days of Cyrus king of Persia, even until the reign of Darius king of Persia.

And in the reign of A-has-u-e-rus, in the beginning of his reign, wrote they unto him an accusation against the inhabitants of Judah and Jerusalem.

And in the days of Ar-ta-xerx-es wrote Bish-lam, Mithi-re-dath, Tab-ed, and the rest of their companions unto Ar-ta-xerx-es king of persia, and the writing of the letter was written in the Syrian tongue, and interpreted in the Syrian tongue.

11. This is the copy of the letter that they sent unto him, even unto Ar-ta-xerx-es the king; Thy sevants the men on this side of the river, and at such a time.

12 Be it known unto the king, that the Jews which came up from thee to us are come unto Jerusalem, building the rebellious and bad city, and have set up the walls thereof, and joined the foundations.

13. Be it known unto the king, that, if this city be builded, and the walls set up again, then will they not pay toll, tribute, and custom and so thou shalt endamage the revenues of the kings.

24.Then ceased the work of the house of God which is at Jerusalem. So it ceased unto the second year of the reign of Darius king of Persia. (Ezra 4:1.7 &11-13 &24)

7: 9. For upon the first day of the first month began he to go up from Babylon, and on the first day of the fifth month came up to jerusalem according to the good hand of his God upon him.

10. For Ezra had prepared his heart to seek the Law of the Lord, and to do if, and to teach in Israel statutes and judgments.

13. I (Ar-ta-xerx-ex king) make a decree that all they of the people of Israel, and of his priests and Levites, in my realm, which are minded of their own freewill to go up to Jerusalem, go with thee (Ezra).

25. And thou Ezra, after the wisedom of the God, that is in thine hand, set magistrates and judges,

which may judge all the people that are beyond the river, all such as know the laws of thy God; and teach ye them that know them not.

26. And whosoever will not do the law of thy God, and the law of the king, let judgment be executed speedily upon him, whether it be upto death, or to banishment, or to consfiscation of goods, or to imprisonment .

ان آیات میں صاف و تصریح کے ساتھ بیان ہوا کہ پیش گوئی یرمیاہ کی حضرت مسیح سے پیشتر خورس بادشاہ کے عہد میں پوری ہوگئی اور جوڈیا، کونجات اور اسرائیل کو سلامتی حاصل ہوئی۔ اور ان میں صداقت عدالت حضرت عزیرؑ کے یروشلم میں آنے کے بعد قائم ہوگئی اور اسی وقت میں یہوواہ صدقنیوا کا کلمہ کہا گیا تھا جو خدا تعالیٰ عز وجل کی نسبت اور اس کے حق میں صادق آتا تھا۔ عیسائی بے انصافی کرتے ہیں کہ اس کلمہ کو حضرت مسیح کے حق میں قرار دیتے ہیں اور جو اس کلمے کے ساتھ حالات وقت بیان ہوئی ہے ان کا حضرت مسیح میں پایا نہ جانا اپنے خیال میں نہیں لاتے اور انصاف کا خون کر رہے ہیں۔

ازانجملہ تیسرا مقام کتاب یسیعاہ کا باب ۹ آیت ۶۔۷ ہے جس میں یہ بیان ہے کہ وہ جو بیٹا ہم کو بخشتا ہے اور فرزند تولد ہوتا ہے وہ ان خطابوں سے مزین ہے۔ خدائے قادر، اب، ابد یت، شاہ سلامت، مشیر، عجوبہ تخت داؤدی پر آنے والا جس کی سلطنت کا زوال کبھی نہ ہوگا۔

یہ پرچہ اول آتھم کے منقولہ الفاظ میں اصل کتاب اردو یسیعاہ میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ اس کی سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی کچھ انتہا نہ ہوگی۔

6. For unto us a child is born, unto us a son is given; and the government shall be upon his shoulder; and his name shall be called Wonderful, Counseller, The mighty God, the everlasting father, the Prince of peace

7. Of the increase of his government and peace there shall be no end, upon the throne of David, and upon his kingdom, to order it, and to establish it with judgment and with justice from henceforth even for ever. The zeal of the Lord of hosts will perform this. (Isaiah 9 :6-7)

اس پیشگوئی کو بھی عیسائی زبردستی حضرت مسیح پر جماتے ہیں ..درحقیقت یہ پیشگوئی خرقیا بن آخز بادشاہ کے حق میں ہے جو حضرت یسیعاہ کے وقت میں پوری ہوچکی ہے۔ عیسائیوں نے اس

پیش گوئی کے بیان میں تحریف سے کام لیا ہے اور اس پیش گوئی کے مصداق میں ایسی صفات والفاظ کو ازخود ملا دیا ہے کہ ایک انسان بادشاہ پر صادق نہ آسکیں وہ یہ چار الفاظ وصفات ہیں۔

اول، خدائے قادر۔ دوم، اب ابدیت۔ سوم، جس کی سلطنت کو کبھی زوال نہ ہوگا، تا ابد تک رہے گی۔ چہارم، لا انتہا۔

مگر یہ الفاظ عیسائیوں کی تحریف کا نتیجہ ہے اور اصل پیشگوئی میں یہ الفاظ نہیں کہے گئے ہم اس مقام اصل عبارت عبرانی اس پیش گوئی کی نقل کرتے ہیں پھر ثابت کر دکھاتے ہیں کہ یہ الفاظ واوصاف تحریف سے ملائے گئے ہیں۔ اور جو الفاظ اصل پیش گوئی میں ہیں وہ خرقیاہ بادشاہ میں پائے جاتے ہیں اور اس نظر سے وہ پیش گوئی ان کے حق میں صادق ہو چکی ہے۔ اصل عبارت عبرانی بخط عبرانی یہ ہے.....(عبرانی الفاظ میں نے حذف کر دیئے ہیں۔ بہاء)

عربی عبارت میں اس کے الفاظ.........

کی یلد یلّد لا تو بین بیّن لا ئق و حی همّراه علی شکمو و تقروا شمو فل یو عیص ایل گبّور ، ابی عد، سر شالوم لسر بهه همسّراه و لشالوم این قیص علی کِتا داؤد و عل مملکتو لها کین اتاه و لسعا داه بمشباط و بصدا قاه معتاه و عد عولام قن ا ث ..

اس کا ترجمہ: ہمارے لئے ایک لڑکا پیدا ہوا اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا اور سلطنت اس کے کاندھے پر ہوگی اور وہ اس نام سے کہلائے گا۔ عجیب مشیر پہلوان یا زور آور اور اپنے وقت کے لوگوں کا مربی اور سلامتی کا شہزادہ اس کا اقبال حکومت اور سلامتی طاقتور با مقصد ہوگی داؤد کے تخت اور اس کی مملکت پر وہ درستی سے سنبھالے گا عدالت اور صداقت سے آج سے مدت دراز تک قابض رہے گا۔ (معلوم نہیں عبرانی کی عربی نقل میں کس قدر غلطیاں ہیں۔ بہاء)

اس عبارت میں جو اس لڑکے کو عجیب اور سلامتی کا شہزادہ کہا گیا ہے یہ حضرت حزقیاہ پر اچھے طور پر صادق آ چکا ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کے بیان سے جو آپ کے وقت میں وقوع میں آیا ہے وہ اسی کتاب یسیعاہ اور کتاب سلاطین وتواریخ سے نقل کیا جائے گا، یہ امر بخوبی ثابت ہے۔ ایسا ہی پہلوان یا زور آور ہونا اور اپنی قوم کا مربی ہونا اور اس کی سلطنت کا ایک مدت طویل تک طاقت ور یا با مقصد رہنا بھی اس پر صادق آ چکا ہے۔ کتاب دوم تواریخ اور دوم سلاطین اس پر شاہد ہے۔ عیسائیوں نے جو بجائے ان الفاظ وصفات کے وہ چار لفظ اس پیش گوئی میں درج کئے ہیں اس میں

انہوں نے تحریف سے کام لیا ہے۔

ان کا پہلا لفظ نتیجہ تحریف لفظ، خدائے قادر، ہے جس کو انہوں نے عبرانی لفظ ایل گبور کا ترجمہ قرار دیا ہے اور اس میں تحریف معنوی سے کام لیا ہے۔ یہاں ایل گبور کا صحیح ترجمہ پہلوان یا زور آور یا سردار ہے۔ عبرانی میں لفظ ایل چار معنی میں استعمال ہوا ہے۔ زور، زور آور، الہ، اللہ۔ دیکھو لغات عبرانی پادری ولیم ہو پر پرنسپل ڈیونٹی کالج لاہور مطبوعہ الہ آباد مشن پریس ص ۱۲۔ اور لفظ گبور تین معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ زور آور، پہلوان، سردار۔ (دیکھو لغات عبرانی مذکور ص ۵۹) اور چونکہ اس پیش گوئی میں یہ الفاظ ایک لڑکے کے حق میں، جو انسان سے تولد ہونیوالا تھا، استعمال کئے گئے ہیں لہذا ان الفاظ کے یہی معنی مناسب مقام و متعین ہیں جو انسان میں پائے جاتے ہیں یعنی پہلوان یا زور آور یا سردار، نہ وہ معنی جو خالق سے مخصوص ہیں یعنی اللہ یا الہ یا خدا۔ ایسے معنی مخصوص بخدا تعالی کو اس مقام میں مراد قرار دینا محض غلطی اور تحریف معنی ہے۔

ان کا دوسرا تحریفی لفظ اب ابدیت ہے جس کو انہوں نے لفظ ابی عد کا ترجمہ قرار دیا ہے اور اس میں تحریف معنوی سے کام لیا ہے اور درحقیقت ابی عد کا ترجمہ مناسبِ مقام، وقت کا باپ، ہے یعنی اپنے وقت کے لوگوں کا مربی۔

اب کے معنی عبرانی میں باپ کے ہیں جیسا کہ عربی میں اور بحالت اضافت یا سے بولا جاتا ہے اور عد تین معنوں میں مستعمل ہو چکا ہے۔ وقت، ابد، لوٹ۔ دیکھو لغات عبرانی مذکور صفحہ ۲۷۸۔ وازانجا کہ یہ لفظ ایک انسان بادشاہ کے حق میں مستعمل ہوا ہے لہذا اس کے معنی وہی اول، مناسب مقام اور متعین ہیں۔ دوسرے معنی جو خدا سے مخصوص ہیں مراد ٹھہرانا تحریف معنوی ہے۔

ان کا تیسرا لفظ نتیجہ تحریف لفظ، انتہاء نہ ہونے، کا ہے جس کو انہوں نے این قیص کا ترجمہ قرار دیا ہے اور اس میں تحریف سے کام لیا ہے اس مقام میں این کے معنی طاقت ور کے ہیں دیکھو صفحہ ۱۳ لغات عبرانی ولیم ہو پر۔ اور قیص کا ترجمہ بامقصد ہے دیکھو صفحہ ۳۵۷ لغات مذکور۔

ان کا چوتھا لفظ تحریف، سلطنت کے لازوال یا ابدی ہونے کا ہے جس کو انہوں نے عولام کا ترجمہ قرار دیا ہے اور اس میں تحریف معنوی سے کام لیا۔ اور درحقیقت اسکا ترجمہ طویل مدت ہے۔ عد کے معنی ابھی بیان ہوئے ہیں اور عولام کے معنی، بڑی مدت، کے اس مقام کے مناسب ہیں دیکھو لغات مذکور صفحہ ۲۹۰۔

یہ اس پیشگوئی کے الفاظ کی تحقیق ہے جس سے یہ پیشگوئی حزقیاہ کے حق میں صادق آسکتی

ہے۔اب یسیعاہ اورسلاطین اورتواریخ سے پیشگوئی کا حزقیاہ پرصادق ہونا ثابت کیا جاتا ہے۔

پس اولاً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس باب نہم کتاب یسیعاہ میں پیش گوئی کی گئی ہے اس سے پہلے آٹھویں باب آیت ۷ میں شاہ اسور کے چڑھائی کرنے اورلوگوں کے تنگی وتاریکی میں پڑ جانے کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ پھر باب نہم میں اس تنگی وتاریکی کے دور ہو جانے کی بشارت کے ضمن میں اس لڑکے کی پیش گوئی کی گئی ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ لڑکا وہی ہے جس کے وقت اور عہدحکومت وسلطنت میں وہ تاریکی دور ہو جائے جوشاہ اسور کی چڑھائی سے پیدا ہوگی۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ بائیبل کی شہادت سے وہ کون لڑکا ہے جس کے وقت اورعہد سلطنت میں وہ تنگی وتاریکی دور ہوئی ہے۔سوشاہ حزقیاہ ہے، جواس پیش گوئی کے بعدتخت داؤدی پر تخت نشین ہوا اوراس کی سلطنت کے چوھویں برس سنخریب نے جوڈا کےشہروں پر چڑھائی کی جس سے تمام جوڈا پرتنگی وتاریکی چھاگئی۔تب حزقیاہ کی دعا سےلشکر سنخریب پر یہ آفت آئی کہ خدا کے فرشتے نے ان کے بڑے بڑے بہادروں اور سرداروں اور رئیسوں کو فنا کیا۔ایک شب میں ایک لاکھ پچاسی ہزارآدمیوں کو واصل جہنم کیا۔ یہ عجیب وغریب فتح وسلامتی ہوئی جس کے سبب سے حزقیاہ سلامتی اور عجیب کہلایا ہے۔اب ہم اپنے اس بیان کی تصدیق کے لئے بائیبل کی عبارت نقل کرتے ہیں۔یسیعاہ باب ۸ آیت ۷ میں کہا ہے:

اب دیکھ خداوند دریا کے سخت شدید سیلاب کو یعنی شاہ اسوراوراس کی ساری شوکت کو ان پر چڑھالائے گا۔ ۲۱۔تب وے خراب حال بھوکے ہوکے سرزمین میں گزریں گے۔اورایسا ہوگا کہ جب وہ بھوکے ہوں تو وے اپنی جان سے بیزار ہونگے۔اوراپنے بادشاہ اور خدا پرلعنت کریں گے اوروے اوپر تاکیں گے۔۲۲۔ پھرزمین کی طرف گھوریں گے۔اورکیا دیکھتے ہیں۔تنگی اور تاریکی کوکہ وہ سیاست ہی سے تاریک ہوجائے گی اور تیرگی میں کھدیڑی جائیں گی۔

7.Now therefore, behold, the Lord bringeth up upon them the waters of the river, strong and many, even the king of Assyria, and all his glory, and he shall come up over all the channels, and go over all his banks.

21. And they shall pass through it, hardly bestead and hungry, and it shall come to pass, that when they shall be hungry, they shall fret themselves, and curse their king and their God, and look upward.

22 And they shall look unto the earth; and behold trouble and darkness, dimness of anguish; and they shall be driven to darkness. (Isaiah 8: 7 & 21 & 22)

پھراس کے باب ۹ میں کہا ہے:

لیکن تیرگی وہاں نہ رہے گی۔ ۲۔ وے لوگ جو تاریکی میں چلتے تھے بڑی روشنی دیکھتے اوران پر جو موت کے سایہ کے ملک میں رہتے تھے نور چمکتا۔

1. Nevertheless the dimness shall not be such as was in her vexation, when at the first he lightly afflicted the hand of Ze-bu-lum and the hand of Naph-ta-li, and afterward did more grievously afflict her by the way of the sea, beyong Jordan, in the Galilee of the nations.

2. The people that walked in darkness have seen a great light: they that dwell in the land of the shadow of death, upon them hath the light shined. (Isaiah 9:1.2)

اس کے بعد آیت ۶ میں اس لڑکے کی وہ پیشگوئی ہے جس کو عیسائی مسیح کے حق میں لگاتے ہیں۔ پھراس کے باب ۱۰ آیت ۱۲ میں شاہ اسور کی گستاخی پر سزایابی کی پیش گوئی ہے۔

Wherefore it shall come to pass, that when the Lord hath performed his whole work upon mount Zion and on Jerusalem, I will punish the fruit of the stout heart of the King of Assyria, and the glory of his high looks. (Isaiah 10:12).

So shall the king of Assyria lead away the Egyptians prisoners, and the E-thi-o-pi-ans captives, young and old, naked and barefoot, even with their buttocks uncovered, to the shame of Egypt. (Isaiah 20:4)

Then shall the Assyrian fall with the sword, not of the mighty man; and the sword, not of a mean man, shall devour him, but he shall flee from the sword, and his young men shall be discomfited. (Isaiah 31:8).

پھراس کے باب ۲۰ آیت ۴ میں مصریوں کے شاہ اسور کے قید میں آجانے کا ذکر ہے۔ پھراس کے باب ۳۱ آیت ۸ میں اسوری کے گرجانے کی پیش گوئی ہے۔ پھراس کے باب ۳۶ میں کہا ہے:

اورحزقیاہ کی سلطنت کے چودھویں سال یوں ہوا کہ شاہ اسور سنخریب، یہودا کے سب

حصین شہروں پر چڑھا اور انہیں لے لیا۔۲۔ اور شاہ اسور نے رب ساقی کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ لکبیس سے حزقیاہ کے پاس یروشلم بھیجا۔۳۔تب الیاقیم بن خلقیاہ جو گھر کا مختار تھا، اور شہنہ متصدی اور محاسب یواخ بن آسف نکل کے اس پاس آئے۔۴۔اور رب ساقی نے انہیں کہا تم تو حزقیاہ سے یہ کہو بادشاہ عظیم اسور کا بادشاہ یوں فرماتا ہے۔ وہ کون سی امید ہے جسے تو ایسا کہہ کے رکھتا ہے۔۵۔ مجھ میں لیکن فقط منہ کی بات ہے۔مصلحت اور جنگ کی قوت موجود ہے، سواب تو کس پر اعتماد کرتا ہے ، جو تو نے مجھ سے سرکشی کی۔۶۔ دیکھ تجھے اس ٹوٹی ہوئی چھڑی پر مصر کے نل پر بھروسہ ہے۔۱۸۔ حزقیاہ تمہیں فریب دینے نہ پاوے جو کہتا ہے کہ خدا ہم کو چھوڑا دے گا۔ بھلا کیا گروہوں کے معبودو ں میں سے کسی نے بھی اپنی سرزمین کو اسور کے بادشاہ کے ہاتھ سے بچایا ہے۔۱۹۔ حمایت زور ارفاد کے معبود کہاں ہیں۔سفر دائم کے معبود کہاں ہیں۔کیا انہوں نے سمروں کا ملک میرے ہاتھ سے بچالیا۔۲۰۔ان سارے ملکوں کے معبودوں کے درمیان وہ کون ہے جس نے اپنا ملک میرے ہاتھ سے بچایا۔ جو خدا بھی یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچاوے گا۔ ۲۲۔ الیاقم اور شبنہ اور یواخ حزقیاہ کے پاس آئے اور اپنے کپڑے چاک کئے ہوئے رب ساقی کی باتیں اس سے بیان کیں۔

Now it came to pass in the fourteenth year of king Hez-e-ki-ah, that Sen-nach-er-ib king of Assyria came up against all the defenced cities of Judah, and took them.

And the king of Assyria sent Rab-sha-keh from La-chish to Jerusalem unto king Hez-e-ki-ah with a great army. and he stood by the conduit of the upper pool in the highway of the fuller field.

Then came forth unto him E-li-a-kim, hil-ki-ah's son, which was over the house, and Sheb-na the scribe, and Jo-ah, A-saph's son, the recorder.

And Rab-sha-keth said unto them, Say ye now to Hez-e-ki-ah. Thus saith the great king, the king of Assyria. What confidence is this wherein thou trustest?

I say, sayest thou, (but they are but vain words) I have counsel and strength for war: now on whom dost thou trust, that thou rebellest against me?

Lo, thou, trustest in the staff of this broken reed, on Egypt; wherein if a man lean, it will go into his hand, and pierce it, so is Pharaoh king of Egupt to all that trust in him .

18. Beware lest Hez-e-kiah persuade you, saying. The Lord will deliver us. Hath any of the gods

of the nations delivered his land out of the hand of the king of Assyria?

19. Where are the gods of Ha-math and Ar-phad? where are the gods of Se-phar-va-im? and have they delivered Sa-mar-i-a out of my hand.

20. Who are among all the gods of these lands that have delivered their land out of may hand, that the Lord should deliver Jerusalem out of my hand?

12. But they held their peace, and answered him not a word; for the King's command was, saying, answer him not .

22. Then came E-li-a-kim, the son of Hil-ki-ah, that was over the household, and Sheb-na the scribe, and Jo-ah, the son of A-saph, the recorder, to Hez-e-ki-ah with their cloths rent, and told him the words of Rab-sha-keh. (Isaiah 36)

پھر باب ۳۷ میں کہا ہے:۔

اور ایسا ہوا کہ حز قیاہ بادشاہ نے یہ سنکر اپنے کپڑے پھاڑے اور ٹاٹ اوڑھا اور خداوند کے گھر میں گھس گیا۔ ۲۔ اور اس نے الیاقم اور شبنہ اور کاہنوں کے بزرگوں کو ٹاٹ اوڑھا کے یسیعاہ بن اسوس کے پاس بھیجا۔۳۔ اور انہوں نے اس سے کہا کہ حز قیاہ یوں کہتا ہے کہ آج کا دن دکھ اور ملامت اور تہمت کا دن ہے ۔۴۔ شائد کہ خداوند تیرا خدا رب ساقی کی سب باتیں سنے گا جسے اسکے صاحب شاہ اسور نے بھیجا ہے کہ خدائے حی کی تحقیر کریں۔ اور ان باتوں کے سبب جو خداوند میرے خدا نے سنی ہیں تنبیہہ دے گا۔ پس تو ان باقیوں کے واسطے خدا سے دعا مانگ ۔۵۔ پس شاہ حز قیاہ کے ملازم یسیعاہ کے پاس آئے تب یسیعاہ نے انہیں فرمایا تم اپنے آقا سے کہو خداوند یوں فرماتا ہے کہ تو ان باتوں سے جنہیں شاہ اسور کے جوانوں نے کہہ کر میری تحقیر کی ہے ہراساں مت ہو۔ دیکھ میں اس میں روح ڈالونگا۔ اور وہ ایک افواہ سن کے اپنی مملکت کو پھر جائے گا۔ اور میں اسے اس ہی کی زمین میں تلوار سے مروا ڈالوں گا۔

پھر اس باب ۳۷ کی آیت ۱۱ وغیرہ میں بیان کیا ہے کہ

۱۱۔ شاہ اسور نے پھر حز قیاہ کو دھمکایا اور ڈرایا۔

۱۴۔ حز قیاہ نے خدا سے دعا مانگی کہ اے خدا تو ہم کو اسور کے ہاتھ سے بچالے۔

۲۱۔ میں کہا ہے کہ حضرت یسیعاہ نے حز قیاہ کو کہلا بھیجا کہ خدا تعالی نے تیری سن لی۔

۳۳۔ سوخدا شاہ اسور کے حق میں فرماتا ہے کہ وہ اس شہر میں نہ آئیگا۔ نہ اس کے اندر تیر چلاویگا۔
۳۴۔ بلکہ جس راہ سے آیا ہے اسی راہ سے پھر جاوے گا۔
۳۶۔ پس خداوند کے فرشتہ نے جا کے اسوریوں کے لشکر گاہ میں ایک لاکھ پچاسی ہزار آدمی جان سے مارے اور جب لوگ صبح سویرے اٹھے تو دیکھو کہ وہ سب مرے پڑے تھے۔
۳۷۔تب سنخریب شاہ اسور نے کوچ کیا اور چلا گیا۔ اور پھر گیا اور نینواہ میں آ رہا۔
۳۸۔ اور ایسا ہوا کہ جس وقت وہ اپنے معبود نسروک کے گھر میں پوجا کرتا تھا آدرم ملک اور شاراضر اس کے بیٹوں نے اسے تلوار سے قتل کیا۔ اور وے بھاگ کر اراراط کی سرزمین کو گئے اور اس کا بیٹا اسرحدون اس کی جگہ بادشاہ ہوا۔

1.And it came to pass, when king Hez-e-ki-ah heard it, that he rent his cloths, and covered himself with sackcloth, and went into the house of the Lord.

2, And he sent E-li-a-kim, who was over the household, and Sheb-na the scribe, and the elders of the priests covered with sackcloths, unto Isaiah the prophet the son of Amoz.

3. And they said unto him, Thus saith Hez-e-ki-ah, This day is a day of trouble, and of rebuke , and of blasphemy; for the children are come to the birth, and there is not strength to bring forth.

4.It may be the Lord thy God will hear the words of Rab-sha-keh, whom the king of Assyria his master hath sent to reproach the living God, and will reprove the words which the Lord thy God hath heard; wherefore lift up thy prayer for the ramnant that is left.

5 . So the servants of king Hez-e-ki-ah came to Isaiah.

6. And Isaiah said unto them, Thus shall ye say unto your master. Thus saith the Lord. Be not afraid of the words that thou hast heard, wherewith the servants of the king of Assyria have blasphemed me.

7. Behold I will send a blast upon him, and he shall hear a rumour, and return to his own land; and I will cause him to fall by the sword in his own land.

11. Behold, thou hast heard what the king of Assyria have done to all lands by destroying them utterly; and shalt thou be deliverd.

14. And Hez-e-ki-ah received the letter from the hand of the messengers, and read it; and Hez-e-ki-ah went up unto the house of the Lord, and spread it before the Lord.

15. And Hez-e-ki-ah prayed unto the Lord saying.

16. O Lord of Hosts, God of Israel, that dwellest between the cher-u-bims, thou art God, even thou alone, of all the kingdoms of the earth: thou hast made heaven and earth.

17. Incline thine ear O Lord, and hear; open thine eyes. O Lord and see, and hear all the words of Sen-nach-er-ib which hath sent to reproach the living God .

21.Then Isaiah the son of Amoz sent unto Hez-e-ki-ah, saying, Thus saith the Lord God of Israel, Whereas thou hast prayed to me against Sen-nach-er-ib king of Assyria;

33. Therefore thus saith the Lord concerning the king of Assyria. He shall not come into the city, nor shoot an arrow there, nor come before it with shields, nor cast a bank against it.

34. By the way that he came, by the same shall he return, and shall not come into the city, saith the Lord.

35 For I will defend this city to save it for mine own sake, and for my servant David's sake .

36. Then the angel of the Lord went forth, and smote in the camp of the Assyrians and hundred and fourscor and five thousand; and when they arose early in the morning, behold they were all dead corpses.

37. So Sen-nach-er-ib king of Assyria departed, and went and returned, and dwelt at Nin-e-veh.

38. And it came to pass, as he was worshipping in the house of Nis-roch his god, that A-dram-me-lech and Sha-re-zer his sons smote him with the sword; and they escaped into the land of Ar-me-ni-a; and E-sar-had-don his son reigned in his stead. (Isaiah)

ایسا ہی دوم تواریخ کے باب ۳۱ و ۳۳ میں اور دوم سلاطین کے باب ۱۸ و ۱۹ میں بیان ہوا ہے۔ ان کتابوں کے ان بیانات سے صاف اور یقینی طور سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لڑکا جس کی پیش گوئی یسیعاہ باب ۹ میں ہوئی ہے وہی شاہ حزقیاہ ہے جس کی دعا سے خدا تعالیٰ نے شاہ اسور کے لشکر میں ایک لاکھ پچاسی ہزار کی جان ایک رات میں لے لی اور اس سے شاہ اسور کو ہزیمت اور شاہ

حزقیاہ کو عجیب فتح نصیب ہوئی اور پیشگوئی اس وقت پوری ہوگئی۔عیسیٰؑ کے متعلق یہ کسی طرح نہیں ہوسکتی۔عیسائی ظلم و ناانصافی کرتے ہیں کہ اس پیش گوئی کو ناحق و بلاوجہ عیسیٰؑ پر جماتے ہیں۔

وازانجملہ چوتھا مقام یسیعاہ باب ۷ آیت ۱۴، اور باب ۸ آیت ۱۰ میں ہے جس کو آتھم نے پرچہ ۲۵ مئی میں ۱۸۹۳ء میں بضمن ایک فہرست کے پیش کیا ہے جسکا مضمون آتھم نے بیان کیا :

دیکھو کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اسکا نام ایمانوئیل رکھیں گے تم منصوبہ باندھو پروہ باطل ہوگا۔حکم سناؤ پر وہ ٹھہرے گا۔کہ خداوند ہمارے ساتھ ہے۔ اس جگہ لفظ ایمانوئیل ہے۔

اس پیش گوئی حضرت یسیعاہ کو بھی عیسائی زبردستی حضرت عیسیٰؑ پر لگاتے ہیں۔اور اس پیش گوئی کے مضمون اور متعلقات سے آنکھ بند کر کے اپنے آپ کو بے انصاف بنا رہے ہیں۔اور درحقیقت یہ پیش گوئی حضرت یسیعاہ کے خود اپنے وقت میں پوری ہوگئی۔شاہ احاس بن بوتام (جس کو بائیبل میں اخذ بن یوتام کہا گیا ہے) کے دشمنوں شاہ ارام رضین وغیرہ نے اس پر چڑھائی کی تو اس سے احاس ڈر گیا۔تب حضرت یسیعاہ نے اس کو بشارت دی۔اور یہ پیش گوئی کی کہ ایک جوان عورت لڑکا جنے گی جس کا نام وہ خود عمانوایل رکھے گی۔ وہ ہنوز سن تمیز کو نہ پہنچے گا کہ وہ زمین ان بادشاہوں سے جو اس پر چڑھائی کرتے ہیں چھوڑائی جائے گی اور ایسا ہی وقوع میں آگیا۔وہ لڑکا شاہ احاس کے وقت میں پیدا ہوا اور اسی وقت شاہ احاس کے مخالفوں کو پس پا کیا گیا۔ یہ بات اسی کتاب یسیعاہ کے باب ۷ وغیرہ اور کتاب سلاطین دوم کے باب ۱۶ وغیرہ میں بتفصیل مذکور ہے مگر حضرات عیسائی اس تفصیل سے آنکھ بند کر کے اس پیش گوئی کو حضرت عیسیٰؑ پر لگاتے ہیں۔اور اس میں اپنی سنت قدیم تحریف سے بھی کام لے چکے ہیں کہ جوان عورت کی جگہ کنواری عورت بنا دیا۔اور بجائے اس فقرہ کے اس لڑکے کی والدہ ...

(اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ کے صفحات ۲۸۸۔۲۸۹ موجود نہ ہونیکے باعث ان کی عبارت مجبوراً حذف کی جارہی ہے۔صفحہ ۲۹۰ پر بھی اسی پیش گوئی کا مضمون چل رہا ہے اور یسیعاہ باب ۷ کی آیات نقل ہورہی ہیں۔ بہاء)

..... لاؤ گے تو یقیناً قائم نہ رہو گے۔۱۰۔ پھر خداوند نے اخز سے خطاب کر کے کہا۔۱۱۔ خداوند اپنے خدا سے کوئی نشان مانگ۔خواہ نیچے زمین خواہ اوپر بلندی میں۔۱۲۔ پھر اخز نے کہا میں نہیں مانگنے کا۔اور میں خداوند کو نہیں آزمانے کا۔۱۳۔تب نبی نے کہا اے داؤد کے خاندان اب تم سنو انسان کو تھکانا ہمارے آگے نہایت چھوٹی بات ہے۔سو کیا تم میرے خدا کو بھی تھکاؤ گے؟ ۱۴۔ باوجود اس کے خداوند آپ تم کو نشان دے گا۔(بے انصاف عیسائیو! دیکھو اس نشان کے دکھانے کا کس

کو وعدہ دیا گیا؟ کیا اسی بادشاہ خاندان داؤدی شاہ اخزیا احاس کو جو حضرت یسیعاہ کے وقت میں تھا یہ وعدہ نہیں دیا گیا) دیکھو کنواری (یہ عیسائیوں کی من گھڑت اور تحریف ہے اصل میں جوان عورت کہا گیا ہے چنانچہ ثابت ہو چکا ہے) حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام امانوایل رکھے گی۔ (عیسائیو! اس لفظ کو بھی دیکھو اور خیال کرو کہ تم نے اس کو کیا بنا لیا؟ اور بجائے اس کے انجیل میں یہ داخل کر دیا کہ لوگ اس کا نام امانوایل رکھیں گے)۔ ۱۵۔ وہ دہی وشہد کھاوے گا جس وقت وہ برا ترک کرنے کا اور بھلا پسند کرنے کا امتیاز پاوے گا۔ ۱۶۔ پھر اس سے آگے کہ یہ لڑکا بد ترک کرنے کا اور نیک پسند کرنے کا امتیاز پاوے، یہ زمین جسے تو برباد کرتا ہے اپنے دونوں بادشاہوں سے چھوڑا دی جائے گی۔

1. And it came to pass in the days of Ahaz, the son of Jo-tham, the son of ...., king of Judah, that Re-zin the king of Syria, and Pe-kah the son of the Rem-a-li-ah, king of Israel, went up towards Jerusalem to war against it, but could not prevail against it.

2. And it was told the house of David, saying, Syria is confederate with E-phra-im. And his heart was moved, and the heart of his people, as the trees of the wood are moved with the wind.

3. Then said the Lord unto Isaiah, Go forth now to meet Ahaz, thou, and She-ar-rash-ub thy son, at the end of the conduit of the upper pool in the highway of the fuller field.

4. And say unto him, Take heed, and be quiet, fear not, neither be faint-hearted for the two tails of these smoking firebrands for the fierce anger of Re-zin with Syria, and of the son of Rem-a-li-ah.

5. Because Syria, E-phra-im, and the son of Rem-a-li-ah, have taken evil counsel against thee saying,

6. Let us go up against Judah, and vex it, and let us make a breach therein for us, and set a king in the midst of it, even the son of Ta-be-al:

7. Thus saith the Lord God, It shall not stand, neither shall it come to pass.

8. For the head of Syria is Damascus, and the head of Damascus is Re-zin; and within threescore and five years shall E-phra-im be broken, that it be not a people.

9. And the head of E-phra-im is Sa-mar-i-a, and the head of Sa-mar-ia is Rem-a-li-ah's son. If ye will not believe, surely ye shall not be established.

10. Moreover the Lord spake again unto Ahaz, saying,

11. Ask thee a sign of the Lord thy God; ask it either in depth, or in the height above.

12. But Ahaz said, I will not ask, neither will I tempt the Lord.

13. And he said, hear ye now, O house of David; Is it a small thing for you to weary men, but will ye weary my God also.

14. Therefore the Lord himself shall give you a sign; behold, a virgin shall conceive, and bear a son, and shall call his name Im-man-u-el.

15. Butter and honey shall he eat, that he may know to refuse the evil, and choose the good.

16. For before the child shall know to refuse the evil, and choose the good, the land that thou abhorrest shall be forsaken of both her kings. (Isaiah 7: 1.16)

ان آیات میں صاف تصریح ہے کہ یہ پیشگوئی یسیعاہ نے شاہ احاس کی تسلی کیلئے کی تھی اوراس کوبطورنشان نمائی یہ بشارت دی تھی کہ ایک جوان عورت سے لڑکا پیدا ہوگا اوراسکے زمانہ ہوش سنبھالنے سے پہلے تیرے مخالف بادشاہوں کی بربادی ہو جائے گی ۔ لہذا پرضرورتھا کہ وہ لڑکا اس کے وقت میں پیدا ہوتا اوراداس کے پیدا ہونے کے بعد اپنے مخالفوں کی بربادی کا مشاہدہ کرلیتا۔

اب رہا یہ سوال کہ وہ لڑکا کونسا تھا۔سواس کا جواب یہ ہے کہ یہودی یوں کہتے ہیں وہ لڑکاحضرت یسیعاہ کے گھرمیں انہیں کی جوان عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اوراس پر وہ کتاب یسیعاہ کے باب ۸ آیت ایک وغیرہ سے دست آویز کرتے ہیں ۔

۱۔ پھرخدا نے مجھے کہا کہ ایک بڑی تختی لےاورآدمی کی قلم سےاس پرلکھ مھیر شالال حاش بز کیلئے ۔

۲۔اورکہ میں دیانت دارگواہوں یعنی عوریاہ کاہن اورذکریابن .. برکیاہ کومقررکروں ۔

۳۔ اورمیں نبیہ کے پاس گیا وہ پیٹ سے ہوئی اورایک بیٹا جنی تب خداوند نے مجھے کہا کہ تو اس کا نام مھیر شالال حاش بز رکھ۔

۴۔کہ اس سے پیشترکہ یہ لڑکا ۔اے میرے باپ اے میری ماں بول سکے، دمشق کا مال اورسمرون کی لوٹ کواٹھواکے شاہ اسورکے حضورمیں لے جاویں گے۔

۹۔ارےقوموں دھوم مچاؤ پرتم ٹکڑے ٹکڑے کیئے جاؤ گے۔اور اے تم سب جوزمین کے دور اطراف میں ہواسے سنواپنی کمریں باندھوپرتمہارےٹکڑےٹکڑے کیئے جائیں گے۔اپنی کمریں کسو

پر تمہارے پرزے پرزے کئے جائیں گے۔
تم منصوبہ باندھو۔ پروہ باطل ہوگا۔ حکم سناؤ پروہ نہ ٹھہرے گا کہ خداوند تمہارے ساتھ ہے۔

1. Moreover the Lord said unto me. Take thee a great roll, and write in it with a man's pen concerning Ma-her.shal-al-hash-baz.

2. And I took unto me faithful witnesses to record C-ri-ah the priest, and Zech-a-riah the son of Je-ber-e-chi-ah.

3. And I went unto the prophetess, and she conceived, and bare a son. Then said the Lord to me, Call his name Ma-her.shal-al-hash-baz.

4. For before the child shall have knowledge to cry, My father, and my mother, the riches of Damascus and the spoils of Sa-mar-i-a shall be taken away before the king of Assyria.

5. The Lord spake also unto me again, saying.

6. Forasmuch as this people refuseth the waters of Shi-lo-ah that go softly, and rejoice in Re-sin and Rem-a-liah's son.

9. Associate yourselves, O ye people, and ye shall be broken in peaces; and give ear, all ye of far countries; gird yourselves, and ye shall be brokenin pieces, gird yourselves, and you shall be broken in pieces.

10. Take counsel together, and it shall come to nought, speak the word, and it shall not stand; for God is with us. (Isaiah 8: 1-10)

یہ اخیر کا جملہ اس لڑکے کے دوسرے نام عمانوایل کی طرف مشعر ہے۔ جیسا کہ اس کا پہلا نام مھیر شاہ لال حاش بز ہے۔ اور دوم تواریخ کے باب ۲۸، اور دوم سلاطین کے باب ۱۶ میں بیان ہوا ہے کہ شاہ احاس نے ارامی رضین اور شاہ اسرائیل سے تنگ ہو کر شاہ اسور کی طرف التجا کی اور اس سے مدد مانگی چاہی۔ (تواریخ ۲۔ ۲۸: ۱۶)۔ تب شاہ اسور نے اس کی بات مانی اور اس نے دمشق پر لشکرکشی کر کے اسے لے لیا۔ اور یہ وہاں کے لوگوں کو اسیر کر کر کے قید میں لایا اور رضین کو قتل کیا۔ تب اخذ بادشاہ، شاہ اسور تگلت پلاسر کی ملاقات کو چلا (سلاطین دوم ۱۶: ۷۔۹۔۱۰) وغیرہ۔

7. Ahaz sent messengers to Tig-lath-pi-le-ser king of Assyria, saying, I am thy servant and thy

son; come up and save me outof the hand of the king of Syria, and out of the hand of the king of Israel, which rise up against me .

8. And Ahaz took the silver and gold that was found in the house of the Lord, and in the treaurers of the king's house, and sent it for a present to the King of Assyria.

9. And the King of Assyria hearkened unto him: for the king of Assyria went up against Damascus and took it and carried the people of it captive to Kir and slew Re-zin

10. And king Ahaz went to Damascus to meet Tig-lath-pi-le-ser king of Assyria, and saw an alter that that was at Damascus; and king Ahaz sent to C-ri.jah the priest the fashion of the alter, and the pattern of it, according to all workmanship thereof. (2 Kings 16: 7-10)

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ پیش گوئی حضرت یسیعاہ، شاہ احاس کے وقت میں پوری ہوگئی۔ اور وہ لڑکا وہی ہے جو حضرت یسیعاہ کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ عیسائی حضرات، موعود لڑکا حضرت یسیعاہ کے لڑکے کو نہ مانیں تو وہ کوئی اور لڑکا تجویز کر لیں مگر وہ لڑکا ایسا ہونا چاہیے جو حضرت یسیعاہ کے وقت اور شاہ احاس کے دشمنوں سے نجات پانے سے پہلے پیدا ہو چکا ہو کیونکہ حضرت یسیعاہ کے وقت اس پیش گوئی کے پورا ہو جانے میں ان کو دم مارنے اور انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ لہذا اس لڑکے کا بھی اس وقت میں پیدا ہو جانا ضروری ہے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ پیش گوئی نجات شاہ احاس تو اسی وقت پوری ہو جاوے اور وہ لڑکا جس کی پیدائش کو اس نجات کی علامت قرار دیا گیا تھا حضرت مسیح ہو جو ۷۴۲ برس کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ عیسائیوں کی فہم و انصاف کو معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی موٹی بات نہیں سمجھتے اور زبردستی اس پیش گوئی کا مصداق حضرت مسیح کو بناتے ہیں۔

وازانجملہ پانچواں مقام یسیعاہ باب ۴۰ آیت ۳ ہے جس کو ڈپٹی آتھم نے اس پرچہ ۲۵ ۱۸۹۳ء میں پیش کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے:

بیابان میں ایک منادی کرنے والے کی آواز تم خداوند کی راہ درست کرو۔ اور اس کے راستوں کو سیدھا بناؤ۔

اس پیش گوئی کو بھی حضرت عیسیٰؑ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ پیش گوئی بشہادت انجیل متی یوحنا بپتسما دینے والے کے مسیح کے حق میں ہے۔ متی باب ۳ میں آیت ۱ سے ۳ تک کہا ہے

ان دنوں یوحنا بپتسما دینے والا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہو کے منادی کرنے۔ ۲۔ اور

یہ کہنے لگا توبہ کرو کیونکہ آسمانی بادشاہت نزدیک ہے۔۳۔ کہ یہ وہی ہے جس کا ذکر یسعیاہ نبی نے یہ کہہ کے کیا کہ جنگل میں ایک پکارنے والے کی آواز ہے کہ خداوند کی راہ درست کرو اور اس کے راستوں کو سیدھا بناؤ۔

1. In those days came John the Baptist preaching in the wilderness.

2. And saying, Repent ye; for the kingdom of heaven is at hand.

3. For this is he that was spoken of by the prophet E-sai-as saying, The voice of one crying in the wilderness, Prepare ye the way of the Lord, make his path straight. (Matthew 3: 1-3)

ایسا ہی باقی انجیلوں مرقس لوقا یوحنا میں ہے۔ افسوس عیسائی ان انجیلوں کو بھی توجہ سے نہیں دیکھتے اور اس کے برخلاف عہد عتیق کی پیش گوئیوں کی بے جا تاویلیں کر کے ان کو حضرت مسیح پر جماتے ہیں اور اتنا بھی نہیں سوچتے اور سمجھتے کہ ایسی پیش گوئیاں حضرت مسیح کے حق میں تسلیم بھی کر لی جاویں تو بھی ان سے ان کی الوہیت ثابت نہیں ہوتی۔ پھر ہم دعوی الوہیت کی تائید و ثبوت میں ان کو کیوں پیش کرتے ہیں۔

ازانجملہ پانچواں مقام ملاکی باب ۳ آیت ۱ ہے جس کو ڈپٹی عبداللہ آتھم نے اسی پرچہ ۲۵ مئی ۱۸۹۳ء کی فہرست میں پیش کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے:

دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجونگا اور وہ میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا،

1. Behold, I will send my messenger, and he shall prapare the way before me; and the Lord, whom ye seek, shall suddenly come to his temple, even the messenger of the covenant, whom ye delight in: behold, he shall come, saith the Lord of hosts. (Malachi 3:1)

اس پیشگوئی کو بھی مسیح کی الوہیت یا ابنیت (جسکے ثبوت میں اسکو پیش کیا گیا ہے) کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر اس میں مسیح کی بابت کچھ کہا گیا ہے تو اس سے مسیح کی صرف رسالت ثابت ہوتی ہے، نہ کہ الوہیت۔ متی باب ۱۱ آیت ۱۰ میں اور مرقس باب ۱ آیت ۲۔۳ میں اور لوقا باب ۷ آیت ۲۶ و غیرہ میں ہے کہ مسیح نے اس پیشگوئی کو اپنے اوپر اور یوحنا بپتسمہ دینے والے پر لگایا ہے اور یہ کہا ہے:

پھر تم کیا دیکھنے کو گئے۔ کیا ایک نبی ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ نبی سے بڑا۔ ۷۔ یہ وہی ہے جس کی بابت لکھا ہے کہ دیکھ میں اپنے رسول کو تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ کو درست کرے گا۔ ۲۸۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ ان میں سے جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں یوحنا بپتسما

دینے والے سے کوئی بڑا ظاہر نہیں ہوا۔

26. But what went ye out for to see? A prophet? Yea, I say unto you, and much more than a prophet.

27. This is he, of whom it is written, Behold I sent my messenger before thy face, which shall prepare thy way before me.

28. For I say unto you, Among those that are born of women there is not a greater prophet than John the Baptist; but he that is least in the kingdom of God is greater than he. (Luke 7 : 6-28)

یہ قول مسیح اگر عیسائیوں کی من گھڑت نہیں تو اس سے بجز اسکے اور کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ عیسیٰؑ نے یوحنا کو اپنے پہلے آنے والا رسول اوران کی راہ درست کرنے والا کہا ہے جس سے سمجھا جاتا ہے کہ عیسیٰؑ بھی ان کے بعد آنے والے رسول ہیں اور اگر عیسائی اس کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ یوحنا، حضرت عیسیٰؑ کا رسول ہے اور عیسیٰؑ اس کے بھیجنے والے خدا ہیں تو پھر انکی غلط فہمی یا بے انصافی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے تو اسی یوحنا سے بقول عیسائیوں کے بپتسما پایا اوران کے شاگرد و مرید ہوئے اگر وہ خود خدا اور یوحنا کے بھیجنے والے ہوتے تو ان کے مرید وشاگرد کیوں بنتے۔

ازانجملہ چھٹا مقام کتاب پیدائش کا باب اول آیت ۲۶، اور باب ۳ آیت ۲۲ ہے جن کو عبداللہ آتھم نے ۲۴ مئی کے پرچہ میں نقل کیا ہے اوراس میں یہ بیان ہے کہ خداوند نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بناویں گے (پیدائش ۱۔۲۶)

اور خداوند نے کہا: دیکھو کہ انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ (پیدائش ۳۔۲۲)

آتھم نے پہلی آیت کی عبرانی عبارت اردو میں نقل کر کے اسکا ترجمہ یوں کیا ہے:

کہا الوہیم خدا نے ہم بناویں آدم کو او پر صورتوں اپنیوں اور او پر شکلوں اپنیوں کے۔

اور یہ خیال کیا کہ اس آیت میں لفظ الوہیم جمع کا لفظ ہے جو خدا تعالی کے حق میں بولا گیا ہے۔ اور یہ خیال کیا کہ جن الفاظ کے معنی صورتوں اور شکلوں کے کئے گئے ہیں یعنی لفظ ؟؟؟ اور لفظ کدموثینو، وہ بھی جمع کے ہیں۔ ان تینوں الفاظ کا اطلاق خدائے واحد پر ہوا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی ذات میں باوجود وحدیث کثرت بھی پائی جاتی ہے۔

پھر آپ نے جمعیت لفظ الوہیم کی نسبت سر سید احمد کا جواب نقل کیا ہے کہ لفظ الوہیم میں

جمع تعظیمی ہے، یعنی نہ تعدادی۔ پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ الوہیم خاص خدا تعالی کا نام ہے اور اسماء خاص یا ناموں میں تعظیم کی نظر سے جمع نہیں بنائی جاتی۔ سید احمد خان کو سید احمدان نہیں کہا جاتا

اور دوسری آیت کا صرف ایک لفظ عبرانی (کاحد ممنو) عربی حروف میں نقل کر کے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے: ہم میں سے ایک کی مانند۔، یعنی آدم نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ اور یہ خیال کیا کہ (ممنو) صیغہ متکلم مع الغیر ہے۔ یہ لفظ خدا تعالی نے اپنے حق میں استعمال کیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی ذات واحد میں کثرت بھی پائی جاتی ہے۔

پھر آپ نے اس خیال کے مخالف یہودیوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس لفظ متکلم مع الغیر میں خدا تعالی نے فرشتوں کو اپنے ساتھ لے لیا اور ان کی نظر سے، ہم میں سے، کا لفظ بولا ہے پھر اس کے جواب میں کہا ہے کہ فرشتوں کا ذکر متن کتاب میں آگے پیچھے کہیں نہیں ہے۔ پھر اس ضمیر متکلم مع الغیر کا رجوع فرشتوں کی طرف کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور اگر ذکر ہو تو بھی فرشتوں کا علم خدا کے علم کی مانند ذاتی نہیں ہے، بلکہ کسبی ہے۔ جو ان کو ناپاک کر دیتا ہے لہذا فرشتے اس لائق نہیں کہ خدا ان کو اپنے ساتھ لے کر ان کی نظر سے لفظ، ہم میں سے، بولے۔

پھر آپ نے سر سید احمد سے نقل کیا ہے کہ لفظ، ممنو، متکلم مع الغیر کا صیغہ نہیں بلکہ جمع غائب ہے اور اس سے مراد آدم طبقہ ہائے ماقبل آدم معروف ہے اور اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آدم طبقہ ہائے ماقبل آدم معروف کا ذکر متن کتاب میں تو درکنار جیالوجی اور سائنس میں بھی نہیں ہے۔

ہم نے ڈپٹی آتھم کی اس بحث کے جواب میں ایک ایسی تحریر کی تھی جس میں اصل عبرانی عبارت توریت و عبرانی لغات و صرف و نحو سے یہ ثابت کیا تھا کہ لفظ الوہیم ذات باری تعالی کا خاص نام نہیں بلکہ یہ وصفی اسم ہے جس کے معنی سردار یا زور آور کے ہیں اور ان ہی معنی کی نظر سے جیسا کہ اس لفظ کا اطلاق خدا تعالی پر ہوا ہے ویسا ہی حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ و حضرت عیسیٰؑ اور ایک فرقے اور ایک بادشاہ کافر بخت نصر پر ہوا ہے (جن کی ذات میں کثرت کا خیال کسی کے دل میں نہیں گذرتا) اور اس پر آیات خروج ۷:۱؛ ۴:۱۶ اور، قاضی،، زبور، اور حزقیل کی بعض آیات کا حوالہ دیا۔

And the Lord said unto Moses, See, I have made thee a god to Pharaoh; and Aaron thy brother shall be thy prophet. (Exodus 7:1)

And he shall be thy spokesman unto the people; and he shall be to thee instead of a mouth, and thou shalt be to him instead of God. (Exodus 4:16)

اور یہ ثابت کیا گیا تھا کہ یصیلمینواور کد ممنو کے معنی جمع کے نہیں ہیں بلکہ مفرد ہیں یہی وجہ ہے کہ موجودہ بائیبل میں ان الفاظ کا ترجمہ، اپنی صورت اپنی مانند ، کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔اور ثابت کیا گیا تھا کہ لفظ،ممنو ،توریت میں متکلم مع الغیر کے معنی میں کہیں نہیں آیا جہاں لفظ وارد ہے وہاں واحد غائب کے معنی مراد ہیں۔

ازانجملہ پیدائش۲:۱۷، ۳:۳ ہے جن میں اس لفظ کا اطلاق اس درخت پر ہوا ہے جس کے کھانے سے آدم کو منع کیا گیا تھا۔

17. But of the tree of the knowledge of good and evil, thou shalt not eat of it: for in the day that thou eatest thereof thou shalt surely die (Genesis 2:17)

But of the fruit of the tree which is in yhe mist of the garden, God hath said, Ye shall not eat of it, neither shall ye touch it, lest ye die. (Genesis 3: 3)

ایسے اور بہت مقام ہیں جن کی تفصیل سے تطویل ہے۔

عبرانی گرامر میں بھی اس لفظ کو ضمیر واحد مذکر غائب قرار دیا ہے اور اس مقام میں جو لفظ کا حد ، کا اس لفظ سے الحاق ہوا ہے اس سے بھی اس کی جمیعت ثابت نہیں ہوتی۔اس لفظ کے معنی یکتا اور وحید کے ہیں اور اگر اس لفظ کو بقرینہ لفظ کا حد جمع تسلیم کرلیا جائے تو بھی وہ لفظ جمع غائب کا صیغہ ہوگا نہ جمع متکلم کا۔ ولہذا اس لفظ سے متکلم یعنی خدا تعالی میں کثرت ثابت نہ ہوگی بلکہ ان غائب اشخاص کی جن کی نظر سے یہ لفظ بولا گیا ہے۔

اور اگر اس لفظ کا توریت میں اور عبرانی زبان میں واحد وجمع غائب ومتکلم سبھی معانی میں استعمال تسلیم کیا جاوے تو بھی مقام متنازع فیہ میں اس لفظ کے بمعنی متکلم مع الغیر ہونے اور اس سے ذات خدا میں کثرت ثابت ہونے کا بار ثبوت عیسائیوں کے ذمہ پر ہے۔کیوں جائز نہیں کہ وہ لفظ اس مقام میں بمعنی واحد غائب مراد ہو۔اور بفرض جمیعت کیوں جائز نہیں کہ وہ بمعنی جمع غائب ہو اور بفرض جمع متکلم کیوں جائز نہیں کہ اس میں خدا تعالی نے اپنے ساتھ فرشتوں کو شامل کرلیا ہو جیسا کہ یہودی کہتے ہیں۔اور فرشتوں کا ذکر بھی متن کتاب میں موجود ہے۔ان سب احتمالات کے ساتھ عیسائیوں کا اس آیت سے استدلال بحکم اذا جاء الاحتمال بطل الا ستدلال باطل ہے۔ (ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد۱۶۔ص ۲۰۵ تا ۲۹۶)۔

محمدیوں کے مقابلہ سے عیسائیوں کی گریز

۱۸۹۳ء میں جب مسلمانوں اور عیسائیوں کی مباحثہ کی بات شروع ہوئی تو مباحثہ کے منتظمین اہل جنڈیالہ کو مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے مشورہ دیا تھا کہ اس مباحثہ میں مسلمانوں کی طرف سے مرزا قادیانی کی بجائے کسی مسلمان اہل علم کو پیش کیا جائے۔ اہل جنڈیالہ قادیانی کے جھانسے میں آئے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے مولانا کی تجویز کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور مرزا قادیانی کو پیش کرنے پر اصرار کیا۔ دوسری طرف عیسائیوں نے بھی یہی کہا کہ چونکہ مرزا صاحب کو اہل اسلام کی اکثریت دائرہ اسلام سے خارج سمجھتی ہے اسلئے وہ ہمارے صحیح مخاطب نہیں ہو سکتے۔ تاہم اہل جنڈیالہ اور مرزا قادیانی کے اصرار پر انہوں نے یہ مباحثہ قبول کر لیا جو بعد ازاں امرتسر میں منعقد ہوا۔ اور جس پر محاکمہ سابقاً نقل ہو چکا ہے۔

مولانا بٹالویؒ نے مباحثہ سے قبل اور مابعد عیسائیوں پر واضح کیا کہ چونکہ ہم مرزا قادیانی کو مسلمان نہیں سمجھتے اس لئے اس کی شکست اسلام اور مسلمانوں کی شکست نہیں ہوگی۔ مسلمانوں کو الزام دینا مقصود ہو تو عیسائی حضرات کسی مسلمان اہل علم سے مباحثہ کریں، اور عیسائی مناسب سمجھیں تو وہ خود بھی ایسے مباحثہ کے لئے تیار ہیں۔

مباحثہ امرتسر کے بعد مولانا نے عیسائیوں سے اس معاملے پر خط وکتابت بھی فرمائی۔ چونکہ اس خط وکتابت کا منشاء قادیانی ہی کے دعوی اسلام کی تردید تھا اس لئے اس مراسلت کو ہم تحریک ختم نبوت کی تاریخ کے صفحات ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

مولانا محمد حسین بٹالویؒ لکھتے ہیں:

جون ۱۸۹۴ء میں خاکسار کو فتح گڑھ جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں خاکسار کی مجلس وعظ میں پادری فتح مسیح مشنری آئے اور بعض شکوک پیش کر کے ان کے جوابات شافیہ پا کر ساکت و منفعل ہوئے۔ اس انفعال کو دور کرنے کی غرض سے وہ اپنے بڑوں سے مباحثہ کرانے کے خواستگار ہوئے۔ ان سے مراسلت ہوئی تو وہ بھی آخر ساکت ہوئے۔ اس باب میں جو مراسلت ہوئی ہے وہ

ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔ پادری فتح مسیح لکھتے ہیں:

} جناب مولوی محمد حسین ابوسعید صاحب!

آپ جب فتح گڈھ تشریف لائے تھے تو مسجد میں وعظ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا کہ اسلام ہر طرح سے غالب ہے۔ وغیرہ۔

میری عرض یہ ہے کہ مسجدوں اور گھروں میں بیٹھ کر اس طرح کے نعرے مارنا بہت آسان ہے۔ اگر آپ کو اظہار حق کا کچھ پاس ہے اور سمجھتے ہیں کہ قرآن حقیقتاً کلام الٰہی ہے، تو ذرا باہر میدان میں نکل کر اس کا ثبوت دیجئے۔

امرتسری مباحثہ کی بابت تو آپ خود ہی گواہی دیتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے عیسائیوں کے مقابل اچھے جواب نہیں دیئے اور شکست کھا گیا ہے۔ علاوہ بریں آپ لوگ اس کو مسلمان بھی نہیں سمجھتے۔ پس اب اگر آپ چاہیں تو عیسائی آپ لوگوں سے مباحثہ کرنے کو تیار ہیں۔ آپ خود مقابل آویں یا اپنے میں سے کسی کو انتخاب کر کے مسیحوں کے پیش کریں۔ علی ہذا القیاس۔ مسیحی لوگ اپنے میں سے کسی کو منتخب کر کے آپ لوگوں کے پیش کر دیں گے۔

پس آپ کو اگر مباحثہ کرنا ہے یا کرانا منظور ہو تو جلدی اطلاع فرماویں۔ بعدہ شرائط اور مکان مباحثہ برضامندی طرفین تجویز ہو جائے گا۔ امید ہے آپ مرزا قادیان کی طرح ادھر ادھر کی باتیں بنا کر مباحثہ کو ٹال نہ دیں گے اور یونہی لایعنی باتیں پیش نہ کر دیں گے (جیسے اکثر مرزا کرتا ہے) جن کا فیصلہ امر محال ہو اور مباحثہ ملتوی ہو جائے۔

زیادہ سلام۔ آپکا نیاز مند فتح مسیح از فتحگڈھ تحصیل بٹالہ ۲۳ جولائی ۱۸۹۴ء

} بٹالہ دفتر اشاعۃ السنہ۔ ۲۵ جولائی ۱۸۹۴ء (نمبر ۱۴)۔

مشفقی پادری فتح مسیح صاحب!

آپکا خط مورخہ ۲۳ جولائی ۱۸۹۴ء متضمن درخواست مباحثہ میں نے مسرت سے پڑھا۔ میں نے آپ کی درخواست سے پہلے ہی پادریوں سے مباحثہ کی درخواست اپنے رسالہ میں درج کر کے چھاپ دی ہے (دیکھو اشاعۃ السنہ صفحہ ۲۱۳ نمبر ۷ ج ۱۶) جس کا پروف ملاحظہ کے لئے مرسل ہے۔ اور اس درخواست کے ساتھ مباحثہ تحریری کی بنا بھی قائم کر دی ہے۔ یعنی الوہیت مسیح اور تثلیث پر اپنے رسالہ میں بحث شروع کر دی ہے۔ اس رسالہ کو دیکھ کر اور اس بحث کو پڑھ کر پادری

صاحبوں کی تسلی نہ ہوئی، اور پھر بھی ان کی خواہش تقریری بحث کے لئے ہوئی تو وہ جس وقت بحث کی درخواست کریں گے میں اس کو منظور کرونگا اور شرائط سے ان کو اطلاع دونگا۔

چونکہ آپ حال ہی میں نئے پادری ہوئے ہیں اور آپ کی معلومات مذہبی اور تجارب انتظامی ہنوز کم ہیں، اور اپنی سوسائٹی میں آپ کا ہنوز وہ اعتبار نہیں ہے جو پرانے پادریوں کا ہے لہذا مناسب ہے کہ وہ درخواست مباحثہ صرف آپ کی طرف سے نہ ہو بلکہ کسی مشہور اور پرانے اور تجربہ کار پادری کی طرف سے ہو، گو آپ کا نام بھی اس میں شامل رہے۔

آپ کا خیر خواہ۔ ابو سعید محمد حسین۔

{ جناب مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب!

آپ کا خط مورخہ ۲۵ جولائی ملا۔ مشکور ہوں۔ آپ نے خوب کیا کہ مباحثہ کی درخواست پادری صاحبان سے پہلے کر دی ہوئی ہے۔ جزاک اللہ۔ خدا حق کی مدد فرمائے۔ آمین۔

آپ کا یہ فرمانا کہ مسیحی لوگ آپ کی تحریری بحث کو پہلے پڑھیں، اگر تسلی نہ ہو تو پھر تقریری مباحثہ ہو۔ اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ تحریریں تو بہتیری دونوں طرف سے دھری پڑی ہیں۔ وہی پرانے سوال دوسرے الفاظ میں افراط و تفریط کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں۔ اب زمانہ آ گیا ہے کہ خدا حق کو غالب کرے، سو تقریری مباحثہ کی منظوری فرمائیں۔

اور واضح ہو کہ مباحثہ کی درخواست میری ہی طرف سے آپ خیال نہ فرماویں۔ بلکہ جناب ڈاکٹر کلارک صاحب اور جناب ڈاکٹر پادری وائٹ بریخٹ صاحب وغیرہ بزرگوں کی طرف سے سمجھیں۔ ہم سب مسیحی مدت سے دیکھ رہے ہیں کہ کوئی شخص محمدیوں میں سے اٹھے تاکہ محمدی مذہب کی حقیقت زیادہ کھل جاوے شکر ہے کہ آپ نے مباحثہ کی درخواست پہلے ہی کر دی ہوئی ہے

اب مناسب ہے کہ اہل اسلام کی طرف سے دو چار معتبر شخص چنے جاویں اور اسی طرح سے عیسائی صاحبان اپنے میں سے دو چار شخص چن لیں اور باتفاق رائے طرز مباحثہ اور مکان اور تاریخ وغیرہ مقرر کئے جاویں۔ مسیحی دین کے بزرگوں کی طرف سے دو چار شخص شرائط وغیرہ قائم کرنے کے لئے اور ایک مباحثہ کرنے کے لئے منتخب کیا جاوے گا۔

باقی جو آپ نے میری نسبت لکھا ہے کہ تم نئے پادری ہو اور اپنی سوسائٹی میں بھی تمہارا وہ اعتبار نہیں جو پرانے پادری کا ہے۔ ایسی باتوں کا جواب دینے سے اس وقت میں اغماض کرتا ہوں اس لئے کہ مبادا گفتگو کا رخ اور طرف پلٹ جاوے۔ صرف اتنا عرض کر دیتا ہوں کہ آئندہ ایسی

باتوں سے پرہیز کریں تو بہتر ہوگا۔ آپ کا نیاز مند۔ فتح مسیح ۲۹ جولائی ۱۸۹۴ء۔

نیز آپ اگر اجازت دیں تو جو خطوط فیمابین مباحثہ کی بابت لکھے جاویں وہ چھپوائے جاویں، خواہ اخبار میں، یا الگ۔ بندہ فتح مسیح۔

} بٹالہ ۳۱ جولائی ۱۸۹۴ء۔ (نمبر ۵۳۲)

مشفق پادری فتح مسیح صاحب!

آپ کا دوسرا خط مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۹۴ء میں نے آج وصول کیا۔ اس پہلے خط کی نسبت مجھے زیادہ مسرت حاصل ہوئی ہے کیونکہ اس میں آپ نے یہ تحریر کیا ہے کہ مباحثہ کی درخواست میری ہی طرف سے آپ خیال نہ فرماویں بلکہ جناب ڈاکٹر کلارک اور جناب ڈاکٹر پادری وائیٹ بریخٹ وغیرہ بزرگوں کی طرف سے سمجھیں۔ میں بھی اسی کا خواہاں تھا کہ مباحثہ ہو تو کسی ایسے شخص سے ہو جو نامی ومشہور تجربہ کار ہو۔ کسی نوآموز یا نئے پادری سے نہ ہو۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ نامی وتجربہ کار پادری کا انفلوئنس (Influence) قوم میں زیادہ ہوتا ہے اور اس کا ساختہ پرداختہ قوم میں منظور کیا جاتا ہے، لہذا اس مباحثہ کا اثر تمام قوم پر پڑتا ہے۔ اور کسی نئے شخص اور نوآموز سے مباحثہ ہو تو اس کا اثر قوم پر نہیں پڑتا۔ قوم یہ کہہ دیتی ہے کہ وہ شخص بچہ تھا، نوآموز تھا، ناتجربہ کار تھا، لہذا اس کا الزام یا سکوت یا تسلیم، قوم کا الزام یا سکوت یا تسلیم نہیں ہوسکتی۔ اب آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ درخواست مباحثہ پادری کلارک و پادری وائٹ بریخٹ کی جانب سے سمجھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور ان صاحبوں نے اس درخواست میں آپ کو اپنا نائب یا وکیل بنایا ہوگا اور یہ ہی میرا مدعا تھا، پھر میں اس سے کیوں خوش نہ ہوتا۔ پس میں بڑی مسرت کے ساتھ آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ مجھے ان دونوں صاحبوں سے مباحثہ منظور ہے۔

اگر پادری وائٹ بریخٹ خواستگار وشائق مباحثہ ہیں تو یہ مباحثہ بہت آسانی سے ہوسکتا ہے۔ میں اور وہ دونوں ایک شہر میں رہتے ہیں۔ لہذا وہ جیسے باوصف مشنری ہونے کے ایک دنیاوی میونسپل کمیٹی کے کام میں اپنی اوقات صرف کرتے ہیں، ویسے ہی اس مذہبی کام میں جو ان کا اصل فرض منصبی ہے وہ ہر روز یا تیسرے دن یا ہفتہ میں ایک دن کا کوئی وقت مباحثہ مقرر کردیں اور اس وقت ایک دن وہ خاکسار کے مکان پر آویں اور ایک دن میں ان کے مکان پر جاؤنگا۔ اس طور پر مہینوں تک بلا تکلیف و بلا حرج مباحثہ جاری رہے گا اور اس کا انجام اچھی طرح خوش اسلوبی اور

سیری سے ہوگا۔

اوراگرڈاکٹرکلارک خواستگاروشائق مباحثہ ہیں تو بجائے ہرروز، ہرہفتہ یا ہرمہینے میں چاریا آٹھ دن وہ مقررکرسکتے ہیں جن میں نصف ایام میں امرتسر میں ان کی جگہ میں پہنچوں گا اور نصف ایام ان کو بٹالہ میں آنا ہوگا۔

اور ہرجلسہ کے انتظام کا ذمہ دار وہ شخص ہوگا جس کے مکان پر جلسہ ہوگا۔

اورتعداد اشخاص طرفین مساوی ہوگی۔

سوال وجواب کی پہلے زبانی تقریر ہوگی۔ پھر جب باتفاق میجارٹی جواب مطابق سوال سمجھا جاوے گا،تب اس کو دوکاتبوں کے ذریعہ سے قلم بند کیا جائے۔ سابق جنگ مقدس امرتسر (مباحثہ قادیانی و آتھم) کی طرح یہ ہرگز نہ ہوگا کہ جو کچھ کسی کے دل میں آوے لکھا تا جاوے اور خارج از مبحث و فضول باتوں میں مصروف ہوکر بحث کو کہیں سے کہیں لے جاوے۔اورفریقین کی اوقات کا خون ہوتا رہے۔

یہ شروط مباحثہ ہیں۔اب مبحوث عنہ کی تعیین کی جاتی ہے۔

بحث توحید وتثلیث یا الوہیت مسیح اورکفارہ میں ہوگی اسی سے یہ بات ثابت ہوجائے گی کہ اس وقت خالص کتاب آسمانی اورحقانی قرآن مجید ہے جوتوحید سکھاتا ہے اوراس کفارہ کی نفی کرتا ہے۔ یا توریت وانجیل ہے جن سے عیسائی تثلیث یا الوہیت مسیح نکالتے ہیں۔

اس بحث سے پہلے فریقین کو یہ اختیار ہوگا کہ چند اصول موضوعہ یا علوم متعارفہ کی تمہید کرلیویں تاکہ انہی اصول وعلوم سے امورمتنازعہ فیہ کا تصفیہ کریں۔

لیجئے ہم نے شرائط بھی لکھ دیئے اورامور بحث بھی متعین کردیئے۔اب آپ ان دونوں صاحبوں میں سے کسی صاحب سے منظوری بحث وشرائط تحریر کراکے براہ راست ارسال کرائیں اور کاروائی شروع کرادیں۔

مگر یہ یادرہے کہ بجائے ان صاحبوں کے آپ بذات خود جواب خط ومنظوری بحث کی تکلیف نہ اٹھاویں اوراگراب بھی آپ ہی وکیل بن کرجواب خط منظوری بحث وتقررشروط کے متصدی ہوئے تو اس طرف سے آپ کی تحریر کا کوئی جواب نہ دیا جائے گا،جس کی وجہ وہی ہے جو شروع خط میں بیان ہوئی ہے۔

آخرخط میں جوآپ نے خطوط چھپوانے کی اجازت چاہی ہے، میری طرف سے آپ کو

ان چاروں خطوط کی اشاعت کی اجازت ہے مگر اس شرط سے کہ ان پر اور کچھ نہ بڑھاویں اور نہ ان پر حاشیہ لگاویں۔ اور اگر پادری صاحبان موصوف الصدر نے بحث کو منظور کرلیا تو پھر ان خطوں میں خود بخود مباحثہ کا رنگ آجاوے گا اور ضرور ان کو شائع کرنا پڑے گا۔

اور اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ان چار خطوں کے ساتھ پانچواں اپنا جواب الجواب لکھ کر ان کو چھپوادیں اور اپنے آپ کو میرا مقابل مباحث بناویں اور خاص اپنی ذات سے مباحثہ کی بنا قائم کریں تو میں اس اشاعت کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ میں آپ کو مقابل مباحث بنانا نہیں چاہتا جس کی وجہ شروع خط میں بیان ہو چکی ہے، اور اس وجہ سے آپ ناراض نہ ہوں کیونکہ وہ کمال نیک نیتی سے لکھی گئی تھی۔ ابوسعید محمد حسین

} مشفقی جناب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب!

آپ کا خط مورخہ ۱۳ جولائی ۱۸۹۴ء جو آپ نے بنام پادری فتح مسیح صاحب بھیجا ہے مجھے ملا اور اس کے مطالعہ سے طبیعت شاد ہوئی۔ خصوصاً اس بات سے کہ آپ جیسے بزرگ نامور عالم صرف تحقیق حق کے لئے انجیل اور قرآن مقابل رکھ کر تصفیہ چاہتے ہیں۔ میں نہایت خوشی سے آپ کے اس مبارک پیام مناظرہ کو قبول کرتا ہوں۔ لیکن میرے خیال میں بحث کو اتنا طول دینا کہ ہفتوں اور مہینوں تک ہوتی رہے فضول ہے، اس لئے کہ اول تو کوئی معزز شخص ایسا عدم الفرصت نہ ہوگا جو اتنی لمبی بحث میں ہمیشہ شامل ہو سکے۔ اور دوسرے یہ کہ... کیا ضرورت ہے کہ فریقین کبھی ادھر، کبھی ادھر آویں جاویں۔ بہتر ہو کہ مختصر سوال دو چار مقرر کئے جاویں اور ان کے جواب بھی عام فہم قطعی فیصلہ کرنے والے تحریر ہوں، جن کو دیکھ کر علاوہ حاضرین اور لوگ بھی فائدہ اٹھاسکیں۔

مقام مباحثہ کے لئے آپ خود دانا ہیں۔ بٹالہ اور امرتسر میں سے جو مقام آپ مفید عام جانیں اور پسند کریں اس سے اطلاع دیں۔ میرے خیال میں تو امرتسر مناسب ہے کیونکہ بڑی جگہ ہے۔ آئندہ جو آپ کی رائے مبارک میں آئے اس سے بندہ کو مطلع فرماویں۔ اور نیز یہ کہ شرائط کی تکمیل ہو جاوے۔ فقط والسلام۔ ۷۔ اگست ۱۸۹۴ء۔

دستخط بحروف انگریزی۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک۔

{ بٹالہ اشاعۃ السنہ آفس ۔ ۸ ۔ اگست ۱۸۹۴ء ۔ (نمبر ۵۵۵) ۔

ڈیئر ڈاکٹر صاحب ۔ آپ کا خط مورخہ ۷ ۔ اگست ۱۸۹۴ء میں نے مسرت سے پڑھا اگر آپ خیال کرتے ہیں کہ یہ مباحثہ ایک دو روز میں طے ہو سکے گا تو بسم اللہ کیجئے بندہ حاضر ہے ۔

۲ ۔ مقام کی بابت آپ مجھے اختیار دے چکے ہیں، بٹالہ کو منتخب کروں خواہ امرتسر کو، لہذا میں بٹالہ کو ترجیح دیتا ہوں ۔ آپ جب چاہیں غریب خانہ پر قدم رنجہ فرما کر مباحثہ شروع کر دیں اور اگر زیادہ دن لگ گئے تو پھر میں حسب وعدہ خط سابق جہاں آپ جائیں گے آپ کے مکان پر حاضر ہونگا ۔ انشاء اللہ

آپ جب قصد بٹالہ کریں اس سے تین چار روز پیشتر اطلاع دیں تا کہ میرے احباب اہل لاہور وامرتسر بھی اس مجلس میں شریک ہوسکیں ۔ اور اگر میرے امرتسری دوستوں نے مجھے امرتسر آنے پر مجبور کیا تو میں آپ کو اس تبدیلی سے اطلاع دونگا ۔ انشاء اللہ تعالی ۔

۳ ۔ شرائط کی تو میں خط سابق میں تکمیل کر چکا ہوں آپ اس میں کچھ بڑھانا چاہتے ہیں تو اس سے اطلاع دیں ۔

۴ ۔ آپ کے خط سے یہ معلوم نہ ہوا کہ مباحثہ کے لئے آپ منتخب ہونگے یا پادری وائٹ بریخٹ صاحب؟ جو صاحب ہوں ان کا ساختہ و پرداختہ دوسرے صاحب کو منظور کرنا ہوگا ۔

۵ ۔ چونکہ پادری فتح مسیح صاحب نے آپ دونوں صاحبوں کی طرف سے شوق مباحثہ ظاہر کیا تھا، اور میں نے بھی آپ ہی دونوں صاحبوں سے مباحثہ منظور کیا ہے لہذا امید ہے کہ اب اس کا خلاف نہ ہوگا، اور کوئی اور صاحب اس مباحثہ کے لئے منتخب نہ ہوں گے ۔ ہاں جن کو آپ دونوں صاحب اپنے سے بڑھ کر اہل علم و تجربہ کار اور قوم میں ذی اعتبار سمجھ کر اس کا ساختہ پرداختہ منظور کرلیں وہ صاحب بھی آپ کی جگہ منتخب ہو سکتے ہیں ۔

آپ کا خیر خواہ ۔ ابوسعید محمد حسین ۔ اڈیٹر رسالہ اشاعۃ السنہ

{ مشفقی جناب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب سلامت ۔

بعد سلام کے واضح رائے روشن ہو کہ آپ کا خط مورخہ ۸ ۔ اگست ملا ۔ چونکہ ان دنوں میں بخار کا سخت غلبہ ہے، بباعث کثرت کار کم فرصتی میں خط مذکورہ کے جواب دینے سے قاصر رہا ۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے ۔

کمال خوشی کی بات ہے کہ آپ مناظرہ کے لئے بالکل تیار ہیں ۔ مکان مناظرہ کی بابت ہم نے شریفانہ طور پر آپ کو تحریر کیا تھا کہ امرتسر ہر صورت سے بہتر ہے ۔ آپ کو اختیار نہیں دیا گیا تھا کہ آپ قطعی جو چاہتے ہیں سو کریں ۔ آپ میرے خط کو ملاحظہ فرماویں ۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ امرتسر بہتر ہے ۔ یہاں زیادہ مفید عام ہوگا ۔

مناظرہ کی بابت واضح ہو کہ آپ کو محمدیت کی صداقت ظاہر کرنی منظور ہے اور برعکس اس کے ہمیں مسیحیت کی صداقت ۔ لہذا کوئی ہمارا ذاتی جھگڑا یا کام نہیں ۔ اظہار حق سے تعلق ہے نہ کسی خاص شخص سے ۔ چونکہ اہل اسلام کی طرف سے آپ موجود ہیں یا جس کو آپ چاہیں آپ پیش کر سکتے ہیں ۔ نیز از جانب مسیحیان میں جس کو مناسب سمجھوں پیش کرونگا ، یا خود پیش ہو جاؤں گا ۔ اور اگر کسی کو پیش کروں خاطر جمع رکھئے کوئی لائق ہی ہوگا ۔ امید ہے کہ اس بات کو آپ قبول فرماویں گے کہ ایسے مبارک موقع پر اپنی شان کے خواہاں نہیں ، مگر راستی اور صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی صداقتوں کا اظہار چاہتے ہیں ۔

دیگر عرض یہ ہے کہ اب خط و کتابت کو طول دینے سے چنداں فائدہ نہیں ہے ۔ میں اپنی طرف سے ڈاکٹر فخر الدین صاحب میڈیکل مشن امرتسر اور نیز پادری فتح محمد صاحب فتح گڈھ کو ایلچی مقرر کرتا ہوں اور اسی طرح آپ بھی جس کسی کو چاہتے ہیں مقرر کیجئے تاکہ باہم اتفاق سے شرائط مباحثہ قرار پائیں ۔ اور جو شرائط تجویز کی جاتی ہیں وہ آپ کی اور میری منظوری کے لئے پیش ہوں تاکہ اگر ہم کسی قسم کی ترمیم کرنا چاہیں تو کر سکیں ۔ اور بعد از نظر ثانی اور ہمارے دستخط منظوری کے شرائط مذکورہ پختہ جانی جائیں گی اور ان کے بموجب مناظرہ ہوگا ۔

اور جب شرائط تجویز کئے جاتے ہیں تو جس کسی نے ہماری طرف سے پیش ہونا ہے خواہ میں خواہ کوئی دیگر ان کا نام لکھا دیا جائے گا ۔ اب شرائطوں کی آپ جلد تدارک فرمائیں ۔ فقط زیادہ سلام ۔ دستخط انگریزی ۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک ۔

} اشاعۃ السنہ آفس ۔ بٹالہ ۲۹ ۔ اگست ۱۸۹۴ء ۔ (نمبر ۶۰۶)

عنایت فرمائے من ڈاکٹر ایچ مارٹن کلارک صاحب !

آپ کا خط مورخہ ۲۸ مارچ ۱۸۹۴ء میں نے تعجب اور مایوسی کے ساتھ پڑھا ۔

۲ ۔ تعجب کی ایک وجہ یہ کہ آپ اپنے خط مورخہ ۷ ۔ اگست ۱۸۹۴ء میں صاف تحریر کر

چکے ہیں:

مقام مباحثہ کے لئے آپ خود دانا ہیں بٹالہ اور امرتسر میں سے جو مقام مفید عام جانیں اور پسند کریں اس سے مطلع فرماویں۔ میرے خیال میں تو امرتسر مناسب ہے کیونکہ بڑی جگہ ہے آئندہ جو آپ کی رائے مبارک میں آوے اس سے بندہ کو مطلع فرماویں۔

اب آپ خط ۲۸۔ اگست میں لکھتے ہیں:

مکان کی بابت میں نے شریفانہ طور پر آپ کو تحریر کیا تھا کہ امرتسر بہر صورت بہتر ہے آپ کو اختیار نہیں دیا گیا تھا کہ آپ قطعی جو چاہتے ہیں، سو کریں۔

میرے نزدیک آپ کی یہ تحریر، تحریر سابق کے برخلاف ہے۔ سابق تحریر میں آپ نے تعین مکان کی نسبت اپنی رائے ظاہر کر کے آئندہ شریفانہ طور پر اختیار انتخاب دے دیا تھا۔ جب کسی کو اپنی رائے کے برخلاف کسی کی بات مان لینی منظور ہوتی ہے تو اس وقت شریفانہ محاورہ سے وہ یوں کہتا ہے کہ فلاں امر میں میری رائے تو ایسی ہے مگر آئندہ جو رائے آپ کی ہو اس سے اطلاع دیں، جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس رائے کو تسلیم کرنے کو میں حاضر ہوں، صرف آپ کی اطلاع دہی کا منتظر ہوں۔ اب آپ اس اختیار دینے سے انکار کرتے ہیں۔ اگر آپ کو اس محاورہ کے معنی تسلیم کرنے میں تامل ہو تو آپ اصل مباحثہ سے پہلے اسی امر کو طے کر لیں، اور اہل لسان سے اس کا تصفیہ کرائیں۔ خاص کسی شخص یا اشخاص کو منصف بنائیں، یا اس سوال کو اخبار میں چھپوا کر اس پر پبلک کی رائے حاصل کریں۔

ہر چند یہ امر اصل مبحث سے چنداں تعلق نہیں رکھتا مگر جب ہمارے فہم ایسے موٹے الفاظ کے معانی سمجھنے میں اس قدر اختلاف کریں اور ایک فریق دھوکا کھاجاوے تو ہمارے لئے ضرور ہے کہ ہم اپنے فہموں کا ایگزامینیشن کرائیں تاکہ ہم آئندہ مباحث مقصودہ میں غلطی نہ کھاویں۔

۳۔ دوسری وجہ تعجب یہ ہے کہ میں اپنے خط نمبری ۵۳۲ میں اپنی شرائط کی تفصیل کر کے خط نمبری ۵۵۵ کے فقرہ نمبر۳ میں صاف لکھ چکا ہوں کہ شرائط کی میں تو خط سابق میں تکمیل کر چکا ہوں آپ ان میں کچھ بڑھانا چاہتے ہیں تو اس سے اطلاع دیں۔

اس کے جواب میں آپ نے نہ تو ہماری شرائط پر کوئی نکتہ چینی کی نہ اپنی شرائط کی اطلاع دی، اور تصفیہ شرائط کے لئے ایک کمیٹی مقرر کرنی چاہی۔

اے صاحب! اگر آپ کو ہماری شرائط کے قبول کرنے میں کوئی عذر تھا تو پہلے اس کو پیش

کرتے اور اگر اپنی طرف سے شرائط بڑھانا منظور تھا تو پہلے ان شرائط سے اطلاع دیتے ۔ پھر جب میں اس عذر کو نہ مانتا، یا ان شرائط کے تسلیم سے انکار کرتا، تو آپ تصفیہ کے لئے کمیٹی مقرر کرتے ۔ بلا بیان عذر و شرائط آپ نے یہ سوال پیش کیا ہے تو میری طرف سے اس کا یہی جواب ہے کہ یہ سوال قبل از وقت ہے ۔

۴ ۔ تیسری وجہ تعجب یہ ہے کہ میں نے اپنے خط نمبر ۵۵۵ کے فقرہ نمبر ۵ میں حسب منشاء خط پادری فتح مسیح مورخہ ۲۵ جولائی ۱۸۹۴ء صاف لکھ دیا تھا کہ : مباحثہ میں آپ خود پیش ہو سکتے ہیں یا پادری وائٹ بریخٹ صاحب اور اگر تیسرے صاحب پیش ہونگے تو وہ اس شرط سے پیش ہو سکیں گے کہ آپ دونوں صاحب ان کو علم و تجربہ و اعتبار میں اپنے سے بڑھ کر سمجھیں اور ان کا ساختہ پرداختہ منظور کر لیں ۔

آپ نے میری اس شرط کو نام آوری اور شان خواہی و عزت طلبی پر مبنی سمجھا ۔ اور اسکے جواب میں یہ لکھ دیا کہ جس کو ہم مناسب سمجھیں گے ہم پیش کرینگے ، جسکو آپ چاہیں آپ پیش کریں

اے صاحب ! نام آوری و جاہ طلبی کے خیال کو اسلام نے ریا قرار دے کر شرک ٹھہرایا ہے ۔ ہمارے نبی ﷺ کا قول ہے ان یسیر الریا شرک (ترجمہ : تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے) ہمارا مقصود اس شرط سے صرف یہ ہے (چنانچہ خط نمبری ۵۳۲ میں ہم ظاہر کر چکے ہیں) کہ لائق شخص کا قوم پر اثر پڑتا ہے ، اور ان کا ساختہ پرداختہ تسلیم کیا جاتا ہے اور یہ کام ہر ایک کا نہیں ہے ۔ لہذا اب بھی میں وہی شرط پیش کرتا ہوں اور آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر آپ خاص مجھ سے مباحثہ چاہیں تو آپ اس شرط کو مان لیں ۔ اور اگر آپ بلا پابندی شرط مذکور کسی کو پیش کریں گے تو ادھر سے بھی کوئی ایسا ہی پیش کیا جائے گا ۔ آپ قبل از مباحثہ ، مباحثہ کرنے والے کا نام لیں تاکہ اس طرف سے بھی ویسا ہی مباحث مقرر کیا جاوے ۔

۵ ۔ چوتھی وجہ تعجب یہ ہے ۔ میں نے اپنے خط نمبری ۵۳۲ میں مبحث کی تعیین کر دی ہے کہ بحث توحید تثلیث یا الوہیت مسیح و کفارہ میں ہوگی اور اسی سے یہ بات ثابت ہو جاوے گی کہ اس وقت خالص کتاب آسمانی اور حقانی قرآن مجید ہے جو توحید سکھاتا ہے یا توریت و انجیل جن سے عیسائی تثلیث و الوہیت مسیح و کفارہ نکالتے ہیں ۔ اس کے مقابلہ آپ مجمل صداقت محمدیت و عیسائیت کو محل بحث ٹھہراتے ہیں اور بحث کو عام کرنا چاہتے ہیں ۔

اے صاحب ! بحث خاص ان ہی مسائل میں ہوگی ۔ جب تک ان کا تصفیہ نہ ہوگا کوئی

اور بحث شروع نہ ہوگی۔

۶۔ مایوسی کی وجوہات بھی یہی وجوہات ہیں۔ جب ان مبادی میں آپ کی طرف سے ایسے عذرات پیش ہو رہے ہیں جو اصل مبحث مقصود کے مانع و مزاحم ہیں اور وہ ہماری جائز شروط کو پورا نہیں ہونے دیتے، تو پھر آپ کی طرف سے اصل بحث کے وقوع کی کب امید ہوسکتی ہے۔ ہماری طرف سے مستعدی اور تیاری کو تو آپ اپنے خطوں میں مان چکے ہیں اور اس پر خوشی ظاہر کر چکے ہیں لہذا اب آپ نہیں کہہ سکتے کہ التوائے بحث آپ (یعنی محمد حسین) کی طرف سے ہے۔

آپ کا خیر خواہ۔ ابوسعید محمد حسین۔

} کرم فرمائے بندہ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب۔

بعد سلام کے واضح رائے شریف ہو کہ آپ کا خط مورخہ ۲۹۔ اگست ۱۸۹۴ء تعجب اور مایوسی سے بھرا ہوا مجھے ملا۔ آپ کا تعجب اور مایوسی دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ آپ لفظ شریفانہ سے ایسے پریشان ہوئے کہ قبل از مباحثہ اس کا تصفیہ ہونا ضروری سمجھا اور وہ بھی بذریعہ اخبارات، تو پھر مجھے حیرت ہے کہ شہرت و نام آوری (جس کا آپ نے اپنے خط میں انکار کیا ہے) کس کو کہتے ہیں۔

خیر جب آپ خود مقر ہیں کہ یہ امر بحث سے چنداں تعلق نہیں رکھتا تو میرے خیال میں بہتر ہے کہ اس لفظی نزاع کی طرف آئندہ توجہ نہ کی جائے جو میری نیت و مراد ان لفظوں سے تھی میں نے صاف باطنی سے آپ پر ظاہر کر دی۔ خیال رکھئے کہ یہ مباحثہ ہے، نہ آپ نے میرا کوئی احسان ماننا ہے اور نہ میں نے آپ کا۔ ممکن نہیں کہ میں آپ کو یک طرف اختیار دیتا کہ آپ جو چاہیں سو کریں۔ سب سے پہلے مرضی آپ کی یہ ہے کہ مناظرہ میں آپ کے بالمقابل میں پیش ہوں یا پادری وائٹ بریخٹ صاحب۔ سو جناب من میں خود حاضر ہوں، آپ مطلع رہیں۔ آپ کی جانب سے سوال توحید و تثلیث و الوہیت مسیح و کفارہ میں ہونگے لیکن یہ آپ کیا فرماتے ہیں کہ اور کسی بارہ میں بحث نہ ہوگی۔ کیا میں قرآن و محمدیت پر سوال کرنے کا حق نہیں رکھتا؟ آپ سے مخفی نہ ہوگا کہ مباحثہ میں فریقین کو اختیار سوال و جواب ہوتا ہے۔ آپ قصداً یا سہواً اس کو فراموش نہ فرمائیں۔

پادری فتح محمد صاحب سے جو آپ کی خط و کتابت ہوئی ہے اس سے اب کچھ واسطہ نہیں اب آپ مجھ سے غرض و واسطہ رکھیں۔ کمیٹی تصفیہ شرائط کیلئے اس واسطے مناسب سمجھی گئی ہے کہ ان کاغذی گھوڑوں سے فیصلہ ہونا دشوار ہے۔ کمیٹی سے سہولت و آسانی ہے۔ اپنے سفیروں کی معرفت جس قسم کا آپ انتظام چاہیں ظاہر کر سکتے ہیں۔ نیز ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔ جو قواعد وہ ٹھہرا لیں،

بعد نظر ثانی اور آپ کے اور میرے دستخط ہونے پر وہ پختہ سمجھے جائیں گے اور انہیں قواعد کے بموجب مناظرہ ہوگا۔ اب انہیں کی دیری ہے کیونکہ جب تک شرائط مقرر نہ ہوں مباحثہ بھی بے فائدہ ہے۔ ہر امر کے لئے پابندی قواعد ضروری ہے۔

مقام مباحثہ اگر آپ امرتسر پسند نہیں کرتے تو اتنا تو ضرور کرنا ہوگا کہ جو دن میرے سوال کرنے کے ہیں وہ آپ امرتسر میں تشریف لا کر گذاریں اور جو دن میرے جواب دینے کے مقرر ہوں وہ میں آپ کے شہر بٹالہ میں بسر کروں۔ لیکن اس میں خلق اللہ کو ناحق تکلیف ہوگی۔ بہتر تو یہ ہے بالکل مناظرہ امرتسر ہی میں ہو۔ نہ معلوم کہ ایک صدر اور عالی شان مقام کو چھوڑ کر ایک گوشہ اختیار کرنے سے آپ کی کیا غرض ہے۔ غالباً مناظرہ کے شائق محمدی و عیسائی جماعت امرتسر ہی کو ترجیح دے۔ ۳۱۔ اگست ۱۸۹۴ء۔ دستخط انگریزی ہنری مارٹن کلارک۔

{ اشاعۃ السنہ آفس بٹالہ ضلع گورداسپور۔ ۴ ستمبر ۱۸۹۴ء (نمبر ۶۱۲)۔

آپ کا خط مورخہ ۳۱۔ اگست ۱۸۹۴ء میں نے دوسری ستمبر کو ۴ بجے کے قریب ایسے وقت میں پایا جو میرا ہوا خوری کا وقت تھا۔ تیسری ستمبر کو میں بیمار رہا اسلئے جواب میں ایک روز کا توقف ہوا

۲۔ آپ کے اس خط نے میرے تعجب کو بڑھایا اور مایوسی کو زیادہ کیا۔

۳۔ میں اس خط کے ایسے فقرات کہ: آپ لفظ شریفانہ سے ایسے پریشان ہوئے، شہرت و نام آوری کس کو کہتے ہیں، وغیرہ سے چشم پوشی کرتا ہوں تا کہ اصل مطلب سے دور نہ پڑ جاؤں۔ مگر اس قدر کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آئندہ آپ ایسی باتوں سے قلم کو روکیں۔ آپ یورپئین ہیں، ایشیائی محاورے میں یہ الفاظ موہم رنج ہیں۔ ایشیائی مخاطبوں سے ان کے محاورہ کے موافق خطاب مناسب ہے۔

۴۔ آپ کہتے ہیں کہ کیا میں قرآن و محمدیت پر سوال کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

اے صاحب! کون کہتا ہے کہ آپ سوال کا حق نہیں رکھتے۔ بے شک رکھتے ہیں مگر انہیں تین مسائل مندرجہ خطوط سابق میں، بلکہ ازانجملہ صرف اس ایک مسئلہ کے دائرہ کے اندر کہ مسیح خدا یا ثالث ثلاثہ (One in equal three Gods ون ان تھری ایکوئل گاڈز) ہے یا نہیں۔ اسی ایک مسئلہ میں محمدی عیسائی پر یہ سوال کرسکتا ہے کہ تمہاری انجیل میں مسیح کو خدا، یا ثالث ثلاثہ کہا گیا ہے اس لئے وہ انجیل بتمامہ خدا کا کلام نہیں ہوسکتی۔ اور عیسائی مسلمان پر یہ سوال کرسکتا ہے کہ تمہارے قرآن میں اس مسئلہ کی نفی کی گئی ہے اس لئے عیسائیوں کو اس کے کلام خدا ہونے میں تامل ہے۔

اب آپ کو اختیار ہے کہ خود سائل بنیں اور مجھ سے اس جواب لیں، اور اس امر کا ثبوت طلب کریں کہ قرآن اس مسئلہ کی نفی کرتا ہے، پھر وہ کلام خدا کیونکر ہوسکتا ہے۔ یا مجھے سائل بننے کی اجازت دیں اور خود مجیب بنیں اور یہ ثابت کریں کہ جو انجیل یہ مسئلہ سکھاتی ہے وہ کلام الٰہی کیونکر ہوسکتی ہے۔

وازآنجا کہ یہ مسئلہ اپنی ایک ایک شق نفی یا اثبات کے ساتھ دونوں مذہب محمدیت و عیسائیت میں اصل اصول مانا جاتا ہے، محمدیت نفی کو اصل اصول تسلیم کرتی ہے عیسائیت اثبات کو۔ لہذا اسی ایک مسئلہ تحقیق سے کس وناکس کو جو فہم وانصاف رکھتا ہوگا، واضح ہو جائے گا کہ مذہب حق کون سا ہے، محمدیت یا عیسائیت؟ اور خالص کتاب آسمانی کون سی ہے، قرآن یا انجیل؟ پھر معلوم نہیں کہ آپ قصداً یا خطاء اس امر پر کیوں اصرار فرماتے ہیں کہ فریقین کو سوال وجواب کا عام اختیار ہوگا۔اے صاحب! آپ اس اصرار کو واپس لیں۔ یہ اختیار کسی کو نہ ہوگا اور ہرگز نہ ہوگا صرف ایک ہی مسئلہ میں مباحثہ ہوگا۔ ہاں یہ مسئلہ طے ہو جائے گا،تو اس کی تکمیل وتوضیح کے لئے اس کی فروعات میں بھی مباحثہ ہو سکے گا۔

۵۔ آپ فرماتے ہیں پادری فتح محمد (فتح مسیح مراد ہے) سے جو آپ کی خط وکتابت ہوئی ہے اس سے اب کچھ واسطہ نہیں، اب آپ مجھ سے غرض و واسطہ رکھیں۔اس سے آپ کی شاید مراد یہ ہے کہ خاکسار کے خط نمبری ۵۳۲ میں جو تعیین بحث ہو چکی ہے وہ منسوخ ہو جائے۔

اے صاحب! اس خط کو آپ نے ریسیو (receive) کیا اور اسکے مندرجہ مضمون و پیغام کو قبول کر کے اس پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ یہ تعیین مبحث آپ کو منظور نہ ہوتے تو اس خط کے جواب میں آپ صاف فرماتے ہم کو یہ تعیین منظور نہیں۔آپ نے ایسا نہیں فرمایا اور اس کو بلا تفصیل منظور کیا تو اب اس خط سے آپ واسطہ قطع نہیں کر سکتے اور اسکے مضمون تعیین مبحث کو منسوخ نہیں فرما سکتے۔

قطع نظر ان وجوہات سے بحکم عقل بھی مباحثہ میں متنازع فیہ ومبحوث عنہ ایک ہی کوئسچن (question سوال) ہونا چاہیے۔اس کی ایک شخص نفی کرے، دوسرا اثبات۔ نہ یہ کہ ایک تو کسی چیز مثلاً کونین کی خوبی پر بحث کرے، دوسرا دوسری چیز مثلاً کسٹر آئل کی خوبی پر۔

یہ قاعدہ مباحثہ کہ پہلے چند روز عیسائی، مذہب محمدی پر سوالات کریں۔ پھر محمدی، عیسائی مذہب پر چند اور قسم کے سوالات کریں (جیسا کہ امرتسر کی جنگ مقدس میں ہوا ہے) صرف جاہل دجال قادیانی کا ایجاد واحداث ہے۔ میرے علم وخیال میں یہ طریق مباحثہ کسی کتاب فن مناظرہ میں پایا نہیں جاتا۔ لہذا ہمارے لئے لازم بلکہ جائز بھی نہیں کہ ہم اس جاہل دجال کی تقلید کریں اور جہان

کے عقلاء کا خلاف۔

۶۔تقرری کمیٹی تصفیہ کیلئے آپ نے پھر اصرار فرمایا ہے۔اے صاحب میرے خط نمبری ۶۰۶ پر نظر ثانی کریں اور اس کو توجہ سے پڑھیں۔ میں اپنی شرائط اپنے خط نمبر ۵۳۲ میں بیان کر چکا ہوں جس پر آپ نے اپنے خط مورخہ ۷۔اگست میں کوئی اعتراض نہیں کیا۔گو یا ان کو تسلیم کرلیا۔

اور آپ نے اپنے شروط کو ہنوز پیش نہیں کیا تا کہ دوسری جانب سے ان کے تسلیم میں عذر واقع ہوتا، اور تصفیہ کے لئے کمیٹی کی ضرورت پیش آتی۔ پھر آپ کمیٹی تصفیہ کس ضرورت کے لئے مقرر کرنا چاہتے ہیں۔اور ایسی باتوں کے بیان ورد وقبول کیلئے کیوں کاغذی (گھوڑے) دوڑاتے ہیں۔آپ پہلے اپنی شرائط کو تو بیان کریں۔ممکن ہے میں ان کو مناسب سمجھوں اور قبول کرلوں اور کسی کمیٹی کی ضرورت نہ ہو۔اور اگر مجھے ان کے قبول کرنے سے عذر ہو تب آپ کو تقرر کمیٹی کا اختیار ہے۔اس وقت بھی میں کسی کو اپنا وکیل نہ بناؤنگا، بلکہ بذات خود کمیٹی میں شامل ہونگا میں یہ نہیں چاہتا اور نہ اس امر کو جائز سمجھتا ہوں کہ اپنی رائے کا مالک دوسرے کو بنادوں۔اور اس کا مملوک ہو کر خود بے اختیار ہو جاؤں۔آپ کو اختیار ہے جس کو چاہیں اپنا وکیل مقرر کریں۔آپ کے وکیلوں کی رائے اور میری رائے کا اختلاف ہوا، تو اس کا تصفیہ کسی ثالث سے کرایا جاوے گا۔ بالجملہ آپ پہلے شرطیں تحریر کریں پھر تقرر کمیٹی کا نام لیں۔

میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے بٹالہ میں تشریف لانا منظور کیا ہے جس کے عوض میں بحسب نوبت میں بھی اتنے دن، جتنے دن آپ بٹالہ میں بسر کریں گے، امرتسر میں بسر کرونگا۔میں نے اسی نظر سے آپ کے فقرات مذکورہ شروع خط سے اغماض کیا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ میرا مدعا حاصل ہو گیا ہے۔اب ان فقرات کے متعلق ایسی بحث کرنا جو اصل مقصود سے اجنبی ہے فضول ہے۔ ابوسعید محمد حسین۔

مولانا بٹالویؒ بتاتے ہیں کہ اس خط کا ڈاکٹر مارٹن کلارک نے جواب نہیں دیا، یہ مباحثہ سے عجز وگریز نہیں تو اور کیا ہے؟ ہم الہامی نہیں اور قادیانی کی سی الہام بازی اپنا شعار نہیں۔صرف عقل سے کہتے ہیں کہ کوئی تثلیثی عیسائی ہم سے کبھی مقابلہ نہ کرے گا۔کرے گا، تو الزام کھائے گا اور زک اٹھائے گا۔انشاءاللہ۔ (ماہنامہ اشاعۃ السنہ۔ جلد ۱۶۔ص ۳۴۹ تا ۳۶۰)

جلسہ تحقیق مذاہب

مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک دفعہ قادیان میں جلسہ تحقیق مذاہب کے انعقاد کا منصوبہ بنایا اور ایک اشتہار میں لکھا:

میں نے یہ تجویز کی ہے کہ اس کام کے انجام دینے کے لئے ایک مہذبانہ جلسہ مذاہب متفرقہ کا اسی جگہ یعنی قادیان ضلع گورداسپور میں انعقاد پاوے اور اس جلسہ کے متعلق جو قواعد ہیں جن کی پابندی ہر ایک کو ضروری ہو، بتفصیل ذیل ہیں۔

اول یہ کہ جہاں تک ممکن ہو اس جلسہ میں ہر ایک قوم کے اکابر علماء میں سے ایک نامی فاضل تشریف لاویں۔ یعنی موسوی مذہب کا ایک فاضل، اور عیسائی مذہب کا ایک فاضل، اور آریہ مذہب کا ایک فاضل اور مجوسی مذہب کا ایک فاضل اور برہمو مذہب کا ایک فاضل اور جین مذہب کا ایک فاضل اور بدھ مذہب کا ایک فاضل اور سناتن دھرم کا ایک فاضل اور دہریوں میں سے ایک فلاسفر اور ہماری طرف سے ہم۔ (قادیانیوں کی طرف سے یا مسلمانوں کی طرف سے؟ اگر قادیانیوں کی طرف سے ہیں تو پھر مسلمانوں نمائندگی کون کریگا۔ اور اگر مسلمانوں کی طرف سے ہیں تو مسلمانوں کی اکثریت تو آپ کو مسلمان نہیں سمجھتی؟ بہا)

۲۔ دوسرے یہ کہ بزرگان مذاہب کا تعہد مہمانداری اخیر تک ہمارے ذمہ رہے گا اور وہ پاک چیزیں جن پر شرع اور تہذیب کا اعتراض نہ، ہر یک فریق کے مذہب کے موافق ان کیلئے میسر کر دی جائینگی

۳۔ تیسرے یہ کہ ان بزگوں کی آمدورفت کا کرایہ، اگر وہ آپ ادا کرنے میں خوشی ظاہر نہ کریں، ہمیں دینا ہوگا اور جو کرایہ قادیان تک پہنچنے کے لئے کافی متصور ہوگا اسی قدر آمدورفت کے حساب سے دیا جائے گا۔ اور ان میں سے ہر ایک صاحب اختیار رکھتے ہیں کہ وہ اپنی قوم سے جس قدر آدمی چاہیں ساتھ لے آویں مگر ہماری طرف سے صرف ایک شخص کے حساب سے ان کو کرایہ دیا جائے گا ۔ (مرزا صاحب سفر کرتے تھے تو ان کے حاشیہ بردار سکرٹری، خدام ساتھ ہوتے تھے۔ اور انکے بغیر وہ کہاں جا سکتے تھے؟ اسی طرح دوسرے مذاہب کے اکابرین کو تصور کر لیا جائے۔ صرف ایک ہی فرد کا کرایہ دینا

اسے عملاً شرکت سے روکنا ہے۔اگر وہ ۱۰ خدام کا کرایہ دے سکتا ہے، تو اپنا یعنی گیارھویں کا بھی دے سکتا ہے) اور مہمان داری میں بھی حفظ انتظام کے لئے یہی قاعدہ ملحوظ رہے گا۔ اور جو بزرگ آمدورفت کا کرایہ ہم سے طلب کرنا چاہیں ان پر لازم ہوگا کہ وہ پہلے سے اطلاع دے دیں تا ان مصارف کا کل روپیہ ایک جگہ جمع رہ کر ہر یک خواستگار کو رخصت کے وقت دے دیا جائے۔

۴۔ چوتھے یہ کہ فروکش ہونے کے مکانات کا کرایہ بھی ہمارے ذمہ رہے گا اور اس کا تمام انتظام بھی جو رہنے کے لئے کافی ہو ہمیں ہی کرنا ہوگا۔

۵۔ پانچویں یہ کہ یہ جلسہ برابر ایک ماہ تک رہے گا اور مہینہ کے تیس دن تمام تقریر کرنے والوں میں مساوی طور پر تقسیم کئے جائیں۔ مثلاً اگر تقریر کرنے والے دس ہوں تو ہر ایک متکلم کے حصے میں تین تین آئیں گے اور اگر چھ ہونگے تو پانچ پانچ دن حصہ میں آئیں گے۔

۶۔ چھٹے یہ کہ ہر ایک صاحب کی تقریر کرنے کی ترتیب یہ ہوگی جن صاحبوں کو اپنے مذہب کے اول ہونے کا دعوی ہو، یعنی جو صاحب اپنی کتاب کی نسبت تقدم زمانی کے مدعی ہوں جیسے آریہ صاحبان یہی صاحب پہلے دن میں تقریر کریں۔

۷۔ ساتویں یہ کہ ہر یک تقریر کرنے والا دوسرے مذہب کا ذکر ہرگز نہیں کرے گا بلکہ صرف اپنے مذہب کی اور اپنے اصول کی خوبیاں بیان کرے گا۔ ہاں اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ جو اعتراض اس کے مذہب پر غیر قومیں کرتی ہیں نرمی اور تہذیب سے اس کا جواب دے (اس شرط کا اول و آخر آپس میں متناقض ہیں۔اور شرط نا قابل عمل ہے۔ بہاء)

۱۴۔ ہر ایک صاحب جو جلسہ مذاہب میں تقریر کرنے کی غرض سے شامل ہونا چاہیں ان کو چاہیے کہ اپریل ۱۸۹۶ء کے اخیر تک ہم کو اپنے اس ارادہ سے اطلاع دیں اور اگر کسی ایک قوم کی طرف سے درخواست کرنے والے کئی صاحب ہونگے تو ان میں سے صرف ایک ایسا شخص انتخاب کیا جائے گا جو اس قوم کی کثرت رائے سے تجویز کیا گیا ہو (اس تجویز کی رو سے مرزا صاحب تو ختم۔ اور دوسروں کے بارے میں کثرت رائے قوم کا کیونکر پتہ چل سکے گا۔کون ووٹ شماری کرے گا اور کیسے۔ بہاء)....میں دوبارہ اس بات کو یاد دلانا مناسب سمجھتا ہوں کہ چونکہ غرض اظہار حق ہے اس لئے مناسب ہے کہ یہ جلسہ ایک ماہ تک رہے۔ دنیا کے ادنی مقدمات جب عدالتوں میں دائر ہوتے ہیں تو حکام وقت تحقیق اور تفتیش کی غرض سے کئی مہینوں کے بعد ایک پیچیدہ مقدمہ کو فیصلہ کرتے ہیں۔مگر دین کے مسائل تو دنیا کے مقدمات کی نسبت نہایت دقیق در دقیق ہیں اور طالب حق پر لازم ہے جو ان کو

بار بار سوچ ..سوان وجوہات کے باعث ایک ماہ اس جلسہ کیلئے ضروری طور پر قرار پایا ......اگر اس اشتہار کے شائع ہونے کے اخیر اپریل تک کسی فریق کی طرف سے کوئی درخواست نہ پہنچی تو نہایت افسوس کے ساتھ التواء جلسہ کا باعث اشتہار کے ذریعہ شائع کر دیا جائے گا۔

المشتہر مرزا غلام احمد قادیانی ۲۹ دسمبر ۱۸۹۵ء (مجموعہ اشتہارات۔جلد دوم۔ ص ۱۹۲۔۱۹۹)

مولانا محمد حسین بٹالویؒ اس تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے:

یہ بیان کیا ہے کہ یہ جلسہ قادیان میں منعقد ہوگا اور اس میں نو مذاہب مخالفہ اسلام۔ موسوی،عیسائی ،آریہ، برہمو، مجوسی ،جین، بدھ، سناتن دھرم ، دہریہ،فلاسفہ کے فاضلوں کو جو اپنے مذہب کی زبانیں ، عبرانی، سنسکرت وغیرہ سے واقف و ماہر ہوں،تشریف لائیں گے اور اسلام کی طرف سے خود بدولت (قادیانی) پیش ہوں گے اور یہ جلسہ ایک مہینے تک رہے گا اور آنے والوں کا خرچ مہمان داری وکرایہ مکانات فروکش ہونے کا مرزا قادیانی کے ذمہ ہوگا اور جو صاحب کرایہ آمدورفت چاہیں وہ بھی مرزا قادیانی دے گا وغیرہ وغیرہ۔ معلوم نہیں موضع قادیان میں کرایہ کا مکان بجز مکانات قادیانی کون سا ہے جس میں وہ لوگ فروکش ہوں گے۔

ناظرین ! اس تجویز سے آپ کا اصل مقصود صرف یہ ہے کہ اپنے دام افتادہ احمقوں سے اخراجات مہمان داری وکرایہ مکانات اور آمدورفت کے بہانہ سے ٹکے وصول کرے۔ وبس۔اس امر کے اشتہار سے کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔

قادیانی کو اس امر کا یقین ہے کہ اس کی دعوت پر نہ کوئی بمبئی ، کلکتہ سے عبرانی دان یہودی آوے گا، نہ چین یا برما سے مذہب بدھ کا فاضل، اور نہ یورپ کے دہریوں سے کوئی فلاسفر اور نہ ہندوستان و پنجاب سے کوئی برہمو، آریہ وعلی ہذا القیاس۔

اس یقین کی وجہ کا بھی قادیانی کو علم ہے۔وہ خوب جانتا ہے کہ مجھے بہت لوگ جھوٹا اور فریبی جانتے ہیں ۔ایسا کم سے کم کوئی ایک بھی نہیں جو مجھے صحیح مخاطب سمجھتا ہو اور عالم فاضل ومحقق اور طالب حق سمجھ کر مجھ سے مباحثہ اور احقاق حق کا خواہاں ہو کر میرے گھر پر آوے۔

یہ یقین اس کو اس تجربہ کے ذریعہ سے حاصل ہو گیا ہے کہ اس نے بارہا لوگوں کو اپنے مقابلہ کے لئے اشتہار دیئے ہیں اور ان اشتہاروں میں علاوہ زاد راہ کے سال بھر تک دوسو روپیہ ماہوار تنخواہ دینے کے بھی وعدے کیئے مگر اکثر لوگوں نے اس کو فریبی یا پاگل سمجھ کر اس کے اشتہاروں کا جواب تک نہ دیا۔بعض نے اسکا جواب یہ دیا ہے کہ ہم نے تیرے اشتہار کو آگ میں ڈالدیا ہے

اس تجربہ سے اس کو وہ یقین ہو گیا ہے، اس لئے اس نے بے دھڑک یہ اشتہار جلسہ تحقیق مذاہب جاری کر دیا ہے جس سے وہ مقابلہ مخالفین سے تو بے فکر ہے اور اس امر کی امید رکھتا ہے کہ اس ذریعہ سے کچھ نہ کچھ روپئہ وصول ہو ہی جائے گا۔ وہ سمجھتا ہے کہ ہمارے مخالف مولوی ہزار بار عام لوگوں کو ہمارے فریبوں پر آگاہ کریں مگر جہان احمقوں سے خالی نہیں، نہ کبھی ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔ شیخ چلی مر گیا ہے تو کیا ہوا اس کی ذریات کا تو اختتام نہیں ہوا۔ غرض حصول زر کے سوا اس اشتہار سے کوئی نتیجہ نکلے تو ہماری پیش گوئی کی غلطی کی جو مالی سزا قادیانی تجویز کرے ہم بھگتنے کو حاضر ہیں۔ اور اگر ہمارا کہنا درست نکلا تو آئندہ قادیانی لن ترانیاں ہانکنے اور ان کے ذریعہ سے عام مسلمانوں کو (حمقاء اتباع قادیانی کا ذکر نہیں) دام میں لانے کا خیال دماغ سے نکال دے۔ امام محدث دار قطنیؒ نے بغداد والوں کو کہا تھا کہ یا اهل بغداد لا تطمعوا فی الکذب علی رسول اللّٰہ ﷺ ما دمت حیًا (اے اہل بغداد جب تک میں زندہ ہوں تم آنحضرت ﷺ پر جھوٹی حدیثیں وضع کر کے افتراء کرنے کی طمع نہ رکھو)۔ میں بھی دار قطنی کی طرح قادیانی کو کہتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں آپ عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور دام میں لانے کی طمع چھوڑ دیں۔

اب ہم قادیانی سے ایک سوال کرتے ہیں کہ بفرض محال یہ جلسہ منعقد ہو گیا اور مذاہب مذکورہ کے فاضل چین، برما، یورپ وغیرہ بلاد سے جمع ہو کر قادیانی کے مقابلہ کے لئے مستعد ہو کر اس امر کے مستفسر ہوئے کہ آپ جو اسلام کی طرف سے وکیل ہو کر ہم سے مخاطب ہوتے ہیں اور مباحثہ کرنا چاہتے ہیں، آپ کے پاس اس امر کی کیا دلیل و دستاویز ہے کہ آپ مسلمانوں کے وکیل ہیں اور آپ کے ساختہ پرداختہ کو مسلمان اپنا ساختہ پرداختہ سمجھیں گے۔ اسلامی دنیا میں تو یہ مشہور ہے کہ آپ باضابطہ مسلمانوں کے گروہ سے خارج کئے گئے ہیں اور پشاور سے کلکتہ و مدراس و بمبئی تک آپ کے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے پر اسلام کے مختلف فرقوں کے علماء فتوی لگا چکے ہیں، تو اس کے جواب میں آپ کیا فرمائیں گے؟ کیا صرف یہی کہ ہم کو حکیم نور الدین جمونی بھیروی نے کافر نہیں کہا۔ یا منشی محمد احسن امروہی نے رسالہ تحذیر میں ہم کو کفر سے بچا لیا ہے۔ اس کے جواب میں وہ پھر اسی فتوی کو پیش کریں گے اور کہیں گے کہ وہ بھی آپ کی متابعت کے سبب اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ کیا ارشاد فرمائیں گے۔ بینوا و توجروا۔

(ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۶۔ ص ۳۷۶۔ ۳۷۸)

پیش گوئی متعلقہ آتھم

۱۸۹۳ء میں عیسائیوں کے ساتھ امرتسر میں ہونے والے مباحثے کے اختتام پر مرزا قادیانی نے ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء تک اپنے مدمقابل ڈپٹی آتھم کی موت کی پیش گوئی کی تھی۔ خدا تعالی نے آتھم کو اس مدت کے اختتام تک زندہ رکھا اور پیش گوئی غلط ثابت ہوگئی لیکن مرزا صاحب نے تاویلات کے زور پر اپنے مریدوں کی نظر میں اسے سچا کر دکھایا۔ مولانا بٹالویؒ بتاتے ہیں کہ

ایک پادری فتح مسیح سے قادیانی نے نقل کیا ہے کہ اس نے ایک خلیفہ قادیانی کو کہا کہ آتھم کی موت کے متعلق پیشگوئی قادیانی کو سچی جاننے والی ایک حقیر جماعت اتباع قادیانی ہے جس کی تعداد چار پانچ یا زیادہ سے زیادہ پندرہ آدمی ہونگے۔ پھر اسکے جواب میں قادیانی نے کہا ہے کہ

وہ (پادری) کس قدر ایسے آدمیوں کے دستخط چاہتے ہیں جو اس بات کا اقرار کرتے ہوں کہ درحقیقت یہ پیش گوئی پوری ہوگئی۔ اور اگر ہم پندرہ سو یا دو ہزار یا تین ہزار یا چار ہزار کے دستخط کرادیں گے تو ان کا دعوی باطل ہوگا یا نہیں؟

مولانا محمد حسین بٹالویؒ فرماتے ہیں:

اس چال سے قادیانی کی کیا غرض ہے؟ اے حضرات! یہ غرض اس سیاہی کو دھونا ہے جو عبداللہ آتھم کے (تا اختتام مدت) فوت نہ ہونے سے آپ کے منہ مبارک پر جمی ہوئی ہے، اور اس لعنت کے طوق کو اپنے گلے سے اتارنا ہے جو اس دن سے زیب گلو ہو رہا ہے تاکہ اس ذریعہ سے پھر وہ فتوحات مالی جاری ہوں جو اس پیش گوئی کے جھوٹا ہونے سے مسدود ہو رہی ہیں۔

مولانا محمد حسین بٹالوی مزید فرماتے ہیں:

ہم اس مضمون میں اس نئے پادری کی تصدیق و تائید نہیں کرتے اور نہ اس کا یہ بیان کہ اس پیش گوئی کو سچی جاننے والی جماعت قادیانی میں صرف پندرہ آدمی ہیں، لائق تصدیق ہے۔ اور نہ یہ شخص کسی اور بیان میں مسلمانوں کی تائید کے لائق ہے۔ یہ شخص جب سے نیا پادری بنایا گیا ہے تب سے آنخضرت ﷺ کی عالی جناب میں ناپاک الفاظ استعمال میں لاتا ہے اور اپنی معمولی باتوں میں بھی راست گوئی کا ملتزم نہیں ہے۔ ہم سے اس کی خط وکتابت ہوئی تو اس میں اس نے راستی و دیانت سے کام نہیں لیا۔ چنانچہ اس خط وکتابت کے درج رسالہ ہونے سے ناظرین کو یقین ہوگا

(یہ جلد ۱۶ میں بصفحہ ۳۵۳ وغیرہ درج ہو چکی ہے۔اس کو اس نئے پادری نے اخبار نور افشاں میں درج کرایا تو اس میں بہت تصرف کیا۔ ازانجملہ یہ کہ اپنے خط مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۹۴ء کے آخری فقرہ کو خورد برد کر کے اس کا جواب جو ہماری طرف سے تھا اخبار میں نہ چھپوایا) لہذا ایسا شخص اس لائق نہیں کہ کوئی مسلمان اس کی تائید کرے بلکہ اس لائق ہے کہ ہر مسلمان اس کی واجبی خدمت گذاری کرے۔

بلکہ اس مقام میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اس تعداد کے بیان میں جیسا کہ یہ نیا پادری جھوٹا ہے ایسا ہی قادیانی جھوٹا ہے اور اس دروغ کے سبب ہر دو ملامت کے مستحق ہیں۔ نیا پادری اس لئے کہ اس نے قادیانی جماعت میں پیشگوئی کو سچی جاننے والوں کی تعداد بہت کم بتائی ہے۔ اتباع قادیانی جو اس پیشگوئی کو سچا جانتے ہیں، سو سے بھی زیادہ ہیں۔اور قادیانی اس لئے جھوٹا ہے کہ اس نے جھوٹ کا طوفان باندھ دیا اور اس قدر تعداد کے بیان میں جھوٹ کو انتہاء تک پہنچا دیا۔

اس نفی سے ہماری یہ مراد نہیں کہ وہ چار ہزار آدمیوں کے نام مشتہر نہیں کرسکتا۔ نام تو دس ہزار اشخاص کے گن سنائے گا۔ ہماری مراد اس نفی سے یہ ہے کہ وہ اس تعداد کے ایسے لوگوں کو پیش نہیں کرسکتا جو قانون شریعت یا عدالت کی رو سے شہادت میں قبول کئے جانے کے لائق ہوں۔

ہم مرزا قادیانی سے اس قسم کے لوگ اور اہل اسلام سے نہیں چاہتے اور اس قدر کے تعداد کی بھی اس کو تکلیف نہیں دیتے بلکہ خاص کر اسی کے اتباع و معتقدین میں سے بجائے چہار ہزار صرف چار اشخاص کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں۔اگر وہ جلسہ عام اہل اسلام میں بالاتفاق حلف کے ساتھ شہادت دیں گے کہ پیش گوئی متعلق موت آتھم سچی ہوگئی ہے تو ہم ان چار کی شہادت کو آپ کے اتباع سے چار ہزار کی شہادت تسلیم کریں گے اور قادیانی کو اس دعوی میں سچا اور اس تعداد کے بیان میں صرف نئے پادری کو جھوٹا کہیں گے۔وہ چار اشخاص یہ ہیں:

آپ کے خلیفہ اول حکیم نورالدین جمونی بھیروی۔۲۔ آپ کے خلیفہ دوم منشی یا مولوی محمد احسن امروہی بھوپالی۔۳۔آپ کے بڑے مالی حواری محمد علی خان رئیس مالیر کوٹلہ۔۴۔ آپ کے چھپے حواری حافظ محمد یوسف ضلعدار، یا ان کی جگہ منشی الہی بخش اکونٹنٹ یا منشی عبدالحق پنشنر۔ یہ چاروں حضرات بالاتفاق اس پیش گوئی کو سچا کہیں گے تو ہم مرزا قادیانی کے اس دعوی کو مان لیں گے۔

یہ چاروں حضرات یا ان میں سے کوئی صاحب اس پیش گوئی کو سچا کہنے سے انکار کریں گے تو ہم چار اشخاص اور یا کسی ایک منکر کی جگہ ایک اور صاحب کو منتخب کریں گے وعلی ہذا القیاس۔ اس ترتیب وترکیب سے اتباع قادیانی سے جملہ سنجیدہ اشخاص اس پیش گوئی کے منکر ثابت ہونگے۔

اور اس سے قادیانی صاحب اپنے اس دعوی میں جھوٹے ٹھہریں گے۔

ہم کو امید نہیں کہ قادیانی، ان چاروں حضرات یا دیگر سنجیدہ اشخاص کو اس شہادت میں پیش کرینگے۔ یا ان کا انکار اس شہادت سے پیش کر کے دیگر لوگوں کے انتخاب کی اجازت دیں اس لئے ہم آپ صاحبوں کی اطلاع کیلئے اس راز کو آشکارا کرتے ہیں کہ محمد علی خان اس پیشگوئی کو ایک مجلس خاص اتباع قادیانی ساکنان لدھیانہ میں جھوٹا کہہ چکے ہیں اور یہ بات لودھیانہ میں کس و ناکس کو معلوم ہے۔ وہ ہرگز اس شہادت میں شامل نہ ہونگے (محمد علی خان نے تو مرزا کو اس مضمون کا ایک خط بھی لکھ دیا تھا جو تحریر ہذا کے وقت مولانا بٹالویؒ کے علم میں شائد نہیں تھا۔ مرزا صاحب اس خط کو پڑھ کر بہت ناراض ہوئے تھے اور انہوں نے محمد علی کو جواباً لکھا: مجی اخویم نواب سردار محمد علی خاں ...آپ کا عنایت نامہ مجھ کو آج کی ڈاک میں ملا۔ آتھم کے زندہ رہنے کے بارے میں میرے دوستوں کے بہت خط آئے لیکن یہ پہلا خط ہے جو تذبذب اور تردد اور شک اور سوء ظن سے بھرا ہوا تھا.... میرے خاص دوستوں کو آپ کے اس خط سے اس قدر افسوس ہوا کہ اندازہ سے زیادہ ہے۔ یہ کلمہ آپکا کہ، مجھے ہلاک کیا، کس قدر اس اخلاص سے دور ہے جو آپ سے ظاہر ہوتا رہا... خاکسار غلام احمد۔ مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۴ ص ۶۵۔۶۹)۔ ایسا ہی خلیفہ اول قادیانی، حکیم صاحب بھی ایک کارڈ میں اس پیشگوئی کو جھوٹا لکھ چکے ہیں۔ وہ بھی امید ہے کہ اس شہادت کی طرف رخ نہ کرینگے۔ ان دونوں صاحبوں کی شہادتِ خلاف دیگر اشخاص جماعت قادیانی کے دو ہزار اشخاص کے برابر ہے۔ اسکے مقابلہ میں قادیانی کے دو ہزار کی شہادت تو کان لّم یکن، و بے اعتبار ہے۔ دو ہزار سے زیادہ اشخاص وہ گن سنائے گا تو ہم دو اشخاص ایسے ہی اور پیش کریں گے۔ ذیل میں وہ کارڈ نقل کیا جاتا ہے جو حکیم نور الدین نے بابو غلام محی الدین کلرک دفتر لوکو سپرنٹنڈنٹ ریلوے لاہور کے نام ۱۵ دسمبر ۱۸۹۴ء کو بہاولپور سے لکھا تھا۔ وہ بعینہ ہمارے پاس موجود ہے: وہ یہ ہے:

السلام علیکم۔ پیشگوئی میرے خیال میں پوری نہیں ہوئی۔ اب اسکا کیا سرّ ہے انشاء اللہ چندروز کے بعد میں ظاہر کر سکونگا۔ چندروز تامل فرماویں۔ میں کسی کام میں جلدی کو پسند نہیں کرتا۔ نوردین از بہاولپور۔ دولت خانہ۔

ناظرین ان دونوں شہادتوں کو انصاف سے پڑھیں اور داد انصاف دے کر کہیں کہ قادیانی دعوی شہادت پندرہ سو یا چار ہزار میں کس قدر راستی پر ہے۔

(ماہنامہ اشاعۃ السنہ۔ جلد ۱۶۔ ص ۳۷۹۔۳۸۱)

تقریری مقابلہ

مولانا محمد حسین بٹالویؒ بتاتے ہیں کہ:

مرزا قادیانی کے خلیفہ اول حکیم نور الدین اور خلیفہ دوم میاں کریم بخش سابق ٹیچر امریکن مشن سکول سیالکوٹ (جس کو قادیانی نے مولوی کا خطاب دیا ہے) نے مل کر علماء مسلمین کے نام عموماً اور خاکسار کے نام خصوصاً ایک اشتہار جاری کیا ہے اور اس میں یہ درخواست اور تحدی ہے کہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ سالانہ یا کسی اور مجلس میں لاہور جیسے مشہور مقام میں ان سے بالمقابلہ فضائل اسلام کے بیان میں تقریر کریں یا لیکچر دیں۔

ناظرین! آپ جانتے ہیں کہ ان حضرات کا اس چال سے کیا مقصود ہے اور دونوں صاحبوں نے مل کر کیوں اشتہار جاری کیا ہے۔ حضرات! اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے تین دفعہ یہ خاکسار محض بتائید اللہ حکیم نورالدین صاحب کو زک دے کر بھگا چکا ہے۔

ایک دفعہ ۱۸۹۱ء میں ایک مجمع علماء لاہور میں عرصہ دو گھنٹہ میں آپ کو ملزم کیا۔ تسپر آپ راجہ جموں کی ملاقات کے بہانہ سے پھر گفتگو کرنے کا وعدہ کر کے بھاگے اور پھر سامنے نہ آئے اور لودھیانہ جا براجے۔ وہاں سے آپ کو تار کے ذریعہ بلایا گیا تو آپ نے قادیانی کو پیش کرنا چاہا۔ آخر وہ بھی مقابلہ میں نہ آیا اور نہ مباحثہ وقوع میں آیا جسکی تفصیل اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ میں موجود ہے۔ دوسری دفعہ ۱۸۹۳ء میں ریل کے سفر میں آپ قابو میں آ گئے اور لاہور سے امرتسر پہنچنے تک پھنسے رہے۔ آخر ساکت ہوئے۔ اور ریل گاڑی سے اتر کر جان چھڑائی۔ اس کا حال اشاعۃ السنہ جلد ۱۴ میں چھپ چکا ہے۔ تیسری دفعہ (پھر) ریل گاڑی میں آپ قابو آئے مگر گفتگو سے صاف انکاری ہو کر مقام پھلور میں فراری ہوئے۔ اس وجہ سے آپ بمصداق، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، کریم بخش سیالکوٹی کو ساتھ لے کر میدان میں نکلے ہیں۔

یہ تو ان کی معیت کی وجہ ہے۔ اب مقابلہ کی خواہش کی وجہ سنو۔

اس اشتہار میں آپ نے اپنے ان مسائل میں، جن میں مباحثہ کرنے سے بھاگے تھے،

مقابلہ نہیں چاہا بلکہ قدیم اسلام کے فضائل بیان کرنے میں مقابلہ چاہا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے مسائل مذہب قادیانی نے تو آپ کو اور آپ کی جماعت کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہے۔علمائے ہندوستان و پنجاب نے آپ لوگوں پر فتوی کفر لگا رکھا ہے۔اب آپ ان مسائل کفریہ کو عام مجمعوں میں چھپانا اور بجائے ان مسائل کفریہ کے اتفاقی مسائل اسلام بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمانوں میں مسلمان کہلائیں اور اس سیاہی کو جو فتوی کفر نے آپ پر لگا رکھی ہے، دھو ڈالیں، مگر خاکسار چونکہ آپ کی نبض کو خوب پہچانتا ہے اس لئے اس تقیہ اور نفاق کو ظاہر کرتا ہے اور اس غرض میں آپ کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔

پس بجواب آپ کے اشتہار کے عرض رساں ہے کہ میاں کریم بخش کو تو میں کوئی اہل علم مخاطب صحیح نہیں سمجھتا، ہاں آپ کے مقابلہ کیلئے حاضر ہوں جس وقت چاہیں اور جس جگہ (بجز قادیان کہ وہ دار الشیطان ہے اور بقول قادیانی یزیدیوں کا مکان) آپ چاہیں خاکسار کو بلالیں۔ خاکسار آپ کے مقابلہ میں تقریر کرنے کو، لیکچر دینے کو، آپ سے مباحثہ کرنے کو حاضر ہے۔مگر ایسا ہرگز نہ ہونے پائے گا کہ آپ تقیہ اختیار کر کے اپنے مسائل کفریہ مذہب قادیانی کو چھپائیں اور قدیم اسلام کے اصول ومسائل کے اظہار سے اپنے اسلام کو حاضرین پر ظاہر وثابت کریں جیسا کہ قادیانی نے مباہلہ عبدالحق غزنوی میں کیا تھا اور اس ذریعہ سے بعض مسلمانوں کو مونڈ لیا۔ بلکہ آپ جن مسائل میں کچھ کہنا چاہیں گے اور ان میں طلاقت ولیاقت دکھائیں گے وہ خاصۃً ومجرداً آپ کے مسائل مذہب قادیانی ہوں گے اور ان کے جواب میں اس طرف سے بھی انہی مسائل میں کچھ عرض کیا جائے گا۔ یہ شرط منظور ہے تو بسم اللہ آیئے اور جہاں چاہیے خاکسار کو بلایئے۔

حضرات اس تحریر کے چھپنے میں توقف نظر آتا تھا اس لئے خاکسار نے اس اشتہار کے جواب میں حکیم صاحب کے نام ایک قلمی خط بذریعہ رجسٹری ۱۶ جنوری ۱۸۹۶ء کو روانہ کر دیا تھا۔اس خط کے جواب میں حکیم صاحب کا کارڈ بھی آیا مگر اس میں قبولیت مباحثہ ومقابلہ کی نسبت ایک حرف تک نہ لکھا۔اس خط کے مضمون میں مباحثہ کے جواب میں لکھا تو صرف یہ لکھا ہے کہ کریم بخش کا نام حسین بخش سے بہتر ہے۔جس کا جواب ترکی بترکی دیا گیا۔آج ایک کارڈ حکیم صاحب کا متضمن مطالبہ کتاب مطالب عالیہ اور آیا ہے اس میں بھی قبولیت مباحثہ کا حرف نہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کا وہ اشتہار صرف ایک گیدڑ بھبکی تھا۔آپ کو بالمقابلہ تقریر کرنی منظور نہیں ہے۔

ذیل میں یہ خط وکتابت نقل کی جاتی ہے:

} بٹالہ ۱۶ جنوری ۱۸۹۶ء، مشفقی حکیم صاحب ۔ سلام علی من اتبع الہدی ۔

آپ کا اشتہار اور آپ کے پیرومرشد قادیانی کے چند اشتہارات جس روز میں نے وصول کئے اسی روز ان کے جوابات تحریر کر دیئے کہ وہ چھپ کر آپکے پاس پہنچیں گے انشاء اللہ تعالی ۔ شائد ان کے چھپنے میں دیر ہو، اس لئے آپ کے اشتہار کے جواب کا خلاصہ قلمی ارسال کرتا ہوں ۔ کریم بخش سابق ٹیچر اسکول سیالکوٹ (جو مولوی عبدالکریم کہلاتا ہے) کو تو میں مخاطب صحیح نہیں سمجھتا۔ آپ کے مقابلہ میں تقریر کرنے کو، لیکچر دینے کو، آپ سے بحث کرنے کو ہر وقت اور ہر جگہ (بجز قادیان) تیار ہوں جہاں آپ چاہیں مجھ سے مقابلہ کرلیں بشرطیکہ مذہب نیچری قادیانی کے مسائل و رسائل قادیانی فتح، توضیح، ازالہ، وساوس وغیرہ میں بیان ہوئے ہیں، بیان کریں اور ان کا ردّ مجھ سے سنیں ۔ اور اگر آپ تقیہ ونفاق کے طور پر صرف وہ قدیم مسائل بیان کریں جو اہل اسلام کے مسائل وعقائد ہیں اور اپنے مذہب نیچری قادیانی کے مسائل کو زبان پر نہ لاویں تو اسکے مقابلہ میں کسی مسلمان کو کچھ کہنا ضروری نہیں ہے ۔ اور اپنے علم وتقریر ولیاقت وخوش بیانی کی نمائش اور ریا مسلمان کا کام نہیں ہے ۔ آپ کا پرانا خدمت گار ۔ ابوسعید محمد حسین ۔

{ اس کا جواب حکیم صاحب کی طرف سے:

کریم بخش، حسین بخش سے بہر حال بہتر ہے ۔ نور دین ۔

} اس کا جواب خاکسار کی طرف سے:

مشفقی حکیم صاحب ۔ سلام علی من اتبع الہدی ۔

کریم بخش کے صرف نام پر اعتراض نہ تھا بلکہ اس کے مولوی کہلانے پر تھا ۔ اس اعتراض کو حسین بخش کا نام نہیں اٹھا سکتا جب کہ حسین بخش کے خداداد علم میں کریم بخش شریک و مماثل نہ ہو ۔ آپ نے یہ نہ سوچا اور جواب لکھ مارا ۔ اس سے میرے اس گمان کو مصدق اور محقق کیا کہ آپ لوگوں میں صحبت قادیانی کی برکت سے فہم وانصاف، للّٰہیت، حقانیت کا شمہ نہیں ہے، جو ہے نفسانیت، جہل وجدل وغیرہ ہے ۔ اس اعلام کا شکریہ آپ کی کل جماعت پر واجب ہے ۔ قبولیت مباحثہ اور تقریر بالمقابلہ کا آپ نے جواب نہ دیا ۔ کیا پھر بھاگے جیسے ایک دفعہ لاہور میں اور دو دفعہ ریل میں بھاگے تھے ۔ ابوسعید محمد حسین ۔

(ماہنامہ اشاعۃ السنہ ۔ جلد ۱۶ ۔ ص ۳۸۱ تا ۳۸۴)

جلسہ اعظم مذاہب

دسمبر ۱۸۹۶ء میں لاہور میں مختلف مذاہب کا ایک مشترکہ جلسہ منعقد کروانے کا پروگرام ایک ہندو سادھو کی طرف سے بنایا گیا اور اس میں مختلف مذاہب کے علماء شریک ہوئے۔ مسلمانوں کی طرف سے مولانا محمد حسین بٹالویؒ شریک ہوئے اور قادیانیوں کی طرف سے مرزا غلام احمد کا ایک مضمون جلسے میں پڑھ کر سنایا گیا۔ چونکہ جلسے کی تنظیمی کمیٹی میں قادیانی بھی شریک تھے اس لئے مرزا صاحب کے مضمون کو انہوں نے بہت اہمیت دی اور ان کا مضمون پڑھے جانے کے دن دور و نزدیک سے قادیانی سامعین اکٹھے کر کے خوب نعرے لگوائے گئے اور نہ صرف بعد میں ان لوگوں کی طرف سے اخباروں میں مرزا صاحب کے مضمون کی خوب ہوا باندھی گئی، بلکہ جلسہ کے انعقاد سے پہلے ہی پوری منصوبہ بندی کر کے مرزا صاحب نے ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا تھا:

جلسہ اعظم مذاہب جو لاہور ٹاؤن ہال میں ۲۶ تا ۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کو ہوگا اس میں اس عاجز کا ایک مضمون قرآن شریف کے کمالات اور معجزات کے بارہ میں پڑھا جائے گا۔ یہ وہ مضمون ہے جو انسانی طاقتوں سے برتر اور خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان اور خاص اس کی تائید سے لکھا گیا ہے.... مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا... اور مجھے یہ الہام ہوا انّ اللّٰہ معک ان اللّٰہ یقوم اینما قمت یعنی خدا تیرے ساتھ ہے۔ خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہو۔ خاکسار غلام احمد از قادیان۔ ۲۱ دسمبر ۱۸۹۶ء

(انجام آتھم ضمیمہ۔حاشیہ ص ۲۹۹ تا ۳۰۱)

اور اس جلسہ کے بعد مرزا صاحب نے لکھا:

ایک اور پیشگوئی ہے جو ابھی ظہور میں آئی ہے یعنی وہ جلسہ مذاہب جو لاہور میں ہوا تھا اس کی نسبت مجھے پہلے سے خبر دی گئی کہ وہ مضمون جو میری طرف سے پڑھا جائیگا وہ سب مضمونوں پر غالب رہے گا۔ چنانچہ میں نے قبل از وقت اس بارے میں اشتہار دے دیا.. اور اس الہام کے موافق میرے اس مضمون کی جلسہ مذاہب میں ایسی قبولیت ظاہر ہوئی کہ مخالفوں نے اقرار کیا ہے کہ وہ مضمون سب سے اول رہا ہے اور یہ اشتہار الہامی محمد حسین بٹالوی اور احمد اللہ اور ثناء اللہ مولویان

امرتسراور عیسائیوں کو بھی قبل از وقت بھیجا گیا تھا۔ (انجام آتھم ضمیمہ۔ص ۲۹۹۔۳۰۱)

اوراس جلسے اور مقررین کی تقاریر کی بابت مولانا محمد حسین بٹالویؒ لکھتے ہیں:

مدت ہوئی مرزا غلام احمد قادیانی نے اس مضمون کا اشتہار دیا تھا کہ مختلف مذاہب کے سرکردہ فاضل جمع ہوکر اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں۔ میں اسلام کی طرف سے پیش ہوکر اسلام کی خوبیاں بیان کرونگا۔ اس اشتہار سے ان کا مقصود وخیال یہ تھا کہ جو میرے عقائد جدیدہ کی وجہ سے علماء اسلام نے مجھ پرفتوی کفر لگا دیا ہے اور اس کے سبب عام اہل اسلام کو مجھ سے وحشت و نفرت ہوگئی ہے۔ خصوصاً اس روز سے کہ عبداللہ آتھم اور میری منکوحہ آسمانی کے شوہر ثانی کی موت کے متعلق میری پیش گوئی جھوٹی ہوچکی ہے، اس کا اثر اٹھ جائے یا کم ہو۔ اس مجمع میں عام مسلمان بھی مجتمع ہوجائیں گے انکے سامنے ایسے عقاید مسلّمہ اہل اسلام ظاہر کرونگا جن سے مجھے لوگ مسلمان جان لیں گے اور میری طرف رجوع کریں گے۔ (جیسے کہ پہلے چند میرے دام میں پھنسے ہوئے ہیں) جب وہ مجھے مسلمان سمجھ کر میرے دام میں آجائیں گے تو پھر وہ میرے عقائد جدیدہ کو بھی مان لیں گے جیسا کہ پہلے دام افتادہ سادہ لوحوں نے مان لئے ہیں۔ اس اشتہار کی طرف کسی نے توجہ نہ کی اور اس کو مرزا کی معمولی لاف زنی وفریب دہی قرار دیا تو مرزا کا خیال دل ہی دل میں رہ گیا۔

اسی اثنا میں ایک ہندو سادھو شوگن چندر نے اسی قسم کے جلسہ کا اشتہار دیا تو مرزا جی نے اس کو از بس غنیمت جانا اور اس کو اپنے اس مدعا کے حصول اور اپنے جدید عقاید مندرجہ رسائل کے برخلاف عقائد اسلامیہ کے اظہار کا کافی وسیلہ خیال کیا۔ یہ سوچ کر انہوں نے اس سادھو اور اس کی ہندو کمیٹی اور معاونوں کو (جن کے مضمون اشتہار کو نہ اکثر ہندو آریہ نے قبول کیا تھا نہ عیسائیوں اور پادریوں نے۔ اور وہ منتظر اور محتاج تھے کہ کوئی ان کی دعوت اشتہار کو قبول کرے) اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ان کی کمیٹی کے ممبروں اور منتظموں میں اپنے حواریوں اور خلفاء کو شامل کیا۔ ان کے اول خلیفہ حکیم نورالدین اس کمیٹی کے چھ ماڈریٹروں (منتظموں یا میرمجلسوں) میں سے ایک ماڈریٹر بنائے گئے۔ دوسرے خلیفہ رشید الدین ڈاکٹر چکراتہ، اس کمیٹی کے سکرٹریوں میں سے ایک سکرٹری بن گئے تیسرے خلیفہ میاں کمال الدین پروفیسر انجمن حمایت اسلام کالج، ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر بن گئے وعلی ہذا القیاس اور لوگ داخل وشریک ہوئے (وہ لوگ سپیکر یعنی مقرر بن گئے از انجملہ منشی ناصر نواب نقشہ نویس خسر مرزا ہیں، ایک مبارک علی امام مسجد صدر بازار سیالکوٹ، جن کا سپیکروں میں شامل ہونا اس غرض

سے تھا کہ وہ اپنا وقت بھی مرزا قادیانی کو دیدیتے ۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا)۔ سادھو مذکور قادیان بھی بلوائے گئے اور وہاں ان کو اپنے مدعا کے موافق تعلیم و تلقین ہوئی اور ایک اشتہار بعنوان اشتہار واجب الاظہار بھی بنا دیا گیا جو لفظ بلفظ و حرف بحرف مرزا کا بنایا ہوا ہے، کسی دوسرے کے ایک لفظ کا اس میں دخل معلوم نہیں ہوتا، اور وہاں اپنے ہی مطبع میں مرزا نے اس کو چھپوا کر شائع و مشتہر کیا۔

غرض اس جلسہ کو مرزا جی نے گویا اپنا جلسہ بنا لیا اور اس کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ بھی خیال عام اور اس کا احتمال تام ہے کہ یہ سوالات خمسہ جو جلسہ کی طرف سے مشتہر کئے گئے ہیں یہ بھی مرزا جی کی تجویز سے مشتہر کئے گئے ہیں ۔ مرزا نے ان کو وہی سوالات تجویز کر کے دیئے جن کے جوابات وہ مدت سے لکھ رہے تھے اور ان کو وہ نئی روشنی کے مطابق عام پسند بنا چکے تھے۔

جب اس کمیٹی کا پہلا اشتہار متضمن سوالات و درخواست جواب کمیٹی کی طرف سے خاکسار کے پاس بمقام بٹالہ پہنچا تو میں نے سکرٹریوں میں مرزا کے خلیفہ رشید الدین ڈاکٹر چکراتہ کا نام پڑھ کر فوراً سمجھ لیا کہ اس جلسہ سے مرزا جی اپنا وہ کام نکالنا چاہتے ہیں (جس سے وہ اپنا اشتہار جاری کرنے کے بعد ناکام رہے تھے) اور عام مسلمانوں کے سامنے اپنی مسلمانی جتانے اور فتوی کفر و تکذیب پیش گوئی متعلقات موت آتھم اور اپنی منکوحہ آسمانی کے شوہر ثانی کو مٹانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ سمجھ کر میں کمیٹی کی درخواست قبول کرنے میں متوقف و متردد ہو گیا۔ ایک تو یہ خیال آیا کہ اس جلسہ میں مرزا نے اپنے عقاید جدیدہ کے برخلاف عقاید قدیمہ اسلامیہ کا اظہار کیا، تو اس سے لوگوں کو دھوکہ لگے گا۔ لوگ ان کو مسلمان سمجھ جائیں گے اور ان کے دام میں آئیں گے ۔ دوسرا یہ خیال کہ اگر میں یا کوئی اور عالم مسلمان اس جلسہ میں شریک و شامل نہ ہوا تو جلسہ میں مرزا قادیانی کا یک طرفہ بیان وہی اثر بد پیدا کرے گا۔

میں اسی تردد میں تھا کہ کارسپانڈنس سکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور کا خط اس مضمون کا میرے پاس پہنچا کہ انجمن حمایت اسلام نے اسلام کی طرف سے سوالات جلسہ کا جواب دینے کے لئے آپ کو وکیل منتخب کیا ہے۔ اسی مضمون کا ایک خط مسلمانان وزیرآباد کی طرف سے مولوی حافظ عبدالمنان کا پہنچا اور ایک خط انجمن اسلامیہ جہلم کی طرف سے منشی الہی بخش سکرٹری انجمن کا پہنچا۔

ان خطوط نے میرے اس تردد کو رفع کر دیا اور مجھے اس جلسہ میں شریک ہونے اور اسلام کی وکالت کرنے پر مامور و مجبور کیا۔ میں نے کمیٹی جلسہ کے نام جواب لکھ دیا کہ میں جلسہ میں شامل ہوں گا اور سوالات کے اسلام کی طرف سے جوابات دونگا۔ انشاء اللہ تعالی

پھر میں جلسہ کے قریب لاہور پہنچا تو عمائد و فضلاء اسلام کی ایک جماعت میرے پاس پہنچی اور مجھے اس جلسہ میں شامل ہونے سے اسی وجہ اور عذر سے کہ یہ جلسہ مرزا اور اس کے اتباع و خلفاء کے ہاتھ میں آچکا ہے، اور اس میں ان ہی لوگوں کا پورا اختیار و دخل ہے، روکا۔ میں نے اس جماعت کو بھی وہی اپنا دوسرا خیال کہ میرے شامل نہ ہونے سے مرزا قادیانی کا یکطرفہ بیان اثر بد پیدا کریگا، سنایا اور یہ بھی کہا کہ وعدہ کر لینے کے بعد میرا شامل جلسہ نہ ہونا اور بھی نامناسب امر ہے

۱۷۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو مرزا کے خلیفہ رشید الدین صاحب کا خط اس مضمون کا میرے نام پہنچا کہ آپ اپنے بیان کے لئے کس قدر وقت لینا چاہتے ہیں۔ میں نے اس کا جواب اسی تاریخ ان کو لکھ دیا کہ مجھے اپنے بیان کے لئے تین گھنٹہ وقت بکار ہے۔ اور اگر آپ مجھے اس سے کم وقت دیں گے تو میں اتنے ہی وقت میں اپنا بیان ختم کر دونگا۔ اس کا جواب مجھے مرزا کے خلیفہ نے نہ دیا تو میں نے سکوت کو رضا سمجھ کر چالیس صفحہ کا مضمون (جس میں اکثر صرف نوٹ تھے) تیار کیا۔

پھر جب جلسہ کا پروگرام (اشتہار تقسیم اوقات) شائع ہوا تو اس میں میں نے اپنے بیان کے لئے صرف ایک گھنٹہ وقت پایا (یہ مرزائی پارٹی کا پہلا حملہ خاکسار پر ہوا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مرزا کے سوا کسی دوسرے کو بھی پورا وقت ملے، اور سچائی و محاسن اسلام کے اظہار کا کافی موقعہ ہاتھ آوے، اور حاضرین جلسہ پر اس کا اثر نیک ظاہر ہو) تو میں نے اس کمی وقت کی شکایت ایک معزز ماڈریٹر (پریذیڈنٹ یا میر مجلس) کی معرفت سکرٹری صاحب کے پاس لکھ کر بھیج دی۔ اس پر میر مجلس نے زور سے یہ سفارش کی کہ دو گھنٹہ اول روز اور ایک گھنٹہ ۲۸ دسمبر کو وقت ملنا چاہیے۔ سکرٹری جلسہ نے (اس میر مجلس کی) سفارش پر مجبور ہو کر مجھے پہلے دن دو گھنٹہ اور آخری دن میں بشرط گنجائش ایک گھنٹہ وقت دینا منظور کر لیا (یہ حملہ مرزائی پارٹی کا خدا کے فضل سے اور اس میر مجلس کی سعی سے یوں خطا ہوا)

پھر جب خاکسار اپنے وقت پر جلسہ میں پہنچا اور ایک تمہید کے بعد چند آیات قرآن کو میں نے پڑھا تو مرزائی پارٹی نے کانا پھوسی شروع کر دی، پھر ان کی آپس میں رقعہ بازی شروع ہو گئی۔ اس میں انہوں نے بعض کارکن ہندوؤں کو، جو ان کے ہاتھ میں تھے، نیز شامل کر لیا اور اس معزز میر مجلس کو جنہوں نے توسیع وقت کی سفارش کی تھی، اور حسن اتفاق سے اس وقت اجازت تقریر کے وہی انچارج و مہتمم تھے، بار بار اس مضمون کے رقعات لکھ کر دیکھانا شروع کیا کہ تقریر کنندہ حدود سوالات جلسہ سے باہر ہو کر تقریر کر رہا ہے۔ جس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ خاکسار کو تقریر کرنے سے روک دیں (یہ دوسرا حملہ مرزائی پارٹی کا مجھ پر ہوا) مگر چونکہ وہ میر مجلس خدا کے فضل سے سمجھدار اور

تجربہ کار تھے اور وہ یقین رکھتے تھے کہ خاکسار جو کچھ کہہ رہا ہے سوالات جلسہ کے عین مطابق کہہ رہا ہے لہذا ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے، پر ان لوگوں کی حکمت عملی سے دہان بندی وتسلی کرتے رہے۔ مجھے انہوں نے ایک مرتبہ بھی ایماء نہ کی کہ آپ سوالات جلسہ سے باہر جا رہے ہیں۔ ایک دفعہ آپ اپنی کرسی سے اٹھ کر میری کرسی کے پاس آئے تو صرف اس امر کے خواستگار ہوئے کہ یہ بیان آپ کا نبوت عامہ کے ثبوت میں ہے، اب نبوت خاصہ محمد یہ کے ثبوت کا خلاصہ بھی پیش کرنا چاہیے، اس لئے کہ آپ کا وقت اب صرف آدھ گھنٹہ باقی رہ گیا ہے (یہ حملہ مرزائی پارٹی کا بھی خدا کے فضل اور میر مجلس موصوف کے انصاف وعدل کی برکت سے دفع ہوا) خاکسار نے اپنے وقت کو پورا کر کے اپنی تقریر (جس میں تمام مضمون سے کسی حصہ کا خلاصہ وانتخاب اور کسی حصہ کی تفصیل تھی) کو نا تمام چھوڑ دیا اور باقی کا حوالہ آئندہ جلسہ پر کیا۔

میرے بیان کا اثر جلسہ پر کیا ہوا؟ اس سوال کا جواب اور اس اثر کا بیان کرنا میرا کام نہیں ہے اور نہ مجھے یہ خواہش کرنا جائز ومباح ہے کہ ناظرین وسامعین اس کی داد دیں اور میری تقریر و بیان کو اچھا کہیں اور میری تحسین کریں۔ میں اس خواہش کو گناہ سمجھتا ہوں اور اس کو شرک وریا خیال کرتا ہوں۔ اور اسی وجہ سے میں قبل از بیان وتقریر حاضرین جلسہ کی خدمت میں بادب التماس کر چکا تھا کہ میرا بیان سن کر یا اس کی اثنا میں حاضرین وسامعین داد نہ دیں تالیاں نہ بجاویں چیئرز نہ دیں۔ مرحبا، جزاک اللہ نہ کہیں جیسا کہ اس جلسہ میں ہر ایک کی تقریر کے وقت اور ہر ایک جلسہ میں جو نئے فیشن کے مطابق ہوتا ہے یہی دستور ہو رہا تھا۔ میری اس عاجزانہ درخواست کو ارباب جلسہ نے قبول کیا اور تمام جلسہ میں میرے بیان کے وقت سکوت وسناٹا رہا صرف اختتام تقریر پر بابو پرتول چندر اور ایک وکیل ہائی کورٹ الہ آباد مسٹر بینرجی وغیرہ نے تالیاں بجائیں کیونکہ وہ اختتام تقریر کے قریب آئے تھے انہوں نے میری اس عرض ممانعت کو نہ سنا تھا۔ بناء علیہ اگر اب میں کسی سے اپنے بیان کی خود تحسین کراؤں یا دوسرے سے آفرین اور اپنی تحسین چاہوں تو پھر میں اسی شرک اور ریا میں مبتلا ہوتا ہوں۔ ہاں اس قدر کہنے کو میں شرک وریا اور اپنے نفس کی مدح وثنا نہیں سمجھتا کہ ان آیات کا جو میں نے پڑھیں اور جو انکا ترجمہ وتفسیر میں نے کی، صرف اس وجہ سے کہ وہ خدا کا کلام اور اس کا مطلب تھا (نہ اس وجہ سے میرے الفاظ وتقریر و بیان اور لب، لہجہ والحان اچھا تھا) حاضرین وسامعین پر عجیب اثر تھا۔ اس اثر سے حاضرین جلسہ میں بجز چند اتباع مرزا قادیانی کوئی خالی نہ تھا۔ اتباع مرزا سے بھی بعض اشخاص پر وہ اثر تھا۔ ازانجملہ ایک شخص میاں کمال الدین

پروفیسر انجمن حمایت اسلام کالج ہیں جنھوں نے اس اثر کا اظہار جلسہ کے تیسرے دن ان الفاظ سے کیا (جو مخبر دکن مطبوعہ ۱۴ جنوری ۱۸۹۷ء کے صفحہ ۴ میں مشتہر ہوئے ہیں) :

> مولوی صاحب ! جب آپ نے ابتداء تقریر میں قرآنی آیات پڑھیں تو میں نہایت ہی خوش ہوا چونکہ وہ سوالات کے متعلق تھیں ۔

میاں کمال الدین کا یہ اظہار اس اثر پر کامل شہادت ہے کیونکہ میاں کمال الدین کو مرزا کی وجہ سے اس خاکسار سے سخت مخالفت ہے اور یہ امر بطور مثل مسلّم ومشہور ہے الفضل ما شہدت بہ الاعداء ۔ (یعنی بزرگی وہ ہے جس کا دشمن بھی اقرار کریں) ۔ اس اظہار کے بعد جو میاں کمال الدین نے اسی مخالفت کی وجہ سے خاکسار کی توجہ دوسری طرف منعطف ہو جانے پر افسوس بھی ظاہر کیا ہے ۔ اس کا جواب اس جلد کے مضمون ، مخبر دکن کی جھوٹی مخبری ، میں دیا جائے گا کہ خاکسار کی توجہ ایک لمحہ اور طرف نہیں ہوئی ۔

حاضرین اہل اسلام کے علاوہ اقوام غیر کے فہمیدہ وسنجیدہ اشخاص پر بھی ان آیات اور ان کے مطالب کا بڑا اثر تھا جو اس وقت ان کے بشاش چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا ۔ ازانجملہ دو صاحبوں نے زبان سے بھی اس کا اظہار کیا ۔ ایک صاحب رائے بروا کینٹھ تھیوسوفیکل پنجاب کے سکرٹری تھے جو اس وقت میرے بعد تقریر کرنے کو اٹھے اور صاف اقراری ہوئے کہ جیسا بیان مولوی (محمد حسین) صاحب نے کیا ہے مجھ سے ایسا نہ ہوگا ۔ اور علاوہ برآں وہ صریح الفاظ جو انبیاء کے مصدق ہوئے ۔ دوسرے صاحب ماسٹر درگا پرشاد پریذیڈنٹ کارکن کمیٹی جلسہ تھے جو اسی جلسہ کے دن شام کے قریب مجھے بازار سید مٹھہ میں ملے اور اس خاکسار کے بیان آیات کی تعریف کرتے ہوئے بولے کہ ہم کو اسلام کی یہ حقیقت معلوم نہ تھی جو آج معلوم ہوئی ۔

اس بیان خاکسار کے بعد یہ عام آوازہ ہو گیا کہ مسلمان میدان لے گئے ۔ یہ امر مرزائی پارٹی پر نہایت شاق گذرا انہوں نے اسی وقت سے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ فلاں شخص کا مضمون سوالات جلسہ کا جواب نہ تھا بلکہ ایک معمولی وعظ تھا جس کو سوالات جلسہ سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ مگر خواص اہل علم اور عام اہل فہم وفراست نے ان کی بات کا اعتبار نہ کیا اور اس بیان آیات قرآن کو سراسر مؤثر اور متعلق سوالات جلسہ تسلیم کیا ۔

دوسرے دن صبح کو میر مجلس موصوف مہتمم اجازت تقریر خاکسار کے غریب خانہ پر تشریف لائے اور فرمایا کہ اس وقت میں آپ کے مکان پر نہ آتا کیونکہ رات کسی قدر علیل رہا ہوں ۔ میں

صرف اس واسطے آیا ہوں کہ آپ کو مبارک دوں۔ کہ آپ کا بیان بہت عمدہ ہوا ہے۔

دوسرے دن مرزا کا مضمون پڑھا جانا تھا اس میں مرزا کے اتباع و خلفاء کا خوب جمگھٹا ہوا جو دور دور کے مقامات، سیالکوٹ، جموں، وزیرآباد، لودھیانہ، بھوپال، امروہہ تک سے بلائے گئے تھے۔ انہوں نے اس مضمون پر خوب چیئرز دی اور تالیاں بجائیں جن میں عام لوگ بھی ان کے شریک ہو گئے۔ خاکسار تو سوائے وقت اپنے بیان کے جلسہ میں نہیں پہنچا اور نہ مرزا کا مضمون اپنے کان سے سنا، مگر سنجیدہ اور فہمیدہ لوگوں نے آکر بیان کیا ہے کہ وہ مضمون نئے فیشن نئی تعلیم نئی روشنی کے موافق تھا اور عوام کو خصوصاً سکولوں کے طلباء کو خوش کرنے والا۔ مگر خواص اور خصوصیت کے ساتھ علماء اسلام اس سے سخت ناراض آئے اور اس امر کے شاکی بھی ہوئے کہ اس مضمون میں مرزا نے ایسی باتیں بھی بیان کی ہیں جو شریعت اور تحقیق کے برخلاف ہیں بلکہ بعض کفر ہیں۔ ہم اس پر ابھی اپنی رائے کچھ ظاہر نہیں کرتے جب تک کہ وہ مضمون چھپ کر شائع نہیں ہوتا۔ جب وہ شائع ہوگا تو لوگ خود دیکھ لیں گے اور ہم بھی اس پر مفصل ریویو کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس جلسہ میں مرزا کے خلفاء نے مرزا کا وہ اشتہار شائع کیا جس میں انہوں نے اپنے مضمون کے غالب رہنے کی پیشگوئی کی تھی جس کی وجہ عموماً یہ خیال کی جاتی ہے کہ سوالات جلسہ انہی کے مجوزہ سوالات تھے اس وجہ سے وہ یقین رکھتے تھے کہ نئے خیال کے لوگوں میں وہی جواب پسند ہوگا۔ اس مضمون کے پڑھے جانے کے بعد وہی میر مجلس مہتمم اجازت تقریر خاکسار سے کئی دفعہ ملے تو پھر بھی اس امر کے مظہر ہوئے کہ گو عوام میں مرزا کے مضمون کی تحسین ہوتی ہے مگر میں تو اب بھی آپ ہی کے بیان کو (جو قرآن کا بیان تھا) ترجیح دیتا ہوں اور عمدہ کہتا ہوں۔

مگر مرزائی پارٹی نے مرزا کے مضمون کی صفت وثنا میں شور وغل مچا دیا ہے بلکہ خود سرگروہ پارٹی مرزا جی نے بھی رسالہ انجام آتھم کے ضمیمہ میں اس مضمون کی تعریف میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا ہے اور اپنے بیان کی تائید وشہادت میں ان ہی اخباروں کا حوالہ دیا ہے جن میں ان کے اتباع و خلفاء نے ان کی تعریف اور دوسروں کی مذمت چھپوائی ہے۔ از انجملہ ایک اخبار مخبر دکن ہے جس نے نہ صرف اپنی رائے قائم کرنے میں غلطی کی ہے بلکہ واقعات کے بیان میں دروغ گوئی جائز رکھی۔ لہذا ہم، مخبر دکن کی جھوٹی مخبری، میں اس دروغ گوئی کا اظہار کریں گے اور اسی کے مقبولہ ومسلّمہ گواہوں کی شہادت سے ثابت کر دیں گے کہ اس کے بیان میں دروغ گوئی پائی جاتی ہے۔ اس کی طرف سے یا اس کے نامہ نگار یا رپورٹر کی طرف سے۔

ایک چیز کے اچھے یا برے ہونے کی نسبت جو رائے اخبار نویس یا عام اہل الرائے قائم کریں وہ محل تعجب واعتراض نہیں۔ مگر واقعات کی از خود تولید اخبار نویس کا منصب نہیں ہے، اور نہ اس کارسپانڈنٹ کا ہی ہے۔ جو ایسا کرے گا وہ ضرور پکڑا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے منجملہ ان اخباروں کے جنہوں نے اس معاملہ میں خلاف صواب کیا ہے صرف مخبر دکن سے سے تعرض کیا ہے۔

باقی حصہ مضمون کے لئے جو مجھے آخری دن وقت دینے کا سکرٹری کمیٹی نے وعدہ دیا ہوا تھا وہ بھی مرزائی پارٹی نے (جس کے ہاتھ میں کمیٹی کی باگ تھی) منسوخ کرا دیا۔ اس دن کا پروگرام شائع ہوا تو اس میں میرے بیان کے لئے وقت نہ تھا (یہ تیسرا حملہ مرزائی پارٹی کا مجھ پر ہوا) مگر یہ حملہ بھی خدا کے فضل سے اور اسی میر مجلس سابق الذکر کی توجہ سے اور مولوی عبداللہ صاحب پروفیسر عربی اورئینٹل کالج لاہور کی مہربانی سے دفع ہوا اور مولوی عبداللہ صاحب نے تیسرے دن اپنا وقت جو ڈیڑھ گھنٹہ ان کیلئے مقرر تھا (کچھ مجھے عنایت کر دیا۔ اور میرے بیان کا اس قدر اثر ہوا کہ) مرزائی پارٹی میں خوف پیدا ہوگیا۔ اس اثر کی وجہ سے اور اپنے مضمون کا غلبہ ظاہر کرنے کی غرض سے انہوں نے اس بیان میں بہت روک تھام کی اور جو اس میں کسر رہ گئی تھی وہ جھوٹی خبروں اور رپورٹوں کو بازاروں اور اخباروں میں شائع کرنے سے نکال لی۔ آئندہ ناظرین دونوں مضمونوں کو پڑھنے اور ان میں موازنہ کرنے سے داد حق وانصاف دیں گے انشاء اللہ تعالی

(ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۷۔ص ۲۳۷۔۲۴۴)

مولانا بٹالوی مرحوم کا یہ لیکچر صفحہ ۲۴۵ سے ۳۶۸ جلد ۱۷، اشاعۃ السنہ میں خطبہ کے عنوان سے منقول ہے۔ اور اس خطبہ کے آخر میں صفحہ ۳۶۶ میں آپ نے فرمایا ہے:

صاحبان! جو لوگ ان اخلاق (جن کا مولانا نے اپنے خطبہ میں ذکر کیا ہے) میں کامل ہوتے ہیں وہی اس علم لدنی کے محل ہوتے ہیں۔ اور اس قسم کے لوگ امت محمدیہ میں دنیا میں ہر زمانہ میں پائے گئے ہیں اور اب بھی موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے، گو بعض ملکوں یا شہروں میں ہم کو نظر نہ آئیں۔ (لیکن) اس علم لدنی کے محل وہ لوگ نہیں ہوتے:

جو تحریر وتقریر میں جھوٹ بولیں۔

جھوٹ اشتہاروں سے اپنی ولایت وکمالات والہامات ظاہر کریں۔

ہزار ہا پیش گوئیاں اور آسمانی نشان دکھانے کے مدعی ہوں اور ایک بھی دکھا نہ سکیں۔

جو شخص انکے دعوی کو نہ مانیں اسکو گالیاں دیں اور موت یا بیماری اور خواری پہچانے کی دھمکیاں دیں۔
بازاری گالیاں، حرام زادہ، بدذات وغیرہ ان کا تکیہ کلام ہو۔
مال مردم خوری ان کا شیوہ ہو، خاص دینی کتابوں کی اشاعت کیلئے لوگوں سے ہزار ہا روپیہ چندہ کرا کے یا قیمت کے طور پر لیں اور اس روپیہ سے بیویوں کا زیور اور لباس بنا دیں۔ اور بادام روغن میں پکے پلاؤ متنجن اوڑاویں، اور ان کتابوں کے چھاپنے کا نام نہ لیں۔
نوافل تہجد تو کجا پانچوں وقت خصوصاً فجر کی نماز و جماعت میں التزام کے ساتھ نہ مل سکیں۔
ہزار ہا روپیہ کی مِلک کا دعوی کریں اور آمدنی کا اقرار کریں اور ادائے فریضہ حج کا نام نہ لیں۔
اور بولنے لگیں تو گھنٹوں بولتے چلے جاویں، نماز شروع کریں تو ضعف دماغ کے عذر سے قل ھو اللّٰہ احد اور انّا اعطیناک الکوثر پر اکتفا کریں۔
وظائف و اوراد شبانہ روزی کجا نمازوں کے بعد تینتیس تینتس بار سبحان اللّٰہ و الحمد للّٰہ و اللّٰہ اکبر کہنا نصیب نہ ہو۔ اور حرامزادہ، بدذات وغیرہ گالیوں کا وظیفہ جس تعداد سے چاہو ان کی زبانوں سے سن لو اور ان کی تصانیف میں دیکھ لو (یہ تیرھویں صدی کے پیغمبر اور چودھویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف اشارہ ہے جن میں حالات مذکورہ بلا کم وبیش پائے جاتے ہیں)

ایسے اخلاق و عادات کے لوگوں کا مورد علم لدنی ہونا ایسا محال ہے جیسے سوئی کے ناکے سے اونٹ نکل جانا محال ہے۔ (تاہم) علم لدنی کے ایسے (جھوٹے) مدعی بھی ہر زمانہ میں ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور اس وقت بھی موجود ہیں جن کو ہم دیکھ رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں سابق (سچے) اہل علم لدنی یہ کہہ گئے ہیں:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست
کار شیطان مے کند نامش ولی گر ولی ایں است لعنت بر ولی
حرف درویشاں بدزدد مرد دوں تا بخواند بر سلیمے زاں فسوں
زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر تا بگیرد مرغ را آں مرغ گیر
ہمسری با انبیاء برداشتند اولیاء را ہم چو خود پنداشتند

(ماہنامہ اشاعۃ السنہ۔ جلد ۱۷)

مالیرکوٹلوی، امروہی مراسلت ۱۸۹۸ء

قادیانی اخبار الحکم میں ۱۸۹۸ء میں مالیرکوٹلہ کے مولانا محمد عبداللہ، کا ایک خط بنام نواب محمد علی رئیس مالیرکوٹلہ (جو قادیان میں رہا کرتے تھے) شائع ہوا جس میں مولانا عبداللہ نے نواب محمد علی کو مسائل متنازعہ پر بحث وگفتگو کی دعوت دی۔ یہ خط مختصراً حسب ذیل ہے۔

☆ ...کوئی مرزائی ایسا بحّاث معلوم نہیں ہوتا جس کا دباؤ علماء پر پڑے۔ علماء عدم فرصتی اور ان امور کے قابل توجہ نہ ہونے کے سبب ان بحثوں میں پڑنا نہیں چاہتے ...اگر حیات مسیح کا مسئلہ قرآن میں نہیں، تو مثیل مسیح کا بھی نہیں۔ اگر کچھ ہمت ہو تو اس کو بھی نہ مانو۔ توفی کا مسئلہ کچھ بہت بڑا بھاری مسئلہ نہیں بہت ہی ہلکا ہے جس کے ساتھ کہو ہم نپٹ سکتے ہیں لیکن مہذبانہ تقریر ہو اور شرائط مقرر ہوں۔ اور ہم ہار جائیں تو مرزائی ہو جائیں اور مرزائی ہار جائیں تو تمہیں مرزا کو چھوڑنا ہوگا۔ خواہ تحریری سوال و جواب کرلو، خواہ مناظرہ۔ یہ تمہیں اختیار ہے۔ (الحکم ۱۳ مارچ ۱۸۹۸ء ص ۲)

نواب محمد علی نے اس خط کا جواب نہیں دیا بلکہ ان کے ایک وظیفہ خوار مولوی محمد احسن امروہی (جو مخاطب نہ تھے) نے جواب ارسال کر دیا۔ جواباً مولانا عبداللہ نے امروہی کو لکھا کہ آپ کو میں نے مخاطب نہیں بنایا، جن کو مخاطب کیا ہے انہیں میرے خط کا جواب دینا چاہیے۔ انکے یکم فروری ۱۸۹۸ء کو بنام محمد احسن، قادیان آنیوالے خط کی تلخیص قادیانیوں نے بایں الفاظ کی ہے:

۱۔ امروہی صاحب کے خط میں چند اشعار ایسے ہیں جو قابل توجہ ہیں۔

۲۔ چند اغلاط متعلق املاء کے ہیں اور اکثر الفاظ بے محاورہ ہیں۔

۳۔ کیمپ انبالہ کا قصہ بابت سکوت مولوی صاحب کے محض افتراء اور بہتان ہے بلکہ قضیہ برعکس ہے

۴۔ تمام پنجاب و ہندوستان کے علماء کے ساتھ بحث مباحثہ اور ان کا سکوت مسئلہ توفی وغیرہ میں افتراء اور بہتان ہے۔

۴۔ امروہی صاحب سے اب گفتگو کرنا مرے کو مارے شاہ مدار والا مضمون ہے۔

۶۔ اگر کہو تو آپ کی اغلاط اخبار میں چھپوا دیں۔

۷۔ چند الفاظ نامہذب امروہی صاحب کے خط میں موجود ہیں۔

۸۔ میرے مخاطب نواب محمد علی خان ہیں، تم کیوں کود پڑے۔

۹۔ جب نواب محمد علی خان بحث منظور کر لیں گے اور شرائط بھی طے ہو جاویں گی تو مجھے کسی مرزائی سے کوئی خوف نہیں، امروہی صاحب سے کیا خوف؟

۱۰۔ نواب محمد علی خان انکار کر دیں تو پہلی تحریک موقوف۔ از سر نو ترتیب یوں بحث ہو گی:۔

مرزا صاحب سے بحث ہو گی اگر وہ آمادہ ہوں۔

مرزا صاحب آمادہ نہ ہوں تو مولوی نور الدین صاحب سے بحث ہو گی۔

اگر وہ بھی قبول نہ کریں تو مولوی عبد الکریم سیالکوٹی سے۔

وہ بھی قبول نہ کریں تو مولوی عبد القادر سے۔

پھر مولوی کمال الدین سے پھر خواجہ کمال الدین سے۔ پھر کوئی اور مرزائی جس کو مرزائی پسند کریں۔

۱۱۔ امروہی کا نمبر تمام مرزائیوں کے بعد ہو سکتا ہے جب کوئی شرائط قبول نہ کرے۔

۱۲۔ براہ مستقیم امروہی صاحب کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ تحریر ہو، نواب صاحب کی معرفت ہو اور میعاد لگانے کی ضرورت نہیں۔

۱۳۔ صرف اس خط کا جواب بھیج کر نواب محمد علی صاحب کی معرفت سلسلہ جنبانی کریں۔

۱۴۔ قادیان میں جو آپ گفتگو کو کہتے رہے، چونکہ ایک مرتبہ آپ انبالہ میں ذلیل ہو چکے تھے لہذا دوبارہ آپ سے گفتگو نہ ہوئی۔ فقط۔

☆ اس کے جواب میں مولوی محمد احسن امروہی نے مولانا عبد اللہ کو جو خط لکھا اسے الحکم نے بایں الفاظ نقل کیا ہے:

آپ کو یاد ہو گا کہ تخمیناً چار سال گزرے ہوں گے جو یہ مشتاق، بابو محمد کے مکان پر اس غرض سے فروکش ہوا تھا کہ جن صاحب کو خصوصاً آپ کو اگر حضرت عیسی کی وفات میں کچھ شک وشبہ ہو تو اس کو صاف فرمالیویں مگر جب آپ نے محض سکوت فرمایا تو خود یہ مشتاق ہی شکوک وشبہات مخالفین کی طرف سے بیان کر کے ان کے شافی جواب دیتا رہا تاہم آپ نے محض سکوت اختیار کیا ....اور نیز مدت ہوئی کہ آپ نواب (محمد علی) صاحب بہادر کے ساتھ قادیان تشریف لائے اس وقت یہ مشتاق بھی اس جگہ حاضر تھا.. بتحریکات مسائل متنازعہ فیھا کسی قسم کی تحریک آپ کو پیدا نہ ہوئی.... مدت گزری حضرت اقدس نے مسئلہ توفی کی نسبت مخالفین کے لئے ایک ہزار روپیہ کا اشتہار دیا ہے۔ بعد ازاں دیگر اشتہارات وغیرہ بھی اس بارہ میں بکثرت شائع ہوتے رہے ہیں لیکن فریق ثانی کی طرف سے صدائے برنخواست کا مضمون واقع ہے۔ اس مشتاق نے پنجاب سے لے کر

مدراس وغیرہ تک اسی واسطے سفر کیا کہ کہیں علماء کا مہرسکوت ٹوٹے اور تمام نامی علماء سے اس بارہ میں گفتگو کرنا چاہا لیکن کوئی صاحب اپنے پرانے خیالات کے حامی پیدا نہ ہوئے۔ شیخ بطالوی صاحب نے بھی اشتیاق اس مشتاق کو پورا نہ کیا، باوجودیکہ وہ آپ کی جماعت کے اس بارہ میں مقتداء ہیں، اور ان کو یدطولی حاصل ہے.... اس مشتاق کو وہ بھی یہی لکھتے رہے کہ مجھ کو ایسی فرصت نہیں، بعدانفراغ تمہارا اشتیاق بھی پورا کیا جائے گا۔

ایک بے چارے محمد بشیرسب کی طرف سے مباحثہ دہلی میں فدیہ ہوئے تھے جو حضرت اقدس نے ان کا فدیہ ہونا قبول کرلیا تھا۔ اگر آپ نے الحق دہلی ملاحظہ فرمایا ہوگا تو وہ حال اس فدیہ کا آپ کو بھی معلوم ہوا ہوگا۔ بعدہ اس مشتاق نے انہوں سے فیصلہ چاہا۔ جب اس مشتاق نے بموجب ان کی درخواست کے نون ثقیلہ کا مقدمہ ایسا خفیفہ کیا تو ان کو نہایت درجہ کی خفت حاصل ہوئی .... جب آپکے پاس مسئلہ توفی وغیرہ میں علوم کا خزانہ مخفی ہے تو پھر کیا اہل اسلام کا آپ پر حق نہیں؟ ..(خط طویل ہے اوراس میں توفی پر دلائل بھی ہیں). محمد احسن ۳ فروری ۱۸۹۸ء (الحکم ۱۳ مارچ ۱۸۹۸ء)

☆ محمد احسن امروہی نے ایک اور خط میں یہ بھی لکھا:

بعد از سلام مسنون آنکہ عاجز کو از نمبر چہاردہ گانہ میں سے کسی نمبر کی شکایت نہیں... جناب سے ان دلائل کا مطالبہ کرتا ہوں جن سے بمقام کیمپ انبالہ مسئلہ توفی وغیرہ میں ساکت کیا ذلیل کیا اور تمام کیمپ انبالہ میں اس سکوت اور ذلت کو شہرت حاصل ہوگئی۔ ان دلائل مسکتہ کے مطالبہ کی سخت ضرورت اس وجہ سے ہے کہ اول تو یہ عاجز ان براہین ساطعہ کو بسبب طول مدت اور نقصان حافظہ بھول گیا.... ۱۵ فروری ۱۸۹۸ء کا خط۔ (الحکم ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء)

☆ ۱۵ مارچ ۱۸۹۸ء کو ۹ مارچ کا لکھا ہوا مولوی عبداللہ صاحب کا خط آیا۔ اور اڈیٹر الحکم نے لکھا کہ اس میں بازاری گفتگو ہے جس کا جواب دینا مولوی محمد احسن صاحب خلاف شان سمجھتے ہیں۔ (الحکم ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء ص ۲)

(کسی نے شرائط کا تقرر نہیں کیا۔ محمد احسن نے پہلے ہی بحث شروع کردی۔ ہونا یہ چاہیے کہ مناظر مقرر ہوں، پرچوں کی تعداد مقرر ہو، فیصلے کی کیا صورت ہوگی۔ اور فیصلہ ہونے کی صورت میں اس پر عمل درآمد کون کرے گا اور کیسے کرے گا۔ کسی نے یہ نہیں بتایا کہ مرزائی ہار جائیں تو وہ کیا کریں گے۔ مرزا کو چھوڑیں گے۔ قادیانیت سے تائب ہوں گے، یا محض کوئی جرمانہ ادا کریں گے۔ اور جو اصل مخاطب تھا وہ پردے میں چھپا بیٹھا رہا۔ اور جب کوئی جواب بن نہ آیا تو کہہ دیا مالیرکوٹلوی نے بازاری گفتگو کی ہے)۔

بٹالوی وقادیانی مراسلت ۱۸۹۸ء

☆ مرزا غلام احمد قادیانی کا خط بنام مولانا بٹالویؒ

شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی۔ ہداکم اللہ

مجھے زبانی حبی مولوی قطب الدین صاحب معلوم ہوا کہ مولوی صاحب کسی مصلحت سے آپ کے مکان پر گئے اور ہم دردی انسانی سے چاہا کہ آپ کو حق کی طرف دعوت کریں۔ مگر آپ نے علاوہ کئی الفاظ سبّ وشتم کے جو میری نسبت استعمال کئے، یہ بھی کہا کہ میں نماز میں ان پر لعنت بھیجا کرتا ہوں۔ ان تمام باتوں کے سننے سے اگرچہ آپ کی صلاحیت سے نومیدی ہوتی ہے مگر جیسا کہ میں نے بعض بشارات میں دیکھا ہے امید کی جاتی ہے کہ آپ پر عنقریب وہ زمانہ بھی آئے گا کہ آپ کی آنکھ کھلے اور آپ ان گستاخیوں اور شوخیوں اور بداندیشیوں سے توبہ کریں۔ اس لئے میں نے ایک ضروری امر پر آپ کو مطلع کرنے کے لئے یہ چند سطریں لکھی ہیں... میں نے مباہلہ کے ساتھ بھی آپ سے فیصلہ کرنا چاہا مگر آپ وہاں سے بھی بھاگ گئے (پھر کرسی والے معاملے کا ذکر کیا ہے) .. آپ مجھے مفتری کہتے ہیں مگر بتلا نہیں سکتے کہ ابتداء دنیا سے آج تک کوئی مفتری ایسا آپ نے دیکھا جس کو خدا تعالی نے روز دعوی الہام سے میری طرح ۲۵ برس تک مہلت دی ہو، جو خدا پر افتراء کرے وہ تو کتے کی عمر بھی نہیں پاتا اور جلد پکڑا جاتا ہے اور ہلاک کیا جاتا ہے اور میں تو ۲۵ برس سے برابر خدا تعالی کا الہام پیش کر رہا ہوں۔ براہین ہی کا زمانہ دیکھو جواب ۱۸ برس کے قریب پہنچ گیا۔..... گواہان مولوی عبدالکریم سیالکوٹی۔ کمال الدین۔ سیٹھ عبدالرحمٰن۔ حاجی اللہ رکھا مدراس۔ سیٹھ اسماعیل بمبئی۔ محمد احسن امروہی۔ قطب الدین۔ میاں معراج الدین ٹھیکیدار لاہور۔ یعقوب علی اڈیٹر الحکم۔ مولوی نورالدین بھیروی۔ (الحکم قادیان ۶ مارچ ۱۸۹۸ء ص ۴۔۵)

☆ مقام بٹالہ۔ ۲۸ فروری ۱۸۹۸ء نمبر ۱۱۴۔

میاں غلام احمد۔ خدا آپ کو راہ راست پر لاوے اور ضلالت والحاد سے نجات بخشے والسلام علی من اتبع الہدی۔ آپ کا خط ۲۸ فروری ۱۸۹۸ء کو پہنچا جس کو میں نے تعجب اور افسوس سے پڑھا۔ افسوس آپ کے مرید میاں قطب الدین پر آیا کہ وہ کیا پیغام وسوال لے کر گئے

تھے اور کیا جواب لائے ۔ اور نہ سمجھے کہ وہ میرے پیام وسوال کا جواب نہیں ہے۔ ....تعجب آپ پر کہ آپ نے اس خط میں اپنے ان ہی پرانے ڈھکوسلوں کا اعادہ کر دیا اور شرم سے کام نہ لے کر یہ خیال نہ کیا کہ جن باتوں کا اعادہ کرتا ہوں ان کو تمہارا مخاطب بار ہا دلائل سے ردّ کر چکا ہے ۔ پھر میں انکا اعادہ کیوں کرتا ہوں ۔

اس افسوس اور تعجب کے بعد ..سوال کا اعادہ کرتا ہوں کیونکہ میاں قطب الدین صاحب دوبارہ میرے پاس آئے ہیں اور آپ کی اس چال کو میرے سمجھانے سے سمجھ گئے ہیں ۔ اور اس وجہ سے اس خط کے ذریعہ میرا پیام دوبارہ پہنچانے کا وعدہ کر گئے ہیں ۔

آپ نے کتاب البریہ کے صفحہ ۱۱، ۱۴، ۱۵ میں تین دعوے کئے ہیں :۔

اول یہ کہ محمد حسین نے ڈپٹی کمشنر سے کرسی طلب کی اور کہا کہ اس کو عدالت میں کرسی ملتی ہے جس پر ڈپٹی کمشنر نے اس کو تین مرتبہ جھڑکیاں دیں اور کہا کہ تو جھوٹا ہے بک بک مت کر۔

دوسرا یہ دعوی کہ پھر وہ باہر کے کمرہ میں ایک کرسی پر بیٹھا تو کپتان پولیس کی نظر اس پر جا پڑی اور اسی وقت کنسٹیبل کی معرفت جھڑکی کے ساتھ اس کرسی سے اٹھایا گیا۔

تیسرا دعوی یہ ہے کہ پھر وہ ایک شخص کی چادر لے کر اس پر بیٹھ گیا تو اس شخص نے چادر نیچے سے کھینچ لی اور کہا کہ ایک مذہبی مقدمہ میں جو بناوٹی ہے پادریوں کی گواہی دیتا ہے اور میری چادر پر بیٹھتا ہے ۔ میں اپنی چادر پلید نہیں کرانی چاہتا۔

میرے نزدیک یہ تینوں دعوی محض دروغ ہیں جس میں راستی کا شمہ دخل اور شائبہ نہیں ہے ۔ آپ ان دعووں میں سچے ہیں تو ایک جلسہ عام میں (جو بمقام لاہور یا گورداسپور یا بٹالہ میں ہو) ان ہی لوگوں سے جن کے نام اپنے خط میں درج کئے ہیں صرف دو یا تین اشخاص کو جن کو میں منتخب کروں پیش کریں اور ان سے وہ شہادت دلوائیں ۔ پس اگر وہ آپ کے بیان کی تصدیق کریں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو آپ کے مقابلہ میں شکست یافتہ سمجھ کر آپ کے رد و جواب سے قلم و زبان کو بند کر لونگا ۔ اور اگر ان گواہوں نے آپ کے بیان و الفاظ کی تصدیق نہ کی تو اس صورت میں آپ اپنے ملحدانہ دعاوی ، مسیحائی مجددیت مہدویت نبوت وغیرہ سے تائب ہو کر خالص اسلام کے پابند بن جائیں ۔

یہ پیام تھا جس کے جواب میں آپ نے صرف دعوی (کا اعادہ) کر دیا اور نہ سوچا کہ دعوی تو آپ نے پہلے بھی کیا تھا اس دعوی کا ثبوت بذریعہ شہادت مطلوب تھا، نہ اعادہ دعوی ۔ اب

بھی توجہ کریں اور جواب بمطابق سوال دیں ورنہ آپ کا خط اور یہ جواب عنقریب رسالہ میں مشتہر ہوگا۔ راقم۔آپ کا خیر خواہ قدیم۔ابوسعید محمد حسین۔(الحکم مذکور۔ص ۵)

اس کے جواب میں مرزا صاحب نے مولانا بٹالوی کو خط نہیں لکھا۔جلسہ عام کے انعقاد کا اعلان نہیں کیا۔ بٹالوی صاحب کو یہ نہیں کہا کہ ان کے گواہوں میں سے دوتین کے نام دوتا کہ میں انہیں لے کر جلسہ میں آؤں۔اور یہ نہیں کہا کہ اگر گواہی مرزا کے خلاف نکلی تو وہ دعوی مسیحیت و مہدویت وغیرہ چھوڑ کر مسلمان ہو جائیں گے۔ بلکہ انہوں نے الحکم میں ایک طویل مضمون لکھ مارا جس میں پھر وہی دعوی دہرا دیا کہ وہاں یہ ہوا تھا اور وہ ہوا تھا۔وغیرہ وغیرہ۔اور تم خود گواہوں سے گواہی لکھواؤ اور جلسہ مقرر کر کے وہ تحریریں وہاں لے کر آؤ تو میں ان تحریروں کا معائنہ کروں گا۔

ایسا کیونکر ہو سکتا تھا؟ گواہ تو مرزا کے تھے اور اس کے مرید وحواری تھے۔ان پر بٹالوی صاحب کا کیا زور تھا؟ یہ تو مرزا صاحب کا کام تھا کہ ان میں بٹالوی صاحب کے منتخب کردہ دوتین افراد کو لے کر کسی مجلس میں آتے، جہاں بٹالوی صاحب ان سے بیان لیتے۔اور اگر وہ لوگ مرزا کی تصدیق کرتے تو بٹالوی صاحب مخالفت سے باز آجاتے۔ یہ تو مرزا کیلئے بہت ستا سودا تھا اگر انہیں اپنی صداقت کا یقین اور گواہوں پر بھروسہ ہوتا تو ضرو ایسا کرتے۔لیکن مرزا ایسی مجالس میں آتے نہیں تھے جیسا کہ رفعت اللہ خان شاہجہانپوری نے اپنے چچا شرافت اللہ مرزائی شاہجہانپوری کے ذریعہ مرزا کو دعوت دی کہ: اگر ملہم (مرزا) صاحب کو کچھ مادہ ہے تو آجائیں، علماء کا سامنا کرے، وہ ڈرے نہیں غیر مقلد جو چند مرتبہ اسکی سرکوبی کر چکے ہیں، سامنا نہیں کرینگے، مقلدین کا سامنا کرے دہلی یا شاہجہان پور میں آجاوے۔اگر بحث تقریری میں علماء ساکت ہوگئے تو اس کے کل خرچہ کا میں ذمہ دار ہونگا اور پھر بیعت بھی کرلونگا۔اور اگر وہ زک اٹھا کر بھاگا تو ہمارے خرچہ کا وہ ذمہ دار ہو اور اپنے دعوی سے دست بردار ہو۔

مجلس علماء میں شرکت کا یہ دعوتی خط اندازاً ۱۸۹۸ء کا ہے جب رفعت اللہ خان حنفی المسلک تھے، بعد میں آپ محمدی ہوگئے تھے جیسا کہ خود لکھتے ہیں: .میں مقلد تھا..مگر اب اہلحدیث ہوں اور میرے نزدیک ایک صدی میں کئی مجدد بھی ہوئے ہیں۔اپنے خطوط میں مولانا عبدالحی کو میں نے اس صدی کا مجدد تسلیم کیا ہے۔مگر اب تحقیق سے معلوم ہوا کہ تجدید مولانا سید نذیر حسین سے بڑھ کر کسی نے نہیں کی۔ مجھ کو مولانا عبدالحی کی تجدید کا انکار نہیں۔وہ بھی ہیں اور دوسرے علماء بھی ہوں، مگر حضرت مولانا (میاں صاحب) مرحوم سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ (شحنہ ہند میرٹھ۔ضمیمہ یکم نومبر ۱۹۰۳ء ص ۱۔۲)

مبارک علی کا مباحثے سے گریز

قادیانی اخبار الحکم میں، قصبہ فتح گڈھ میں شیخ محمد حسین بٹالوی اور مبارک علی قادیانی میں اتفاقی مباحثہ، کے عنوان سے ایک واقعہ کا اندراج ہوا ہے جو تحریک ختم نبوت سے متعلق ہونے کے باعث باختصار درج ذیل کیا جاتا ہے۔ واقعہ چونکہ قادیانی روایت سے مروی ہے اس لئے اس میں انہوں نے حسب منشاء نمک مرچ لگایا ہے اور پورے واقعہ کے صرف وہی حصے نقل کئے ہیں جو ان کے مفید مطلب تھے۔ لیکن اس کے باوجود ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت کیا ہے۔

الحکم میں بیان کردہ واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح گڈھ نامی قصبہ (شائد یہ فتح گڈھ چوڑیاں ضلع امرتسر ہے) میں مسلمانوں کے کسی جلسے میں خطاب کے لئے تشریف لے گئے جہاں مبارک علی نے سوالات شروع کر دیئے۔ اور الحکم کے مطابق سوالات و جوابات یوں ہوئے:

} مبارک علی: مولوی صاحب! حضرت عیسیٰ بن مریم کی حیات جسمانی اور بجسد عنصری صعود الی السماء کے لئے ثبوت پیش کریں۔

{ محمد حسین: قبل اسکے کہ میں اس کا جواب دوں، دو امر آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ آپ کا یہ سوال بطور استفادہ ہے یا بطور مباحثہ۔ دوم یہ کہ آپ کا اعتقاد در باب حیات و ممات مسیح کیا ہے؟ کیا آپ اس کو مردہ سمجھتے ہیں؟ اگر مردہ سمجھتے ہیں تو پھر آنے والہ کس شخص کو جانتے ہیں۔ یا اس امر کا اعتقاد ہی نہیں رکھتے کہ کوئی مسیح آئے گا۔

} مبارک علی: میں آپ سے بطور استفادہ کچھ دریافت کرنا نہیں چاہتا اور نہ اس امر میں آپ کو مفید اور اپنے آپ کو مستفید قرار دیتا ہوں۔ امر دوم کی نسبت صرف آپ کو دو حرفی جواب دینا چاہیے کہ مسیح زندہ ہیں یا نہیں؟ اگر زندہ ہیں تو اس کا کیا ثبوت ہے۔ اور میں ان کو داخل اموات سمجھتا ہوں۔ آنے والے مسیح کا فیصلہ بعد میں ہوگا۔ خلط مبحث کی کوئی ضرورت نہیں۔

{ محمد حسین: امر اول کے متعلق جو کچھ آپ نے کہا ہے اس کا جواب میں پھر دونگا۔ بالفعل میں آپ کو امر دوم کی نسبت یہ جتانا مناسب سمجھتا ہوں کہ سوال سے نہ کوئی بحث کرنی منظور ہے نہ

خلط مبحث ہوتا۔ میں یہ صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا اعتقاد آنے والے مسیح کی نسبت کیا ہے؟ تاکہ معلوم ہو کہ جس بحث کو آپ چھیڑنا چاہتے ہیں اس میں اپنے اعتقاد کی تائید کرتے ہیں یا اپنے اعتقاد کے خلاف حامی بنتے ہیں۔

} مبارک علی۔ آنے والے مسیح کی بحث آپ بے فائدہ چھیڑتے ہیں۔اس امر میں مانتا ہوں کہ ایک مسیح امت محمدیہ میں آنے والہ ہے مگراس کو وفات مسیح کے مسئلے کا موقوف علیہ ٹھہرانا ایک بے معنی بات ہے،اوراس کا منشاء صرف آپ کا ادعائی اعتقاد معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسی بجسدہ العنصری آسمان پر چڑھ گئے اور پھر وہی کسی زمانہ میں واپس آئیں گے۔اس میں شک نہیں کہ ایک مسیح آئے گا مگر بات تو صرف یہ ہے کہ وہ آنے والہ وہی حضرت مسیح ابن مریم ہے۔اور یہ بات آپ ہرگز ثابت نہیں کر سکتے جب تک پہلے آپ ان کی حیات جسمانی اور صعود الی السماء بجسدہ العنصری ثابت نہ کریں۔ پس صعود کی بجائے نزول کے مسئلہ کو چھیڑنا خلط مبحث نہیں تو کیا ہے؟ اگر آپ کا یہ منشاء ہے کہ نزول کے ماننے سے صعود خود مانا جائے گا تو یہ قضیہ عکسیہ ہے بلکہ صعود ثابت ہونے سے نزول خود ثابت ہو جائے گا۔ بات دو حرفی ہے،صعود کا ثبوت دیجئے۔

{ محمد حسین: مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے جواب میں بے فائدہ تطویل کی۔ نہ میرے سوال کو سمجھا اور نہ اپنے جواب کے الفاظ کے معنی سمجھتے ہیں۔ میں آنے والے مسیح کی بابت کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا صرف آپ کا اعتقاد پوچھتا ہوں۔آپ بتانا چاہتے ہیں تو بتائیں ، ورنہ صاف کہیں کہ نہیں بتاؤنگا۔ پھر میں کلام ختم کرتا ہوں۔

} مبارک علی۔ میں نہایت افسوس سے کہتا ہوں کہ آپ نے اپنی قدیم عادت کے مطابق اس بحث کو ناتمام چھوڑنا چاہا ہے۔ میں نے اپنے اعتقاد کو بھی ظاہر کر دیا ہے اور آنے والے مسیح کی بابت بھی تصفیہ کر دیا ہے۔افسوس آپ نے ناحق میرے وقت کا خون کیا اور اصل بات سے گریز کی ۔اب بندہ آپ سے اپنے سوال کے جواب کی کوئی امید نہیں رکھتا اور اس سلسلہ بحث کو ختم کرتا ہوں

{ محمد حسین: آپ نے اپنا اعتقاد آنے والے مسیح کی نسبت کہ وہ کون ہے؟ ظاہر نہ فرمایا اور آئندہ سوال و جواب کا سلسلہ منقطع کر دیا۔اب میں آپ کو مخاطب نہیں کرتا۔اور آپ کے سوال کے متعلق قرآن وحدیث سے جو بات ثابت ہے وہ حاضرین سامعین کے سامنے پیش کرتا ہوں ان سامعین کے ساتھ آپ بھی چاہیں،تو سنیں۔ نہ چاہیں تو اختیار ہے۔مگر سننے کی حالت میں آپ کو بولنے کا اختیار نہ ہوگا۔ جب تک کہ آپ میرے سوال کا صاف الفاظ میں جواب نہ دیں گے کہ آنے

والے مسیح آپ کے اعتقاد میں کون ہیں۔

اس کے بعد مبارک علی نے کہا کہ میں آپ کی تقریر خاموشی سے سنتا ہوں بشرطیکہ کہ بعد میں آپ بھی میری تقریر خاموشی سے سنیں۔ بٹالوی صاحب نے کہا کہ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔

(الحکم، قادیان ۶۔۱۳ جولائی ۱۸۹۸ء ص ۷۔۹)

یہ مرزائی رپورٹ ہے، اور ساتھ اڈیٹر الحکم نے خوب حاشئے بھی لگائے ہیں جو ہم نے نقل نہیں کیئے۔ اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ مباحثہ نہیں تھا۔ نہ موضوع کا تعیین کیا گیا، نہ شرائط طے ہوئیں، نہ ثالث مقرر ہوا، نہ پرچوں کی تعداد، نہ پرچہ لکھنے کا وقت طے ہوا۔ بلکہ مولانا بٹالوی کسی جگہ خطاب کیلئے گئے کہ مبارک علی نے رقعہ بازی شروع کردی۔ مولانا نے موضوع اور حدود وشرائط کے تعین کی کوشش کی تو مبارک علی صاحب بدک گئے اور مولانا کے سوال کا جواب دینے، یعنی موضوع کے تعین ہی سے انکار کردیا۔ اور بحث ختم کردی۔

ادھر چونکہ مولانا نے خطاب کرنا تھا جس کے لئے آپ وہاں تشریف لے گئے تھے، اس لئے انہوں نے فرمایا کہ اب چونکہ تم موضوع اور شرائط وغیرہ کے تعین نہ کر سکنے کے باعث بحث سے خود ہی کنارہ کش ہو چکے ہو، اس لئے اب میں جو کچھ کہنے والہ ہوں وہ تمہارے خطاب میں نہیں۔ اگر تم چاہو تو چلے جاؤ اور چاہو تو عام سامعین کی طرح بیٹھ کر سنو۔ مبارک علی نے جواب میں کہا کہ بعد ازاں میں بھی تقریر کروں گا۔ یعنی تمہاری تقریر پر بحث کروں گا۔ (یعنی مباحثہ، جس سے وہ کترا چکے تھے، پھر سے شروع)۔ مولانا بٹالویؒ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یا تو تم میرے سوال کا جواب دو، اور بحث کو آگے بڑھاؤ اور اگر جواب دینے کی ہمت نہیں ہے تو چپ کر کے بیٹھو۔ جلسہ ہمارا ہے، آپ لوگوں کا نہیں اور نہ ہی تم کسی دعوت مباحثہ کے جواب میں یہاں آئے ہو۔ (یاد رہے مبارک علی، حکیم نورالدین کے بعد قادیانیوں کے مخالف ہوکر لاہوری جماعت میں شریک ہو گئے تھے)

ناظرین کو معلوم رہے قادیانی حضرات اپنے جلسہ قادیان میں غیر احمدیوں کو سٹیج پر سے اپنے خلاف تقریروں کی اجازت نہیں دیتے تھے جیسا کہ حافظ عنایت اللہ اثری کی درج ذیل روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ حافظ صاحب بتاتے ہیں:

مولانا عبدالرحمٰن گورنمنٹ پنشنر (ناظم انجمن اہلحدیث گجرات) کے نام ناظر دعوۃ وتبلیغ قادیان کی طرف سے دعوت نامہ موصول ہوا کہ آپ ہمارے سالانہ جلسہ میں شامل ہوں جو کہ دسمبر

۱۹۴۶ء میں ہو رہا ہے۔ جس کا موصوف نے فوراً جواب دیا جو درج ذیل ہے۔

} بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بخدمت جناب ناظر صاحب دعوت وتبلیغ ۔

السلام علینا و علی عباد اللّٰہ الصّا لحین ۔ و السّلام علی من اتّبع الھدی

جناب کا ملفوف گرامی موصول ہوا ۔ آپ نے جو اپنے سالانہ جلسہ قادیان میں مجھے دعوت دے کر یاد فرمایا ہے اس کے لئے میں جناب کا شکرگزار ہیں اور جواباً معروض ہوں کہ مجھے اپنے مشاغل سے اتنی فرصت نہیں کہ میں جلسہ میں حاضر ہوسکوں ۔ ہاں یہ تجویز ہے کہ کوئی مطبوعہ یا قلمی مضمون جناب کی خدمت میں روانہ کر دوں جسے آپ اپنے جلسہ میں پڑھ کر سنا دیں تا اس طرح پر میرا بھی کوئی دنیوی حرج نہ ہو اور جلسہ میں شمولیت بھی ہو جائے ۔ اگر میرا مضمون آپ کے خلاف ہو تو سنا کر اس کی تردید کا آپ کو حق حاصل ہے کہ جلسہ آپ کا ہے ۔ نیز مضمون کے ہمراہ میں چند سوالات بھی روانہ کروں گا جن کا جواب بہر حال خاص میاں (محمود احمد) صاحب کے قلم سے مطلوب ہے ۔ اگر آپ ان دونوں باتوں کا پختہ وعدہ فرمائیں تو فوراً اطلاع دیں کہ وقت تنگ ہے ۔
۲۰ دسمبر ۱۹۴۶ء

اس خط کا درج ذیل جواب ناظر صاحب کی طرف سے مولانا صاحب کو موصول ہوا:

{ بخدمت شریف مکرم جناب عبدالرحمٰن ظفر گورنمنٹ پنشنر ۔ سرکلر روڈ گجرات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ آپ کی چٹھی مورخہ ۲۰ دسمبر موصول ہوئی ۔ جواباً تحریر ہے کہ افسوس ہے کہ ہمارے جلسہ میں غیروں کے مضامین معترضانہ نہیں سنائے جا سکتے ہیں ۔ نہ آپ کے سوالات جلسہ کے پرواگرم میں شامل کئے جا سکتے ہیں ۔ ہمارا جلسہ دینی جلسہ ہے اور اس میں دینی مضامین مقررین بیان کرتے ہیں ۔ جلسہ کا پروگرام بہت عرصہ پہلے مرتب ہو کر شائع ہو جاتا ہے ۔ آپ اگر کوئی مضمون یہاں بھیجیں گے اور سوالات تحریر فرمائیں گے تو ان کے جوابات آپ کو تحریری انشاء اللہ دیئے جائیں گے ..... والسلام ۔ ۷ جنوری ۱۹۴۷ء

دستخط بحروف انگریزی (برائے) ناظر دعوت وتبلیغ قادیان

(قطع الوتین (۲) من بشیر الدین)

عشرہ کاملہ

شیخ غلام حیدر ہیڈ ماسٹر انگریزی بورڈ سکول چکوال ضلع جہلم نے ایک دفعہ چند سوالات حکیم نورالدین بھیروی سے کیئے جن کے جواب انہوں نے اخبارالحکم میں دیئے۔ شیخ غلام حیدر ان جوابات سے مطمئن نہ ہوئے۔ پھرانہوں نے مولوی عبدالکریم سیالکوٹی قادیانی کوعشرہ کاملہ کے عنوان سے ایک مطبوعہ مراسلہ بھیجا جسے سطور ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

شیخ غلام حیدر، مولوی عبدالکریم سیالکوٹی کومخاطب کر کے لکھتے ہیں:

آپ کا نوازش نامہ مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۰۱ء موصول ہوکر باعث راحت جان ہوا۔ آپ اسلامی محبت کے جوش میں تحریرفرماتے ہیں (کاش آپ اس منہاج میں غورکرتے جس پر خدا کا برگزیدہ چل رہا ہے جواس کام کے مناسب قوی لے کر کاروائی کر رہا ہے مگر خدا کے فضل کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ خداتعالی آپ کے ساتھ ہو) میں اس ایمائے مخلصانہ کا ازحد ممنون ومشکور ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ عرصہ آٹھ نو سال سے جب سے بندہ صادق تائب ہوا ہے برابر اس کوشش میں مصروف ہے کہ کہاں تک آپ کا جدید منہاج اس اسلام کے مطابق ہے جس کی ہم کوقرآن اور پیغمبر ﷺ اور قرون ثلاثہ کے علماء وصوفیہ کرام کی تصانیف سے اطلاع پہنچی ہے۔ اور اگرچہ میں بلحاظ اسلامی علم کے محض ایک طالب علم ہوں مگر چونکہ بہت سا حصہ اپنی عمر کا اسلامی کتب کے مطالعہ وصحبت علماء و فقراء میں گذارا ہے اس لئے مجھ کوآپ کے منہاج کے بعض خیالات سے اتفاق نہیں۔ اگر محض مجھ کو ہی آپ سے اختلاف ہوتا تو چنداں تعجب وحیرت کا مقام نہ تھا لیکن جب میں دیکھتا ہوں کہ موجودہ اسلامی دنیا میں اکثر آپ کے منہاج پرحرف گیر ہیں اوران میں مجھ سے بڑھ کر جواسلام کوسمجھتے ہیں وہ بھی داخل ہیں تو کیونکر آپ کے منہاج کو الّذین یومنون با لغیب کی طرح قبول کرلوں۔ ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض کی طرح آپ لوگوں پراس درجہ بدظن بھی نہیں کہ بدگوئی کیا

کروں اور تکفیر کے فتوے میں شامل ہو جاؤں۔ مرزا صاحب اور ان کی جماعت کی بعض تصانیف کے چند نکات واقعی قابل قدر ہیں اور صرف انہی کی بدولت اب تک میں تکفیر کے فتوی میں شامل نہیں ہوا۔ مگر خالص دودھ یا شہد میں خواہ کیسا ہی مرغوب الطبع کیوں نہ ہو اگر زہر کی آمیزش کا اندیشہ ہو تو ایسی چیز کے استعمال کے پہلے ضرور متامل ہونا پڑتا ہے، مگر تریاق کی مدد سے آپ کے شہد اور دودھ کو استعمال کیا، اور ہر ایک کتاب مرزا صاحب کی اور اکثر ان کی جماعت کی پڑھیں اور خوب پڑھیں۔ دوستوں اور علماء کے ڈرانے سے نہ ڈرا، مگر میں بڑے افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ ان کی صداقت بعض ان خیالات میں جو اسلامی دنیا میں بالکل نئے طرز کے ہیں میرے دل پر اس درجہ تک مؤثر نہ ہوسکی کہ میں بھی مرزا صاحب کے خالص مریدوں میں شامل ہونے کو فخر سمجھتا.....۔ اب میری ملازمت تیس سال پوری ہو چکی ہے اگر میرے لواحقین کے گزارے کا معقول بندوبست اللہ تعالی نے کر دیا تو آپ لوگوں میں آنا میرے واسطے آسان ہو جائے گا۔ دس امور متنازعہ آپ کے منہاج کے جن کی بابت بندہ کو کافی اطمینان نہیں ہوا بطور نمونہ ذیل میں درج کرتا ہوں۔ اور گزارش ہے کہ ہر ایک امر مندرجہ کا جواب تحریر فرماویں جو کافی بھی ہو اور مختصر بھی۔ کوئی استدلال آیت اور صحیح حدیث یا تاویل مسلّمہ اہل سنت و جماعت اور واقعات یا عقل کے خلاف نہ ہو۔ اس کام کا اللہ تعالی آپ کو اجر دے گا۔ اور یہ ممکن ہے کہ آپ کے مدلل بیان سے میں اور میرے اکثر بھائی جو میرے ہم خیال ہیں ان شکوک وشبہات سے نجات پاویں اور آپ کی سعی موجب ثواب دارین ہو۔

ا۔ مجدد اسلام

نبوت بے شک ختم ہو چکی ہے مگر دوسرا سلسلہ بعد وفات آنخضرت ﷺ ہمیشہ سے ہر صدی میں قائم ہے۔ مگر کسی مجدد اسلام نے اپنے مجدد ہونے کی نسبت نبوت کی طرح اس سے پہلے اعلان عام نہیں دیا۔ نہ اپنے عہدہ کی فضیلت امت محمدیہ سے منوانے کے لئے مباہلہ کی درخواست تک نوبت پہونچائی، اور نہ مدعی ومخالفین کی نوبت غیر اسلامی عدالت تک پہونچی۔ جمہور علماء نے جس شخص میں مجدد کے لوازمات پورے پورے دیکھے اس کو خود بخود لقب مجدد کا دے دیا۔ اگر سلف کے مجدد مرزا صاحب کی طرح اپنے عہدے کا گھر گھر اعلان کرتے تو آج ہم ہر صدی کے مجدد کا نام لے کر پورے تیرہ تک گن سکتے مگر چونکہ بعض ظاہر ہیں اور بعض پوشیدہ، اسی واسطے وثوق سے آج اسلامی دنیا میں کوئی بھی نام لے کر تیرہ تک گن نہیں سکتا۔ ہر صدی میں متعدد علماء نے دین اسلام کی

تائید میں کماحقہ کوشش کی۔ پس اس کثیر تعداد میں مبہم طور پر عہدہ مجدد کا مخفی رہا۔ وجہ اس اجمال کی جو قدرت کو منظور تھی یہ ہے کہ انسان جن امور پر تفصیلاً ایمان لانے کے واسطے مکلّف ہے انہی کا اعلان معرفت نبی کا یا رسول کے ضروری شرط ہے مگر مجدد پر مجملاً ایمان لانا ہی کافی ہے۔ نبی کے وقت میں نبی کا منکر معذب اور معتوب ہے مگر کسی نبی کا تابع اگر چند قرائن سے کسی کو مجدد تسلیم نہ کرے تو نجات سے محروم نہیں ہوسکتا کیونکہ ایسے بھی ہزاروں مسلمان ایک زمانہ میں موجود ہوتے ہیں جن کو پچھلی صدی کے مجدد کی تو کلی یا جزوی اطلاع ہوتی ہے مگر نئی صدی کے مجدد کا اس وقت ابھی ظہور بھی نہیں ہوتا یا چند وجوہات سے باوجود ظہور کے مجدد کے تسلیم کرنے میں موانعات حائل ہوجاتے ہیں پس اللہ تعالی ایک ایسے امر مجمل کی خاطر اتنے مومنین کی جانیں ضائع نہیں کرتا جو خاتم النبیین کی تابع ہوں اور یہ بھی لازم نہیں کہ کسی مجدد کی عین حیات میں ہی اس کے عہدہ کا نبوت کی طرح فیصلہ ہوجائے۔ ہاں اگر قرینہ سے جمہور علماء کا اتفاق ہوجائے کہ فلاں شخص مجدد ہے اور اس میں تمام یا اکثر وہ علامات بھی موجود ہوں جو مجددیت کو چاہتے ہیں تو یہ اور بھی عمدہ بات ہے۔ مگر یہ نہیں کہ : تو جان نہ جان میں تیرا مہمان ، اپنی مجددیت منوانے کے لئے اس طرح سے جدوجہد کرنا یا باقی علمائے اسلام سے ناشائستہ الفاظ سے مخاطب ہونا کسی مجدد کے واسطے اگر سلف میں بھی ضروری ہوتا تو کسی نہ کسی تصنیف سے ضرور اس بات کا پتہ لگتا۔ اگر مرزا صاحب کی کل تصانیف کی تشخیص کی جائے تو اس میں اسلام کی خالص حمایت ایک چہارم حصہ بھی بمشکل نکلے گی۔ باقی تین حصوں میں ان کے نئے خیالات اور دعوی کے متعلق بحث و تائید ہے۔ اگر اس قدر بھی اسلام کی حمایت میں اپنا قلم نہ اٹھاتے تو اسلامی گروہ سے بہت ہی کم مرید بنتے۔ کہیں تو گورنمنٹ پر انگریزی تراجم کے ذریعہ سے یہ ظاہر کررہے ہیں کہ کل وہ علمائے محمدی غلطی پر ہیں جنہوں نے خونی مہدی کو مانا ہوا ہے۔ صرف میں ہی وہ شخص ہوں جس نے ایسے فرقہ کی بنیاد ڈالی ہے جس کا یہ عقیدہ نہیں۔ کہیں گورنمنٹ پر اپنے خاندان کی خدمات روشن کررہے ہیں۔ کہیں گورنمنٹ کو یہ جتلا رہے ہیں کہ میں نے اپنے خرچ سے ہزاروں کتب اور رسالے اس خونی مہدی کے فاسد عقیدہ کی بیخ کنی کے واسطے اسلامی ممالک میں بھیجے ہیں۔ جب ہم مرزا صاحب کی اس قسم کی کاروائی کو دیکھتے ہیں تو تعجب آتا ہے کہ یا اللہ سلف میں بھی کسی خالص برگزیدہ نے حکام وقت کو اپنی خدمات خاص اللہ کے کام میں جتلائی ہیں، تو اس وقت بے ساختہ یہ سوال منہ پر آجاتا ہے کہ آیا اللہ سے اجر پانے کے لئے مرزا صاحب یہ اسلامی خدمت بجا لارہے ہیں یا گورنمنٹ کے ہاں اپنا ذاتی اعتبار قائم کررہے ہیں جس سے آئندہ کی

پیری مریدی کے سلسلے پر گورنمنٹ بدظن نہ ہو جائے جیسا کہ نیا فرقہ قائم کرنے سے اس کے بانی پر گورنمنٹ کا بدظن ہونا ممکن ہے گورنمنٹ کے احتمالی مواخذے سے مذکورہ ذریعے سے خلاصی پا کر اب دین اسلام میں جہاں جہاں گنجائش دیکھی وہاں نئے نئے خیالات بھرتی کر کے اپنی تاویلوں اور تحریروں سے بہت درجہ تک کامیابی حاصل کر لی۔ اسلامی امام اور مجدد کی حیثیت سے تو یورپ کے بادشاہوں کی طرف دعوت اسلام پر رجسٹری شدہ مراسلات بھی ارسال کر دیئے مگر نزدیک کے مقامی حکام کو ان مراسلات کا بھیجنا قرین مصلحت نہ سمجھا کہ آخر انہی سے نباہ ہے۔ کہیں بنی بنائی پٹڑی بھی نہ اکھڑ جائے۔ اگر مقامی حکام کو بھیجا تو کیا بھیجا۔ انگریزی پمفلٹ جن میں علمائے اسلام پر بدظنی اور مرزا صاحب پر حسن ظنی پیدا ہونے کا مصالح بھرا پڑا تھا۔ مرزا صاحب اطمینان فرماویں کہ اہل اسلام نے جس مہدی کو مانا ہوا ہے وہ ہندوستان یا زیر حکومت برطانیہ انگریزی رعایا سے نہیں ہوگا کیونکہ یہ ضروری ہے کہ جس طرح خاتم نبوت جزیرہ عرب میں پیدا ہوئے اسی طرح خاتم ولایت بھی، جو ان کا ظل ہے، اسی جزیرہ نما میں اپنا ظہور کرے۔ نہیں معلوم کب ہوگا اور اسکا گورنمنٹ کو کیا خدشہ ہے۔ اور نہیں معلوم مرزا صاحب اس مسئلہ سے ناحق خونی مہدی کا نتیجہ نکال کر اپنی کون سی خاص ذاتی غرض پورا کرنے پر آمادہ ہیں۔ مسلمانوں کے مہدی آپ اطمینان فرماویں ایسے نہیں ہوں گے کہ ظالم خونی کی طرح کسی قوم سے بلا چھیڑے خود بخود جا کر لڑائی شروع کر دیں گے۔ بلکہ ہاشمی ہوں گے اور اپنے ملک کی حفاظت میں بشرط ضرورت امداد دیں گے۔ اور یہ محض ایک پیشینگوئی ہے جس کا ظہور نہیں معلوم کس زمانے میں ہوگا۔

اب مرزا صاحب کی تصانیف اور امامت سے غیر مذاہب کے لوگوں نے کہاں تک اسلام کی طرف رجوع کیا۔ یہ ایسا سوال ہے کہ جسکا جواب قریب قریب صفر کے ہوتا ہے۔ لورپول اور امریکہ میں سلف کی اسلامی تصانیف کے یمن و برکت سے ہی اسلام نے اپنا ظہور کیا۔ ہندوستان میں بھی مرزا سے پہلے جو کچھ علماء کی تصانیف اور وعظ سے غیر قوموں میں اثر ہوا، اس کا ہزارواں حصہ بھی مرزا صاحب کے طفیل ڈھونڈنا بے فائدہ ہے۔ جس قدر اور جو جو تصانیف اسلام کی صداقت اور اسرار میں اور غیر مذاہب و نصاریٰ کے جواب میں اسلامی ممالک اور ہندوستان کے علماء نے تصنیف کی ہیں مرزا صاحب کی قلم میں وہ ڈھونڈنا بے جا ہے۔ اسلامی ممالک میں امام غزالی اور ہندوستان میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصانیف مشت نمونہ خروار پر ہی غور کیا جائے تو اس امر کی راستی کا کچھ پتہ مل سکتا ہے۔ امہات المؤمنین (نامی کتاب) جس سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کے برخلاف

شاید ہی کوئی گندی کتاب شائع ہوئی ہوگی مرزا صاحب کے در دولت پر بہت عرصہ جواب کا تقاضا کرتی رہی مگر ان کو جواب کی جرأت نہ پڑی، حالانکہ صلیب توڑنے کے مدعی بھی ہیں۔ آخر علمائے اسلام نے ہی اس کے متعدد جواب الگ الگ دیئے۔ اور ہزاروں دلوں کو ٹھنڈا کیا (امہات المؤمنین یا دربار مصطفائی کے اسرار نامی کتاب ڈاکٹر احمد شاہ عیسائی پادری نے لکھی مطبع آر پی مشن گوجرانوالہ سے ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی۔ الحکم۔ ۶۔۱۳ مئی ۱۸۹۸ء؛ اور ۱۳ مارچ ۱۸۹۸ء)۔ قرآن کا ترجمہ اردو موجودہ زمانے کی ضرورت کے واسطے کافی نہ رہا تھا۔ اس ضرورت کو بھی حافظ نذیر احمد ایل ایل ڈی ہی نے پورا کیا۔ اسلامی خدمات یوں ہوا کرتی ہیں۔ انگریزی تراجم کے ذریعہ علمائے اسلام پر گورنمنٹ کو بدظن کرانا خدمت اسلام نہیں ہوتی۔ اسلامی علوم اور معارف کی عربی زبان میں سینکڑوں تصانیف اس قسم کی ہیں کہ اگر مرزا صاحب اور ان کی جماعت ان کا ترجمہ کر کے اہل ہند کو نفع پہنچائے جب بھی ایک بات ہو۔ قاضی محمد سلیمان وکیل ریاست پٹیالہ کی تائید الاسلام کے ہر دو حصوں کا جواب اب تک ان کی جماعت سے کوئی نہیں دے سکا اور نہ ہرگز امید ہے کہ کوئی معقول جواب اس کا دے سکیں بلکہ ایسی کتاب کو دیکھنا بھی فضول سمجھتے ہیں۔ شمس الہدایت کا جواب جوامروہی صاحب نے دیا ہے اس میں شائستگی کو بالائے طاق رکھ کر کام لیا ہے۔ ایسے روکھے اور بے تہذیب جواب کوئی نیک نتیجہ پیدا نہیں کرتے۔ مرزا صاحب نے بحیثیت مجدد کے اسلام کو تازہ نہیں کیا بلکہ آیات اور احادیث کی نرالی تاویلات سے گویا یہ جتلا دیا ہے کہ تیرہ سو برس سے بعض مسائل میں کل علمائے اسلام نے سخت غلطی کھائی ہے اور کھا رہے ہیں اور ان کا اجماع کورا نہ ہے۔ صرف ہم پر ہی بعض اسلامی اسرار کا الہام ہوا ہے جس سے سلف کے کل مسلمان محروم رہے حالانکہ بموجب صحیح حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل، علماء راسخون امت محمدیہ کے بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثیل ثابت ہیں۔

۲۔ امام اسلام

جس امامت کے تسلیم نہ کرنے پر صحیح حدیثوں کی رو سے جاہلیت کی موت نصیب ہوتی ہے وہ امامت تو محض اسلامی ممالک کی امامت ہے جس کو ان ہی حدیثوں میں امارت کے لفظ سے بھی بیان کیا گیا ہے اور قرآن کے بموجب بھی ایسا امام اولوالامر منکم میں داخل ہے۔ بے شک ایسے امام سے گو وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو منحرف ہونا اسلامی ریاست میں موجب فساد اور فتنے کا ہے۔ مرزا صاحب کی اس امامت والی حدیث سے اکثر ایسے اشخاص کو جن کو حدیث کے علم سے واقفیت

نہیں سخت غلط فہمی ہوئی ہے۔ دوسری وہ امامت ہے جو دینی علم اور فضیلت کے لحاظ سے جمہور اہل اسلام نے بعض اسلامی برگزیدوں کے واسطے جائز رکھی ہے اور بعض ایسے برگزیدوں کی حین حیات میں بعض کے بعد ان کی وفات کے تقلید اور متابعت کو موجب ترقی درجات سمجھا۔ مثلاً امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرھم۔ لیکن یہ کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا کہ ان میں سے کسی نے بھی اپنے منہ سے اپنے آپ کو امام کہا ہو یا اپنے عہدہ کی فضیلت منوانے کیلئے اپنی قوم سے مرزا صاحب کی طرح قلمی ہاتھا پائی کی ہو یا مرزا کی طرح کل اسلامی دنیا کے علماء اور اولیاء موجودہ سے اس امر کا جھگڑا کیا ہو کہ تم لوگ میری متابعت سے اگر انکار کرو گے تو انوار و برکات سے محروم ہو جاؤ گے اور یہ بھی کسی سلف کے دینی امام نے نہیں کہا کہ اس زمانہ کے کل برکات ہمارے ہی طفیل ہیں اور بلعم کی نظیر پیش کر کے بیعت سے انکار کرنے والوں کو راندہ درگاہ الٰہی ہو جانے کی دھمکی دی۔ اس قسم کی حقیقی امامت کا محض نبی یا رسول ہی مستحق ہے اور اسی کی بیعت کا انکاری محل خطر میں ہے مگر خالص دینی امام جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے نبی کے خود تابع ہوتا ہے اور نبی کے تابعین پر ہرگز یہ حجت نہیں کر سکتا کہ بلا میری بیعت کے تم اسلام سے کٹ جاؤ گے۔ آئمہ اربعہ نے اسی واسطے یہ کہہ دیا کہ جو قول ہمارا کتاب اور سنت کے برخلاف پاؤ اس کو ہرگز قبول نہ کرو۔ ان میں سے تو اکثر ایسے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد ہی بوجہ خاص علامات کے لقب امام کا جمہور اسلام نے دے دیا۔ اس قسم کی امامت تسلیم کرنا جمہور اہل اسلام کے ہاتھ ہے اور بے شک عوام کو تقلید کے بغیر کچھ چارہ نہیں۔ ان کیلئے وہی امام ہے جس کی امامت فی الدین پر امت کا اجماع ہو، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مجدد کی طرح ہر صدی میں دینی امام بھی پیدا ہو جائے اور یوں بھی واقع ہوا ہے کہ ایک ہی زمانہ میں ایک سے زیادہ بھی اس قسم کے امام پیدا ہو گئے ہیں۔ ہاں حسب عقاید شیعہ اگر یہ کوئی ایسا عہدہ ہے جس کا اعلان نبوت کی طرح ضروری ہے اور جسکا عدم تسلیم ایک نبی کے تابع کو معذب و معتوب بناتا ہے تو کسی آیت یا صحیح حدیث سے اس کا ثبوت پیش کرنا چاہیے۔ ورنہ گھر کی تاویلات اور دلائل سے سلف کی محکم بنیاد نہیں ہل سکتی۔ خلفاء راشدین کے بعد بھی دینی خلافت یا امامت جب اسلامی ریاست میں بھی پورے طور پر جلوہ گر نہیں تو ہندوستان جیسے غیر اسلامی ملک میں تو بالکل محالات سے ہے۔ ہاں البتہ کسی مسلمان کا علم، زہد تقوی، اگر کمال کو پہنچ جائے تو جمہور اہل اسلام کو وہ بلا اکراہ و بلا کوشش مدعی (جیسے کہ ہمیشہ سنت اللہ جاری ہے) اپنی طرف کھینچنے اور امامت قبول کرانے کی خود بخود قابلیت رکھتا ہے۔ پس جب مسلمان ایسے شخص کو ہر زمانے میں اپنا امام اور پیشوا تسلیم کرتے آئے

ہیں تو از خود در پئے ہو کر کسی کا اپنے تیئں امام منوانا کمال فخر اور خود فروشی کو ظاہر کرتا ہے

۳۔ وفات حضرت عیسیٰؑ

مرزا صاحب کو جب اپنا مدعا ثابت کرنے کا وقت پیش آ جاوے تو مجذوبوں کے الہام، اناجیل اور ضعیف احادیث اور اعداد جمل تک سے بھی بڑے وثوق کے ساتھ تمسک کر لیتے ہیں اور عجیب وغریب تاویلات سے کام نکالنے کی سعی کرتے ہیں مگر جب دیکھتے ہیں کہ بعض آیات وصحیح احادیث ہمارے مدعا کے خلاف ہیں تو ان کے بیچ میں سے نہ صرف جملوں کے جملے اڑا جاتے ہیں بلکہ اپنی طرف سے زائد جملے بھی ترجمہ میں ناحق داخل کر دیتے ہیں اور تاویل سے عاجز آ کر صحیح احادیث تک بھی قبول نہیں کرتے اور اگر کچھ حصہ بھی حدیث کا ان کے حق میں مفید بنتا نظر آ سکے تو اس کو اپنے مطلب کے موافق بنا لیتے ہیں خواہ اس کا باقی حصہ ان کے دعوی اور مطلب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور ایسے موقع پر لاچار ہو کر (امت کا کورانہ اجماع) بولتے ہیں حالانکہ بحوالہ صحیح مسلم امت محمدیہ کا اجماع غلطی پر ناممکن ہے۔ مرزا صاحب کے نزدیک بعد قرآن مجید کے صحیح بخاری سے زیادہ تر کوئی کتاب معتبر نہیں انہوں نے باب نزول مسیح مقرر کیا جس کی سالم حدیث کا ترجمہ بحذف اسمائے راویان خطوط ہلالی میں یہاں لکھا ہے۔ مگر افسوس مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ مخالفین کے واسطے ہرگز ممکن نہیں کہ اپنے خیالات کی تائید میں صحیح بخاری سے بابت حیات ونزول مسیح کوئی بھی حدیث پیش کر سکیں اور یہ بھی قابل افسوس ہے کہ مرزا صاحب دیدہ دانستہ اس حدیث کا آخری حصہ چھپانا چاہتے ہیں:

(ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی مجھ کو قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ بے شک عنقریب ہے کہ ابن مریم تم میں حاکم عادل ہو کر اتریں گے صلیب کو توڑیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ موقوف کریں گے مال کی کثرت یہاں تک ہوگی کہ اسے کوئی قبول نہ کرے گا یہاں تک کہ دنیا اور دنیا بھر کے مال ومتاع سے صرف ایک سجدہ اچھا معلوم ہوگا۔ اس کے بعد ابو ہریرہ نے کہا: اگر تم اس پر دلیل قرآنی بھی چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو و ان من اھل الکتا ب الّا لیؤمنن بہ قبل موتہ)۔ اب دیکھئے آنحضرت ﷺ کا بیان، امام بخاری کا مذہب، ایک صحابی کا مذہب، قرآن کی آیت کی تفسیر۔ حیات ونزول مسیحؑ کے بارے میں ایک ہی حدیث بخوبی ثابت ہے۔ تفسیر ابن عباس بھی موتہ سے مراد عیسیٰؑ کی موت ہے۔ اور یہی مذہب ابی بن کعب نے اختیار کیا۔ امام یوطی بھی جن کی نسبت

مرزا کو اقرار ہے کہ کشفی طور پر آنحضرت ﷺ سے احادیث کو صحیح کر لیتے تھے اپنی تفسیر اکلیل میں اسی طرح لکھتے ہیں۔ تفاسیر زخرف، کبیر، کشاف، معالم، بیضاوی میں (انہ لعلم للسّاعة کے ضمیر عیسی کی طرف راجع ہے اور ان کی حیات ونزول کو ثابت کرتی ہے۔ بعد اس قدر اجماع ثقات کے جس میں دو صحابی کا مذہب بھی گواہ ہے کسی اور تابعی وغیرہ کے قول کو ترجیح دینا صریح ظلم ہے۔

اب جس طرح پر ہم نے حیات ونزول عیسی بن مریم کو ثابت کیا ہے اس کے بالمقابل آپ بھی کم از کم دو صحابی اور پانچ مفسروں کا نام بتلا دیں جنہوں نے آیت وصحیح حدیث کی رو سے خاص حضرت عیسیؑ کے فوت ہو چکنے پر استدلال کیا ہو اور یہ بھی واضح ہو کہ سوائے بخاری کے بہت سے صحیح احادیث ایسی بھی موجود ہیں جن سے حیات ونزول عیسیؑ نصف النہار کی طرح ثابت ہو رہا ہے اور یہ احادیث بوجہ طوالت یہاں درج نہیں کی گئیں۔ اگر محض صحیح بخاری پر ہی سرمایہ شریعت محمدی کا دار و مدار ہے تو پھر سینکڑوں مسائل شرعی کے استدلال کا دروازہ مسدود ہو جاتا ہے اور جو سعی بلیغ اکابران دین نے باقی صحیح احادیث کی فراہمی میں کی ہے اور جس سے سینکڑوں مسائل شرعی کا دروازہ کھل گیا ہے بے کار ہو جاتی ہے۔ امام بخاریؒ اپنی کتاب صحیح بخاری کے دیباچہ میں خود اقرار کرتے ہیں (کہ میں نے ایک لاکھ صحیح حدیث اور دو لاکھ غیر صحیح حدیث کو حفظ کیا) مگر مقام غور ہے کہ ان کی کتاب میں ایک لاکھ صحیح حدیثوں میں سے تین ہزار سے زیادہ مندرج نہیں۔ مرزا صاحب قرآن مجید میں الفاظ کی تقدیم وتاخیر کو الحاد سمجھتے ہیں حالانکہ معنوی (نہ کہ لفظی) تقدیم وتاخیر کو ابن عباسؓ جیسے صحابی ورئیس المفسرین نے بعض مواقع پر قرآن میں جائز رکھا ہے۔ قتادہ بھی اس امر میں ان کے ہم مذہب ہیں۔ اب مرزا صاحب ایک ہی شخص کے مذہب کو قبول بھی کرتے ہیں اور انکار بھی۔ پس استدلال کے وقت ان کا کوئی اصول یا قاعدہ کلیہ نظر نہیں آتا۔ امام بخاری کے مذکورہ حدیث کی رو سے جو علامات نزول مسیح بن مریم سمجھے جاتے ہیں وہ مرزا کے زمانہ پر کسی طرح بھی منطبق نہیں ہو سکتیں۔ صرف مال ہی کی کثرت کو مشت نمونہ از خروارے لو کہ مال اس کثرت سے ہو گا کہ اسے قبول کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔ مرزا صاحب تو دعا کرنے کے واسطے بھی ڈاکٹر کی طرح فیس چارج کرتے ہیں۔ اپنے منارہ اور مدرسہ کے واسطے روپیہ کی ضرورت کا اعلان دیتے ہیں۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ نزول مسیح کا زمانہ یہی ہے۔ ان کی تاویل یہ ہے کہ مال سے معارف دین مراد ہیں۔ اب نہ کسی لغت کی کتاب سے یہ معنی نکلتے ہیں نہ کسی کتاب میں سلف سے خلف تک مال کی تاویل ان معنوں میں دیکھی گئی ہے نہ عرب کے محاورہ میں اس کا ثبوت ہے۔ خیر بفرض محال اگر مال

سے معارف دین کی مراد لی جاوے تو اس وقت بھی ہزاروں مسلمان علم دین کی طلب میں اسلامی دنیا میں کوشاں اور ساعی نظر آتے ہیں۔ اس تاویل سے بھی کام نہ نکلا۔ اگر مال سے مرزا صاحب کے نئے خیالات کے معارف مراد ہوں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے خالص مرید پیاسی روح کی طرح ان کو لیتے ہیں۔ اس طریق سے بھی مطلب حاصل نہ ہوا۔ غرض کہ ہزاروں تاویلیں کریں ان کا مقصود ہرگز پورا نہیں ہوسکتا اگر اسی طرح آیات اور حدیثوں میں تاویل کی گنجائش ہوا کرے تو بعد وفات آنحضرت ﷺ تیرہ سو برس سے اب تک مرزا صاحب جیسے مجدد مہربان اسلام کو کچھ کا کچھ بنا دیتے اور اللہ تعالیٰ اور شارع کا مدعا ایسا مبہم کر دیتے جیسا کہ اب بھی بعض وحدت وجود کے قائل کہتے ہیں کہ نماز سے مراد یاد اللہ ہے خواہ کسی طریق پر ہو اور طہارت سے مراد دل کی صفائی ہے۔ ظاہر کی ناپاکی اس کو مکدر نہیں کرسکتی۔ یاد اللہ میں مردار کھانا بھی شہد و شکر کی طرح ہے۔ اور بھی اس طرح کی سینکڑوں تاویلیں کرتے ہیں۔ مگر ہزار ہا شکر اس پاک ذات کو سزاوار ہے جس نے اس دین کو اب تک اپنی حفاظت کے سایہ میں محفوظ رکھا اور علمائے راسخین نے ہر زمانہ میں غلط پٹڑی پر چلنے والے کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی کسوٹی سے ایسا پرکھا جیسا صرّاف طلاء کو پرکھتا ہے اور ان کی پیروی سے بصیرت والا گروہ سلامت رہا۔ ایلیا نبی کے قصہ مندرجہ انجیل پر مرزا کا بڑا تمسک ہے۔ اب جس انجیل کی رو سے ایلیاء کے دوبارہ آسمان سے آنے کو مسیح نے بروزی طور پر یوحنا نبی میں بتلایا اسی انجیل کی رو سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یوحنا نے بروزی ایلیا ہونے سے صاف انکار کیا۔ اب کیا حضرت مسیح جھوٹے تھے، یا حضرت ایلیاء۔ دونوں نبی سچے تھے۔ قصہ محض الحاقی ہے۔

حضرت مسیح کی وفات پر مرزا صاحب کا ایک اور عجیب استدلال ہے۔ کہ نسخہ مرہم عیسیٰ کا یہودیوں عیسائیوں اور مجوسیوں کی ہزار ہا طب کی کتب میں درج ہے اور یہ مرہم عیسیٰ کے زخموں اور ضربوں کے واسطے بنائی گئی تھی۔ پھر یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ کس کو معلوم تھا کہ مرہم عیسیٰ کا نسخہ صد ہا طبی کتابوں میں لکھا ہوا پیدا ہو جائے گا۔ اب پہلے بیان میں نسخہ کا عام ہونا اور دوسرے بیان میں نسخہ کا اپنے وقت میں پیدا ہونا نہیں معلوم کیا فصاحت اور لطف اپنے اندر رکھتا ہے۔ بہر صورت جن یہودیوں کی کتابوں میں یہ نسخہ اور یہ وجہ درج ہے انکے اور ان کے مصنفوں کے ناموں اور عبارتوں کی نقل فرما دیتے تا کہ یہود کے قول انّا قتلنا المسیح عیسی بن مریم کا کذب انہی کی مسلّمہ تصانیف سے بخوبی ظاہر ہو جاتا۔ مقام غور ہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہودیوں کا یہ عقیدہ ظاہر فرماتا ہے کہ وہ عیسیٰؑ کے قتل کے مدعی ہیں اور مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ یہودی اطبا اس نسخہ کی بابت لکھتے

ہیں کہ وہ زندہ صلیب سے بچ گئے اور یہ نسخہ اس وقت بنایا گیا تھا۔ اب کس کی شہادت کو معتبر خیال کیا جائے۔ آیا اللہ تعالی کی شہادت کو یا مرزا صاحب کی تحریر کو؟ عیسائیوں کی جن کتابوں میں یہ نسخہ اور وجہ تحریر ہے ان کے اوران کے مصنفوں کے ناموں اور عبارتوں کی نقل ضروری تھی کیونکہ اس سے کفارہ کے مسئلہ کو خوب شکست ملتی ۔ یہ امر بھی مرزا صاحب نے ذہن نشین نہیں کیا کہ جب ہر ایک عیسائی کفارہ کا قائل ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ کوئی مصنف دین عیسوی کا معتقد ہوکر ایسی وجہ لکھ سکتا تھا جس سے اس کے عقیدہ کی تکذیب لازم آتی ہو۔ ایک اور قباحت یہاں یہ بھی پیدا ہورہی ہے کہ اگر بقول مرزا صاحب یہ تسلیم کیا جائے کہ مسیحؑ صلیب سے زندہ تو بچ گئے مگران کو چوٹیں اور زخم صلیب پرضرور پہنچے تھے جواس مرہم سے درست ہو گئے تھے تو معاذ اللہ قرآن کریم کی بھی تکذیب ساتھ ہی لازم آتی ہے کیونکہ اللہ تعالی تو فرماتا ہے (وما قتلوہ وما صلبوہ ۔ الآیہ) (یعنی یہود نے حضرت عیسی کو نہ قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا..) اب بقول مرزا صاحب اگر یہود کا اس قدر کامیاب ہونا بھی تسلیم کرلیا جائے کہ گوقتل تو نہیں کیا مگر صلیب پر انہیں زخم اور چوٹیں تو ضرور لگا دی تھیں، تو ایک نبی اللہ کی کافی بے عزتی اور ذلت ثابت ہوسکتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالی حضرت مسیح کے حق میں (انّی متوفّیک و رافعک الیّ ۔الآیہ) کا وعدہ فرماتا ہے پس مرزا صاحب حضرت مسیح کو جو رفعت کا وعدہ رحمانی تکلیف کے وقت ملا تھا، اس کو ذرا بھی پورا ہونے نہیں دیتے اور گو اللہ تعالی کا وعدہ ٹوٹے، مگر مرہم عیسی کا ثبوت ضرور بہم پہنچے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کا صلیب پر زخمی ہونا تسلیم کیا جائے تو رفعت کس چیز کا نام ہوا۔ یہ تو ایسی مثل ہے جیسے ایک حاکم نے اپنے وزیر سے وعدہ کیا کہ ہم تم کو دشمنوں کے ہاتھ سے قتل اور بے عزت ہونے ہرگز نہیں دیں گے۔ مگر خیر ٹکٹکی پر ان سے چند ضرب بید ضرور لگوا دیں گے اور پھر مرہم پٹی سے اچھا بھی کردیں گے۔ اللہ تعالی کی حمایت تو جبھی ثابت ہو کہ ان کو صلیب پر چڑھانے کی نوبت ہی نہ پہنچ سکے اور اہل سنت و جماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر مطلقاً نہیں لٹکائے گئے تھے۔

ایک اور استدلال بھی مرزا کا وفات مسیح پر قابل ذکر ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ خاتم نبوت کو تو اللہ تعالی نے بوقت ہجرت تین میل کے فاصلہ پر ایک غار میں چھپا لیا اور یہودیوں سے اس قدر ڈر گیا کہ مسیحؑ کو زمین سے آسمان پر لے گیا۔ اب افسوس ہے کہ باوجود دعوی قرآنی معارف کے مرزا صاحب کو اتنا بھی نہ سوجھا کہ آنحضرت ﷺ کو کسی نے گرفتار نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے خود ہجرت کی تھی حالانکہ مسیح کو یہودیوں نے گرفتار کرکے ایک کوٹھے میں بند کردیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو

ایسے غار میں پناہ دینا جو کفار کا دیکھا بھالا ہوا، اور ان کے اس قدر قریب تھا، درحقیقت رفع الی السماء سے بڑھ کر معجزہ ہے۔ ہجرت اختیاری کے واسطے زمینی پناہ اور گرفتاری اضطراری کے واسطے آسمانی پناہ۔ دونوں اعلیٰ نشانات قدرت ہیں اس سے عیسیٰؑ کی فوقیت ثابت کرنا بے سود ہے۔ حضرت عیسیٰ کو بعض امور میں خاتم النبوت سے خصوصیت ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کی ماں صدیقہ تھیں، وہ بے باپ پیدا ہوئے تھے، انہوں نے طفولیت میں کلام کیا، وہ مردوں کو زندہ اور اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کرتے تھے۔ اب آنحضرت ﷺ ان امور میں ایک کے بھی مصداق نہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان پر شرف حاصل نہیں اور وہ افضل الانبیاء نہیں۔ جب مسیحؑ کی پیدائش اور طفولیت نرالی ہے تو ان کے انجام کے نرالا ہونے میں کون سا استبعاد لازم آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو کون مانع ہے کہ جو نشان قدرت کاملہ کا اس کو دکھلانا منظور ہو اس کے پورا کرنے سے اسے روک دے۔ اب ایسے خانہ زاد استدلالوں پر تمسک کرنا اور امت محمدیہ کے اجماعی عقیدہ کو جو پختہ بنیاد پر مبنی ہے کورانہ اجتماع کہنا کیسا سراسر خلاف عقل و انصاف ہے۔ مرزا صاحب کی وفات مسیح پر دفتر سیاہ کرنے سے اسلامی دنیا کو عملی فائدہ کیا پہنچا۔ اس سے نہ اسلام کی کمزور دینی حالت کو تقویت پہنچی ہے نہ دنیاوی حالت میں کچھ ترقی ہوئی ہے۔ اس مسئلہ کو اسلام میں نجات سے کیا تعلق ہے۔ تیرہ سو برس سے عام مسلمان تو ایک طرف رہے ہزاروں ولی اللہ ایسے بھی فوت ہو چکے ہیں جن کا عقیدہ اس مسئلہ کے برخلاف تھا۔ جو کچھ علمائے سلف نے آیات اور صحیح حدیثوں سے اس مسئلہ کی بابت استدلال کیا ہے وہ مرزا صاحب کے برخلاف ہے اس لئے ہم جمہور امت کے عقیدہ کو چھوڑ کر اس نئے طرز کے مسئلہ کی طرف رجوع کرنا اپنا تضیع اوقات سمجھے۔ چونکہ یہ مسئلہ اصول نجات سے نہیں ہے اس لئے ہم اس پر مجملاً ایمان لا کر اصلی اور کامل علم اس کا اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے صرف ان امور کی طرف آمادہ ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہتے ہیں جن کے کرنے سے ہم اہل جنت میں داخل ہوں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ مسیح موعود میں ہوں اپنے دلائل و براہین سے صلیب کو توڑ رہا ہوں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود ان کے اس دعویٰ کے نصاریٰ کا دین ترقی پر ہے اور پادری لوگ مشن کے کروڑہا روپیہ سے جابجا مدارس اور شفا خانے کھولتے ہیں، وعظ تصنیف رسالہ جات میں ازحد سرگرم ہیں، اور مرزا صاحب کی جماعت میں پچاس نامور عیسائی بھی اپنے عقیدہ سے تائب ہو کر داخل نہیں ہوئے، تو ہم بلاشک نتیجہ نکالتے ہیں کہ عملی طور پر کسر صلیب خاک بھی نہیں ہوئی بلکہ ان کے وقت میں ہندوستان میں پادریوں نے تصانیف

میں اسلام کے برخلاف سابق سے بھی زیادہ سرگرمی سے کوشش کی ہے۔اس قسم کی بلکہ اس سے بڑھ کر کسر صلیب تو علمائے اسلام ہمیشہ سے کرتے رہے ہیں۔نہیں معلوم مرزا صاحب کی اس سعی سے دین عیسوی کو کونسا عملی ضعف پہونچا۔عیسائی دنیا تو مرزا صاحب کے اس مسئلہ پر مضحکہ اڑاتی ہے۔ زیادہ تر کوشش مرزا صاحب نے کی تو یہ کی کہ مسیح کی موت کے ثبوت میں اپنا نصف سے زیادہ وقت بسر کیا اور پھر آخر کشمیر میں انکی قبر دریافت کر کے فتح کا ڈنکا بجا کے خوش ہو بیٹھے ہیں کہ اب عیسائیوں کا مسیح ایک سو بیس برس کی عمر پا کر فوت ہو چکا اور تیرہ سو برس سے یہ مسئلہ یوں ہی لاحل پڑا رہا آخر ہم نے ہی اس الہام کو کھولا ہے۔اب بھی نصاری کے رسالے اور تصانیف برخلاف اسلام کے یورپ اور ہندوستان میں اور دیگر مما لک میں جا بجا اس قدر پھیلے پڑے ہیں کہ مرزا صاحب اور ان کی جماعت اگر ایک سو سال تک اور بھی زندہ رہے تو ان کے اثر سے دنیا کو نہیں چھوڑا سکتی۔پس اگر مرزا صاحب کے وجود باجود کا کچھ عملی اثر ہم دیکھتے تو دلائل اور تاویلات سے کسر صلیب کا مسئلہ بھی حل ہوتے سن کر کچھ اندازہ لگا سکتے مگر افسوس کہ جس قدر وقت وفات مسیح کے ثبوت میں ضائع کیا اتنا وقت اگر نصاری کے رسالوں کی انگریزی اور اردو میں تردید کے بنانے اور بنوانے میں خرچ کرتے تو بہت بڑی کامیابی حاصل ہوتی۔علی ہذا القیاس جس قدر روپیہ اور کاموں میں خرچ کیا ہے اور اب بھی کر رہے ہیں اگر وہی روپیہ اس مذکورہ کام میں صرف کریں اور ایسے رسالے نصاری کے گھر میں مفت اور باقیمت تقسیم کریں تو جب بھی قلم کے ذریعہ کسر صلیب کا کچھ رستہ تیار ہو

۴۔ معجزہ یا خرق عادت

جب تک تو مرزا صاحب اپنے نئے دعوی سے الگ رہے معجزے کے اسی طرح قائل رہے جس طرح جمہور اہل اسلام، جیسا کہ ان کی کتاب سرمہ چشم آریہ سے ظاہر ہے مگر جدید دعوی کے ساتھ ہی یک قلم معجزات کی تاویل میں سرسید احمد کے قریب قریب ہم خیال ہو گئے۔آسمان پر رفع جسمانی بالکل غیر ممکن ہے۔آنحضرت ﷺ کا معراج جسمانی نہ تھا۔مردہ ہرگز زندہ نہیں ہوسکتا ۔قرآن میں جس نبی کو مار کر اللہ تعالی نے زندہ کیا وہ خواب کی کیفیت ہے۔ملائکہ کا وجود ہرگز زمین پر نہیں آسکتا (گو قرآن سے ملائکہ کا، حضرت مریم، حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور صحیح حدیث سے حضرت جبریل کا آنحضرت ﷺ کے پاس بصورت انسان انسان اظہر من الشمس ہے) حضرت مسیح کے معجزات ناچیز حقیر مسمریزم اور عمل الترب کے شعبدے ہیں۔

میرے ایک سوال کے جواب میں مولوی حکیم نورالدین اخبار الحکم میں فرماتے ہیں کہ پرندوں کی مورت بنا کر زندہ کرنے والا معجزہ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کرتے تھے از روئے شریعت اسلام اب مکروہ اور حرام ہے اور اسی واسطے مرزا صاحب ایسے معجزات کو ناچیز اور قابل نفرت خیال کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے کوڑھیوں کو تندرست اور اموات کو حضرت عیسیٰ جو زندہ کر تے تھے اس کے مکروہ اور حقیر ہونے کا کچھ جواب نہیں دیا۔

سبحان اللہ! مولوی صاحب، مرزا صاحب کے پاسِ شریعت کے تو اس قدر مداح ہوں مگر مرزا صاحب کی تصویر اور اس کی فروخت کا اشتہار اخبار الحکم میں برملا اس پاسِ شریعت کی دھجیاں اڑائے۔ آپ اللہ تعالیٰ تو قرآن میں یہ فرمائے کہ مسیح اللہ کے حکم سے اموات کو زندہ کرتے تھے، کوہڑیوں اور نابیناؤں کو تندرست کرتے تھے، اور ان کو یہ نشانات الٰہی عطا ہوئے تھے، مگر مرزا صاحب کی رائے میں ایسے اولوالعزم نبی کے ہاتھ سے ان نشانات کا ظاہر ہونا، مداری کے تماشے کی کیفیت سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔

(حکیم صاحب) یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس مسیح کو اسرائیلی مسیح پر ایک جزئی فضیلت حاصل ہے کیونکہ اس کی دعوت عام ہے اور اسکی خاص تھی اور اس کو طفیلی طور پر تمام مخالف فرقوں کے اوہام دور کرنے کے واسطے ضروری طور پر وہ حکمت و معرفت سکھائی گئی جو ابن مریم کو نہیں سکھائی تھی۔

اگر یہ عاجز اس عمل (معجزات مسیح) کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی تھی کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا۔ یہ مودبانہ کلمات تو مرزا صاحب کے ایک اولوالعزم نبی حضرت عیسیٰؑ کی نسبت ہیں۔ اب آنحضرت ﷺ خاتم نبوت کی نسبت جو حسن ظنی کے الفاظ وہ استعمال کرتے ہیں ان کا بھی ملاحظہ ہو (اگر آنحضرت ﷺ پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونے کے ہو بہو منکشف نہ ہوئی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں) سبحان اللہ! آنحضرت ﷺ پر حقیقت دجال وغیرہ کی عدم اظہار کو ممکنات سے تصور کر کے اپنے لئے اس حقیقت کے انکشاف کی قابلیت ظاہر فرمائی۔ جس شخص پر قرآن نازل ہوا اور جسکے واسطے (الم نشرح لک صدرک) کی خوش خبری سنائی گئی۔ جس کو معراج میں قدرت کے غیبی نشانات مشاہدہ کرا کر عین الیقین کا مرتبہ بخشا گیا اس کی ذات کی نسبت مرزا صاحب کا حسن ظن اس طرح کا ہے، حالانکہ ان کی محبت کا سب سے بڑھ کر دم بھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایسے عقیدہ سے نجات بخشے۔

۵۔اباحت صلوۃ و درود

جس قدر مرزا صاحب کے اور خیالات اور تاویلات پر حیرت آتی ہے اباحت صلوۃ اور درود کے بارہ میں وہ کچھ کم نہیں۔اب تیرہ سو برس سے اس قدر علماء و مجددو امام اسلام گزر چکے ہیں مگر تحریر اور ذکر میں کسی نے بھی صلوۃ کو بجز تبعیت رسول اللہ ﷺ کسی پر الگ استعمال نہیں مگر اس طریق پر کہ پہلے آنحضرت ﷺ پر صلوۃ بھیج کر بعد ان کی آل اور اصحاب و مومنین صالحین پر اس کلمہ کا استعمال کیا ہے جیسا کہ دلائل الخیرات سے ثابت ہوتا ہے۔مگر یہ کلمہ اکیلا آل آنخضرت ﷺ پر نہ اصحاب اور مومنین پر سلف سے خلف تک مستعمل ہوتا دیکھا گیا ہے۔مرزا صاحب (ھو الّذی یصلّی علیکم) والی آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ کلمہ اکیلا مومنین پر بھی جائز ہوسکتا ہے۔اب غور کا مقام ہے کہ یہ خاص مژدہ اللہ تعالی کا ہے جس کو بحیثیت رحمان ہونے کے اپنے بندوں کی تسلی کے واسطے فرماتا ہے اگر اس سے ہر ایک مسلمان فرداً فرداً ایک دوسرے پر اس کلمے کا جواز سمجھتا تو کیا تیرہ سو برس سے اس قسم کا استدلال مخفی رہ سکتا تھا اور کیا اس قدر عرصہ سے اسلامی دنیا میں ایک بھی اس علمیت کا پیدا نہ ہوسکا جو آیت مذکورہ سے اس کی اباحت پر استدلال کر کے بلا اول آنخضرت ﷺ پر درود بھیجنے کے دوسروں کے حق میں اکیلا اس کلمے کو استعمال کرنا روا رکھ سکتا۔ حقیقت میں اس کلمہ کے کہنے کا مجاز وہی ہوسکتا ہے جو از روئے رحمانیت یا تو اسکا خود لائق ہے یا جو از روئے اقتدار مطلق جس کے واسطے اور جس طریق پر چاہیے تجویز کرے اور کرادے۔اللہ تعالی کو کون منع کرسکتا ہے کہ وہ جس پر چاہے درود نہ بھیجے اور بھجوائے مگر بندوں میں وہ کون ایسا دلیر ہے جو بلا اجازت اس صلوۃ خداوندی کو جہاں چاہے تجویز پڑا کرے۔اللہ تعالی کی طرف سے یہ کلمہ اس کی رحمت کی خوش خبری کا ہے اور بندوں کی طرف سے یہ کلمہ دعا کا ہے مگر بر محل مذکور۔علیحدہ مومنین کو آپس میں دعا و عافیت کے اظہار کے وعاسطے اور کلمات کے استعمال کی اجازت ہے اب جب امت میں صحابہ تک کو بھی اس کلمے کا الگ استحقاق حاصل نہ ہوا اور کسی نے اس کو استعمال بھی نہ کیا تو دوسرے کے واسطے اکیلا اس کا مدعی بننا اسلامی عصمت پر حملہ کرنا ہے۔

۶۔اباحت تصویر

جہاں تک اسلام کی گہری نگاہ خلق اللہ کی بھلائی میں پہنچی ہے اور جہاں تک اسلام نے اپنے پیرؤوں کی بت پرستی سے بچنے کا انتظام کیا ہے اور جہاں تک گزشتہ ازمنہ میں دیگر قوموں کے خدا پرستی کے بعد بت پرستی میں پڑنے کی اسلام کو سوجھی ہے اس کی نظیر کہیں بھی ڈھونڈنا بے فائدہ ہے۔حضرت عمرؓ نے شجر بیعت رضوان کو صرف اس خاطر اکھڑوا دیا تھا کہ لوگ اس جگہ کی عزت کرنے کے واسطے وہاں جمع ہو کر جلسہ کرنے لگ پڑے تھے۔شارع مقدس ﷺ نے قبر تک کا بوسہ لینے کو خواہ وہ کیسی ہی متبرک اور ولی کی کیوں نہ ہو اور کسی سے اپنی تعظیم کھڑے ہو کر کروانا ناجائز قرار دے دیا۔ جاندار کی تصویر کا بنانا یا گھر میں رکھنا مطلق منع کر دیا۔مگر وہ سر کٹی یا دھڑ کٹی ہو یا جہاں پاؤں کے نیچے یا فرش یا پائدان پر پڑی جاوے تو بکراہت اس کی اجازت دے دی۔اب اس کے بعد کسی عذر یا بہانہ سے جاندار کی تصویر کی اباحت کو قائم کرنا اس اسلام کی نقد صداقت پر حملہ اور دلیری کرنا ہے جو تیرہ سو برس سے برابر محفوظ ہے۔اس کی اباحت کے واسطے سلف سے انبیاء کے افعال اور شریعت کا حوالہ دینا گویا اس اسلامی شریعت پر جو کل سابقہ شریعتوں کی ناسخ ہے صریح ظلم کرنا ہے اور اپنے سادہ لوح مریدوں کو رومن کیتھولک کے منہاج کے واسطے تیار کرنا ہے۔

اس مسئلہ میں مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے محض نیک نیتی سے اپنی تصویر بنوائی ہے تاکہ اہل یورپ قیافہ سے میرے صادق یا کاذب ہونے کو پرکھیں۔سبحان اللہ! معارف دانی ہو تو ایسی ہو کہ نیک نیتی کے ساتھ ممنوع یا غیر مشروع فعل کے ارتکاب کو جائز قرار دیا جاوے۔کیا چوری اس نیت سے جائز ہو سکتی ہے کہ اس روپیہ سے مسجد بنوائی جاوے۔اسلام کی ممنوع چیزیں نیک نیتی کے لحاظ سے ہرگز جائز نہیں ہو سکتیں۔حرام میں اللہ تعالی نے کوئی برکت نہیں رکھی۔ میرے ایک واقف نمازی مسلمان عہدہ دار کے پاس اپنے مرشد کی تصویر تھی وہ صبح کو بلا اس کے دیکھنے اور سلام کرنے کے کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتے تھے جب ان سے کبھی اس بات کا ذکر ہوتا کہ اسلام میں یہ کام جائز نہیں تو اکثر یوں کہہ دیا کرتے تھے کہ تصوف کے گہرے اسرار کو تم کیا جانو۔ بعد وفات مرزا صاحب ان کے مرید اپنے مرشد کی تصویر دیکھنا ہی بس غنیمت سمجھیں گے۔میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کے مرید اپنے مرشد کے فوٹو کو اب بھی شاید کس نگاہ سے دیکھتے ہوں گے۔اسلام نے پیر پرستی، قبر پرستی، بت پرستی تینوں کو اپنے دائرہ سے ایسا خارج کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے

ابلیس کو اپنی حضوری سے۔ اب دیکھئے اگر اسلام کے اقوال میں کچھ بھی صداقت ہے تو یہ اباحت مرزا صاحب کے گروہ کو کیا تماشا دکھاتی ہے۔ معمولی لوگوں کی تصاویر جن سے ہم کو اس قدر گہرا تعلق نہیں ہوتا جیسی ڈکشنریوں میں ہوتی ہیں جن کو ہم چنداں وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے اس قدر بت پرستی کی طرف ہم کو دھکیل کر لے جانے کی قابلیت نہیں رکھتیں جس قدر کہ پیشوائے دین کی تصویر میں خطرہ اور احتمال ہے۔ مولوی نور الدین میرے ایک سوال کے جواب میں اخبار الحکم میں فرماتے ہیں کہ فوٹو کی جاندار تصویر کا کیا مضائقہ ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر عکسی تصویر حرام ہے تو کیا آپ نے آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔ اب مسلمان بھائی ایمان اور علم کی بصیرت سے انصاف کریں کہ مولوی صاحب کے اس جواب سے کہاں تک اطمینان ہوسکتا ہے۔ فوٹو کی تصویر آئینہ کے عکس سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتی۔ فوٹو سے عکس مستقل طور پر کاغذ پر جم جاتا ہے اور بعد ازاں ہاتھ سے مصالحوں کے ذریعہ اس کی کمی پوری کی جاتی ہے حالانکہ آئینہ کے عکس میں یہ دونوں مفقود ہیں۔ سبحان اللہ! مرزا صاحب کے فیض صحبت کے اثر سے ان کے خاص الخاص مرید معارف اور اسرار دین کے موتیوں کی لڑیوں کو کس طرح پروتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی فیض سے قادیان میں رنگین ہونے کے واسطے مدعو کیا جاتا ہے۔

۷۔ الہام

تبلیغ رسالت کے واسطے جو الہام نبی یا رسول کو ہوتا ہے صرف وہی مامون و مصئون ہے باقی الہاموں میں غلطی کا احتمال ہے جیسا کہ خود مرزا صاحب قائل ہیں کہ الہام میں غلطی ممکن ہے اب جب کہ حق سے باطل شامل ہوگیا تو ایسا الہام پایہ اعتبار سے ساقط ہوگیا۔ خاتم رسالت نے تبلیغی الہام کا دروازہ بالکل بند کر دیا ہے اور اس دین کو اماموں اور مجددوں کے الہام سے مستغنی کر دیا ہے صادق الہام پرکھنے کے لئے کتاب اللہ اور سنت کی کسوٹی موجود ہے۔ اور اس مسئلہ میں سلف اور خلف کا اجماع ہے جناب پیر پیراں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ و قاضی ثناء اللہ صاحب و ابوسلیمان دارانی یہی فرماتے ہیں کہ الہام اور کشف پر عمل کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ کتاب و سنت اجماع اور قیاس صحیح کے مخالف نہ ہو۔ حضرت عمر فاروقؓ جیسے صحابی نے جن کی رائے کے مطابق بعض آیات قرآن کا نزول مانا گیا ہے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اور صدیقؓ کے زمانے میں اور اپنی خلافت کے زمانے میں اپنی کئی غلطیوں سے رجوع کیا حالانکہ وہ حضرت خاتم النبوۃ ﷺ کی طرف سے

محدث کا لقب پا چکے تھے۔ کئی مسائل میں اوروں سے مشورہ کرتے اور دوسرے بھی ان سے بحث کرتے۔ اوران کا یہ کہنا کہ اگر حضرت علیؓ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا، صاف ثابت کرتا ہے کہ جب ایسے جلیل القدر صحابی اور محدث کا یہ حال ہے تو دوسرا کون شخص ایسا دلیر ہے جو یہ کہے کہ میرا الہام غلطی سے مبرا ہے اور اگر میری نہیں مانو گے تو خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ٹھہرو گے اور تم سے ایمان سلب ہو جائے گا۔ غلطی آمیز الہام پڑے ہوا کریں اسلام کا کیا حرج ہے۔

مرزا فرماتے ہیں کہ اگر میں خدا تعالی سے الہام پانے کا جھوٹا دعوی کرتا ہوں تو ہلاک کیوں نہیں ہو جاتا جیسا کہ اللہ قرآن میں فرماتا ہے (لو تقوّل علینا۔۔ الآیہ) جناب من! جس جھوٹے الہام پر اللہ تعالی ہلاک کرنے کا وعید فرماتا ہے وہ الہام نبوت و تبلیغ فی الرسالت ہے اس کا دروازہ مدت سے مسدود ہو چکا ہے اور ہندوستان تو آج کل الہام کا مدعی ہونے کیلئے سب سے بہتر جگہ ہے۔ کوئی کچھ پڑا بنے، مزے کیا کرے۔ مرزا صاحب کا الہام پہلے تو کسی سے نہیں ڈرتا تھا مگر اب بے چارہ حکام مجازی کے قانونی شرائط کے ماتحت چلنے کی چال سیکھ گیا ہے اور طرفہ یہ کہ پھر بھی مرزا صاحب یہی فرماتے جاتے ہیں کہ میں تم میں حاکم عادل ہو کر مبعوث ہوا ہوں۔ ایسے الہام کا کس کو حسد ہے۔ جب مکھی پر بھی اللہ تعالی الہام کر سکتا ہے تو مرزا صاحب تو آخر اہل قبلہ ہیں ان پر الہام ہونے میں کیا تعجب ہے۔ حق اور باطل کو تمیز کرنے والا آخری دن بھی ضرور آئے گا۔ اس وقت سب حالات روشن ہو جائیں گے۔

۸۔ گرو نانک کا مسلمان ہونا

مرزا صاحب اپنی کتاب ست بچن پوتھی میں بیان کرتے ہیں کہ نانک صاحب کے بہت شلوک قرآن کے مطابق ہیں جن کا ماخذ کوئی ہندو کتاب نہیں ہو سکتی۔ ایک مسلمان ولی کے مزار کے پاس چلہ بھی کیا۔ چولا صاحب پر بھی قرآنی آیات لکھی ہیں۔ ان قرائن سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ ضرور مسلمان تھے۔ اب یہ واقعہ مسلّمہ ہے کہ ان کی وفات پر مسلمانوں نے کہا کہ یہ مسلمان ہے اور ہندوؤں نے اصرار کیا کہ یہ ہندو ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ اس امر کی تائید کرتا ہے کہ مسلمان بے نماز، زانی، شرابی، قمار باز بھی فوت ہو جائے تو اہل اسلام اس کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتے بلکہ مسلمان کی طرح اس کا جنازہ پڑھتے ہیں، مگر اہل ہنود جب دیکھ لیں کہ ایک شخص مسلمانوں کی طرح مسجد میں نمازیں پڑھتا ہے اور قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو ایسے شخص کا ہندو ہونا

ہرگز نہیں مانتے اور نہ ہی اس کے ہندو ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک ہی واقعہ ایسا زبردست ثبوت اپنے پاس رکھتا تھا کہ اس کے بالمقابل مرزا صاحب یا بعض انگریزوں کی رائے، کہ گورو نانک مسلمان تھا، کچھ وزن نہیں رکھتی۔

آپ یہ صرف یہ ثابت کردیں کہ جب سے ہندوستان میں اسلام نے اپنا ظہور کیا اور ہزاروں ہندو غریب بھی اور امیر بھی اور کم علم بھی اور صاحب علم بھی اسلام میں بخوشی داخل ہوئے ہیں مگر کبھی کسی کی وفات پر ہندوؤں نے یہ بھی جھگڑا کیا ہے کہ یہ متوفی ہندو تھا اور ہم اس کو دفن نہیں ہونے دیں گے بلکہ ہندو رسم کے موافق اس کو آگ سے جلائیں گے، نیز یہ بھی تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ہندو لوگ ایک معمولی کلمہ گو مسلمان کو بھی ہندو کہنا اپنے دھرم کی ہتک سمجھتے ہیں۔ پس ایسے شخص کے واسطے جو بقول مرزا صاحب ہندو مذہب سے بالکل بے زار ہو کر ظاہر و باطن میں ایک سچا مسلمان ہو کر با کرامت ولی کے مرتبہ تک پہونچ گیا تا اہل ہنود نے اسکی وفات پر کیا بلا وجہ ہی شور مچا دیا تھا کہ باوا نانک ہندو تھا اور ہم اس کو آگ میں جلائیں گے۔ اگر نانک صاحب نے کسی مسلمان ولی کے مزار کے پاس چلہ کیا تو کیا قباحت ہے، ہندو فقیروں میں بھی کئی قسم کے چلے ہوا کرتے ہیں۔ وہ محض خدا پرست موحد تھے اور صوفی منش مسلمانوں میں بے روک ٹوک بیٹھتے اور باتیں سنتے اور سناتے تھے جیسا کہ اب بھی اور ہمیشہ سے اس مشرب کے لوگوں کا وتیرہ ہے۔ چولا صاحب بھی کسی صوفی نے ان کو بطور تحفہ دے دیا ہوگا چونکہ ظاہری کل مذاہب سے نانک صاحب کی نگاہ اٹھ گئی تھی اس عطیہ کو بڑی خوشی سے قبول کیا اور اپنے پاس رکھا۔ ہندوستان میں اکثر مسلمان صوفی صاحب تصنیف گذرے ہیں اور ان کی تصنیف میں جا بجا ہزاروں اسلامی طرز کے الفاظ بھرے پڑے ہیں جو دوسرے کو صاف بتلا دیتے ہیں کہ اس کتاب کا مصنف بے شک مسلمان ہے مگر برائے خدا یہ تو بتلا دیں کہ نانک صاحب کے اشلوکوں میں اسلامی الفاظ سے کہاں تک کام لیا گیا ہے۔ اگر وہ کہیں ہیں بھی تو ضرورۃً جیسے بلھے شاہ صاحب کی کافیوں اور سی حرفیوں میں اہل ہنود کی طرز کے بعض الفاظ مندرج ہیں۔ جو شخص ظاہر و باطن میں مسلمان ہو گیا اس کے تمام اقوال اہل ہنود کی طرز سے رنگین ہوا کرتے ہیں قرآن سے ان کے بعض اقوال کا مطابق ہونا ان کو مسلمان نہیں بنا سکتا۔ صوفیوں کی مجلس میں اکثر اقوال انہوں نے سنے اور ان میں توحید اور تصوف کی بو پائی۔ پس اپنی بولی میں بھی اسی طرح کہہ دیئے۔ صوفی منش شخص کے واسطے ایسا کر دینا موجب عار و شرم نہیں ہوا کرتا۔ دارا شکوہ صاحب نے بھی بعض ہندو تصوف کی کتابوں کا فارسی میں اسی شوق کی بنا پر ترجمہ کیا

تلسی داس، بھگت کبیر وغیرہ کے شلوکوں میں بھی توحید اور تصوف کی بو آتی ہے۔ مگر ان کا طرز بیان ہندو مذاق کے الفاظ میں ہے۔ ایسے لوگ ہر ایک مذہب کے بزرگوں کا ادب کرتے ہیں اور کئی باتیں سیکھنے کے لائق ان سے سیکھتے بھی ہیں۔ میں نے بچشم خود بہت سے ایسے ہندو دیکھے ہیں جو بہ سبب ایک مسلمان پیر کے مرید ہونے کے اپنے پیر بھائیوں سے کھا پی بھی لیتے ہیں۔ اکثر ہندو پیر کی گیارھویں بھی دیتے ہیں بعض قرآن کی بعض سورتوں کے عامل بھی ہیں۔ پنجاب میں سمشی زرگر مشہور ہیں وہ آمدنی کا برابر دسواں حصہ اپنے پیر کو دیتے ہیں اور اکثر ان میں قریب قریب شیعوں کے عقیدہ رکھتے ہیں۔ محرم کے دن ماتم میں بھی شامل ہوتے ہیں اور کھانا اور شربت تقسیم کرتے ہیں مگر باوجود ان امور کے بھی یہ لوگ ہندو کہلاتے ہیں اور ہندوؤں کی طرح آگ سے جلائے جاتے ہیں اور نہ کبھی کوئی ہندو یہ کہتا ہے کہ فلاں متوفی مسلمان تھا اس کو مت جلاؤ اور نہ کبھی کوئی ہندو یہ کہتا ہے کہ یہ ہندو تھا اسکو مت دفن کرو کیونکہ ہر ایک شخص کے متعلق جو بدیہات اور واقعات ہوتے ہیں وہ بلا تنازع اپنے غلبہ کی وجہ سے جزوی دلائل پر حکم ناطق رکھتے ہیں۔ پس کچھ تعجب نہیں کہ نانک صاحب نے بھی بوجہ صحبت صوفیہ اسلام بعض اسلامی عقائد کو قبول کر لیا ہو کیونکہ ہر ایک انسان کی فطرت میں توحید کی سرشت موجود ہے گورونانک صاحب کی قبر کا ثبوت ندارد، ہندوؤں کے سامنے مسجدوں میں ایک مسلمان کی طرح نمازیں پڑھنا اور قرآن کی تلاوت کرنا پایہ ثبوت سے ساقط۔ ہندو بیوی، ہندو اولاد سے تعلق کی عدم تردید بھائی بالا ہندو جاٹ کا ان کا حضوری کا چیلا اور ان کی لائف کا مؤلف ہونا۔ ان کا گرنتھ ہندوؤں سے جابجا پڑھا جانا۔ سکھوں کی دس گدیوں یعنی سلسلہ مرشد کا گرونانک صاحب سے شروع ہونا۔ ان کل معاملات میں محض اہل ہنود کا ہی انٹرسٹ لینا اور اہل اسلام کا ان سے ہر امر میں قطع تعلق کرنا یہاں تک کہ اور مسلمان صوفیہ اور اولیاء کے ساتھ اپنی کتب میں ان کے تذکرہ سے بھی پرہیز کرنا حالانکہ بقول مرزا صاحب نانک صاحب ایک مسلمان باکرامت ولی تھے، پچاس مسلمانوں کا بھی ان کا الگ مرید یا نام لیوا نہ ہونا۔ ان کے شلوکوں کا خالص صوفی مسلمان کی کتاب کی طرح اسلامی الفاظ کی رنگت سے مبرا ہونا۔ قرآن کی تعریف اور خوبی میں جو کتاب اسلام کا اعلیٰ سرمایہ نجات و ایمان ہے نانک صاحب کے چار شلوک تک بھی موجود نہ ہونا۔ ان کا مرتے دم تک رباب اور سرندی کے ذریعہ سے بھجن اور شلوک سننا، انکی وفات پر مسلمانوں اور ہندوؤں کا آپس میں مذہب کی بابت تنازع پیدا ہونا یہ کل ایسے بدیہی واقعات ہیں کہ گورونانک صاحب کے خالص اسلام کو محل شبہ میں ڈالتے ہیں اور ان کا ظاہر و باطن میں صادق

مسلمان ہونا ثابت نہیں ہونے دیتے۔ مگر تعجب ہے کہ باوجود ان کل بدیہات کے بھی مرزا صاحب ان کے مذہب کی ڈگری مسلمانوں کو ہی دیئے جاتے ہیں۔ ہاں البتہ نانک صاحب ایک موحد خدا پرست صوفی منش اسلام اور ہندو دونوں مذاہب کی ظاہری قیود سے آزاد شخص ضرور ثابت ہوتے ہیں اور مرزا صاحب کا استدلال ان کے خالص اسلام پر بالمقابل مذکورہ بدیہات اور واقعات کے محض ظنی ہے اور ظن صداقت کے مرتبہ تک نہیں پہونچ سکتا۔

۹۔ صراط مستقیم

اگر سوائے مرزا صاحب کے منہاج کے سب کے منہاج غلط ہیں تو تیرہ سو برس سے جس قدر مسلمان اور برگزیدگان اسلام مرزا صاحب کے عقیدے کے برخلاف اس جہان سے کوچ کر گئے ہیں ان کی نجات کے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا وہ صراط مستقیم جو قرآن اور رسول کی معرفت ہم کو پہونچا ہے اور جس کے پابند ہمارے بھائی سلف میں عرصہ تیرہ سو برس سے رہ چکے ہیں ہماری نجات کا ذمہ اٹھانے سے عاجز اور قاصر ہے۔ بالخصوص جب ہم اپنی بدکرداریوں سے تائب ہو کر کسی نیک بندہ کی بیعت میں بھی داخل ہو جائیں۔ آپ براہ مہربانی اپنے اس نئے منہاج کے بغیر ایک مسلمان کے بشرائط مذکورہ نجات سے محروم رہنے کی دھمکی اور مسئلہ کی صداقت کو بوضاحت ثابت کر دیں اور یہ بھی واضح کر دیں کہ سلف میں مرزا صاحب کے عقیدہ کے برخلاف کوئی بھی اہل نجات، ملہم، مستجاب الدعوات اسلامی دنیا میں گزرا ہے یا نہیں۔ اس امر کی بھی تشریح مطلوب ہے کہ آیا اسلام کو سوائے مرزا صاحب کے تیرہ سو برس سے کسی اور مسلمان نے بھی اس طرح سمجھا ہے، یا نہیں، جس طرح کہ اللہ تعالی اور شارع کا مدعا اور منشاء تھا جب تک آپ ان امور کے ثبوت قاطع اور مدلل نہیں دیں گے تب تک تو آپ کے نئے خیالات کا منہاج قابل توجہ نہ ہوگا اور جو کچھ آپ اس منہاج کی خاص فضیلت کو مانے ہوئے ہیں وہ سلف کے دیگر متعدد مہدیوں اور میسحوں سے زیادہ حقیقت اور وقعت نہیں رکھ سکتی۔

۱۰۔ قطعی فیصلہ

سلف کے بعض صوفیہ کرام نے بھی بوقت استغراق اور محویت انا الحق اور انا اللّٰہ

کے کلمات بولے مگر ان کلمات کے کہنے سے وہ ہرگز حقیقی خدا نہیں بن سکتے۔ مگر باوجود اس امر کے بھی صوفیہ کرام نے ان کو مومنین کے گروہ میں داخل رکھا ہے۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی انا المسیح و انا المھدی کہتے ہیں تو بخدا لایزال ہم بھی ان کو بالکل معذور رکھتے ہیں۔

(مولوی عبدالکریم صاحب!) راقم مراسلہ کی یہ گزشتہ تحریر بھی کسی ضد اور بحث کی خاطر نہیں لکھی گئی بلکہ صادق طلب کی عین حالت کا تقاضا ہے اور اگر آپ سچے طالب کے دستگیر ہیں اور واقعی اسلامی خیر خواہی اپنے اندر رکھتے ہیں تو ایک بھائی کی طرح تسلی بخش جواب عنایت فرماویں نہ کہ جیسا آپ کی جماعت کا دستور ہے ملامت اور طنز آمیز کلمات سے کام لیں۔ مگر قبل ازیں کہ آپ جواب مخلصانہ کے واسطے قلم اٹھائیں، یہ بھی مودبانہ گذارش ہے کہ بلاتعصب حق کے صادق طالب کی طرح غایت المرام کے ہر دو حصص (مصنفہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری) اور کتاب الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان (شیخ احمد مالک مطبع احمدی لاہور سے) منگوا کر بخوبی ملاحظہ فرمالیویں تاکہ شاید آپ کو تدبر اور تفکر میں حقیقت کی طرف رہنمائی ہو اور یا آپ کو یا بندہ خاکسار کو اپنے موجودہ عقیدہ سے توبہ نصیب ہو۔

الراقم۔ خاکسار شیخ غلام حیدر ہیڈ ماسٹر اینگلو ورنیکولر بورڈ سکول چکوال ضلع جہلم

رپورٹ مردم شماری ۱۹۰۱ء پر قادیانی اعتراض

قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ میں یہ ذکر ہوا تھا کہ مرزا قادیانی کا بنیادی کام خاکروبوں کی اصلاح تھا، اور جب یہ رپورٹ سامنے آئی تو مرزا صاحب نے اس پر شدید احتجاج کیا تھا۔ اب ہمیں اس درخواست کی نقل دست یاب ہوگئی ہے جو اس سلسلے میں حکومت پنجاب کو لکھی گئی تھی۔ ملاحظہ فرمائیں:

The Punjab Census Report contains a very serious error with regard to the antecedents of the leader and guide of the Ahmadia sect, for the removal of which the Promised Messiah has called the attention of the Government in a petition, dated the 27th January, which runs as follows:-

1. That in the Punjab Census Report, Part 1 (Census of India 1901, Volume XVII) Chapter III, paragraph 39, page 143, it is said of me that I began my work "as a Moulvi with a special mission to the sweepers."

2. That this statement is altogether false and groundless, and most injurious and harmful to my honor and reputation.

3. That the man who claimed a special mission to the sweepers is quite a different man, Imam-ud-Din by name, whose principles are altogether opposed to Islam and hated by me as well as all true Muhammadans as detestable doctrines, and that he has been my bitterest opponent for over thity years, and that it is most unjust and unfair to attribute his principles to me notwithstanding that I hate them.

4. That the sweeper-class is specially associated with crimes and to represent me as connected

with that class when there is not the slightest foundation for such a charge is to represent me as being in a state generally considered disgraceful. The sweepers in this country are looked upon as the most degenerate class of people, and the statement made in the Census Report is calculated to do the greatest harm to my reputation and to hurt the feelings not only of myself but also of thousands of the most loyal respectable subjects of the Government who follow me as their guide and leader in all religious and spiritual matters.

5. That my principles and doctrines which I have beed preaching since the very beginning are morally so sublime and spiritually so exalted that they are not suited to, and accepted by, even Muhammadans of a low type and morals, to say nothing of the sweepers, and that they are accepted only by intelligent and noble-minded men who lead pure and angelic lives, and that my followers actually include in their number Raises, Jagirdars, respectable Government Officials, Merchants, Pleaders, Learned Maulvis and highly educated young men.

6. That a similar statement regarding me had been made in the Gurdaspur Gazetteer and that attention of the Government being called to it, the Government was kind enough to reply in its letter No 93, dated 16th March 1901 (just at the time when the Census Operation were over) Home Dept., Sub-Head petition, File No nil, that the passage shall be excised from the Gazetteer at the time of revision and that the Deputy Commissioner Gurdaspur had been instructed accordingly.

7 . That the statement has now been inserted in a volume where it will do the greatest harm to my reputation and honor if allowed to remain uncontradicted, as the Census Report shall be taken as a reliable authority throughout the world.

8. That the statement has even now been published in the Civil & Military Gazette upon the authority of the Census Report, in the issue of 23rd January 1903, under the heading of the Punjab Census Report-11, and that similar statements will no doubt appear in all the papers if the statement is not contradicted immediately, and thus I shall be misrepresented and associated with

a very low class of society which I have not, nor ever had, the least connection.

9. That I belong to a family of Chiefs which the Government has always honored on account of the valuable service which it has been doing to the cause of the Government and that such a misrepresntation regarding me is calculated to cast a slur and a discredit on the honor and reputation of this noble family.

10. That the Government can assertain the absulute falsity and groundlessness of this statement so far as I am concerned through District Officers.

The closing words of the report with regard to the Ahmadia sect are:

" The sect however emphatically repudiates the doctrine that the Mahdi of Islam will be a warrior and relies on the Sahih Bokhari, the most authentic of the traditions, which says " he shall wage no wars but discontinue war for the sake of religion.". In his voluminous writings the Mirza has combated the doctrine of Jehad, and the sect is thus opposed to the extreme section of the Ahl-i-Hadis." (Review of Religions. pp 83.84)

مباحثہ مدّ

۱۹۰۲ء میں مدّ نامی گاؤں میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کا قادیانیوں سے ایک مباحثہ ہوا تھا جس کی روداد ہم کتاب ہذا کے حصہ دوم میں بیان کر چکے ہیں۔ جب قادیانی مناظرین مباحثے کے بعد قادیان پہنچے تو انہوں نے مباحثے کی روداد مرزا صاحب کے سامنے بیان کی۔ مرزا صاحب نے یہ روداد کئی روز تک قسطوں میں سنی اور اپنے مناظرین کو بتایا کہ انہوں نے کہاں کہاں غلطی کی ہے، اور انہیں دراصل کیا کرنا اور کیا کہنا چاہیے تھا۔ مرزا صاحب کے یہ نصائح بدر قادیان میں شائع ہوئے جہاں سے ہم مختصراً نقل کرتے ہیں۔

یکم نومبر (۱۹۰۲ء)... سید سرور شاہ اور عبداللہ کشمیری جو کہ موضع مد میں تبلیغ اور مباحثہ کے لئے تشریف لے گئے تھے بخیر و عافیت واپس آئے اور حضرت اقدس (مرزا) کی نیاز حاصل کی اور وہاں کے جلسہ مباحثہ کی مختصر تفصیل سنانے لگے۔ حضرت اقدس نے اختصار کے ساتھ ان تمام باتوں کا اعادہ کیا جو کہ آپ نے (گزشتہ) سیر میں فرمائی تھیں کہ مباحثہ میں ہماری جماعت کو کیا پہلو اختیار کرنا چاہیے پھر تمام کیفیت سننے کیلئے شام کا وقت مقرر ہوا....

بعد ادائے نماز مغرب حضرت اقدس نے جلوس فرماتے ہی حکم صادر فرمایا کہ مباحثہ موضع مد کی کاروائی سنائی جائے چنانچہ عبداللہ کشمیری صاحب اٹھ کر سنانے لگے۔ سب سے اول مرزا کو اس امر پر گراں افسوس ہوا کہ فریقین نے صرف بیس بیس منٹ اپنے اپنے دعاوی کے متعلق دلائل لکھنے کے لئے قبول کئے۔ مرزا نے فرمایا کہ ایسی صورت میں ہرگز مباحثہ قبول نہیں کرنا چاہیے تھا یہ تو ایک قسم کا خون کرنا ہے۔ جب ہم مدعی ہیں تو ہمیں اپنے دلائل کے واسطے تفصیل کی ضرورت ہے جو کہ وقت چاہتی ہے۔۔حضرت نے اس بات کو بالکل ناپسند فرمایا کہ وقت میں کیوں تنگی اختیار کی گئی۔

پھر عبداللہ کشمیری نے وہ تمام تحریریں پڑھ کر سنائیں۔ ہماری جماعت کی طرف سے مذکورہ بالا دو اصحاب تھے اور فریق مخالف کی طرف سے مولوی ثناء اللہ صاحب تھے۔ مباحثہ اس

طریق سے ہوا تھا کہ مصدق فریق نے وفات مسیح، نزول مسیح اور مرزا کے مسیح موعود ہونے کے دلائل اپنے ذمہ لئے تھے اور مکذب فریق نے اس کی تکذیب کے دلائل اپنے ذمہ لئے تھے۔ ہر ایک فریق ہر ایک امر پر بیس بیس منٹ تک لکھتا تھا اور سنا دیتا تھا۔ پھر ایک دوسرے کا دونوں جواب الجواب لکھتے تھے۔ بہر حال فریق مکذب نے اس مباحثہ میں قرآن کی طرف مطلق رجوع نہ کیا اور مصدق فریق نے جو جو معیار صداقت قرآن کریم پیش کئے تھے ان کا ان سے کوئی جواب بن نہ آیا۔ چنانچہ پریذیڈنٹ جلسہ نے اٹھ کر علانیہ بیان دیا کہ فلما توفیتنی کا جواب مولوی ثناء اللہ سے کوئی بن نہیں آیا۔ اس کی روئداد سننے پر حضرت پھر انہیں امور کا بار بار اعادہ فرماتے رہے جو کہ سیر میں مناظرہ اور مباحثہ کے متعلق فرماتے تھے تا کہ سامعین کے ذہن نشین وہ باتیں ہو جائیں۔ پھر اس کے بعد نماز عشاء ادا کر کے حضرت تشریف لے گئے۔

۲ نومبر (۱۹۰۲ء) سیر کے بعد پھر اس مناظرہ پر حضور نے گفتگو شروع کی ..آپ نے فرمایا کہ آج کل ان مولویوں کا دستور ہے ہے کہ چالیس پچاس جھوٹ ایک دفعہ ہی بیان کر دیتے ہیں اب ان سب کا فیصلہ تین چار منٹ میں دوسرا فریق کس طرح کرے ..ایسے وقت میں یہ طریق اختیار کرنا چاہیے کہ ایک اعتراض چن لیویں اور اول اس پر فیصلہ کر کے پھر آگے چلے اور دوسرا لیوے۔ اول قواعد مقرر کئے جائیں یہ امر بھی دیکھا جائے کہ منہاج نبوت کو مانتا ہے کہ نہیں۔ اس نے بار بار آتھم کی پیش گوئی کا تکرار کیا کہ وہ پوری نہ ہوئی اگر منہاج نبوت کا فیصلہ اول کر لیا جاتا تو اس طرح کا دھوکہ کب دے سکتا تھا۔ یونس نبی کی پیش گوئی موجود تھی اس میں کوئی شرط بھی نہ تھی۔ درمنثور میں بھی حدیث ہے کہ یونس نے کہا لن ارجع کذاباً یعنی میں جھوٹا کہلا کر واپس نہ جاؤنگا۔ دیکھو اس میں کوئی شرط نہ تھی وعید میں خدا کو حق لازم نہیں آتا کہ ضرور عذاب نازل کرے ....منہاج نبوت کو دیکھا جائے تو صریح نظر آتا ہے کہ انبیاؤں سے اجتہادوں میں غلطیاں ہوتی ہیں ....پیغمبر خدا نے حدیبیہ کا سفر کیا تو حضرت عمر کو ابتلاء آیا خود آنخضرت ﷺ کا اجتہاد اس طرف دلالت کرتا تھا کہ ہم فتح کر لیں گے مگر وہ اجتہاد صحیح نہ نکلا۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ نے سمجھا تھا کہ ہجرت یمامہ کی طرف ہو گی مگر یہ بات درست نہ نکلی کیونکہ یہ آپ کا اجتہاد تھا، خدا پر یہ امر لازم نہ تھا کہ ہر ایک باریک امر آپ کو بتلا دیوے۔ پس بحث مباحثہ میں اول مخالف سے منہاج نبوت قبول کروا کر اس کے دستخط کروا لینے چاہییں۔ پھر آتھم والی پیش گوئی کی تفصیل کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں تو یہ

لکھا ہوا ہے بشرطیکہ اس کی طرف رجوع نہ کرے۔ یہ تو نہیں لکھا کہ بشرطیکہ مسلمان ہو جاوے۔...عوا م الناس سے ہمیشہ موٹی موٹی باتیں کرنی چاہییں۔ خدا تعالی نے جو معجزت نبوت کی جز ور کھے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام فائدہ اٹھاویں کیونکہ خواص کے لئے معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی ان کے لئے تو حقائق و معارف ہی کافی ہیں۔...

نماز مغرب کے بعد ..مباحثہ مدہ کے حسن و قبح پر تذکرہ کیا کہ یہ لوگ عوام کو بھڑ کانے کے واسطے عجیب عجیب حیلہ گھڑتے ہیں اور حق رسی سے ان کو کوئی کام نہیں ہوتا۔ ..(اڈیٹر کا کہنا ہے کہ). ہمیشہ مباحثہ میں اس امر کا خیال رکھیں کہ لوگوں کے فہم کے مطابق باتیں کریں جو لوگ باریک بین اور نکتہ رس نہیں ہوتے ان کے رو بر باریک در باریک حقائق اور معارف بیان کرنے گویا دیدہ دانستہ مخالف کو ڈگری دینی ہوتی ہے۔

۳ نومبر (۱۹۰۲ء) صبح سیر میں ...آپ (مرزا) نے تذکرہ فرمایا کہ مباحثات میں ہمیشہ یہ امر مدنظر رکھنا چاہیے کہ فریق مخالف اپنی روباہ بازی سے سامعین کو دھوکہ نہ دے جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سامعین کے باطل عقائد کے مطابق یہ لوگ ہماری طرف سے ایسی باتیں انکو سناتے ہیں جن سے وہ لوگ معاً بھڑک جاویں اور برانگیخت ہو جاویں۔ ایسی صورت میں پھر خواہ ان کے آگے کچھ ہی کہو وہ لوگ ایک نہیں سنتے۔ ....ان ہمارے مخالفوں کو غلطیاں نکالنے کا کوئی حق نہیں پہونچتا جب تک وہ اپنا منصب عربی دانی کا ثابت نہ کریں تب تک ان کو غلطی نکالنے کا حق نہیں ہے۔ اعترا ض کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اول زبان پر پورا احاطہ ہو اگر ان لوگوں کو عربی کا علم ہے تو ہم جو دس سال سے رسالہ لکھ لکھ کر مقابلہ پر بلا رہے ہیں انہوں نے آج تک دس سطریں ہی دکھائی ہوتیں ور نہ جہالت سے تکذیب کرنے سے کیا بنتا ہے۔ یہ خدا کی قدرت ہے کہ یہ لوگ بالمقابل لکھ نہیں سکتے ورنہ املاء کیا مشکل امر ہے مگر ہمارے مقابلہ میں خدا نے ان کی زبانوں کو بند کر دیا ہے۔...

ظہر کے بعد تھوڑی دیر مجلس کی مدّ کے مباحثہ کا ذکر ہوتا رہا کہ درحقیقت تو ہم نے فتح پالی ہے صرف اتنی بات ہے کہ وہ دیہات کے لوگ تھے ان کو باریک باتوں کی سمجھ نہیں آئی مجھے خوشبو آتی ہے کہ آخر کار فتح ہماری ہے۔ دسمبر (۱۹۰۲ء) کے آخر تک جو نشان ظاہر ہونے والے ہیں شاید یہ بھی ان میں سے ایک عظیم الشان نشان ہو جاوے یہ اللہ تعالی کی عادت ہے جیسے فرمایا و العاقبة للمتّقین آنحضرت ﷺ کو بھی ۱۳ برس تک مکروہات ہی پہونچتے رہے۔...

عصر کے بعد بھی حضرت اقدس تشریف لا کر پھر مباحثہ کے متعلق ذکر کرتے رہے۔ ...
مغرب وعشاء کے بعد پھر مرزا، مدّہ کے مباحثہ کا ذکر کرتے رہے۔.. پھر فرمایا کہ اس دن ہم نے مناسب سمجھا تھا کہ یہ مباحثہ کی کاروائی الحکم وغیرہ میں نہ چھپے مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا...

۵ نومبر (۱۹۰۲ء)... محمد یوسف اپیل نویس نے بیان کیا کہ حضور موضع مده کے مباحثہ میں ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا تھا کہ مرزا صاحب تمہاری آنکھ کیوں نہیں اچھی کر دیتے۔ مرزا نے فرمایا کہ آنخضرت ﷺ کے پاس ایک اندھا تھا جیسے کہ لکھا ہے عبس و تولی ان جاء ہ الاعمی، وہ کیوں نہ اچھا ہوا حالانکہ آپ تو افضل الرسل تھے۔ اور بھی اندھے تھے۔ (مثیل مسیح ہونے کا دعوی مرزا کا تھا، آنخضرت ﷺ کا نہیں۔ اور پھر ایسے معجزے کی آنخضرت ﷺ سے درخواست ہی نہیں کی گئی تھی۔ درخواست ہوتی تو شائداللہ تعالی اپنے حبیب کے ہاتھ سے یہ معجزہ صادر کروا دیتا۔ بہاء) ...
مباحثہ کے ذکر پر فرمایا کہ شریر آدمیوں کا کام ہے کہ آنکھ کان ناک اور ٹانگ وغیرہ کاٹ کر پھر کلام کو ایک مسخ شدہ صورت میں پیش کرتے ہیں یہ مباحثہ بھی ہمارے لئے ایک فتح حدیبیہ کی صلح کی طرح کسی فتح کی بنیاد نظر آتا ہے۔ (بدر ۱۳ شعبان ۱۳۲۰ھ۔ ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء)

اوپر کی روداد مرزائی روایات سے مرزائی اخبار سے نقل ہوئی ہے اور اس میں صاف نظر آرہا ہے کہ قادیانیوں کو شکست ہوئی ہے اور مرزا صاحب اپنے مناظرین کو بتا رہے ہیں کہ انہیں شکست کیوں ہوئی ہے۔ اور انہیں بعد وقوعہ تنبیہ کر رہے کہ تم یوں نہ کرتے، بلکہ یوں کرتے۔ یہ بات نہ کرتے، بلکہ یہ بات کہتے۔ فلاں بات کو یوں نہ کہتے بلکہ یوں کہتے۔ اور (اس شکست پر) گھبراؤ نہیں آخری فتح ہماری ہی ہے۔

شحنہ ہند قادیانیوں کی نظر میں

شحنہ ہند میرٹھ میں ردقادیانیت پر اہل علم کی نگارشات شائع ہوتی رہتی تھیں، اور اس کا حلقہ اشاعت کافی وسیع تھا۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین بڑے جاندار اور مؤثر ہوتے تھے اور قادیانیوں کیلئے پریشانی کا موجب۔ بدر میں مرزا صاحب کی ایک مجلس کی روداد میں لکھا ہے:

خواجہ کمال الدین صاحب بی اے پلیڈر پشاور سے کوہاٹ ہوتے ہوئے تشریف لائے اور نماز مغرب سے پیشتر مسجد میں حضرت اقدس (مرزا) سے نیاز حاصل کی۔ خواجہ صاحب نے پشاور اور کوہاٹ کا ذکر سنایا کہ وہاں پر اکثر اشتہارات جو کہ ضمیمہ شحنہ ہند میرٹھ میں حضور کی مخالفت میں شائع ہوتے ہیں اس نظر سے پڑھے جاتے ہیں کہ گویا وہ حضور کے اشتہارات ہیں۔ اسی مغالطہ سے سرحد کے لوگوں کے دلوں میں آپ کی طرف سے یہ خیالات ذہن نشین ہیں کہ نعوذ باللہ جناب نے روزے اپنے خدام کو معاف کر دیئے ہیں اور نبی کریم کی ہتک کی ہے۔ اور کہتا ہے کہ وہ ایک جھوٹا نبی تھا میں اس سے افضل ہوں۔

یہ اشتہارات اس وضع اور عنوان سے لکھے ہوئے ہیں کہ عوام الناس کو دھوکہ لگتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ کشتی نوح وہاں کثرت سے تقسیم کر دی جائے یہی کافی ہے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ ایک ذی وجاہت شخص کو میں نے دیکھا ہے کہ اس نے اسے پڑھ کر کہا کہ کتاب تو عمدہ ہے اگر آخر میں مکان کے چندہ کا ذکر نہ ہوتا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ کیا تم سے بھی مرزا نے مانگا ہے یا تم نے دیا ہے۔ مرزا صاحب نے تو ان لوگوں کو مخاطب کیا ہے جو ان سے تعلق ابنیت کا رکھتے ہیں۔ باپ اپنے بیٹوں سے دو ہزار اس لئے طلب کرے کہ اسے ایک مکان بنانا ہے تو کیا یہ فعل اس کا قابل اعتراض ہوگا۔ اسپر وہ خاموش ہوگیا۔ پھر میں نے کہا کہ ہاں انجمن حمایت اسلام کا حق نہیں ہے کہ وہ اس طرح طلب کرے کیونکہ اس کا تعلق اپنے ممبروں سے وہ نہیں ہے جو کہ مرزا صاحب کا اپنے خدام سے ہے۔ (اور یہی خواجہ کمال الدین ہیں جنہیں مرزا صاحب کے چندہ مانگنے پر قادیانی جماعت سے اختلافات ہوئے تھے اور خود مرزا صاحب کے سامنے بھی انہوں نے اختلاف کا اظہار کیا تھا بلکہ بقول مرزا محمود، مرزا صاحب کی زندگی کے آخری روز موت سے چند گھنٹے پہلے انہوں نے مرزا

کے سامنے مالی معاملات میں بے ضابطگی ہی کا اعتراض کیا تھا جس پر مرزا لال پیلے ہوکر لاہور میں اپنے زنان خانہ میں جا گھسے تھے۔ بہاء)۔ (بدر قادیان ۳۰ شعبان ۱۳۲۰ھ۔ بدر قادیان ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

☆ ۱۳ نومبر ۱۹۰۲ء۔ پھر وہابیوں کا ذکر چل پڑا۔ اڈیٹر الحکم نے بتایا کہ شحنہ ہند نے وہابی لفظ پر محمد حسین بٹالوی کے برخلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ مرزا نے ان وہابیوں نے اخلاق و آداب رسول پر ایک ذکر اپنا سنایا کہ ایک دفعہ جب آپ امرتسر میں تھے تو غزنوی گروہ کے چند مولویوں نے آپ کو چائے دی۔ چونکہ حضرت اقدس کے داہنے ہاتھ میں بچپن سے ضرب آئی ہوئی ہے اور ہڈی کو صدمہ پہنچا ہوا ہے، آپ نے بائیں ہاتھ سے پیالی لی تو اس پر غزنوی صاحبان نے فوراً بلا وجہ دریافت کئے کہنا شروع کیا کہ خلاف سنت ہے۔ آپ نے ان کو سمجھایا کہ آداب اور روحانیت بھی سنت ہے۔ پھر ان کو اصل وجہ بتلا دی گئی۔ ..فرمایا میرا دل ان لوگوں (وہابیوں) سے کبھی راضی نہیں ہوا اور مجھے یہ خواہش کبھی نہیں ہوتی کہ مجھے وہابی کہا جاوے اور میرا نام کسی کتاب میں وہابی نہ نکلے گا میں ان کی مجلسوں میں بیٹھتا رہا ہوں ہمیشہ لفاظی کی بو آتی رہی ہے یہی معلوم ہوا کہ ان میں نرا چھلکا ہے مغز بالکل نہیں ہے۔ محمد حسین نے خود حدیث کی نسبت اپنے اشاعۃ السنہ میں یہ بات لکھی ہے کہ ایک صاحب الہام یا اہل کشف صحیح حدیث کو ضعیف یا ضعیف کو صحیح قرار دے سکتا ہے کیونکہ وہ کشفی حالت میں آنحضرت ﷺ سے اس کی تصحیح کرا لیتا ہے۔ تاہم میں نے یہ التزام رکھا ہے کہ میں اپنے کشوف والہامات پر تحمل نہیں کرتا جب تک کہ قرآن اور سنت اور صحیح حدیث اس کے ساتھ نہ ہو۔ محمد حسین سے پوچھا جاوے کہ جب عبداللہ غزنوی احادیث میں اس طرح دخل دے سکتے تھے تو پھر حکم نے کیا گناہ کیا ہے کہ اسے ہر ایک رطب و یابس ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے (عبداللہ غزنوی کو تو دوسروں کے علاوہ خود تم بھی ولی اللہ اور صاحب الہام مانتے ہو، لیکن تمہیں مرزائیوں کے سوا اور کون ملہم اور حکم مانتا ہے کہ تمہیں محمد حسین کی اس بات سے کوئی فائدہ پہنچ سکے؟ بہاء) شحنہ ہند نے جو مخالفت محمد حسین کی ہے اس پر فرمایا کہ جو لوگ نفسانی اغراض کے پرستار ہوتے ہیں ان میں دوستی نہیں ہوتی۔ اگر ہو تو جلد جاتی رہتی ہے۔ خدا کے واسطے دوستی ہو، تو وہ ذات پاک قدوس ہے وہی دلوں میں پاکیزگی بھرتا ہے اور سینوں کو کدورتوں سے صاف کرتا ہے (پھر لاہوری، قادیانیوں کے کیوں مخالف ہوئے؟ بہا)۔ (بدر، قادیان۔ ۲۰ شعبان ۱۳۲۰ھ)

فاضل امروہی کے کلام میں تناقض

مولانا احمد حسن شوکت لکھتے ہیں:

مولوی محمد احسن امروہی صاحب کا رقیمۃ الوداد ۲۴۔ اگست ۱۹۰۳ء کے الحکم میں چھپا ہے جو کسی سائل کے خط کے جواب میں ہے جس نے چند سوالات کئے تھے۔ اپنے موعود کے دعووں کے ثبوت میں آپ فرماتے ہیں:

> اگر یہ پیشگوئیاں مخبر صادق ﷺ کی جس کا مصداق یہ مسیح موعود ہے نہ بھی ہوں تب بھی یہ مجدد اسلام اپنی ذات میں ایک ایسا مجمع نشانوں الہی کا ہے جس کی تصدیق کے لئے قرآن و حدیث ہم کو مجبور کر رہے ہیں۔

مولانا احمد حسن فرماتے ہیں: اول تو لفظ اگر سے جو حرف شرط اور تشکیک پیدا کرنے والا ہے، یہ نکلتا ہے کہ مسیح موعو کی نسبت آنخضرت ﷺ کی پیش گوئیاں قطعی اور یقینی نہیں ہیں۔ اس صورت میں موعود موعود نہ رہا، حالانکہ وہ حدیثوں ہی کو اپنے دعوی کے ثبوت میں پیش کرتا ہے مثلاً انّ اللّٰہ یبعث لھذہ الامّۃ علی رأس کلّ مأۃ من یّجدد لھا دینھا۔ اگرچہ یہ اس پر منطبق نہ ہو کیونکہ اس صورت میں آنخضرت ﷺ کی وفات سے لے کر اب تک ۱۳ مجدد ہونے چاہییں جنھوں نے نبی، مہدی مسعود، مسیح موعود، امام الزمان، خاتم الخلفاء ہونے کا دعوی کیا ہو کیونکہ آپ کے نزدیک مجدد تو وہی ہے جو مذکورہ بالا صفات کا مجموعہ ہو۔ اور اگر آپ تاویل سے ثابت کریں کہ ۱۲ مجدد تو اس شان کے نہ تھے بلکہ مرزا جی سے گھٹیل تھے۔ اول تو حدیث میں نہیں لکھا کہ وہ مجددین مراتب میں ناقص اور یہ کامل ہونگے، یعنی ۱۲ مجدد تو ناقص اور تیرھواں مجدد سب سے اکمل اور خاتم الخلفاء ہوگا۔ اور اس صورت میں خود ۱۲ مجددوں ہی کی نفی ہوتی ہے کیونکہ ناقص فی الکمال یا فی الدین ہرگز مجدد نہیں ہوسکتا۔ پھر خدا کو کیا ضرورت تھی کہ اپنے کامل دین کے لئے ناقص مجدد بھیجتا، سب کو کامل ہی بنا کر کیوں نہ بھیجا۔ اور اگر مولوی محمد احسن یہ کہیں کہ سب کامل تھے اور قیامت تک کامل ہی مجدد پیدا ہوں گے تو مرزا جی کی کوئی خصوصیت نہ رہی اور دعوی خاتمیت خلفاء بھی باطل ہو

گیا کیونکہ آپ آگے چل کرفرماتے ہیں کہ حدیث: من یجدد لھا دینھا کا وہی مجدد ہوگا خواہ خلیفہ اول صدیق اکبر ہوں یا مسیح موعود خاتم الخلفاء ومہدی مسعود ہو، لیکن صدیق اکبر تو خاتم الخلفاء نہ تھے، ورنہ مرزاجی خاتم الخلفاء ہرگز نہ ہوتے۔ اور اگر یہ کہو کہ مرزاجی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے افضل ہیں کیونکہ وہ خلیفہ اول تھے اور مرزاجی خلیفہ آخر اور خاتم الخلفاء ہیں تو اب قیامت تک کسی اور مجدد کی بعثت نہ ہونی چاہیے جو حدیث مذکور کے منطوق واجب الوثوق کے بالکل خلاف ہے کیونکہ حدیث میں علی رأس کلّ مأۃ وارد ہے یعنی ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد ہوگا۔ یہ نہیں لکھا کہ چودھویں صدی کے شروع میں جو مجدد پیدا ہوگا وہ خاتم المجددین ہوگا۔

آگے چل کر آپ (محمد احسن) دفع دخل کے لئے فرماتے ہیں:

ہاں یہ مجددین سب کے سب یکساں اور متساوی فی الدرجہ نہیں ہیں بلکہ بحکم تلک الرّسل فضّلنا بعضھم علی بعض۔ امت محمدیہ میں بھی یہ حکم فضیلت جاری ونافذ ہے۔

یہاں رسولوں کی فضیلت کا ذکر ہے نہ کہ مجددوں کی فضیلت کا تاکہ حدیث مذکور سے مطابقت ہو۔ اگر آپ وہی گنجی اور لنگڑی تاویل کریں کہ تمام مجدد رسول ہیں تو یہ آیت خاتم النبیین کا انکار ہے گو آپ کو اس کی کچھ پرواہ نہ ہو اور دائرہ اسلام سے خارج ہونا پڑے۔ اگر مجدد سے مراد نبی ہوتی تو یہ حدیث اس طرح وارد ہوتی:

انّ اللّٰہ یبعث لھذہ الامّۃ علی رأس کلّ مأۃ نبیّاً یجدد لھا دینھا

آپ کا یہ فرمانا کہ سب مجدد یکساں اور متساوی فی الدرجہ نہیں اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ مرزاجی سب سے افضل ہیں اور رسولوں سے بھی افضل ہیں کیونکہ آیت تلک الرّسل فضّلنا .... کا پیش کرنا اسی غرض سے ہے۔ اس سے آپ کا اور تمام مرزائیوں کا عقیدہ اچھی طرح کھل گیا خواہ آپ اپنے عقیدہ پر کیسا ہی پردہ ڈالیں۔ (شحنہ ہند ضمیمہ ۱۶ ستمبر ۱۹۰۳ء ص ۲۔۳)

لم یبق من النّبوّۃ الّا المبشّرات

مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی لکھتے ہیں:

محمد احسن امروہی نے الحکم (قادیان) میں شائع ہونے والے اپنے ایک طویل مضمون میں آیات و احادیث ختم رسالت کی تاویل کر کے مرزا جی کی نبوت ثابت کی ہے۔ اور ضدین اور نقیضین کو جمع کر کے دیا ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ خاتم النبیین بھی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد دیگر انبیاء بھی آتے رہیں گے۔ یعنی آپ خاتم النبیین ہیں بھی اور نہیں بھی۔ آپ نے تکملہ مجمع البحار سے حضرت عائشہؓ کا قول اور مذہب یوں نقل کیا ہے۔ عن عائشه قولوا انّه خاتم الانبياء و لا تقولوا لا نبىّ بعده۔ (یعنی یہ تو کہو کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں مگر یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)۔ اگر یہ قول بالفرض حضرت عائشہ کا ہے تو آنحضرت ﷺ کی ان احادیث کا معارض نہیں ہوسکتا جو صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی فضیلت کے باب میں آپ ﷺ نے فرمائی ہیں کہ میرے بعد نبی ہوتے تو فلاں فلاں ہوتے۔ امروہی صاحب فرمائیں کیا حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث آنحضرت ﷺ کے چند ارشادات کی ناسخ ہے؟

آنحضرت ﷺ نے حضرت امیر المؤمنین علیؓ کی نسبت فرمایا انت منّى بمنزلة هارون من مّوسى الّا انّه لا نبىّ بعدى (یعنی تجھ کو مجھ سے ایسی نسبت ہے جیسے ہارون کو موسیٰ سے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں)۔ لا نبىّ میں نکرہ تحت النفی ایسا ہی ہے جیسا لا اله میں یعنی بجز خدا تعالیٰ کے کوئی سچا یا جھوٹا معبود موجود نہیں۔

خلفاء اور صحابہ میں سے تو کبھی کسی نے اپنی نبوت کا دعویٰ نہ کیا۔ نہ ایسی تاویلیں چھانٹیں جیسے مرزا اور ان کے حواری چھانٹتے ہیں۔ (شحنہ ہند ضمیمہ ۱۷ دسمبر ۱۹۰۳ء ص ۷۔۸)

معلوم نہیں امروہی صاحب کیوں تاویل کا لٹھ لے کر اپنے بروزی نبی کی نبوت کے پیچھے پڑے ہیں کیونکہ آیات کلام مجید جو مکرر اب (مرزا پر) بطور وحی نازل ہوتی ہیں مثلاً

هو الّذى ارسل رسوله بالهدى۔ اور ياتى من بعدى اسمه احمد،

ان سے مرزا جی کے نبی کامل اور رسول برحق ہونے میں امروہی صاحب کو کیوں شک ہے؟ کیا وجہ ہے کہ وہ قرآن کو چھوڑ کر حدیثوں کو ٹٹولتے ہیں اور ان کی تاویل کرتے ہیں کہ مبشرات سے نبوۃ نکال کر مرزا کی نبوت نکالنے کیلئے گدی کے پیچھے ہاتھ لے جا کر ناک پکڑتے ہیں۔

قرآن تو قطعی اور یقینی وحی ہے۔ جب وحی پر ایمان نہیں تو اپنے بروزی نبی (مرزا) کی نبوت پر ہی ایمان نہیں۔ پس امروہی صاحب آپ اپنی تکفیر کرتے ہیں۔

وہ کیوں شور مچاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نبی کامل تھے اور ہمارا بروزی نبی ناقص ہے، ناقص ہے ناقص ہے، جب کہ نبی کیلئے ایک ہی قرآنی وحی موجود ہے۔ بھلا خدا تعالیٰ جس کی شان میں یہ قطعی وحی نازل کرے کہ ھو الّذی ارسل رسوله بالھدی، تو وہ کیونکر نبی ناقص ہوسکتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایک ہی وحی پیغمبر عرب وعجم ﷺ کو تو کامل نبی بنائے اور وہی وحی جب کسی اور پر نازل ہو تو اسے ناقص نبی بنائے۔ کیا قرآنی وحی کی دو قسمیں ہیں، ایک ناقص دوسری کامل۔

پھر وہی ایک آیت جب آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی تھی تو کامل تھی اور مرزا جی پر نازل ہوئی تو ناقص ہوگئی۔ اس حماقت آمیز تعارض کا کون جواب دہ ہے۔ اگر امروہی یا انکا کوئی پیر بھائی بلکہ خود مرزا جی اس اعتراض کا جواب دیں تو ہم دوسو روپیہ دینے کو تیار ہیں۔

بحث اس میں تھی کہ امروہی صاحب نے حدیث مندرجہ عنوان پیش کر کے مبشرات سے نبوت تراشی ہے اور استثناء متصل و منقطع پر بحث کی ہے حالانکہ آپ دونوں سے نابلد ہیں جیسا کہ ہم ثابت کر دیں گے۔ استثناء متصل تو اس لئے نہیں کہ نبوت اور شئی ہے اور مبشرات اور شئی۔ ورنہ استثناء الشّئی عن نفسه لازم آئے گا یعنی یہ معنی ہونگے کہ لم یبق من النّبوّۃ الّا النّبوّۃ، حالانکہ امروہی صاحب نے استثناء متصل ہی بنایا ہے۔ اور منقطع مانا جائے گا تو امروہی کو اپنے ہاتھوں اپنا تھوکا چاٹنا پڑے گا کیونکہ مبشرات نبوت کی جنس نہ ٹھہرے گی۔ بھلا جب ہم یہ فقرہ موزوں کریں کہ لم یبق من النّاس فی القادیان الّا الحمر، تو کیا یہ معنی ہوں گے کہ آدمیوں میں سے قادیان میں کوئی باقی نہ رہا مگر گدھے رہ گئے، یا یہ معنی ہونگے کہ نہ قادیان میں آدمی رہے نہ گدھے۔ دونوں معنی میں سے کوئی معنی قبول کر کے اطلاع دیجئے تا کہ ہم بحث کریں کہ یہاں استثناء متصل ہے یا منقطع۔

اگر امروہی نے کتاب شرح ملاں کسی استاد سے پڑھی ہوتی تو ضرور سمجھ جاتے کہ لا الٰه الّا اللّٰه میں نہ استثناء متصل ہے نہ منقطع، بلکہ الا صفت کا بمعنی غیر ہے۔ یہی ترکیب حدیث بالا کی

ہے۔یعنی نبوت میں سے کوئی شئی جوان احکام کے سوا ہو جن میں مومنوں کو جنت الخلد اور عیش دوام کی بشارتیں دی گئیں باقی نہیں رہی ۔ یہ معنی اس صورت میں ہونگے جبکہ مبشرات اسم مفعول جمع مؤنث سالم ہو، اور اگر اسم فاعل مراد لیا جائے گا تو یہ معنی ہونگے کہ نبوت میں سے کوئی شئے بجز قرآن وحدیث کے احکام ونصوص کے باقی نہیں رہی جو اعمال صالحہ پر مومنین متقین کو نعیم جنت کی بشارت دینے والے ہیں۔کس کا رؤیا صالحہ اور کہاں کی پیش گوئیاں اور الہامات جن کی آڑ میں ہر ایک مکار معلن یا غیر معلن فاجر و فاسق کہہ سکتا ہے کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ مجھے حمل ہے اور اس حمل سے ہاتھی کا پاٹھا لمبی سونڈ نکالے پیدا ہوا اور منفذ ومبرز حمل ویسا ہی تنگ اور غیر وسیع ہے جیسا پہلے تھا۔اور ایک سادھو بچہ پیشینگوئی کرسکتا ہے کہ مجھ پر فلاں شخص کے مرنے کا الہام ہوا ہے۔ یا جب ملک میں وبا پھیلے تو وہ یاد دلائے کہ مجھ پر تو پہلے ہی انکشاف ہو چکا ہے کہ جو لوگ مجھے نہ مانیں گے ضرور وبا سے ہلاک ہوں گے۔

ہر ایک مومن کا اس امر پر یقین و اعتقاد ہے کہ قرآن وحدیث سے بڑھ کر کوئی بشارت دینے والا نہیں۔خواہ ولی ہو خواہ قطب ہو یا غوث ہو، جو مرزا جی کے نزدیک انبیاء ناقص میں داخل ہیں کیونکہ کامل نبوت ان کے نزدیک بھی ختم ہو چکی ہے۔

حدیث سے ختم نبوت کی جانب اشارہ ہے نہ کہ بقاء نبوت کی جانب ۔یعنی نبوت باقی نہیں رہی صرف آیات واحادیث باقی رہ گئیں جو مومنوں کو بشارت دینے والی ہیں۔

ذرا یہ بھی غور سے دیکھنا چاہیے کہ حدیث میں لفظ نبوت وارد ہوا ہے یعنی یوں نہیں فرمایا کہ لم یبق من الانبیاء الا المبشّرون ۔ لفظ انبیاء اور نبوت میں بہت فرق ہے۔نبوت کے لفظ سے مرزا جی کا تھم اکھڑتا ہے، ہاں نبوت وابوت کا منارہ ضرور نصب ہوتا ہے۔پھر اس حدیث میں المبشّرات صفت ہے جس کا موصوف مقدر ہے۔ ہم نے تو موصوف بیان کردیا یعنی آیات المبشرات یا الاحکام المبشرات ۔ ذرا امروہی صاحب بھی اپنے دعوی کے موافق موصوف بیان کریں خدا نے چاہا تو بھاگتے راہ نہ ملے گی۔

(شحنہ ہند ضمیمہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۳ء ص ۳ تا ۴)

اتّبعوا السّواد الاعظم

مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی لکھتے ہیں:

الحکم (قادیان) ۱۷۔۲۴ نومبر ۱۹۰۳ء میں ایک سوال و جواب متعلق حدیث مندرجہ عنوان نظر سے گزرا۔ سوال کا مطلب یہ ہے کہ جب مرزائی جماعت قلیل ہے تو کیوں اس کا اتباع کیا جائے؟ محمد احسن امروہی صاحب نے اس کا جو کچھ جواب دیا ہے اگر کوئی کچھ بھی عقل و شعور رکھتا ہے تو خوب ہنسے گا۔ امروہی صاحب بایں دعوی ہمہ دانی و شملہ بمقدار علم مقولہ کیف و کم کی ماہیت سے بھی ناواقف ہیں۔ حدیث میں اتّبعوا السّواد الاکثر وارد نہیں ہوا بلکہ اتّبعوا السّواد الاعظم وارد ہوا ہے۔ عظمت مقولہ کیف سے ہے اور کثرت مقولہ کم سے۔ پس امروہی صاحب کا آیات و قلیل مّا ھم، اور قلیل مّن عبادی الشّکور پیش کرنا صاف بتا رہا ہے کہ آپ قلت و کثرت کے تقابل سے بھی محض ناآشنا ہیں۔ یعنی قلت کی سند اس وقت صحیح ہوتی جب کہ حدیث مندرجہ بالا میں لفظ اکثر ہوتا جو کثرت سے مشتق ہے۔ پس جیسا سوال ویسا ہی جواب۔

السواد الاعظم سے مراد اعظم درجۃً عند اللّٰہ ہے جو کیفاً ہے نہ کہ کماً۔ اور وہ کون ہیں، صحابہ اور تابعین اور جمہور مجتہدین محدثین مفسرین متبعین کتاب وسنت۔ مگر امروہی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ جماعت مرزائیہ ہے جو متبع کتاب وسنت ہے۔ سبحان اللہ! کیا کہنا ہے۔ گویا تیرہ سو سال تک یہ حدیث معلق رہی اور یہ معنی ہوئے کہ تیرہ سو برس کے بعد جب موضع قادیان میں ایک مدعی نبوت پیدا ہو، تو اس کی امت کے سواد اعظم کا اتباع کرو۔ اور ۱۳ سو برس تک جتنے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور جمہور علماء اسلام گزرے، سب گمراہ اور من شذّ شذّ فی النّار میں داخل ہیں۔ الامان من ھذا البھتان۔

پھر آنحضرت ﷺ نے ایسا حکم دیا جس کی تعمیل تکلیف مالایطاق تھی۔ کیا معنی کہ حکم تو دیا آج اور تعمیل ۱۳ سو برس بعد۔ موجود اور معدوم سب اس حکم کی تعمیل سے آزاد اور کورے رہے۔

امروہی صاحب کا مطلب شاید یہ ہو کہ جس طرح صحابہ اور تابعین کتاب وسنت کے متبع

تھے مرزائی جماعت بھی ویسی ہی متبع ہے، تو ہم پوچھتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین میں سے کس نے تصویریں بنا کر فروخت کیں اور کرائیں، اور کس نے گھروں میں تصویریں رکھنے اور ان کی عظمت کرنے کی ہدایت کی۔ کس نے دعویٰ نبوت کیا اور کس نے تصویر کو ابلاغ و تبلیغ کا آلہ بنایا۔ حضرت عائشہؓ نے یہ تو فرما دیا لا تقولوا لا نبیّ بعده مگر ۱۳ سو برس تک ایک بھی نبی پیدا نہ ہوا۔ نہ صحابہ اور تابعین اور اولیاء اللہ میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا، پھر حضرت عائشہ کی حدیث نے کیا فائدہ دیا۔ اب فرمایئے اس صورت میں مرزائی جماعت کیونکر مثل صحابہ و تابعین متبع کتاب وسنت ہوئی۔ صحابہ و تابعین میں سے کس نے اپنے قصبہ کو مکہ اور مدینہ قرار دے کر حج کا فرض ساقط کرایا۔ کس نے پیش گوئیاں کیں، کس نے غیب دانی کا دعویٰ کیا۔ خود آنحضرت ﷺ نے بھی کبھی ایسا دعویٰ نہیں کیا کہ مجھ پر اس لئے ایمان لاؤ کہ میں غیب دان ہوں اور لوگوں کی موت کی پیش گوئی کرتا ہوں بلکہ غضبناک ہو کر خود ان کو مارتا اور جلاتا ہوں۔

فرمایئے آپ کی جماعت کیونکر متبع کتاب وسنت اور صحابہ اور تابعین کے سواد اعظم میں داخل ہوئی۔ خاتم النبیین کے یہ معنی کس نے کئے کہ نبوت کاملہ تو ختم ہوگئی مگر نبوت ناقصہ کا وجود تا قیامت باقی ہے اور مسلمان نبوت کاملہ کو چھوڑ کر نبوت ناقصہ پر ایمان لائیں۔ شرم نہیں آتی کہ اپنے کو ناقص اور اسفل بھی بتاتے ہیں اور مسلمانوں کو اس پر ایمان لانے کا جنرل آرڈر بھی سناتے ہیں۔

اتباع کتاب وسنت کے دعویٰ کی یوں درگت ہو رہی ہے کہ عیسیٰ کو قرآن کی رو سے مارا تو جاتا ہے مگر قرآن سے موعود مسیح کا آنا ثابت نہیں کیا جاتا۔ صحیح حدیثیں جو بروزی نبوت کے خلاف ہیں (آپ کے نزدیک) بالکل منسوخ ہیں اور کسی طرح قابل احتجاج نہیں۔ ضعیف بلکہ موضوع حدیثیں اور عمرو زید کے اقوال جو (آپ کے) بروزی مطلب کے موافق ہیں سب صحیح۔ اور آیات کلام الٰہی کی تاویل بلکہ ایک معنی سے تنسیخ۔ قرآن میں تو بت پرستی اور شرک کی ممانعت ہے، تصویر پرستی کی ممانعت کہاں ہے.. بات یہ ہے کہ جو آیتیں اور حدیثیں (آپ کے) مطلب کے موافق ہیں وہ واجب العمل اور باقی منسوخ۔

دجالون ثلاثون والی حدیث بھی غت ربود۔ ان کا کبھی ذکر نہیں اور کیوں ہو وہ مرزا جی کے ہم جنس بھی ہیں۔ ۳۰ دجالوں میں سے اب تک ایک بھی نہیں آیا اور مہدی اور مسیح آ کودے۔ دجال تو یہی انگریزی ریلیں ہیں جن کے فنا کرنے کو مرزا جی آئے ہیں۔ دجال تو قیامت تک نہ آئیں ہاں نبی آتے رہیں گے۔ حدیثوں کا یہی مطلب ہے اور اسی کا نام عمل بالسنہ ہے۔ مرزا جی

دجالوں (جھوٹے مسیحوں اورمہدیوں) کی تکذیب کریں تو خودبھی کاذب بن جائیں کیونکہ کوئی دلیل اس پر قائم نہیں کر سکتے کہ وہ بھی ان کی طرح جھوٹے نہیں۔ پس ان کا ذکر شربت کے گھونٹ کی طرح پی جاتے ہیں۔

مرزا جی گذشتہ دجالوں کو تو کیا جھوٹا کرینگے اپنے ہم عصروں اور ہم پیشوں، ہم کرتبوں، مسٹر پکٹ اور ڈاکٹر ڈوئی ہی کو جھوٹا ثابت کردیں۔

ابوبکر صدیقؓ، عمرؓ بن الخطاب، علی مرتضیٰؓ، ان میں سے کوئی نبی نہ ہو اور مرزا جی تیرہ سو برس کے بعد نبی بن کر خروج کریں۔ حضرت عائشہ چیخیں اور غل مچائیں مگر کوئی ان کا حکم نہ مانے اور نبوت کا خلعت نہ پہنے حالانکہ نبوت کسے بری لگے۔ اس میں دنیا کی بہاریں ہیں، مزے ہیں، روغن بادام اور زعفران میں دم کئے ہوئے پلاؤ سقنقوری اور جند بیدستری مقوی اور مبہی معجونیں ہیں، شہوات ولذات کے سمندر میں جہاز رانی ہے۔ بروزی نبی کے سوا یہ کسے نصیب اور کس کی ایسی قسمت؟ مگر بچہ جی دنیا میں تو جو چاہو کرلو، نبی بن جاؤ، امام الزمان بن جاؤ، کوہ الوند سے بھی بلند تر منارہ بنالو لیکن چند ہی روز میں دیکھنا کیا ہوتا ہے

پردہ داری میکند برقصر قیصر عنکبوت　　چغد نوبت میزند بر گنبد افراسیاب

(شحنہ ہند میرٹھ ضمیمہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۳ء ص ۱ تا ۳)

شھادۃ القرآن

باعلی النداء بانّ المسیح رفع حیّاً الی السّماءِ

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ کی رد قادیانیت میں مشہور کتاب شہادت القرآن کا پہلا حصہ رجب ۱۳۲۱ھ میں مرزا غلام احمد کی قادیانی کی زندگی میں طبع ہوا۔(دوسری مرتبہ صفر ۱۳۳۰ھ مطابق فروری ۱۹۱۲ء میں طبع ہوا اور تیسری مرتبہ ذی قعد ۱۳۴۶ھ مطابق مئی ۱۹۲۸ء میں۔ اور طبع سوم کے ایک نسخہ میں طبع چہارم کے لئے مصنف نے جگہ جگہ ضروری اضافے فرمائے اور اس تحریر پر ۲۸ جنوری ۱۹۵۰ء مطابق ۹ ربیع الآخر ۱۳۶۹ھ کی تاریخ درج فرمائی)۔ اور شہادۃ القرآن کا دوسرا حصہ (جس میں مرزا صاحب کے دلائل وفات مسیح کا جواب ہے)۔ مرزا صاحب کی زندگی میں رمضان ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوا (دوسری بار باہتمام مولانا ثناء اللہ ذی الحج ۱۳۴۰ھ مطابق اگست ۱۹۲۲ء میں طبع ہوا)۔مرزا صاحب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ، مطابق ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء بمقام لاہور فوت ہوئے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں شہادۃ القرآن کا جواب لکھنے کیلئے کئی سال کی مہلت ملی لیکن نہ تو جناب مرزا صاحب آنجہانی کو ہمت ہوئی اور نہ ان کی زندگی میں ان کی جماعت کے کسی واقعی عالم یا مدعی علم کو جرأت ہوئی۔

مولانا میرؒ بتاتے ہیں کہ مرزا صاحب کی وفات کے کئی ماہ ان کے ایک حواری مولوی ظہورالدین اکمل نے اس کے پہلے باب کا جواب بنام شہادت الفرقان چھپوایا۔لیکن حقیقت میں وہ شہادت القرآن کا جواب نہیں ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔اول یہ کہ مولوی اکمل شہادۃ القرآن کے مطالب عالیہ اور لطائف علمیہ کو سمجھ نہیں سکے۔ بلکہ جن امور کو بالتصریح بیان کیا گیا ہے ان کو بھی خیال میں نہیں رکھ سکے، بلکہ جو باتیں ان کی جماعت اور خود مرزا صاحب اس سے قبل مسئلہ حیات و مماۃ حضرت مسیح کے متعلق بیان کیا کرتے تھے، وہی دہرادی ہیں۔ حالانکہ شہادت القرآن میں ان عذرات کی تردید صراحۃً یا اشارۃً موجود ہے۔اسلئے جواب الجواب کیلئے شہادت القرآن سے باہر

نہیں جانا پڑا۔ اور موقع بموقع اکمل کا جواب خاص شہادت القرآن ہی کی تصریحات اور اشارات سے دیا ہے ۔(اس جواب کو میں نے باریک خط میں متن کے ساتھ حسب موقع نقل کر دیا ہے ۔ اور یہ بھی یادرہے کہ صفحہ ۴۴۹ تک تمام ضمنی عنوانات شہادۃ القرآن کے ہی ہیں اور ایک مقام پر بائیبل سے انگریزی عبارت میں نے نقل کی ہے: بہاء)

مقدمہ اولی در بیان امکان خرق عادت

خرق عادت (معجزہ وکرامت) کے متعلق مدت سے اختلاف چلا آتا ہے کہ آیا یہ ممکن ہے یا نہیں۔ ایک فریق تو یہ کہتا ہے کہ اس کارخانہ قدرت میں جو کچھ ہم روزمرہ دیکھ رہے ہیں اور اس کا جو نظام ہم سمجھ چکے ہیں ، اس کے خلاف کچھ بھی نہیں ہوتا اگر کوئی بات قرآن وصحیح حدیث میں اسکے برخلاف وارد ہو،تو اس کی تاویل کی جائے گی اور ظاہری معنی نہ لئے جائینگے ۔ انکے مقابلہ میں دوسرا فریق ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہم مقدورات باری کا احاطہ نہیں کر سکتے اور نہ قوانین قدرت پر ہمیں پوری اطلاع ہے، اور نہ ہوسکتی ہے ۔ نظام قدرت کے سمجھنے کا دعوی تو اس صورت میں کریں کہ اسکا اجراء ہمارے ہاتھ میں ہو۔ خلق الانسان ضعیفاً (نساء)(انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے) ہماری بنا ہےاور و لا یحیطون بشیء من علمه الّا بما شاء (بقرہ)(خدا کے علم میں کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر اسی قدر جتنا وہ چاہے) ہماری بساط ۔ جب قدسیان درگاہ سبحانک لا علم لنا الّا ما علّمتنا انّک انت العلیم الحکیم (بقرہ)(خداوند تو پاک ہے ہمیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھا دیا کچھ بھی معلوم نہیں، بے شک تو ہی علیم کل اور حکیم مطلق ہے) پکار اٹھے تو ہم کون ہیں کہ اسکی حکمتوں کے احاطہ کا دعوی کر سکیں؟ حافظ شیرازی اسی معنی میں فرماتے ہیں:

حدیث از مطرب و مئے گو درازِ دہر کمتر جو   کہ کس نکشود ونکشائد بحکمت ایں معمارا

مرزا صاحب قادیانی دعوائے مسیحیت سے پہلے تو اس دوسرے فریق کے ساتھ تھے جیسا کہ ان کی کتاب سرمہ چشم آریہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔لیکن جب مسیحیت کا دعوی کرنے کی سوجھی اور حضرت عیسی کی حیات ورفع سماوی رستے میں حائل نظر آئی تو پٹڑی ہموار کرنے کے لئے جھٹ پہلے فریق کے ساتھ ہو گئے

معشوق ما بمذہب ہر کس برابر است   با ما شراب خورد و بزاہد نماز کرد

چنانچہ مرزا صاحب اپنی بنیادی کتاب ازالہ اوہام (طبع اول، ص ۴۵) میں فرماتے ہیں :

ماسوااس کے اورکئی طریق سے ان پرانے خیالات پرسخت اعتراض عقل کے وارد ہوتے ہیں، ازانجملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ نیا اور پرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کومحال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس جسم خاکی کے ساتھ کرہ زمہریر تک بھی پہنچ سکے

حالانکہ مرزاصاحب دعوی مسیحیت سے پہلے سال ہا سال تک عیسیٰؑ کے نزول آسمانی کے برابر قائل رہے اوراپنی تصانیف میں جب کہ آپ کو الہام کا بھی دعوی تھا اس کی تصریح کرتے رہے چنانچہ براہین احمدیہ (حصہ۴ص ۴۹۸ حاشیہ) میں فرماتے ہیں:

اور جب حضرت عیسیٰؑ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا کو عیسیٰؑ کی رفع سماوی اور آمد ثانی قرآن وحدیث کی رو سے محال وغلط ثابت ثابت نہیں ہوئی بلکہ اپنے دعوی کی بنیاد رکھنے کے لئے زمین صاف کی ہے۔

اللہ نے انسان کی طبیعت میں ایک ایسا امر ودیعت کر رکھا ہے جو اسے ہرامر کی لم (کیوں) اور کیف (کس طرح) کی نسبت سوال کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ سوال دوطرح پر ہوتا ہے:

اول استفساراً، جس کو دوسرے لفظوں میں اطمینان قلب کے لئے کہنا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے احیائے موتی کی کیفیت کی نسبت یہ سوال کیا تھا:

ربّ ارنی کیف تحی الموتی ۔ قال اولم تؤمن ؟ قال بلی و لکن لّیطمئنّ قلبی (بقرہ) (خداوند! مجھے دکھا کہ توکس طرح مردوں کو جلا کھڑا کرتا ہے۔ خداتعالی نے فرمایا، تواس پر ایمان نہیں رکھتا؟ (ابراہیمؑ نے) کہا کیوں نہیں، لیکن اس لئے دریافت کرتا ہوں کہ میری دل کو (عینی شہادت سے) اطمینان ہو جائے)

اسی لئے امام بخاریؒ نے اس آیت کو اپنی صحیح میں ایمان کے کم وزیادہ ہونے کی دلیل میں پیش کیا ہے۔

دوم اس طرح کہ جس امر کی بابت سوال ہے اس کی نسبت دل غبار شبہات سے مکدر ہے جیسا کہ منکرین حشر اجساد قیامت کی نسبت استبعادی سوال کرتے ہیں:

قال من یحی العظام و ھی رمیم ۔ (یس۔۷۸) یعنی وہ کافر انسان کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو ان کے بوسیدہ ہونے پر کون زندہ کرے گا۔

چونکہ معجزہ اور کرامت کی نسبت ایک زمانہ وساوس میں قصور علم وفتور ایمان کے سبب مبتلا

ہو رہا ہے، کوئی تو پہلی صورت میں زیادتِ علم اور جوابِ منکرین کے لئے تحقیقات میں لگا ہے اور کوئی دوسری صورت میں شبہات میں پھنس کر انکار پر مصر ہے۔ کوتاہ اندیش انسان خدا کی قدرت کے ناپیدا کنار سمندر کو چلّوؤں سے ماپنا چاہتا ہے۔ اور ایاز قدر خود بشناس کی نصیحت کو سامنے نہیں رکھتا اس لئے خاکسار نے مناسب جانا کہ بقدر اس وسعت و ہمت کے جو مجھے خداوند تعالیٰ نے عطا کی ہے جہالت و غلط فہمی کے پردے کو اٹھا کر کشف حقیقت کر دوں۔ و ما توفیقی الا باللّٰہ

سو معلوم ہو کہ فلاسفہ کی طرف سے جو اعتراض تمام مادی و فعلی خوارق عادات پر آسکتا ہے اس کی بنا علت و معلول، سبب و مسبب، اور خواص اشیاء کے مسئلہ پر ہے۔ جو فلسفی خرق عادت کے منکر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ کارخانہ قدرت تمام کا تمام سلسلہ علت و معلول، سبب و مسبب، تاثیر و تاثر سے وابستہ ہے۔ آگ جلاتی ہے، مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے، پانی تر کرتا ہے، کوئی چیز بغیر علت و سبب کے وجود میں نہیں آسکتی، اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ علت تامہ موجود ہو اور معلول نہ پایا جائے، اور معجزہ اور کرامت کے مان لینے سے یہ لازم آتا ہے کہ کوئی چیز بغیر سبب و علت (معتادہ) کے وجود میں آگئی۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بلا باپ۔ یا اس کی ماہیت بدل گئی، جیسے کہ موسیٰؑ کا عصا سانپ بن گیا۔ یا غیر علت، علت بن گئی، جیسے موسیٰؑ نے پتھر پر عصا مارا تو اس پتھر سے پانی پھوٹ پڑا۔ یا یہ کہ کسی چیز کی خاصیت موجود ہوتے وہ اپنے فعل سے بے کار رہ گئی مثلاً یہ کہ ابراہیمؑ جلتی آگ میں ڈالے گئے لیکن جلے نہیں، وغیرہ ذلک۔ بس یہی ایک اصولی و جامع اعتراض ہے جو تمام فعلی و مادی معجزات و کرامات پر وارد ہو سکتا ہے اور جس کے حل ہونے پر اس کا حل موقوف ہے۔

خدائے قدیر نے نظام عالم ایسا مضبوط بنایا ہے کہ ہم اسے توڑ نہیں سکتے اور نہ اس نے اشیاء میں ایسے خواص رکھے ہیں کہ وہ ان سے منفک نہیں کئے جا سکتے۔ لیکن یہ بھی تو اسی نظام میں سے ہے کہ اس نے ایک چیز کے مقابلہ میں دوسری اس کی ضد بنائی ہے جو پہلی کے اثر کو باطل کر دیتی ہے۔ اور یہ اضداد کچھ تو ہمارے علم میں آگئی ہیں اور جو علم میں نہیں آئیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ اور کسی شئے کی جو علت ہمارے علم میں آچکی ہے ضرور نہیں کہ کارخانہ قدرت میں اس کی وہی علت ہو، اور اس کے علاوہ دیگر کوئی نہ ہو۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے علاوہ بھی ہو۔ پس اتنے ناقص علم کی بنا پر سلسلہ کائنات کے احاطہ کا دعویٰ چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔

حقیقت میں سلسلہ علت و معلول اور سبب و مسبب ایک ایسا پیچیدہ گورکھ دھندا ہے کہ اس کی پیچیدگیوں کو کھولنا نہایت ہی دشوار ہے، کیونکہ جو کچھ انسان کے علم میں آیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے

اور جو اس سے پوشیدہ ہے اس کی کوئی حد نہیں۔ پس محدود سے بے حد پر رائے لگانی درست نہیں۔

اے گرفتار سبب از مسبب غافلی — سوئے ایں روتاب، ازاں سو مائلی

(مولانا شبلی الکلام، حصہ دوم، صفحہ ۱۲۴، میں لکھتے ہیں: ۱۸۹۱ء میں جو علمی کانفرنس منعقد ہوئی اس کے ایک جلسہ میں پروفیسر لودج نے، جو بہت بڑا ریاضی دان ہے، ایک لیکچر دیا اور روح کے متعلق تقریر کرتے وقت کہا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ مادی اور روحانی عالم میں اب تک جو حدّ، فاصل تھی وہ ٹوٹ جائے۔ جس طرح اور بہت سی حدیں ٹوٹ گئیں، اس طریقہ سے ثابت ہو جائے گا کہ ممکنات کی کچھ انتہاء نہیں اور یہ کہ جس قدر ہم جانتے ہیں وہ بمقابلہ ان چیزوں کے جو ہم کو معلوم نہیں ہیں کچھ بھی نسبت نہیں رکھتا)۔

امام غزالی نے ایک کتاب بنام تہافتہ الفلاسفۃ لکھی ہے، اس میں اصولی طور پر بقدر ضرورت فلسفیوں کے تمام علوم کا ذکر کر کے ان میں سے چار مسئلے مخالف اسلام قرار دیئے ہیں جس کا ذکر ہم علت ومعلول یا سبب ومسبب کے نام سے کر رہے ہیں۔ چنانچہ امام ممدوح فرماتے ہیں:

و انّما نخالفهم من جملة هذه العلوم فى اربعة مسائل (الاولى) حكمهم بانّ هذا الاقتران المشاهد فى الوجود بين الاسباب و المسبّبات اقتران تلازِم بالضّرورة فليس فى المقدور ولا فى الامكان ايجاد السّببِ دون المسبّب ولا وجود المسبّب دون السّبب و اثر هذه الاختلاف يظهر فى جميع الطّبيعا ت (ص ٦٤)

(ہم ان فلسفیوں سے ان علوم میں سے صرف چار مسائل میں مخالفت کرتے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اقتران جو اسباب ومسببات میں دیکھا جاتا ہے، ضروری و لازمی ہے۔ پس ممکن نہیں کہ کوئی سبب بغیر مسبب کے موجود ہو یا کوئی مسبب بغیر سبب کے پایا جائے اور اس اختلاف کا اثر جمیع طبیعات میں ظاہر ہوتا ہے)۔

پھر ہر چہار اختلافی مسائل کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ويلزم النّزاع فى الاولى من حيث انّه ينتفى عليها اثبات المعجزاتِ الخارقةِ للعادةِ من قلب العصا ثعباناً و احياءِ الموتى و شقّ القمر ومن جعل مجارى العادا ت لازمةً لزوماً ضرورياً احال جميع ذلك و اوّلوا ما فى القرآن من احياءِ الموتى وقالوا اراد به ازالة الجهل بحيات العلم و اوّلو تكقّف العصا لسحر السّحرة بابطال الحجّة

الالهیة الظّاهرة علی ید موسی شبهات المنکرین و امّا شقّ القمر فربّما انکروا وجوده و زعموا انّه لم یتوا تر (ص ۶۵)۔

(پہلے مسئلہ سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کی بنا پر معجزات کا اثبات نہیں ہوسکتا جو عادت کے خلاف ہوتے ہیں، یعنی عصا کا سانپ بن جانا، اور مردوں کا زندہ ہوجانا، اور چاند کا پھٹ جانا اور جو ان امور عادیہ کو ضروری و لازم گردانتے ہیں وہ ان سب کو محال جانتے ہیں اور قرآن شریف میں مردوں کے زندہ ہونے کی بابت جو کچھ وارد ہوا ہے اس کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد جہالت کی موت کو علم کی زندگی سے زائل کرنا مراد ہے۔ اور جادوگروں کے جادو کو (موسیٰؑ کے) عصا کے نگل جانے کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی حجت نے جو موسیٰؑ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئی، منکرین کے شبہات کو باطل کردیا۔ باقی رہا شق القمر، سو کبھی تو اس کا انکار ہی کردیتے ہیں کہ یہ خبر متواتر نہیں)۔

علمائے اسلام نے فلسفیوں کے اس اعتراض کے جواب میں دو طریق اختیار کئے ہیں۔

طریق اول کا بیان یہ ہے کہ اسلام نے تمام مسببات و معلولات کی حقیقی علت ارادہ خداوندی کو قرار دیا ہے اور تمام عالم کو اس کے امر تکوینی کا محل تصرف اور مظہر قدرت گردانا ہے، اور بغیر اس کے کسی سبب و علت میں قدرت موثرہ تسلیم نہیں کی۔ چنانچہ فرمایا:

الا له الخلق والامر تبارک اللّٰه ربّ العالمین ۔(اعراف)۔ یعنی خلق و امر صرف ذات باری کا خاصہ ہے وہ رب العالمین بہت برکت و عظمت والا ہے۔

امام رازیؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

احتجّ اصحابنا بهذه الآیة علی انّه لا موجد ولا مؤثر الّا اللّٰه (تفسیر کبیر۔ ج ۴۔ص ۲۳۹) کہ ہمارے اصحاب، اہل سنت، نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی موثر و موجد نہیں ہے۔

اسی کے مطابق امام غزالیؒ نے یہ جواب دیا ہے:

الاقتران بین ما یعتقد فی العادة سببا وما یعتقد مسبباً لیس ضروریاً عندنا بل کلّ شیئین لیس هذا ذاک ولا ذاک هذا ولا اثبات احدِهما متضمّن لاثبات الآخر ولا نفیه متضمّن لنفی الآخر فلیس من ضرورة وجود احدهما وجود الآخر ولا من ضرورة عدم احدهما

عدم الآخر ۔ تہافتۃ الفلاسفۃ ص ۶۵۔

(جس چیز کو عادت میں سبب مانا جاتا ہے اور جس چیز کو سبب سمجھا جاتا ہے ہمارے نزدیک ان میں اقتران ضروری نہیں ۔ بلکہ ہر دو میں سے نہ یہ وہ ہے اور نہ وہ یہ (یعنی حقیقت میں نہ تو سبب سبب ہے اور نہ مسبب اس کا مسبب) اور نہ ان میں سے ایک کا اثبات دوسرے کے اثبات کا متضمن ہے۔ اور نہ ایک کی نفی دوسرے کی نفی کی متضمن ہے۔ پس ایک کے وجود سے دوسرے کا وجود ضروری نہیں، اور نہ ایک کے عدم سے دوسرے کا عدم ضروری ہے)۔

امام غزالی نے اس امر کو بہت تفصیل سے مع مثالوں کے بیان کیا ہے جو بخوف طوالت ہم درج نہیں کر سکتے ۔ اسی طرح حضرت حجۃ الہند شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں کہا ہے:

والقول بالمعجزات يتوقّف على انكار اللّزوم العقلى بين الاسباب و المسبّبات (حجۃ اللہ البالغہ جلد ا ص ۹) (اور معجزات کا اقرار، اسباب ومسببات میں لزوم عقلی کے انکار پر موقوف ہے)

حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ اسباب ومسببات میں اقتران بطور تلازم نہیں بلکہ بطور عادت ہے جس کا خرق وخلاف ممکن وجائز ہے لیکن ہر امر کے لئے ارادہ الٰہی شرط ہے۔

دوسرے طریق کا بیان اس طرح ہے کہ معجزات وکرامت اور خوارق عادات کے بھی اسباب ہوتے ہیں لیکن وہ مخفی ہوتے ہیں اور عام انسانی رسائی سے بالا ہوتے ہیں کیونکہ عجائبات قدرت کی کوئی حد وانتہا نہیں اور وہ بالتمام ہمارے احاطہ علم میں ہیں بھی نہیں ۔ پس اگر ہم کو اپنے قصور علم کے سبب کسی امر کی علت معلوم نہیں ہوئی، تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ واقعہ میں بھی اس کی علت کوئی نہیں کیونکہ عدم علت اور عدم علم بالعلت میں فرق ہے ۔ امام غزالیؒ نے اس طریق پر بھی جواب دیا ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

(اماالثانى) فهو ان نقول ذلك يكون باسباب وّ لكن ليس من شرطه ان يكون السّبب هو المعهود بل فى خزانة المقدورات عجائب و غرائب لم يطّلع عليها، ينكرها من يّظنّ ان لّا وجود الّا لما شاهدة كما ينكرطائفة السحر والنّار نجيّاتِ و الطّلسماتِ و المعجزاتِ و الكراماتِ وهى ثابتة بالاتّفاق باسباب غريبةٍ لا يطّلع عليها بل لّو لم ير انسان المِقناطيس و جذبه لِلحديد و حكى له

ذلک لاستنکره و قال لا یتصوّر جذب الحدید الّا بخیطٍ یشدّ علیه و یجذب فانّه المشاهد فی الحسّ حتّی اذا شاھده تعجّب منه و علّم انّه قاصر عن الاحاطة بعجائب القدرة (تہافتہ الفلاسفہ ۔ص ۸۸)

(دوسرے طریق کا بیان یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس کے اسباب تو ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ اسباب وہی ہوں جو ہمیں معلوم ہیں بلکہ الٰہی خزانوں میں ایسے ایسے عجائبات بھی ہیں جن پر کسی کو اطلاع نہیں ۔ ان امور کا انکار وہی کرتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ صرف وہی کچھ ہوسکتا ہے جو میرے مشاہدے میں آجائے۔جس طرح کہ بعض لوگ سحر (جادو) اور عجوبہ نمائی اور طلسمات اور معجزات اور کرامات کا انکار کرتے ہیں حالانکہ ان سب کا ہونا بالاتفاق ایسے نادر و مخفی اسباب سے ثابت ہے جن پر عام طور پر اطلاع نہیں ، بلکہ اگر کسی شخص نے کبھی سنگ مقناطیس کا لوہے کو کھینچنا نہ دیکھا ہو اور اس کے پاس اس بات کا ذکر کیا جائے تو وہ ضرور انکار کرے گا اور کہے گا کہ لوہے کا کھینچا جانا ممکن نہیں ،مگر اس صورت میں کہ اس سے ڈورا باندھا جائے اور اسے کھینچا جائے کیونکہ مشاہدے میں یہی آیا ہے۔حتی کہ جب وہ اس امر کا مشاہدہ کر لے تو اس سے حیران رہ جائیگا اور سمجھ لے گا کہ میں عجائبات قدرت کے احاطہ کرنے سے قاصر و عاجز ہوں)

اسی طرح علامہ خواجہ زادہ نے بھی اپنی کتاب تہافتہ الفلاسفہ کی فصل ہشتم (جلد دوم ص ۷۵)میں بحث طبیعات میں اعجوبہ نمائیوں اور اسرار قدرت کی بعض مثالیں جن کے اسباب مخفی یا باریک ہیں، بیان کر کے لکھا ہے:

وما انکار ھذا الّا بضیق الحوصلة والانس بالموجودا ت الغالبة و الذھول عن اسرار اللّٰہ تعالی فی الخلقة ومن استقرأ عجائب العلوم لم یستبعد من قدرة اللّٰہ تعالی ما یحکی من معجزات الانبیاء علیھم السلام بحالٍ من الاحوال۔ (اور معجزات کا انکار (ایمانی) حوصلہ کی تنگی اور اکثر موجودات سے مانوس ہونے اور اللہ تعالی کی مخلوقات کے اسرار سے غفلت و بے خبری کی وجہ سے ہے اور جو کوئی علوم (عقلیہ) کے عجائبات کا استقرأ کرے گا وہ ان امور کو جو انبیاء کے معجزات میں مروی ہیں ہرگز ہرگز کسی حال میں بھی خدا کی قدرت سے بعید نہیں جانے گا)

اسی طرح الشیخ الرئیس بوعلی سینا اپنی کتاب اشارات کے اخیر میں معجزات وخوارق عادات کے ذکر کے بعد بعنوان نصیحت فرماتے ہیں:

ايّاک وان تکون تکيّسک و تبرّءک عن العامّةهو ان تبرء منکراً لکلّ شیءٍ فذلک طيش و عجز و ليس الخرق فی تکذيبک ما لم تستبنِ لّک بعد جليّةٍ دون الخرق فی تصديقک ما لم تقم بين يد يک بيّنة بل عليک الاعتصام بحبل التّوقّف وان ازعجک استنکار ما يوعاه سمعک ما لم تتبرهنّ استحالته لک فالصّوا ب ان تسرح امثال ذلک الی بقعة الامکان ما لم يذدک عنه قائم البرهان و اعلم انّ فی الطّبيعة عجائب و للقوی العالية الفعّالة القوی السّافلة المنفعلة اجتماعات علی غرائب (شرح اشارات مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۱۴۳)

(اے عقلمند! تو اس امر سے پرہیز کر کہ عام لوگوں سے تیری ہوشیاری و برأت کی امتیازی صورت یہ ہو کہ تو ہر امر سے انکاری بریت کرے کیونکہ یہ طیش و عاجزی ہے اور تجھے جس امر کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی اس کی تکذیب کر دینا اس بات کی تصدیق کرنے سے کم (بے عقلی) نہیں ہے جس کی دلیل تیرے نزدیک قائم نہیں ہوئی، بلکہ تجھ پر لازم ہے کہ تو توقف کی رسی سے اپنا بچاؤ کرلے، اگرچہ تجھے ان باتوں کا انکار، جو تیرے کان میں پڑی ہیں، پھسلاوے۔ جب تک کہ تجھے اس کا محال ہونا صاف طور پر واضح نہ ہو جائے (محال دو قسم پر ہے، عقلی و عادی، عقلی ممتنع ذاتی یعنی ناممکن ہوتا ہے مثلاً اجتماع ضدین اور ارتفاع نقیضین اور شریک باری، لیکن عادی ممکن بالذات ہوتا ہے۔ اگر علل و اسباب موجبہ کے ساتھ خدا کا ارادہ منضم ہو گیا تو وہ صادر و حادث ہو گیا ورنہ نہیں ہوتا، مگر اپنی ذات میں ممکن ہی رہتا ہے) پس ٹھیک یہ ہے کہ تو ایسی باتوں کو امکان کے میدان میں لے جائے جب تک کہ تجھے یقینی دلیل وہاں سے نہ روکے، اور خوب جان رکھ کہ طبیعت میں بڑے بڑے عجائبات ہیں اور اوپر کے اثر کرنیوالے قوائے اور نیچے کے اثر کرنیوالے قوائے اجتماع میں بڑے بڑے نادر نتائج ظاہر ہوتے ہیں)۔

اس کی توضیح یوں ہے کہ ہم کو دو امر معلوم ہیں۔ اول معلول کا وجود، دوم معلول کا بغیر علت کے موجود نہ ہو سکنا۔ اگر معلوم نہیں تو صرف یہ کہ اس معلول کی علت کونسی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ ساری علتیں ہمارے علم میں نہیں آگئیں، بلکہ قدرت کے ہزار ہا بلکہ بے شمار ایسے اسرار ہیں جن کی علتیں ہمارے احاطہ علم اور پرواز ادراک سے پرے ہیں۔ پس اس نقصان علم کے ساتھ کسی معلول کی علت کے معلوم نہ ہونے سے اس معلول کے وجود و وقوع سے انکار کرنا اس

اصول پر مبنی ہوگا کہ مجہول سے معلوم کا انکار ہوسکتا ہے، حالانکہ یہ بالکل خلاف قاعدہ ہے۔ استدلال کا صحیح طریق یہ ہے کہ معلوم سے مجہول کا علم حاصل کیا جائے نہ یہ کہ مجہول کی جہالت کی وجہ سے معلوم کا انکار کیا جائے۔ امام رازی وأتو البیوت من ابوابھا (بقرہ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تفسیرہ انّ الطّریق المستقیم المعلوم ھوان یّستدل بالمعلوم علی المظنون فامّا الاستدلال بالمظنون علی المعلوم فذلک عکس الواجب و ضدّ الحقّ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۵۲) (اس کی تفسیر یوں ہے کہ سیدھا اور معلوم طریق استدلال یہ ہے کہ معلوم کے ذریعے مظنون کو معلوم کیا جائے اور مظنون سے معلوم (کے انکار) پر استدلال کرنا اس بات کا عکس ہے جو واجب اور حق کی ضد ہے)

حاصل کلام یہ کہ اس نازک مقام پر عدم العلم اور علم العدم میں فرق کرنا واجب ہے، اور اسی کے ملحوظ نہ رکھنے سے لوگ غلطی کھاتے ہیں۔ یعنی یہ کہ علت تامہ کا موجود نہ ہونا امر دیگر ہے اور اسکا ہمارے علم سے مخفی ہونا امر دیگر ہے، اسی اصول کی بنا پر قرآن اپنے منکرین کی نسبت فرماتا ہے:

بل کذّبوا بما لم یحیطوا بعلمہ و لمّا یأتھم تاویلہ (یونس) (یعنی ان منکرین نے اس شئے کو جھٹلایا جس کے علم کا ان کو احاطہ نہیں ہوا اور ابھی تک ان کو اس کی حقیقت یا انجام بھی معلوم نہیں ہوا)۔

اسی طرح علامہ ابن رشد (۵۲۰ھ۔۵۹۵ھ) جن کو فلسفہ یونانی کے سمجھنے میں بے مثل مانا گیا ہے، اور فرانس وغیرہ ممالک مغرب میں ان کی وفات کے صدیوں بعد تک بھی انکی تحقیقات پر اضافہ کرنا منع خیال کیا جاتا رہا ہے، فرماتے ہیں:

امّا الکلام فی المعجزات فلیس فیہ للقدماء من الفلاسفۃ قول لانّ ھذہ کانت عندھم من الاشیاء الّتی لا یجب ان یتعرّض للفحص عنھا و تجعل مسائل فانّھا مبادی الشرائع و الفاحص عنھا و المشکک فیھا یحتاج الی عقوبۃِ عندھم (تہافۃ الفلاسفہ ص ۱۲۱) (معجزات کی بابت تو یہ ہے کہ قدیم فلسفیوں کا (انکاری) قول ان کے متعلق کچھ بھی نہیں کیونکہ یہ باتیں انکے نزدیک ان چیزوں میں سے تھیں، جنکے اعمال کی نسبت کرید و پڑتال انکو مسائل (نظریہ) بنانے کیلئے واجب نہیں تھی کیونکہ یہ شریعتوں کے ابتدائی (مسلّمہ) امور ہیں اور ان میں بحث و کرید کرنے والا شک کرنے یا ڈالنے والا ان کے نزدیک سزا کا مستوجب ہے)

پھر ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:

و امّا ما حکاہ فی اثبات ذلک من الفلاسفة فھو قول لا اعلم ا حداً قال به الّا ابن سینا (ص۱۲۲) اور (غزالی نے) اثبات معجزات میں جو کچھ فلسفیوں سے نقل کیا ہے سو وہ ایسی بات ہے جسکی بابت مجھے معلوم نہیں کہ ابن سینا کے سوا کسی نے کہی ہو۔

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:

ولذلک لا تجد احدا مّن القدماء تکلّم فی المعجزات مع انتشارِھا و ظھورِھا فی العالم لانّھا مبادی تثبیتِ الشرائع و الشّرائع مبادی الفضائل (ص۱۲۴۔۱۲۵) (اور اسی لئے تو قدیم فلسفیوں میں سے کسی کو بھی نہ پائے گا کہ اس نے معجزات میں (انکاری) کلام کیا ہو باوجود اس کے کہ معجزات کی اشاعت وظہور تمام عالم میں تھا کیونکہ وہ سب شریعتوں کے ابتدائی امور (مسلّمہ) ہیں اور شریعتیں (حصول) فضائل کے مبادی ہیں)

ان عبارات سے واضح ہوگیا کہ قدیم حکماء معجزات کو مبادی مان کر ان میں خوض نہیں کرتے تھے بلکہ منکر کو قابل سزا جانتے تھے، اس امر میں معقول ومنقول کی تطبیق کی روش الشیخ الرئیس بوعلی سینا نے نکالی ہے۔

علامہ ابن رشد نے اس مسئلہ میں جو امام غزالی سے اختلاف کیا ہیوہ اصل مسئلہ یعنی امکان معجزہ میں نہیں، بلکہ طریق استدلال میں کیا ہے جس کی بِنا مذاق طبع پر ہے کیونکہ امام غزالی بہ سبب ایشیائی ہونے کے ابن سینا کی روش پر تھے، اور ابن رشد کا مذاق فلسفہ بہ سبب یورپی (سپینی، اندلسی) ہونے کے ابن سینا کے تابع نہ تھا بلکہ وہ خود بالاستقلال یورپ کا ابن سینا تھا۔

اسی طرح شرح مواقف جو علم کلام کی مشہور درسی کتاب ہے اس میں سید شریف فرماتے ہیں:

و امّا الفلاسفة فقالوا ھو منِ اجتمع فیه خواص ثلاث (احدا ھا) ان یکو ن له اطّلاع علی المغیبات۔ (و ثا نیھا) ان یّظھر منه الافعال الخارقة للعادة تکون عالم العناصر مطیعة منقادة لتصرّفاته انقیاد بدنه لنفسه ۔ (وثالثھا) ان یّری الملائکة مصوّرة وّ یسمع کلامھم وحیاً (شرح مواقف، استنبول۔ ج ۳ ص ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶) (فلسفیوں کے نزدیک نبی و رسول وہ ہے جس میں تین خواص جمع ہوں۔ ایک یہ کہ اسے غیب کی باتوں پر اطلاع ہو۔ دوسرا

یہ کہ اس سے ایسے افعال ظاہر ہوں کہ وہ عام عادت کے خلاف ہوں اس وجہ سے کہ عالم عناصر اس کے تصرفات کیلئے اس کا ایسا مطیع ومنقاد ہو جیسا کہ اس کا بدن اس کی روح کے تابع ہوتا۔

اور تیسرا یہ کہ وہ (نبی ورسول) فرشتوں کو دیکھے اور بذریعہ وحی ان کا کلام سنے)

علماء وحکمائے اسلام بھی انبیاء علیھم السلام میں ان ہر سہ امور کے قائل ہیں۔قرآن مجید میں انبیاء کے بیانوں میں جابجا ان امور کا ذکر موجود ہے فرق یہ ہے کہ فلسفیوں کے نزدیک نبوت کا حصول کسبی ہے اوران امور عجیبہ کا ان میں پایا جانا ان کی ریاضت وتقدس کا نتیجہ ہے اور اسلامیوں کے نزدیک نبوت ایک وہبی چیز ہے۔یعنی خدا کی بخشش سے حاصل ہوتی ہے۔خدا اپنے علم وحکمت سے جسے چاہتا ہے، منصب نبوت کے لئے چن لیتا ہے اور اسے تقدس و پاکبازی کی حالت پر خاص حفاظت سے، جسے عصمت کہتے ہیں، قائم رکھتا ہے۔اور یہ امور عجیبہ ان کو بطور دلیل کے عطا کرتا ہے جن کا اظہار ان کے بس میں نہیں ہوتا بلکہ جب خدا چاہے اسے ظاہر کرے اور جب مصلحت نہ دیکھے نہ ظاہر کرے، ہر دو امر کے لئے آیت ذیل ملاحظہ ہو:

قالت لھم رسلھم ان نّحن الّا بشر مّثلکم و لکنّ اللّٰہ یمنّ علی من یّشاء من عبادہ وما کان لنا ان نأتیکم بسلطانٍ الّا باذنِ اللّٰہ (ابراہیم)

(ان (کفار) کوان کے پیغمبروں نے کہا، ہم تو تمہاری طرح بشر ہونے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (اسے رسول بنا کر) احسان کر دیتا ہے اور ہم میں تو یہ طاقت نہیں کہ (باختیارخود) خدا کے حکم کے بغیر کوئی نشان (معجزہ) لاسکیں)

اس مضمون کی آیات اور بھی ہیں لیکن ہم بنظر اختصار اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ نام کے معقولیوں کے پاس معجزات وکرامات کے انکار میں کوئی ایسی یقینی دلیل نہیں ہے کہ ہم اس پر اعتماد کرسکیں بلکہ ہم تو یہ بھی دیکھتے ہیں کہ فلسفہ جس حد تک کہ ہر زمانہ میں اس کی ترقی ہوتی رہی ہے خود فلسفیوں کے نزدیک بھی ہمیشہ ظنی رہا ہے چہ جائے کہ انبیاء علیھم السلام کی تعلیم کے مقابلہ میں ان کی تحقیقات ومعلومات وقواعد کو کوئی جگہ دے سکیں کیونکہ انبیاء کا علم خدا کی وحی کے سبب سے یقینی ہے اور ظنی کو یقینی پر ترجیح دینا درست نہیں۔

کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہر قرن کے فلسفی اپنے متقدمین کی تغلیط کرتے اور انکی تحقیقات پر مضحکہ اڑاتے رہے ہیں۔ جو امور فلاسفہ متقدمین نے بڑی عرق ریزی اور غور وفکر سے معلوم کیئے تھے اور انکی وجہ سے وہ اپنے زمانہ میں اور کچھ عرصہ بعد بھی استاد کامل تسلیم کیئے گئے تھے وہ متاخرین

کے نزدیک جہل و نادانی سے زیادہ قبیح القاب پاتے ہیں۔ مثلاً حکمائے یونان نے آگ، ہوا، پانی اور مٹی کو عنصر (بسیط) قرار دیا تھا اور اسی اصل پر اتنے اصول و فروع متفرع کئے تھے کہ گویا قدرت الٰہیہ کا احاطہ کر بیٹھے ہیں، حال کے فلسفیوں نے ان کو مرکب ثابت کر کے اس پرانی عمارت کو بالکل منہدم کر دیا اور بمصداق ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت اصول جدید وضع کئے۔ اکثر فلاسفہ پیشین، فلک کو متحرک اور تعداد میں نو جانتے تھے۔ حال کے نازک خیال سرے سے وجود آسمان ہی سے منکر ہیں۔ کوئی ان میں سے قدم عالم کا قائل ہے اور کوئی وجودِ واجب الوجوب ہی سے منکر۔ کوئی نبوت کو نہیں مانتا اور کوئی قیامت پر یقین نہیں لاتا۔ اس قدر اختلاف و بداعتقادی کے ہوتے کس کے مقلد بنو گے اور کس کو جاہل قرار دو گے؟ جب ان کی تحقیق مسلّم ہے تو قدم عالم کا اقرار اور نبوت سے انکار کیوں نہیں کرتے؟ پس جب ان امور مذکورہ میں ان کو پیشوا نہیں جانتے تو تعلیم الٰہی کی تصدیق کے لئے ان کی آرائے فاسدہ اور اہوائے کاسدہ کی طرف کیوں رجوع کرتے ہو؟

اللہ نے اپنی مرضیات و نامرضیات کی بابت انبیاء پر وحی نازل کی ہے فلاسفہ کو اس کی اطلاع نہیں کی بلکہ فلاسفہ پر بھی اتباع اور اطاعتِ انبیاء فرض کی ہے۔ جب انبیاء پر وحی نازل ہونے کا ایمان ہے، تو ان امور کا، جو انبیاء نے بوحی الٰہی تعلیم کئے ہیں، فلسفیوں کے اوہام باطلہ اور مغالطات عاطلہ کی بنا پر کیوں انکار کرتے ہو؟ کیا انبیاء کی وحی پر ان کی تحقیق کو، جو حقیقت میں ظن ہے، ترجیح ہے کہ اندھا دھند ان کے قدموں پر دوڑے جاتے اور آثار نبویہ کو چھوڑے جاتے ہو؟

اللہ تعالیٰ نے اس فرقہ کے احوال سے قرآن شریف میں اکثر مقامات پر خبر دی ہے اور ان کے اہوا کو ضلالت اور بے علمی اور ظن اور خرص (اٹکل پچو لگانا) فرمایا ہے اور صرف وحی کو حکم مقرر کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ انعام میں فرمایا:

افغیر اللّٰہ ابتغی حکماً وھو الّذی انزل الیکم الکتاب مفصّلاً (اے پیغمبر ان سے کہو، کیا میں خدا کے سوا کسی اور کو منصف قرار دوں حالانکہ وہی تو ہے جس نے تمہاری طرف یہ کتاب مفصل کر کے نازل کی ہے)

اس کے بعد یوں فرمایا:

و ان تطع اکثر من فی الارض یضلّوک عن سبیل اللّٰہ ان یّتّبعون الّا الظّنّ و ان ھم الّا یخرصون (۶:۱۱۷) (اے پیغمبر! اگر تو نے دنیا کے اکثر لوگوں کی اطاعت کی تو وہ تجھے خدا کی راہ سے بہکا دیں گے۔ وہ تو صرف ظن کے پیچھے لگے ہیں۔ اور ان

کے پاس سوائے اٹکل کے کچھ نہیں)

حقیقت میں سیلِ اسلامی کے سامنے ان کے اوہام باطلہ ایک تنکے کی بھی حقیقت نہیں رکھتے اور ایسے ہی ان کی تاویلات رکیکہ۔

۱۔ رفع الی السّماء کے مقابلہ میں کشش ثقل کے ہزار عذر پیش کرتے ہیں۔ مگر جب انسان ضعیف البنیان اپنے ناتواں بازو سے ایک پتھر اوپر کو پھینک دے تو ہرگز انکار نہیں کرتے۔ کیا یہ رمی حجر (پتھر پھینکنا) اس امر کا مشعر نہیں کہ جب انسان اس قلیل مقدار خداداد طاقت سے زمین کی بے حد طاقت کو مغلوب کر لیتا ہے، تو کیا وہ عزیز ومقتدر مالک الملک حضرت مسیح وحضرت محمد ﷺ کو ان کے مبارک جسموں سمیت اٹھا نہیں سکتا؟ بلی و هو علی کلّ شیء قدیر و انا علی ذلک من الشّاهدین (کیوں نہیں، وہ ضرور ہر شئے پر قادر ہے۔ اور میں اس بات پر منجملہ گواہوں کے ہوں)

۲۔ پرندے باوجود کثیف الجسم ہونے کے جوّ سماء (فضاء) میں اڑتے پھرتے، آسمان کی طرف چڑھتے اور پھر اترتے ہیں۔ مگر یہ متعقل اتنا بھی تو نہیں سمجھتے کہ جس قادر ذوالجلال نے پرندوں کو یہ جناح (پر) دیئے ہیں اور یہ طاقت طیران (پرواز) بخشی ہے اس نے فرشتوں کو بھی اولی اجنحة مثنی و ثلاث و رباع (دو دو، تین تین، چار چار) پر دیئے ہیں تو ان کے نزول وصعود کو کون مانع ہے اور جس طرح وہ پرندوں کو اوپر جانے کی طاقت دینے پر قادر ہے حضرت مسیحؑ اور رسول اللہ ﷺ کو بھی اوپر لے جانے پر قادر ہے۔

(مرزا قادیانی نے ازالہ اوہام میں معراج جسمانی کے انکار میں لکھا ہے کہ سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں۔ جلد اول ص ۴۷۔ اللّھمّ انّا نعوذ بک من سوء الادب۔

اکمل صاحب نے عجیب گل افشانی کی ہے۔ کہتے ہیں: کیا کوئی پرندہ آسمان پر موجود ہے؟ اور سوال کیا ہے: پرندوں کے اوپر جانے کو صعود سے کیا نسبت ہے۔ ص ۶۔ جواب قرآن شریف میں سورہ نحل میں یہ امر خدا کی وسعت قدرت کی مثالوں کے سلسلہ میں مذکور ہے چنانچہ پہلے انّ اللّه علی کلّ شیء قدیر کہا ہے۔ پھر ماں کے پیٹ سے بچے کا دل، آنکھ، کان والا کر کے نکالنے کا ذکر کیا۔ اس کے بعد پرندوں کا بحکم خدا جوّ آسمان میں اڑنا ذکر کیا۔ ہم نے بھی اسی مناسبت سے خدا کی قدرت کی وسعت کا ذکر کر کے اس سے حضرت عیسیٰؑ کے رفع آسمانی کا ممکن ہونا ثابت کیا ہے حضرت ابراہیمؑ کے مناظرہ نمرود میں ربّی الّذی یحی و یمیت کے بعد فانّ اللّه یأتی بالشّمس من المشرق فأت بها من المغرب(بقرہ) کے لانے میں جو ربط ہے اسے سمجھو تو شہادت القرآن کا یہ مقام بھی سمجھ لوگے۔ فافھم)

۳۔ کرّہ ہوائی سے باہر جا کر ہوا کے بغیر زندہ رہنے کو محال سمجھتے ہیں اور اذ انتم اجنّۃ فی بطون امّھا تکم پر غور کر کے نہیں سمجھتے کہ جنین کا منہ بند ہوتا ہے اور اسے خوراک ناف کے راستے پہنچتی ہے (یعنی کہ جب تم اپنی ماں کے پیٹ میں جنین تھے۔ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح خدا تعالی جنین کی پرورش کے لئے منہ کے سوائے ایک خاص صورت بنا دیتا ہے اسی طرح اس نے حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کو آسمان پر اٹھانے کیلئے کرہ ہوائی سے آگے جانے کی کوئی خاص صورت بنادی۔ اکمل صاحب اسے سمجھ نہیں سکے تو کہتے ہیں: اس آیت کو کرہ ہوائی سے باہر جا کر زندہ رہنے کی تائید میں پیش کرنا فضول ہے ص ۶۔ جواب۔ کرہ ہوائی کے اندر یا باہر ہونا ملحوظ نہیں بلکہ خدا تعالی کا اپنے ارادہ کے پورا کرنے میں قادر مطلق وحکیم مطلق ہونا ملحوظ ہے، جو آپ نہیں سمجھ سکے)

۴۔ ہزار ہا حیوان بے مادر و پدر پیدا ہوتے ہیں بلکہ یہ متعقل اپنے ہی بطون (پیٹوں) سے خارج ہوتے دیکھتے ہیں مگر عیسی کا بے پدر پیدا ہونا ان کی باریک عقل میں نہیں سما سکتا۔ چنانچہ فرمایا: سنریھم فی الآفاق و فی انفسھم حتی یتبیّن لھم انّہ الحقّ۔ (حم سجدہ) (ہم ان کو اپنے نشانات آفاق میں بھی اور ان کے اپنے نفسوں میں بھی ضرور دکھاتے رہیں گے حتی کہ ان کو ظاہر ہو جائے گا کہ وہ برحق ہے)

طریق ثبوت معجزات:

انسان یا تو اپنے مشاہدہ وتجربہ یا استدلال سے علم حاصل کرتا ہے یا کسی مخبر صادق کی خبر سے۔ پہلی صورت کی نسبت یہ تفصیل بھی یاد رکھنی ہوگی کہ بعض مشاہدات وتجربات مختص بمردمان ہوتے ہیں کہ خاص اشخاص ان کو دیکھ کر فائدہ حاصل کرتے ہیں اور بعض مختص بمکان ہوتے ہیں کہ ان حوادث کا وقوع خاص مقامات پر ہوتا ہے۔ اور بعض مختص بزمان ہوتے ہیں کہ ان کا وقوع ایک زمان خاص سے متعلق ہے۔ پس بنی آدم کے مشاہدات وتجربات آپس میں مساوی نہیں ہو سکتے۔

پھر یہ بھی کہ طبائع جو علم حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں، استعداد میں متفاوت ہیں اور یہ امر فلسفیوں میں مسلّم ہے۔ اس لئے ہر شخص کے کسی امر کو حاصل کرنے کی کیفیت اور اس کے ادراک کی حقیقت بھی یکساں نہیں۔ پس اگر کسی وقت کسی جگہ کوئی امر عجیب حادث ہو، جس پر ہمارا سابق علم حاوی نہ ہو، تو ہم اسے خارج از قانون قدرت کہہ کر ٹال نہیں دیں گے بلکہ لازماً واقعہ کی تصدیق کریں گے اگرچہ اس کی علت وسبب ہمارے علم میں نہ آئے۔

ہاں جن لوگوں نے اسے اپنے مشاہدے سے نہیں دیکھا۔ان کے اعتبار کے لئے سچی خبر کی ضرورت ہے۔جس طرح کہ ہم دوسری بن دیکھی چیزوں کو محض خبر سے مانتے ہیں اور باطل و بے ثبوت کی پیروی سے بچنے کیلئے اس کی صداقت کو بھی جانچتے ہیں، پس اسی طرح معجزات کی خبروں کو بھی ان کے مخبروں کی حیثیت سے پرکھیں گے۔سو قرآن کی نسبت تو مزید تحقیقات کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ قطعاً و یقیناً کلام الٰہی ثابت ہو چکا ہے، لہٰذا جو معجزات یا عجائبات قدرت اس میں مذکور ہیں، وہ بلا تردد و تامل اسی طرح ماننے پڑیں گے جس طرح کہ قرآن منوائے، ورنہ معاذ اللہ کذب باری لازم آئے گا، یا قرآن کی صحت وقطعیت میں فرق آئے گا، اور یہ دونوں باتیں داخل کفر ہیں۔

باقی رہے وہ معجزات جو احادیث میں وارد ہیں، ان کی نسبت بھی یہی قاعدہ جاری ہوگا کہ اگر وہ روایات صادق ومتقی اور حافظ وضابط راویوں کے متصل سلسلہ سے خدا کے پاک رسول ﷺ تک پہنچ جائیں، تو ان کے ماننے میں بھی کلام نہ ہوگا۔صحابہ کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا:

وکذلک جعلناکم امّۃ وّسطاً لّتکونوا شھداء علی النّاس۔ بقرہ۔۱۴۳
(اس طرح ہم نے تم کو عادل امت بنایا کہ تم (دیگر) لوگوں پر گواہ بنو)۔

کنتم خیر امۃٍ اخرجت للنّاس (آل عمران۔۱۰۹) تم بہترین امت ہو جو (دیگر) لوگوں کے لئے (بطور نمونہ) چنے گئے ہو)

اور خود رسول اللہ ﷺ نے بھی انکو حجۃ الوداع میں خطبہ منیٰ میں مخاطب کر کے فرمایا تھا:

لیبلّغ الشّاھد الغائب منکم (بخاری کتاب العلم) (تم جو اس وقت حاضر ہو، ان کو جو تم میں سے حاضر نہیں، پہنچا دینا)

اس سے صاف ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ نے تبلیغ دین کے لئے صحابہ کو بعد کی امت کے لئے وکیل ومبلغ قرار دیا ہے۔لہٰذا سب اصحاب عادل وصادق ہیں۔ اور واقعات میں بھی ایسا ہی پایا گیا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف عمداً غلط بات منسوب نہیں کرتے تھے بلکہ جس کسی لفظ میں ان کو تردد وشک ہو، اس میں بھی پرہیز کرتے تھے اور ظاہر کر دیتے تھے کہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا تھا یا یوں فرمایا تھا۔

تنبیہ : لہٰذا معجزات حدیثیہ بھی مثل قرآن شریف واجب الاعتقاد ہیں۔خلاصہ یہ کہ معجزات وخوارق کے ثبوت کے لئے مخبر صادق کی سخت ضرورت ہے۔امکان معجزات سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام ہر ممکن امر کو محض امکان کی بنا پر واقعہ کی صورت میں بھی منواتا ہے۔نہیں، بلکہ اس

کے امکان کے بعد اس کے وقوع کے لئے اس خبر کا پرکھنا بھی ضروری ہے کہ وہ سچی ہے یا کیسی؟ سچی ثابت ہو جانے پر اس کی تسلیم و تصدیق سے اپنے خیالات و قیاسات سے جن کی بنا قصور فہم یا عدم علم یا نقص علم پر ہے ان کا انکار نہ تو عقلاً صحیح ہے اور نہ شرعاً درست ہے۔ واللّٰہ الھادی

مقدمہ ثانیہ در تشریح سنۃ اللہ

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم اس کارخانہ قدرت میں ایک خاص نظام دیکھتے ہیں جس کا نام سنۃ اللہ بھی ہے اور خدا فرماتا ہے ولن تجد لسنّۃِ اللّٰہ تبدیلاً (فتح) (خدا کی سنت، روش، بدلا نہیں کرتی) پس معجزہ و کرامت جن کی صورت سنۃ اللہ کے خلاف ہے، ممکن نہیں۔

اس کے جواب کی دو صورتیں ہیں۔ اول نظام قدرت کو ملحوظ رکھ کر عقلی جواب۔ دوم یہ کہ آیت پیش کردہ کا مطلب وہ نہیں جو منکرین معجزہ و کرامت نے سمجھا۔

پہلی صورت کے لحاظ سے کچھ جواب تو پہلے مقدمہ میں گزر چکا اور کچھ اس جگہ بھی بحسب ضرورت مقام لکھا جاتا ہے۔ سو معلوم ہو کہ کسی قاعدہ کو سنۃ اللہ یا خدا کا قاعدہ قرار دینے کے دو طریقے ہیں۔ ایک نقلی دوسرا عقلی۔ نقلی یہ کہ قرآن شریف یا حدیث صحیح میں اسے سنۃ اللہ کہا ہو، اور عقلی یہ کہ ہم اس کارخانہ قدرت کے انتظام کے سلسلہ پر نظر کر کے کسی امر کو سنۃ اللہ قرار دے لیں، اسے علم منطق میں استقراء کہتے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ تام اور ناقص۔ استقرائے تام اسے کہتے ہیں کہ تمام ہم قسم جزئیات پر نظر کریں اور ان میں ایک مشترک نظام پائیں اور اسے قاعدہ قرار دیں۔ ناقص یہ کہ چند جزئیات پر نظر کر کے ایک امر کو قاعدہ قرار دیں۔ استقرائے تام جو عقلاً سب جزئیات کا حصر کرے، مفید یقین ہوتا ہے اور استقرائے ناقص، مفید ظن ہوتا ہے (مستفاد از ملا مبین بحث استقراء ص ۲۴۹ ج ۲۔ نیز شرح مطالع مطبوعہ استنبول ص ۳۴۸ بحث استقراء) کیونکہ تمام جزئیات کا حصر نہیں ہوا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض دیگر جزئیات جو ہمارے علم میں نہیں آئیں، اس نظام و قاعدہ کے ماتحت نہ ہوں جو ہم نے سمجھ رکھا ہے۔ پس اس قرارداد کو قاعدہ کہنا درست نہیں کیونکہ قاعدہ وہ ہے جو جمیع جزئیات میں منطبق ہو، لہذا وہ ہمارا سمجھا ہوا قاعدہ سنۃ اللہ نہ رہا۔

(اکمل صاحب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کارخانہ قدرت پر نظر کر کے کسی امر کو سنۃ اللہ نہ کہنا چاہیے ص ۶۔ بس جب یہ مسلّم ہے تو پھر جھگڑا کیا رہا؟)

اب سوال یہ ہے کہ جس امر کو ہم نے سنۃ اللہ قرار دیا ہے، آیا اس کے متعلق خدا نے یا اس کے رسول ﷺ نے کہا ہے کہ یہ امر سنۃ اللہ ہے؟ یا جو قاعدہ ہم نے اپنے استقراء سے بنایا ہے وہ سب جزئیات کو دیکھ بھال کر بنایا ہے؟ اور ہم اس کی مخلوقات کا احاطہ کر چکے ہیں؟ اور اس کی قدرت کے اسرار کو اور اس کے نظام کو کامل طور پر سمجھ چکے ہیں؟

(اکمل صاحب کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کسی امر کو اپنی سنت کہے، کے ساتھ یہ ایزاد کر لیجئے: کسی امر کو بطور کلیہ فرمانا بھی سنت ہے۔ اچھا جناب! تو پھر کیا؟ آپکے مدعا کے مطابق تو قرآن مجید میں کوئی کلیہ نہیں۔ ہے تو یہی ہے کہ انّ اللّٰہ علی کلِّ شیءٍ قدیر، جو آپ کے مدعا کے خلاف ہے)

قرآن و حدیث کا واقف اور نظام قدرت پر صحیح نظر رکھنے والا بے شک گردن جھکا دے گا اور اس امر کو تسلیم کرے گا کہ ان قواعد کو جو ہم نے بنائے ہیں، خدا و رسول نے ہرگز سنۃ اللہ نہیں کہا ہے، اور ہمارا استقراء بالکل ناقص ہے (حاصل یہ کہ ہم اپنے ناقص تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر کسی امر کو سنۃ اللہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ مخلوقات و صنائع خالق کا استقرائے کلی ناممکن ہے اور استقرائے ناقص مفید ظن ہوتا ہے، نہ مفید یقین) کیونکہ مخلوقات الٰہی اور اس کے عجائبات قدرت انسان کے احاطہ علم سے باہر ہیں۔ ہمیں و ما یعلم جنود ربّک الّا ھو (مدثر) (تیرے رب کے لشکروں کو اس کے اپنے سوا کوئی نہیں جانتا) اور و ما اوتیتم من العلم الّا قلیلاً (بنی اسرائیل: ۸۵) (تم کو صرف تھوڑا سا علم عطا کیا ہے) کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ آیت و لن تجد لسنّۃِ اللّٰہ تبدیلاً (فتح) اور اس کے دیگر نظائر کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ ان آیات میں سنۃ اللہ سے انبیاء کی نصرت اور ان کے دشمنوں کی تعذیب و خذلان و ناکامی مراد ہے۔ سو اس امر کی نسبت اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میری یہ قدیمی روش ہے اس میں تبدیلی نہ ہوگی۔

(اکمل صاحب فرماتے ہیں: سنۃ اللہ کے معنی عذاب الٰہی کسی لغت سے دکھائے ہوتے۔ ص

۶۔ جواب:۔ جناب والا! سنت کے معنی ہیں عادت و سیرت۔ چنانچہ صراح میں ہے: سنۃ بالضّم روش، اور قرآن شریف میں خدا تعالی فرماتا ہے کہ میں ہمیشہ گذشتہ امتوں میں یہ کرتا آیا ہوں کہ منکرین انبیاء کو عذاب کروں، تو اب بھی ایسا ہی کرونگا اور یہ میری سنت ہے۔ مصنفین کتب لغت پر یہ واجب نہیں کہ لفظ سنت کے ذیل میں سب قسم کی عادتوں کو لکھ دیں، یہ تو متکلم کے کلام سے مفہوم ہوگا۔ گو آپ کا سوال بالکل جاہلانہ ہے لیکن خدا کی قدرت کہ اس نے اپنے ایک بندے سے آپ کا مطالبہ بھی پورا کر دیا۔ دیکھئے قاموس میں سنۃ الاولین کی نسبت لکھا ہے: ای معائنۃ العذاب۔ اسی طرح لسان العرب میں بھی

ہے، جو انشاء اللہ آگے مذکور ہوگا۔

پھر اکمل صاحب لکھتے ہیں: لا مبدّل لکلماته میں لا نفی جنس کو دیکھو، ہر بدلانے والے کی نفی ہے۔ص ٦۔ جواب۔کیا آپ کا مدعا یہ ہے کہ پھر خدا بھی نہیں بدل سکتا؟ جناب! یہ بات آپ نے بے علمی کی وجہ سے لکھی ہے۔ کلمے کی اضافت جب خدا کی طرف کی گئی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ خدا کے سوا خدا کے کلمات کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ دیکھئے تفسیر ابوالسعود میں اسی آیت کے ضمن میں لکھا ہے لا قادر علی تبدیله و تغییره غیره، کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا اس کی تبدیلی وتغییر کر قدرت نہیں رکھتا)۔

اس بات کے سمجھنے کا آسان طریق یہ ہے کہ یہ آیات جہاں جہاں قرآن مجید میں وارد ہوئی ہیں طالب مشتاق ان مواقع کو نکال کر ماقبل و مابعد پر نظر کرے تو ساتھ ہی انبیاء کی نصرت اور ان کے دشمنوں پر خدا کی مار اور پھٹکار کا ذکر موجود ہوگا۔ پس قاعدہ نظم وارتباط قرآن حکیم اس کو مجبور کر دے گا کہ وہ تسلیم کر لے کہ اس جگہ سنۃ اللہ سے مراد پیغمبروں کی نصرت اوران کے دشمنوں کی تعذیب وخذلان ہے۔ چنانچہ ہم وہ سب مواقع علی الترتیب مع ان کے ماقبل کے نقل کر کے فیصلہ ناظرین کے فہم رسا پر چھوڑتے ہیں۔

(۱) و ان کادوا لیستفزّونک من الارض لیخرجوک منها و اذ لّا یلبثون خلفک الّا قلیلاً سنّة من قد ارسلنا قبلک من رّسلنا ولا تجد لسنّتنا تحو یلاً (سورہ بنی اسرائیل (٦۷۔۷۷) (اور تحقیق یہ لوگ نزدیک ہیں کہ تجھ کو دل برداشتہ کر کے اس سرزمین سے نکال دیں۔ پھر یہ بھی اس میں تیرے پیچھے تھوڑی ہی مدت بسیں گے۔ (یہ) سنت ہے ان پیغمبروں کی جن کو ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا اور تو ہماری سنت کیلئے تحویل (ٹال دینا) نہ پاوے گا)

اس موقع پر صاف مذکور ہے کہ کفار مکہ پیغمبر ﷺ کو مکہ شریف سے خارج کرنا چاہتے تھے ،حق تعالی نے آپ کی تسلی فرمائی کہ اگر آپ کو نکال دیں گے تو خود بھی نہ رہیں گے کیونکہ انتقام انبیاء از اعداء ہماری سنت قدیمہ ہے اور یہ کبھی محول نہ ہوگی۔

اس آیت کے ذیل میں تفسیر کبیر میں ہے انّ کلّ قوم اخرجوا نبیّهم سنّة اللّه ان یّهلکهم۔یعنی خدا تعالی کی اس سے مراد یہ ہے کہ جس کسی قوم نے اپنے نبی کو نکالا، انکے متعلق خدا کی سنت یہی ہے کہ ان کو بس ہلاک ہی کر دے۔ اور آیت لا تجد لسنّتنا تحو یلاً پر کہا ہے و المعنی انّ ما اجری اللّه تعالی بدا العادة لم تتهیّا لاحدٍ ان یّقلب تلک

العادة۔ یعنی ان کے معنی یہ ہیں کہ جس امر کو خدا اپنی عادت ٹھہرا لے تو کسی سے بھی نہیں ہو سکتا کہ اس عادت کو بدل ڈالے۔ اسی طرح تفسیر ابوالسعود میں لکھا ہے کہ خدا کی یہی سنت ہے کہ جو امت اپنے رسول کو اپنے علاقہ سے نکال دے، خدا تعالی اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔

اسی سورہ بنی اسرائیل (۱۰۳۔۱۰۴) میں فرماتا ہے:

فاراد ان یستفزّھم من الارض فاغرقناہ ومن مّعه جمیعاً وقلنا من بعده لبنی اسرائیل اسکنوا الارض (پس ارادہ کیا (فرعون نے) کہ دل برداشتہ کرے ان کو اس سرزمین سے، تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو ڈبو دیا اور اس کے بعد بنی اسرائیل کو کہا کہ اب تم اس زمین میں بااختیار ہو کر سکونت اختیار کرو)

گویا سنّة من قد ارسلنا قبلک من رّسلنا کی ایک مثال بھی ذکر فرما دی۔

(۲) لئن لّم ینته المنافقون فی قلوبھم مّرض و المرجفون فی المدینة لنغرینّک بھم ثمّ لا یجاورونک فیھا الّا قلیلاً ۔ ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا ۔ سنّة اللّه فی الّذین خلوا من قبل و لن تجد لسنّة اللّه تبدیلاً (احزاب ۶۰۔۶۲) (اگر منافق اور وہ جن کے دل میں مرض (شک) ہے اور وہ جو شہر میں بری خبریں اڑاتے پھرتے ہیں، باز نہ آئیں گے، تو ہم تجھ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ پھر وہ اس شہر میں تیرے نزدیک تھوڑے ہی دن رہیں گے۔ لعنت مارے ہوئے ہو کر جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں گے۔ جو لوگ پہلے گذرے ہیں ان میں (بھی) خدا کا (یہی) دستور رہا ہے اور اے پیغمبر! تم خدا کے دستور میں ہرگز (کسی طرح کا) ردّ و بدل نہ پاؤ گے)

اس میں بھی عذاب الٰہی کا صاف ذکر ہے چنانچہ تفسیر ابوالسعود میں لکھا ہے:

سنّ اللّه ذلک فی الامم الماضیة سنّة وھی ان یّقتل الّذین نافقوا الانبیاء علیھم الصّلوة و السّلام و سعوا فی توھین امرھم بالارجاف و نحوه اینما ثقفوا۔ یعنی گزشتہ امتوں میں خدا تعالی کی سنت یہی رہی ہے کہ ان لوگوں کو جو انبیاء سے منافقت کریں اور ان کے امر (دین) کے ضعیف کرنے میں ارجاف (غلط پروپیگنڈہ) کرنے یا اس کی مثل (اور شرارتوں کی) سعی کریں، تو اللہ تعالی ان کو ٹکڑے ٹکڑے ہی کر دیتا رہا ہے)

اسی طرح تفسیر کبیر میں بھی یہی مضمون ہے۔اسی طرح لسان العرب میں ہے۔

ای سنّ اللہ ذلک فی الّذین نافقو الانبیاء و ارجفوا بھم ان یّقتلوا این ثقفوا ای وجدوا۔اس کے بعد سنۃ الاولین (سورہ کہف) کی نسبت کہا ہے قال الزّجا ج سنّۃ الاوّلین انّھم عاینوا العذا ب۔(لیجئے اکمل صاحب لغت کی کتاب سے بھی سنۃ اللہ سے مراد عذاب اللہ ثابت ہوگیا۔اب تو قادیانی کو چھوڑ یئے)

(۳) و لا یحیق المکر السّیّء الّا باھلہ فھل ینظرون الّا سنّۃ ا لاوّلین فلن تجد لسنّۃ اللّٰہ تبدیلاً و لن تجد لسنّۃ اللّٰہ تحویلا (فاطر: ۴۳)

(اور بری تدبیر (کا وبال) صرف اس کے اہل ہی پر پڑا کرتا ہے۔تو یہ لوگ سوائے پہلوں کی سنت کے اور کچھ انتظار نہیں کرتے۔پس تو ہرگز خدا کی سنت میں تبدیلی نہ پائے گا اور نہ خدا کی سنت میں تحویل (ٹالنا) پائے گا)

چنانچہ تفسیر ابوالسعو د میں کہا ہے:

ای سنّۃ اللّٰہ فیھم بتعذیب مکذّبیھم۔یعنی ایسے لوگوں کے بارے میں خدا کی سنت یہ ہے کہ مکذبین کو عذاب کرے۔

اسی طرح تفسیر کبیر میں ہے:

لیس لھم بعد ھذا الّا انتظار الاھلاک و ھو سنّۃ الاوّلین۔یعنی ان بداندیشوں کے لئے اس کے بعد سوائے ان کی ہلاکت کے کسی چیز کا انتظار نہیں ہے اور یہی پہلے لوگوں میں خدا کی سنت ہے)

(۴) ولو قاتلکم الّذین کفروا لولّوا الادبار ثمّ لا یجدون ولیّاً وّلا نصیراً۔سنّۃ اللّٰہ الّتی قد خلت من قبل ولن تجد لسنّۃ اللّٰہ تبد یلاً (فتح: ۲۲۔۲۳) (اور اگر کفار تم سے لڑیں تو پیٹھ پھیر جائینگے۔پھر ان کو کوئی بھی حامی و مددگار نہ ملے گا (یہ) خدا کی سنت (ہے) جو پہلے گزر چکی اور تو ہرگز خدا کی سنت میں تبدیلی نہ پائیگا)

چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے سنّۃ اللّٰہ نصرۃ رسولہ و اھلاک عدوّہ یعنی خدا کی سنت یہ ہے کہ اپنے رسول کی مدد کرے اور اس کے دشمن ہلاک کرے۔

اسی مضمون، عدم تبدیل عذاب الٰہی، کو مواقع کثیرہ میں بالفاظ دیگر بیان کیا گیا ہے گویا وہ آیات تفسیر ہیں سنۃ اللہ کی۔چنانچہ فرمایا سورہ انعام (۱۴۸) میں ولا یردّ بأسہ عن القوم

المجرمین (اوراس کا عذاب مجرم لوگوں سے ہٹایا نہیں جا سکتا)۔ نیز سورہ یوسف (۱۱۰) میں فرمایا و لا یردّ بأسنا عن القوم المجرمین (اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے ہٹایا نہیں جاتا)۔ اور سورہ مومن کے اخیر میں (۸۵) فرمایا فلم یک ینفعهم ایمانهم لمّا رأوا بأسنا سنّة اللّه الّتی قد خلت فی عباده و خسر هنا لک الکا فرون (پس جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا تو ان کو ان کے ایمان نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا (یہ) خدا کی سنت (ہے) جو اس کے بندوں میں گزر چکی اور اس وقت کفار خسارے میں ہوئے)

(اکمل صاحب نے ان آیتوں میں سنۃ اللہ سے عذاب الٰہی مراد نہ ہونے میں بہت بے سود کوشش کی ہے۔ اس کا صحیح و درست جواب یہ ہو سکتا تھا کہ آپ قرآن شریف میں سے کوئی پانچویں جگہ نکال دیتے جہاں سنۃ اللہ کو غیر مبدل کہا ہو، اور سابقاً یا لاحقاً عذاب و نکال کا ذکر و قرینہ نہ ہو، کیونکہ موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہوتی ہے۔ مگر آپ کو یہ باتیں بتائے کون ؟ مسیح قادیانی تو خود ان علوم سے ناواقف تھا، مرید کیا جانیں گے؟ اور کلمۃ اللہ کے متعلق ایک بات آپ کو بتاؤں کہ یہاں پر مراد خدا کے وعدے ہیں جو قادیانی سے کبھی بھی پورے نہیں ہوئے۔ سمجھ میں نہ آئے تو محمدی بیگم کا نکاح، ڈاکٹر عبدالحکیم اور عبداللہ آتھم کی موت، مولوی ثناء اللہ صاحب سے آخری فیصلہ کے مواعید سمجھ لیں)

اس بیان و تفصیل سے طالب ذکی پر واضح ہو گیا کہ انکار خرق عادت کے لئے و لن تجد لسنّة اللّه تبد یلاً سے تمسک کرنا مراد الٰہی کے بالکل خلاف ہے۔

مقدمہ ثالثہ در بیان خصائص حضرت عیسیٰؑ

قادر و قیوم کا طریق تعلیم اسی نہج پر چلا آیا ہے کہ جب لوگ مسبب حقیقی سے غافل ہو کر اسباب کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں تو وہ عزیز حکیم ان کے مزعومات کو باطل کرنے کے لئے اپنی قدرت کے کرشمے ظاہر کیا کرتا ہے۔ حضرت مسیح کی ولادت باسعادت کے وقت طب اور فلسفہ کا بڑا چرچا تھا (اور ظاہر ہے کہ ان علوم کا مدار اسباب ہی پر ہے) شب و روز کے توغّل نے انکے اذہان قاصرہ میں یہی کچھ مزین کر دیا تھا کہ کوئی چیز بغیر سبب (یعنی وہ سبب جو انسانی علم میں آچکا ہے) و علاج اور بدون ترکیب و مزاج کے پیدا نہیں ہو سکتی۔

اے گرفتارِ سبب از مسبب غافلی   سوئے این رو تاب زاں سو مائلی

سو اللہ تعالیٰ نے انکے اس واہی خیال کے ابطال کیلئے مسیح کو خلاف عادت بے باپ پیدا کیا۔ اور آپ کو طفلی میں خلاف عادت نطق فصیح کی طاقت دی (یہ کلام سورہ مریم آیات ۳۰ تا ۳۳ میں صاف مذکور ہے) اور ایسے مریضوں کو جن کے علاج سے اطباء عاجز ہوں، بغیر اسباب معتادہ کے ان کے ہاتھ پر شفا دی۔ اور معجزہ احیائے موتی جو طاقت بشری سے باہر ہے، ان کے ہاتھ پر ظاہر کیا۔ اور مٹی کی مورت میں آپ کی پھونک سے زندگی کی روح پھونک دی، جو اس سے بھی عجیب تر ہے۔ اور صعود الی السماء، جسے فلاسفر محالات میں شمار کرتے ہیں، حضرت مسیح کو آسمان پر چڑھا کر واقعتاً محقق کر دیا۔ اور فلاسفہ کے اس خیال کو کہ گردش زمانہ کے اثر سے ہر چیز متغیر و مستحیل ہو جاتی ہے، حضرت مسیح کے مسئلہ نزول سے باطل کیا۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے:

قال کثیرمّن العلماء بعث اللّٰہ کلّ نبیّ من الانبیاء بما ینا سب اھل زمانہ فکان الغالب علی زمان موسیٰؑ السّحرو تعظیم السحرۃ فبعثہ اللّٰہ بمعجزۃ بھت الابصار وحیرت کل سحار فلما استیقنوا انھامن عند العظیم الجبار انقادوا للاسلام و صاروا من عباد اللّٰہ الابرار۔واماّ عیسیٰؑ فبعث فی زمن الاطبّا و اصحا ب علم الطّبیعیۃ فجاء ھم من الآیات بما لا سبیل لاحد الیہ الّا ان یکو ن مؤیداً من الّذی شرع الشّریعۃ فمن این للطبیب قدرۃ علی احیاء الجماد او علی مداواۃ الاکمہ و الابرص و بعث من ھو فی قبرہ رھین الی یوم التناد ۔ و کذلک محمد ﷺ بعث فی زمان الفصحاء والبلغاء و تجارید الشعراء فاتاھم بکتا بٍ مّن اللّٰہ عزّوجلّ فلو اجتمعت الانس والجنّ علی ان یاتوا بمثلہ او بعشر سورٍ مّن مثلہ او بسورۃٍ من مثلہ لم یستطیعوا ابداً ۔ و لو کان بعضھم لبعضٍ ظھیراً ۔ وما ذلک الا ان کلام الرّبّ عزّ وجلّ لا یشبہ کلام الخلق ابداً (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۷۔۲۲۸)

(بہت سے علمائے امت نے کہا ہے کہ اللہ نے ہر نبی کو اس (نشان) کے ساتھ مبعوث کیا جو اس کے زمانہ کے لوگوں کے مناسب تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں جادو اور جادوگروں کی تعظیم کا بہت چرچا تھا۔ پس خدا نے آپ کو ایسے معجزے (عصا) سے مبعوث کیا جس نے آنکھوں کو حیران اور ہر جادوگر کو مبہوت کر دیا۔ پس جب انہوں نے یقین کر لیا

کہ وہ معجزہ خدائے بزرگ و جبار کی طرف سے ہے، تو اسلام کے مطیع ہو گئے اور خدا کے نیک بندے بن گئے۔ (اسی طرح) حضرت عیسیٰؑ اطبا اور علم طبیعیات والے لوگوں کے زمانہ میں مبعوث کئے گئے۔ پس وہ ان کے پاس ایسے نشانات لائے جن کی نسبت سوائے اس کے کوئی اور گمان نہیں ہوسکتا کہ یہ سب اس ہستی کی طرف سے ہیں جس نے یہ شریعت مقرر کی ہے۔ پس کوئی طبیب مردوں (اموات) اور جمادات کے زندہ کرنے، یا مادر زاد اندھے اور برص کے علاج پر، اور اس شخص کے اٹھا کھڑا کرنے پر جو اپنی قبر میں قیامت کے دن تک کیلئے مرہون ہو، کہاں سے قدرت لائے؟ اسی طرح حضرت محمد ﷺ بڑے بڑے نامی فصحاء اور بلغاء وشعراء کے زمانہ میں مبعوث کئے گئے۔ پس آپ خدا کی طرف سے ایسی کتاب لائے کہ اگر تمام انسان اور جنّ اس امر پر مجتمع ہو جائیں کہ اس کی مثل یا اس کی دس سورتوں کی مثل یا ایک سورت کی مثل لائیں، تو کبھی نہ لاسکیں گے، اگرچہ بعض بعض کے مددگار بن جائیں اور یہ اسی لئے ہے کہ خدا کا کلام مخلوق کے کلام سے ہرگز نہیں ملتا)

تشریح لفظ آیت: آیت کے معنی علامت ہیں چنانچہ لسان العرب میں ہے: و الآیة العلامة۔ قرآن شریف میں اس کا اطلاق کئی امروں پر آیا ہے کہ ایک ان میں سے عجائبات قدرت ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

ام حسبت انّ اصحاب الکهف و الرّقیم کانوا من آ یاتنا عجباً۔ (کہف:۹) (کیا تو نے گمان کیا کہ غار والے اور تختی والے ہمارے نشانات میں سے کوئی انوکھی چیز تھے)۔

اسی کے موافق لسان العرب میں کہا ہے: آیات اللّٰه عجائبه۔ اسی معنی کے لحاظ سے حضرت عیسیٰؑ کے لئے قرآن شریف میں متعدد مقامات میں آیت کا لفظ وارد ہے۔ چنانچہ فرمایا:

و لنجعله آیةّ للنّاس (مریم:۲۱) (تا کہ ہم اسے (ابن مریم کو) لوگوں کیلئے (اپنی قدرت کا) ایک نشان بنائیں)۔

و جعلناها و ابنها آیةّ للعالمین۔ (انبیاء:۹۱) (اور ہم نے اسے (مریم کو) اور اس کے بیٹے (مسیح) کو جہان والوں کے لئے (اپنی قدرت کا) ایک نشان بنا دیا)۔

و جعلنا ابن مریم و امّه آیةً (مومنون:۵) (اور ہم نے ابن مریم کو اور اس کی ماں کو (اپنی قدرت کا) ایک نشان بنایا)۔

و جعلناه مثلاً لّبنی اسرائیل (زخرف:۵۲) (ہم نے اسے (ابن مریم کو) بنی اسرائیل کے لئے (اپنی قدرت کا) ایک نمونہ بنایا)۔

ان آیات میں خدا تعالی حضرت عیسیٰؑ کو آیت اور مثل یعنی نشان ونمونہ قدرت فرمایا ہے۔ پس اگران کے متعلق قرآن وحدیث میں کوئی ایسی بات وارد ہو جو عام عادت کے خلاف نظر آئے اور لوگوں کو اس سے تعجب پیدا ہو، تو قرآن وحدیث پر ایمان رکھنے والوں کو اس سے کچھ بھی تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جسے خدا نے عام عادت کے خلاف بلا باپ پیدا کیا ہو اور اسے اپنی قدرت کا ایک نشان قرار دیا ہو، اس کے حالات عام نظام کے ماتحت نہ ہوں، تو کوئی تعجب نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت، ان کا طفلی میں حکیمانہ تکلم فی المھد، ان کے معجزات ان کی رفع سماوی اور پھر آسمان سے ان کا نزول سب باتیں اس نظام سے بالکل الگ ہیں جو انسان کے علم میں آیا اور جس پر اس کی معلومات کی چکی گردش کر رہی ہے۔

(قاضی اکمل معجزات مسیحیہ پر اعتراض لکھتے ہیں: اگر حضرت عیسیٰؑ نے معجزے کے پرند اڑائے یا بقول آپ کے خلقِ حیات کیا، تو کیا حضرت موسیٰؑ کا عصا سانپ نہیں بن گیا تھا؟ ص۴۔

جواب۔ ہاں جناب! بن گیا تھا۔ لیکن اس سے آپ کو کیا فائدہ؟ اور ہمیں کیا نقصان؟ اس میں بھی تو ہماری تائید ہے۔

اور یہ جو آپ نے کہا؛ بقول آپ کے خلق حیات کیا۔ جناب! یہ مجھ پر افتراء ہے آپ تو لکھتے ہیں: شہادت القرآن حصہ اول اس وقت میرے سامنے ہے۔ ص۲۔ بھلا اس میں کہیں دکھائیے تو کہ اس میں کہاں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے خلقِ حیات کیا۔ جناب اس میں تو صاف لکھا ہے: اللہ سبحانہ وتعالی نے خلقِ حیات حضرت مسیح کے ہاتھ پر اپنی قدرت کاملہ سے کر دکھایا۔، اسی طرح اعادہء حیات کو بھی خدا ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔ دیکھو شہادت القرآن طبع ثانی ص۱۲)۔

پس حضرت عیسیٰؑ کے متعلق رفع نزاع واختلاف کے لئے یہ طریق نہایت سادہ اور سلامت روی کا ہے اور ایک مومن کے لئے اس میں کوئی بھی اینچ پیچ نہیں ہے۔

سوال: آیات مذکورہ بالا میں حضرت مریم کی شان میں بھی لفظ آیت وارد ہے، تو حضرت مریمؑ میں یہ امر کہاں پائے جاتے ہیں؟

جواب: کسی امر کے ثبوت کے لئے قرآن وحدیث میں اس کے اصل کا وجود ضروری ہے۔ پس جس امر میں حضرت مریم کو آیت کہا گیا ہے بے شک وہ اس میں آیت (نشان قدرت) ہیں، اور جو امر

ان کے حق میں مذکور ہی نہیں وہ زیر بحث ونزاع آ ہی نہیں سکتے ۔ ان میں ان کو آیت قرار دینے کے کیا معنی؟ اس لئے ہم نے اوپر کی عبارت میں نزاع واختلاف کی قید لگائی ہے۔

نکتہ : سورت انبیاء اور سورت مومنون کی آیات میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ دونوں کی نسبت لفظ آیت بصیغہ وحدت وارد ہے حالانکہ دو کیلئے صیغہ تثنیہ ہونا چاہیے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس امر میں یعنی ولادت بلا پدر میں دونوں کا حال بمجموع ایک آیت (نشان) ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں زیر لفظ آیت و جعلنا ابن مریم وامّہ آیۃ (مومنون) کو ذکر کر کے کہا ہے:

و قال ابو منصور لانّ الآیۃ فیھما معا آیۃ وّاحدۃ و ھی الولادۃ دون البعل۔ جلد ۱۸ص ۶۶) (ابو منصور نے کہا یہ اس لئے ہے کہ دونوں میں معاً ایک ہی نشان ہے اور وہ ولادت بغیر مرد کے)

خاکسار کہتا ہے کہ اس کی نظیر آیت ھنّ امّ الکتاب (آل عمران:۶) ہے۔گو ھنّ جمع کی خبر امّ واحد ہے کیونکہ مجموع آیات محکمات ایک شئے ہے اور مجموع آیات متشابہات ایک شئے (مستفاد از تفسیر کبیر)۔ پس حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ میں ایک امر مشترک ہے اور دیگر امر حضرت عیسیٰؑ کی نسبت ثابت ہیں اور حضرت مریمؑ کی نسبت نہیں ۔

امّا الاشتراک ففی انھا ولدتہ من غیر بعل بمحض قدرۃ اللّٰہ و امّا الافتراق ففی التکلم فی المھد و المعجزات الدّالّۃ علی صدق النّبوّۃ و الرّفع الی السّماء حیّاً و النّزول منھا فی آخر الزّمان (میر سیالکوٹی)

(اشتراک اس امر میں ہے کہ حضرت مریمؑ نے حضرت عیسیٰؑ کو صرف خدا کی قدرت سے، بغیر خاوند کے جنا۔اور ان میں فرق ان امور میں ہے: ماں کی گود میں خلاف عادت باتیں کرنا، اور معجزات جو صدق نبوت پر دلالت کرتے ہیں اور آسمان پر زندہ اٹھایا جانا اور آخری زمانہ میں وہاں سے نازل ہونا)

حاصل کلام یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کو قرآن میں آیت کہا گیا اور امور خمسہ مذکورہ بالا ان کی نسبت قرآن وحدیث میں بطور خرق عادت ذکر کئے گئے ۔ پس آپ ان سب میں آیت اللہ ہیں ۔ ایسا نہیں کہ چونکہ آپ کو آیت کہا گیا ہے اسلئے پانچوں امور مذکورہ بالا ان میں بغیر قرآن وحدیث میں وارد ہونے کے بطور خرق عادت مانے جائیں کیونکہ یہ نتیجہ بحسب واقعہ ذکر ہے نہ بحسب علاقہ ولزوم ۔اسی لئے ہم اس کو بطور قضیہ اتفاقیہ (ملا مبین نے شرح مسلّم میں بحث شرطیات میں لفظ اتفاقاً

پرلکھا ہے بحیث یکون کلا النّسبتین واقعتین فی نفس الامر من غیر علاقة بینھما یعنی دونوں نسبتیں نفس الامر میں واقع ہوں اور ان میں علاقہ لزوم وتصانیف نہ ہو) قرار دیتے ہیں نہ بطور قضیہ لزومیہ کے ۔

(قاضی اکمل اس لفظ آیت پر لکھتے ہیں : دوسرے امور کیلئے آیت ٹھہرانا ضروری ہو، تو کیا وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوا؟

جواب ۔ جناب یہ تو اللہ تعالی سے پوچھئے کہ اس نے کیوں نہیں کہا ۔ ہم نے تو صاف لکھ دیا تھا کہ قرآن میں مذکور ہونے کے سبب نشان کی صورت مقرر کی ہے اور ولادت بلا پدر اس کی مؤید لیکن آپ اسے سمجھے نہیں)

تذییل : اسی طرح فرعون کی نسبت وارد ہے لتکو ن لمن خلفک آ یة (یونس : ۹۲) اور وہ صرف اس کے دریا میں ہلاک ہونے اور پھر ذلت کے ساتھ ساحل پر پڑے رہنے میں ہے جیسا کہ سباق آیت اس پر شاہد ہے ۔ نیز اسی کے حق میں فرمایا:

فا خذہ اللّٰہ نکال ا لآخرة و الاولی انّ فی ذلک لعبرةً لّمن یّخشی (نازعات : ۲۵۔۲۶) (اس (خدا) نے اس (فرعون) کو دنیا اور آخرت (ہر دو جہان) کے عبرتناک عذاب میں پکڑا ۔ بے شک اس امر میں (خدا سے) ڈرنے والے کے لئے (بڑی بھاری) عبرت ہے)

اسی طرح حضرت عزیر کی شان میں فرمایا و لنجعلک آیة للنّاس (بقرہ : ۲۵۹) یعنی ، تا کہ ہم تجھ کو لوگوں کے لئے ایک نشان (قدرت) بنائیں) (قرآن میں اس موقع پر حضرت عزیرؑ کا نام مذکور نہیں ۔ مفسرین کی ایک بھاری جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ قصہ حضرت عزیر کا ہے، سو بنا بر مشہور لکھا گیا واللّٰہ اعلم بحقیقة الحال) سو یہ بھی صرف اس امر میں ہے کہ مردوں کو پھر زندگی بخش دینا خدا کی قدرت میں داخل ہے جیسا کہ اس سے پہلے انّی یحی ھذہ اللّٰہ بعد موتھا فاماتہ اللّٰہ مأة عامٍ ثم بعثه ۔ (یعنی خدا اس بستی کے مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا ۔ پس خدا نے اسے سو سال تک مارے رکھا ، پھر زندہ کیا ۔ ۲:۲۵۹) اور اس کے بعد فلمّا تبیّن له قال اعلم انّ اللّٰہ علی کلّ شیءٍ قدیر (پس جب سب کچھ اس کے سامنے ظاہر ہو گیا تو کہنے لگا میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا ہر شئے پر قادر ہے ۔ ۲:۲۵۹) سے ظاہر ہے۔

خلاصہ مطلب یہ کہ چونکہ خصوصیات مسیحیہ حضرت مریمؑ اور حضرت عزیرؑ میں اور فرعون

کے حق میں وارد نہیں ہوئیں ۔ اس لئے ہم نہ تو ان کو ان امور میں آیت اللہ کہہ سکتے ہیں اور نہ ان کے متعلق یہ سوال اٹھ سکتا ہے۔

(قاضی اکمل صاحب اس پر لکھتے ہیں : یہی لفظ (آیت) حضرت مریم کے حق میں بھی وارد ہوا ہے اور حضرت عزیرؑ کے حق میں بھی اور پھر فرعون کے بارے میں بھی آیا ہے ص ۳۔

جواب ۔ ہاں جناب، آیا ہے ۔ لیکن اس اعتراض میں آپکا کیا کمال ہے؟ یہ سوال تو میں نے خود ذکر کر کے اس کا کافی جواب دیدیا ہے، جسے آپ سمجھ نہیں سکے ۔ اگر اعتراض کرنا تھا تو اس جواب پر کرتے)

تنبیہ در بارہ طریقِ بیان

اثبات مدعا کے لئے صرف قرآن شریف سے تمسک کیا گیا ہے اور رفع تنازع کے لئے کوئی امر ایسا نہیں لکھا جس کی تائید کتاب اللہ یا حدیث رسول اللہ ﷺ یا زبان عرب سے نہ ہوتی ہو ۔ خواہ اسے کسی تفسیر سے لکھا ہو، خواہ استعداد خدا داد سے سمجھا ہے ۔ غرض جو کچھ لکھا ہے، مراد کتاب اللہ کے موافق لکھا ہے، خلاف نہیں لکھا ۔ مفسرین کے اقوال صرف اسلئے ذکر کئے ہیں کہ اس زمانہ جہالت میں کفران نعمت کی صنعتِ مذموم بڑھتی جاتی ہے ۔ بنا برآں بعض مصنف تو تحقیقات کو اپنی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں اور اپنے ماخذ کا پتہ نہیں بتاتے اور بعض آئمہ مفسرین کے اقوال کو نظر عزت سے نہیں دیکھتے ۔ لیکن خاکسار ان دونوں امروں میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں ۔ جس امر کو کسی کتاب سے لیا ہے اس کا نام لکھ دیا اور مفسرین کے جس قول کو اختیار کیا ہے اس کی تائید قرآن وحدیث یا لغت عرب یا قواعد علمیہ سے کر دی ہے ۔ پس جب قدر ناشناس لوگ سلف صالحین کے اقوال کو قرآن وحدیث اور لغت عرب اور قواعد علمیہ سے مؤید پائینگے تو انشاء اللہ بدظنی دور ہو جائے گی ۔ دوسرے اس غرض کے لئے کہ اپنے موافقین کو زیادت اطمینان حاصل ہو اور اپنے پر سے ظن تفسیر بالرائے دور ہو جائے ۔ تیسرے اس لئے کہ نازک خیالی کے مدعی جو حقیقت میں تفسیر بالرائے کرتے ہیں، جان لیں کہ وہ سلف صالحین اور متقدمین اسلام کے فہم وادراک کو نہیں پہنچ سکتے ۔

(قاضی ظہور الدین اکمل نے اپنی کتاب شہادۃ الفرقان کے شروع میں خاکسار کی اس کتاب کے متعلق لکھا ہے : نام تو شہادت القرآن ہے مگر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے، شہادۃ تفاسیر ہے ۔ ص ۳۔

جواب یہ ہے کہ قادیانیوں کی سمجھ کو خدا جانے کیا ہو گیا ؟ تفاسیر کے حوالہ جات جس غرض کے لئے دیئے گئے ہیں وہ صاف صاف بیان کر دی گئی ہے، پھر بھی کہتے ہیں شہادۃ تفاسیر ہے) ۔

فصل اول در بیان عدم مصلوبیت عیسیٰؑ

چونکہ مرزا صاحب قادیانی نے حضرت عیسیٰؑ کی وفات قبل النزول کا افتتاح مسئلہ صلیب سے کیا ہے اور یہ مسئلہ ان کے نزدیک بمنزلہ بناء کے ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہم بھی پہلے اس کی تحقیق کریں کہ آیا یہ واقعہ صلیب حضرت عیسیٰؑ کی نسبت درست ہے یا نہیں؟ سو اس کے لئے بیان ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

اس بات کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اب سے تقریباً دو ہزار سال قبل کے واقعہ کی صحت و صداقت کے لئے کسی زبردست قابل اعتبار شہادت وسند کی ضرورت ہے۔ اسلامی نقطہ خیال سے اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اول یہ کہ قرآن مجید یا حدیث صحیح مرفوع میں اس کی تصریح ہو۔ دوم یہ کہ نزول قرآن سے قبل کی کتابوں یا روایتوں میں اس کا ذکر ہو، بشرطیکہ وہ قرآن و نبی ﷺ کی تصریح کے خلاف نہ ہوں، اور زمانہ کے دست برد، لوگوں کے جعل وتصرف اور ان کے ردّ و بدل اور تحریف وتبدیل سے محفوظ چلی آئی ہوں۔ اور ان کے مصنفین تک ان کا سلسلہ روایت صحت سند سے پہنچتا ہو اور پھر ان مصنفین نے اسے معتبر ذرائع وقابل وثوق وسائل سے معلوم کر کے درج کیا ہو۔ سو قرآن شریف میں تو صاف طور پر و ما صلبوہ (نساء) مذکور ہے جس کے خلاف ایک مسلمان کسی بھی دیگر شہادت کو ہرگز نہیں مان سکتا۔ اور نہ اسکے بعد تحقیقات کی کوئی ضرورت باقی رہتی ہے۔ ہاں بے شک مسیحی اسفار میں صلیب کا واقعہ حضرت مسیح کی نسبت اثبات میں مذکور ہے۔ اور ان ہی کی بنا پر سرسید احمد علی گڈھی نے صلیب و وفات مسیح کا واقعہ لکھا (دیکھو تفسیر القرآن مصنفہ سرسید احمد خان۔ سورہ آل عمران) جن کی پیروی میں مرزا صاحب بھی باضافہ دعوی مسیحیت، صلیب و وفات مسیح کے قائل ہوئے۔ ان مسیحی کتابوں کے سوا دونوں صاحبوں کے ہاتھ میں اسلامی کتب میں سے کچھ بھی نہیں اور یہ محقق ہو چکا ہے کہ یہ کتابیں محض جعلی ہیں اور ان کے بیانات ہرگز قابل وثوق نہیں۔

چونکہ ہم نے اس کتاب میں التزام کیا ہے کہ اپنے دعوی اور دلیل کی بنا قرآن کریم پر رکھیں، اس لئے ہم قرآن شریف کی چند آیات سے ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت واقعہ صلیبی محض دروغ ہے۔

☆ کسر صلیب کی پہلی آیت:

و مکروا ومکر اللّٰہ و اللّٰہ خیر الما کرین (آل عمران: ۵۴) (یہود نے (حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے اور صلیب پر چڑھانے کی) تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ایک تدبیر کی، اور اللہ تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے)

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ امام رازیؒ نے (تفسیر کبیر ج ۲ میں) اس آیت مندرجہ عنوان کے ذیل میں لفظ مکر کی تحقیق میں فرمایا ہے:

لانّہ عبارۃ عنِ التّدبیر المحکم الکامل ثمّ اختصّ فی العرف بالتّدبیر فی ایصال الشّر الی الغیر (مکر سے تدبیر محکم اور کامل مراد ہے۔ پھر عرفِ عام میں یہ لفظ ایسی تدبیر میں خاص ہو گیا جو کسی دوسرے کو ضرر پہنچانے کیلئے کی جائے)

امام رازی کا یہ قول بالکل صحیح ہے اور کتاب اللہ اس کی تصدیق کرتی ہے چنانچہ فرمایا:

و الّذین یمکرون السّیّئات لھم عذاب شدید و مکر اولئک ھو یبور (فاطر: ۱۰) (اور جو لوگ بداندیشیاں کرتے ہیں ان کو سخت عذاب ہو گا اور انکا مکر ہی تباہ ہو گا)

فلمّا جاء ھم نذ یر مّا زا دھم الّا نفوراً ۔ نِاستکباراً فی الارض و مکر السّیّء ولا یحیق المکر السّیّء الّا با ھلہ (فاطر: ۴۲-۴۳) (پس جب ان کے پاس ڈرانے والا آ گیا تو ان کو سوائے نفرت و بھاگنے کے اور کچھ حاصل نہ ہوا، بوجہ زمین میں بڑائی چاہنے کے اور بداندیشی کرنے کے اور بداندیشی کا وبال اس کے اہل ہی پر پڑا کرتا ہے)

پہلی آیت میں تو سیّئات کو فعل یمکرون کا مفعول گردانا۔ اور دوسری میں دو دفعہ مکر کو سیّ سے موصوف کیا، جس سے صاف ثابت ہے کہ اصل لغت میں مکر کے معنی صرف تدبیر کرنے کے ہیں۔ نیز اس آیت زیر بحث ومکروا ومکر اللّٰہ کو واللّٰہ خیر الما کرین پر ختم کرنا بھی اس امر کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ تدبیر الٰہی عیسیٰؑ کے حق میں خیر ثابت ہوئی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے شرّ اعداء سے بالکل محفوظ رکھا اور آسمان پر اٹھا لیا اور یہود کے حق میں شرّ ہوئی کہ ان کو مکر میں ناکام رکھا۔ اور ان میں سے ایک شخص پر عیسیٰؑ کی شباہت ڈال دی جس کو پکڑ کر انہوں نے

صلیب پر چڑھایا اور قتل کیا جیسا کہ مفصل مذکور ہوگا۔ انشاء اللّٰہ تعالیٰ

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جملہ مکر اللّٰہ میں مکر کو خدا تعالیٰ طرف نسبت کرنے میں کوئی بھی قباحت و اعتراض نہیں۔

سوال: مکروا میں ضمیر فاعلی کس کی طرف راجع ہے؟

جواب: کفار بنی اسرائیل کی طرف جن سے عیسیٰؑ نے احساس کفر کیا تھا چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے الواو لکفّار بنی اسرائیل الّذین احسّ منھم الکفر (کشاف۔ج ۱)۔ ایسا ہی دیگر تفاسیر مثل سراج منیر، بیضاوی، خازن، مدارک، جلالین، معالم، جامع البیان، ابن کثیر، ابی السعود، عباسی اور تفسیر فیضی میں ہے۔

مفسرین کا یہ قول بالکل راست اور مطابق قرآن مجید ہے جیسا کہ سورہ مائدہ میں ہے

و اذ کففت بنی اسرائیل عنک .....(مائدہ:۱۱) (اے عیسیٰؑ جب ہٹائے رکھا میں نے تجھ سے بنی اسرائیل کو) (اس آیت کی پوری تفسیر آگے آئے گی۔ انشاء اللہ)

سوال: یہود کا یہ مکر کس امر کے لئے تھا؟

جواب: اس امر کے لئے کہ حضرت عیسیٰ کو قتل کر ڈالیں۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے و مکرھم انّھم وکّلوا بہ من یّقتلہ غیلۃ یعنی یہود کا مکر یہ تھا کہ انہوں نے عیسیٰؑ پر ایک ایسا شخص مقرر کیا جو ان کو فریب سے قتل کر ڈالے۔ اور غیلہ بالکسر کی تعریف سراج منیر میں یہ لکھی ہے کہ کوئی کسی کو دھوکے سے کہیں لے جائے۔ جب وہاں پہنچے تو اسے قتل کر ڈالے: و ھی بالکسر ان یخدع غیرہ فیذھب بہ الی موضعٍ فاذا صار الیہ قتلہ (تفسیر السراج المنیر جلد اول) اسی طرح دیگر تفاسیر مثل رحمانی، سواطع، جلالین، جامع البیان، معالم، ابن کثیر، ابی السعود، لباب التاویل، کبیر، انوار التنزیل، عباسی، میں بالاتفاق یہی لکھا ہے کہ یہود کا مکر یہ تھا کہ عیسیٰؑ کو قتل کر ڈالیں۔ بلکہ ابن کثیر اور مدارک میں قتل کے ساتھ صلب کو بھی ضم کیا ہے، چنانچہ تفسیر مدارک میں ہے:

حین اراد قتلہ و صلبہ (جب انہوں نے آپ کو قتل کرنے اور سولی دینے کا ارادہ کیا)۔

(اکمل صاحب لکھتے ہیں: آپ نے خود ہی تسلیم کر لیا کہ یہ مکر عیسیٰؑ کے قتل کیلئے تھا۔ بس جناب اس پر صلیب کے حاشئے نہ چڑھایئے۔ ص ۶۔

جواب۔ قتل ایک ایسا فعل ہے جس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک ان میں صلب بھی ہے۔ موسیٰؑ کے مکے سے جو قبطی مرا تھا اس پر بھی قتل کا لفظ آیا ہے۔ خضرؑ نے جس لڑکے کو مارا تھا اس پر بھی، اور

میدان جنگ میں جو مارے جاتے ہیں ان پر بھی قتل کا لفظ آیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے قتل کی صورت صلب تھی اور اسے مرزا صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں پھر خدا جانے اکمل صاحب انکار کیوں کرتے ہیں۔ لطف یہ کہ آگے چل کر خود بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۱۲۔۱۳، ان کی کتاب کا کہ کتنی جگہ صلب کو قتل کے ساتھ ضم کیا ہے۔ جناب والا! جب آپ کے نزدیک صلب کے معنی صلیب پر قتل کرنے کے ہیں تو ساتھ قتل کیوں لکھتے جاتے ہیں)

سوال: یہ مکر اور تدبیر قتل و صلب کس کے حق میں کی گئی؟

جواب: حضرت عیسیٰؑ کے حق میں۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں ہے :ای کفّار بنی اسرائیل بعیسی ۔اسی طرح دیگر تفاسیر مثل ابن کثیر، مفاتیح الغیب، ارشاد العقل السلیم، لباب التاویل، مدارک، کشاف الحقائق، عباسی، تبصیر الرحمٰن، سواطع الالہام، جامع البیان، معالم، فتح البیان، السراج المنیر، انوار التنزیل، میں بالاتفاق یہی لکھا ہے۔ کسی میں اسم ظاہر ہے اور کسی میں صرف ضمیر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

مفسرین کا یہ قول بالکل حق اور مطابق کتاب اللہ ہے جیسے سورہ مائدہ میں وارد ہے کہ قیامت کو اللہ تعالی حضرت عیسیٰؑ سے خطاب کر کے فرمائے گا

> و اذ کففت بنی اسرائیل عنک اذ جئتھم بالبیّنات فقال الّذین کفروا منھم ان ھذا الا سحر مّبین ۔ (مائدہ:۱۱) (اے عیسی وہ وقت یاد کر) جب میں نے تجھ سے بنی اسرائیل کو دور ہٹائے رکھا۔ جب تو ان کے پاس روشن دلائل لایا تو ان میں سے منکروں نے کہا کہ یہ تو صریح جادو کے سوا کچھ بھی نہیں)

سوال: یہود نے یہ مکر اور تدبیر قتل آپ کے حق میں کیوں کی؟

جواب: یہود نے آپ کے معجزات کو جادو قرار دے کر آپ کو جادوگر ٹھہرایا اور پھر قتل کا حکم لگایا اور اس کی صورت صلیب پر کھینچنا تجویز کی۔ چنانچہ اوپر کی آیت میں معجزات کو جادو قرار دینا صاف مذکور ہے اور آیت مندرجہ عنوان کے قبل بھی ذکر معجزات اس امر پر دلالت کر رہا ہے اور فلمّا احسّ عیسی منھم الکفر کے یہی معنی ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے کفار یہود سے مکر قتل کا احساس کیا۔ اس جگہ کفر بمعنی قتل من باب تسمیۃ الشیء باسم سببہ ہے یعنی کسی شئے کے لئے وہ نام بولنا جو اس کے سبب کا نام ہے۔ چنانچہ مطول میں لکھا ہے:

> رعینا الغیث ای النّبات الّذی سببہ الغیث (چرائی ہم نے بارش یعنی نباتات

جس کے اگنے کا سبب بارش ہے)۔

اسی طرح آیت و ما انزل اللّٰہ من السّماء من رزق (جاثیہ:۵) میں رزق بمعنی مطر یعنی بارش ہے، سبب ہے رزق کے پیدا ہونے کا۔ پس رزق مسبب ہے۔

اسی طرح اس کے نظائر قرآن شریف میں بکثرت موجود ہیں اور کتب بلاغت میں اس قاعدے کی تصریح موجود ہے۔ دیگر یہ کہ کفر کا احساس کے ساتھ ذکر کرنا بھی اس امر کا مؤید ہے کہ اس جگہ کفر سے مراد قتل ہے کیونکہ احساس ایسے مواقع میں اس جگہ مستعمل ہوتا ہے جہاں کوئی خوفناک امر ہو جیسے آیت فلمّا احسّوا بأسنا (انبیاء) اور نیز آیت اذ تحسّونھم (آل عمران) ای تقتلونھم ذریعاً من احسّہ اذا اعدم حسّہ اھلا کاً

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ فلمّا احسّ عیسی منھم الکفر میں کفر بمعنی قتل ہے۔ پس مکر یہود کی صورت ارادہ قتل و صلب عیسی متعین ہو گئی۔

سوال: کیا مفسرین کے اس قول کی تائید قرآن شریف سے ہو سکتی ہے کہ مکر سے مراد قتل ہے؟

جواب: کیوں نہیں؟ بے شک مفسرین کے بیان کی تائید میں کئی آیات ہیں: منھا قول تعالی حاکیاً عن اخوۃ یوسف:

اقتلوا یوسف او اطرحوہ ارضاً (یوسف:۹) (یوسف کو قتل کر ڈالو یا اسے کسی زمین میں پھینک دو)۔

اور اس تدبیر قتل کا نام مکر رکھا۔ چنانچہ اسی سورہ میں ہے وھم یمکرون (یوسف:۱۰۲) فرمایا اور نیز سورہ نمل میں صالح کے بیان میں فرمایا:

و کان فی المدینۃ تسعۃ رھط یفسدون فی الارض ولا یصلحون قالوا تقاسموا باللّٰہ لنبیّتنّہ واھلہ لنقولنّ لولیّہ ما شھدنا مھلک اھلہ وانّا لصادقون (نمل:۴۸-۴۹) (اور اس شہر میں نو شخص تھے جو زمین میں فساد کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ خدا کی قسم کھاؤ کہ اس (صالح) کو اور اس کے اہل کو راتوں رات قتل کر ڈالیں گے۔ پھر اس کے ولی کو کہیں گے کہ ہم تو اس کے قتل کے موقع و وقت پر حاضر نہ تھے اور ہم ضرور سچے ہیں)

یعنی نو مفسدوں نے آپس میں منصوبہ باندھا اور اس پر قسمیں کھانے کو کہا کہ صالح ؑ اور ان کے اہل کو راتوں رات قتل کر ڈالیں۔ ان کی اس تدبیر شر کی نسبت اللہ تعالی نے اس سے آگے

فرمایا و مکروا و مکراً ..یعنی انہوں نے بڑا بھاری مکر کیا۔یعنی پوشیدہ طور پر نبی صالح کو قتل کرنے کی تدبیر کی ۔اسی طرح حضرت سید المرسلین ﷺ کی نسبت کفار نے جو مشاورت کی اسکی نسبت فرمایا:

و اذ یمکر بک الّذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک و یمکرون و یمکر اللّٰہ و اللّٰہ خیر الما کرین (انفال:۳۰) (اور جب کفار تدبیر کرتے تھے کہ تجھے قید کرلیں یا جلاوطن کردیں یا قتل کر ڈالیں، وہ بھی تدبیر کرتے تھے اور خدا بھی تدبیر کرتا تھا،اور خدا بہتر تدبیر کرنے والا ہے)۔

اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی نسبت کفار نے جو مشورہ کیا اس کی نسبت فرمایا:

فما کان جواب قومہ الّا ان قالوا اقتلوہ او حرّقوہ (عنکبوت:۲۴) (اور اس کی قوم سے کوئی جواب نہ آیا سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا اسے قتل کر ڈالو یا آگ میں جلا ڈالو)۔

اور ان کے منصوبہ کا نام کید رکھا۔چنانچہ سورہ انبیاء میں فرمایا:

و ارادوا بہ کیداً فجعلنا ھم الاخسرین (انبیاء:۷۰) (انہوں نے اس کی نسبت خفیہ تدبیر کی پس ہم نے انہی کو نہایت زیاں کار کر دیا)۔

اور مکر اور کید مترادف ہیں چنانچہ مصباح میں ہے: کا دہ، مکر بہ ۔

سوال: کفار ماکرین کے ساتھ سنت الہیہ کیا ہے اور ان کے مکر کا انجام کیا ہوا کرتا ہے؟

جواب: ماکرین کو ہلاک کرنا اور ان کے مکر کا وبال انہی پر نازل کرنا اور اپنے عباد مرسلین کو ان کے مکر سے بچالینا۔ اس کی دلیل اللہ تعالی کے یہ فرامین ہیں:

و الّذین یمکرون السیّئات لھم عذاب شدید و مکر اولئک ھو یبور (فاطر)۔(جو لوگ بری تدبیریں اور منصوبے باندھتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہوگا اور ان کا مکر ہی ہلاک ہوگا)

و لا یحیق المکر السیّء الّا باھلہ (فاطر)(بری تدبیر کا وبال اس کے اہل ہی پر پڑا کرتا ہے)

و ھمّت کل ا مّۃٍ برسولھم لیأخذوہ فاخذ ھم فکیف کان عقاب (مومن)(ہر امت نے اپنے رسول کو ماخوذ کرنے پر کمر باندھی۔پس میں نے انہی کو عذاب میں گرفتار کیا۔پس میرا عذاب ان پر کیسا سخت ہوا)

و اردوا به کیداً فجعلنا هم الاخسرین (انبیاء) (انہوں نے اس ابراہیم، کے ساتھ ایک بھاری مکر کرنا چاہا۔ پس ہم نے انہیں کوسخت زیاں کار کر دیا)

فارادوا به کیداً فجعلنا هم الاسفلین (صافات) (انہوں نے اس، ابراہیم، کے ساتھ بھاری مکر کرنا چاہا، پس ہم نے انہیں سخت پست اور ذلیل کر دیا)

قد مکر الّذین من قبلهم فاتی اللّه بنیانهم من القواعد فخرّ علیهم السّقف من فوقهم و آتهم العذاب من حیث لا یشعرون (النحل) (کفار مکہ کے پیشتر بہت لوگوں نے مکر اور تدابیر کیں۔ پس اللہ تعالی نے ان کی عمارات کو بنیادوں سے گرا دیا اور ان پر چھت ان کے آ پڑے اور ان کو ایسی جگہ سے عذاب آیا جہاں سے ان کو شعور بھی نہ تھا)

و قد مکروا مکرهم و عند اللّه مکرهم وان کان مکرهم لتزول منه الجبال فلا تحسبنّ اللّه مخلف وعده رسله انّ اللّه عزیز ذو انتقام کفار مکہ نے جہاں تک ان سے ہو سکا بہت سی تدبیریں کیں اور اللہ کو انکی سب تدبیریں معلوم ہیں، اگر چہ انکی تدابیر اور مکر ایسے محکم اور زبردست ہوں کہ ان سے زوال جبال یعنی پہاڑوں کا گر جانا ممکن ہو سکے، تو بھی ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ اللہ کبھی بھی اس وعدے کے خلاف کریگا جو اس نے اپنے رسولوں سے کیا ہوا ہے کیونکہ اللہ بڑا غالب ہے اور اعداء سے بدلہ لینے والا ہے)

و لقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ۔ انّهم لهم المنصورون (صافات) (بے شک ہمارا اپنے عباد مرسلین سے پہلے ہی وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ منصور ہونگے)

کتب اللّه لاغلبنّ انا و رسلی انّ اللّه قوی عزیز (مجادلہ) اللہ نے یہ امر مقرر کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہینگے کیونکہ اللہ بڑی قوت والا اور بڑا غالب ہے)

و کان فی المدینة تسعة رهط یفسدون فی الارض و لا یصلحون۔ قالوا تقاسموا باللّه لنبیّتنّه واهله ثم لنقولنّ لولیّه ما شهدنا مهلک اهله و انّا لصادقون ۔ و مکروا مکراً و مکرنا مکراً وهم لا یشعرون۔ فانظر کیف کان عاقبة مکرهم انّا دمّرناهم و قومهم اجمعین فتلک بیوتهم خاویة بما ظلموا انّ فی ذلک لایةً للقوم یّعلمون و

انجینا الّذین آ منوا و کانوا یتّقون (النمل) اس شہر میں نو شخص مفسد اور غیر مصلح تھے انہوں نے آپس میں کہا کہ صالح اور آپ کے اہل بیت کو راتوں رات قتل کرنے پر قسمیں کھاؤ اور اس پر بھی کہ پھر اس کے ولی یعنی حامی و وارث کو کہیں گے کہ ہم تو اس کے اہل بیت کے مرنے کے موقع اور وقت پر حاضر ہی نہ تھے اور ہم ضرور سچے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ انہوں نے بڑا بھاری مکر کیا تھا اور ہم نے بھی مکر (تدبیر محکم) کیا اور وہ ہماری تدبیر کا شعور نہ رکھتے تھے۔ پس دیکھ ان کے مکر کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے ان نو مفسدوں اور ان کے باقی حامی کاروں سب کو بالکل ہلاک کر دیا۔ پس یہ ان کے گھر ان کے ظلم کے سبب اجڑے پڑے ہیں۔ بے شک اس معاملہ میں علم والے یعنی سمجھ والے لوگوں کیلئے (رسولوں کی نصرت اور ان کے دشمنوں کی ذلت کا) بڑا بھاری نشان ہے اور ہم نے مومنین اور متقین یعنی اتباع صالحؑ کو بچا لیا)

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں رسل اللہ کے برخلاف کفار کے مکر کا ذکر ہے اس جگہ یہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو ان کے مکر اور شر سے محفوظ رکھتا ہے اور الٹا ماکرین ہی پر وبال نازل کیا کرتا ہے۔ سو اسی طرح حضرت مسیحؑ کے حق میں بھی اسی طرح کی آیت آئی ہے جیسے حضرت صالحؑ اور حضرت سید المرسلین ﷺ کے حق میں وارد ہے۔ یہ کس قدر غلط اور لغو بات ہے کہ جو الفاظ دیگر رسولوں کے محفوظ رہنے پر دلالت کریں انہی الفاظ کے ہوتے حضرت روح اللہ اس قدر ذلت اور خواری سے صلیب پر کھینچے جائیں کہ آپ کی مبارک رانوں میں میخیں لگائی جائیں اور آپؑ کے پاک ہاتھوں میں کیلیں ٹھونکی جائیں اور آپکے مقدس سر پر کانٹوں کی ٹوپی پہنائی جائے۔ اور آپ کے خزانہ حکمت کی پسلی میں تیر مارا جائے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جس امر کی تاکید کیلئے اللہ تعالیٰ اس قدر تاکید فرمائے اور بانظام بیان کرے، اسی امر کو برخلاف مراد الٰہی اپنا عقیدہ بنایا جائے۔

سوال: و مکر اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر کی، یہ تدبیر الٰہی کیا تھی؟

جواب: یہود کے خلاف اللہ تعالیٰ کا مکر یہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھا لیا اور انہی میں سے کسی کو آپ کا ہم شکل بنا دیا جس کو یہود نے صلیب پر چڑھا کر قتل کیا۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے:

و مکر اللّٰہ انّ رفع عیسی الی السّماء و القی شبھہ علی من اراد اغتیا لہ حتّی قتل (یعنی اللہ کا مکر اور اس کی تدبیر یہ تھی کہ عیسیٰ کو آسمان پر اٹھا لیا اور آپ کی شکل اور شباہت اس شخص پر ڈال دی جس نے آپ کو دھوکے سے قتل کرانا چاہا تھا حتیٰ

کہ وہ قتل کیا گیا)۔

اسی طرح تفسیر جلالین میں بھی ہے:

و مکر اللّٰہ بھم بان القی شبہ عیسی علی من قصد قتلہ فقتلوہ و رفع عیسی (اور خدا کا مکر ان سے یہ تھا کہ عیسیٰؑ کی شباہت اس پر ڈال دی جس نے آپ کے قتل کا قصد کیا تھا سو انہوں نے اسے قتل کیا اور خدا نے عیسیٰؑ کو اوپر اٹھا لیا)

اور اسی طرح تفسیر علامہ ابی السعود میں بھی ہے:

با ن رفع عیسی و القی شبہہ علی من اغتیا لہ حتّی قتل (کہ خدا نے عیسیٰؑ کو اوپر اٹھا لیا اور ان کی شباہت اس پر ڈال دی جس نے آپ سے فریب کا قصد کیا تھا چنانچہ وہ قتل کیا گیا)

(اکمل اس پر اعتراض کرتے ہیں: ان میں سے کسی کا قتل ہونا بھی ضروری تھا تو ثابت کرتے کہ ابراہیم کی جگہ بھی کوئی آگ میں ڈالا گیا اور ہماری سرکار ﷺ کے غار میں رہنے کے عوض کوئی اور غار میں رہا ۔ص ۸۔؛ جب کہ ایک رسول کی شکل ایک کافر پر ڈالی گئی اور ظلم ہمیشہ ظاہر پر کیا جاتا ہے ص ۸ ملخصاً۔

ان دونوں کا جواب بصراحت سوال کر کے دے دیا تھا لیکن اکمل نے عشوہ نمائی نہ کی۔ جناب! عالم امکان میں ممکنات کی صورتیں بہت ہوتی ہیں۔ ہر ممکن درجہ و جوب میں آنے سے پہلے ہر صورت کا احتمال رکھتا ہے، لیکن جب واقع ہو جائے تو بس اسی کو ماننا پڑتا ہے۔ پھر اس میں اتباع دلیل و خبر کی ہوتی ہے جب واجب ہو گیا تو باقی سب احتمالات اور امکانی صورتیں جاتی رہیں۔ اور ظاہر پر حکم تب ہوتا ہے جب حقیقت معلوم نہ ہو، جب حقیقت ما صلبوہ و لکن شبّہ لھم سے معلوم ہو چکی تو ظاہر باطل ہو گیا)

اور اسی طرح تفسیر مدارک میں ہے:

با ن رفع عیسی الی السّماء و القی شبہہ علی من اراد اغتیا لہ حتّی قتل (کہ خدا نے عیسی کو آسمان پر اٹھا لیا اور آپ کی شباہت اس پر ڈال دی جس نے آپ سے فریب کا ارادہ کیا تھا چنانچہ وہ قتل کیا گیا)

اور اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں بھی ہے:

فلما احاطوا بمنزلہ و ظنّوا انّھم ظفروا بہ نجّاہ اللّٰہ تعالی من بینھم و رفع من روزنۃ ذلک البیت الی السّماء و القی شبہہ علی رجل ممّن کان عندہ فی المنزل فلمّا دخل اولئک اعتقدوہ فیظلمۃ اللّیل

عیسی فاخذوہ و صلبوہ و وضعوا علی رأسه الشوک و کان ھذا مکراللّٰہ بھم فانه نجی نبیّه و رفعه من بین اظھرھم و ترکھم فی ضلا لھم یعمھون (ابن کثیر ج ۳) (جب یہود نے آپ کے مکان کو گھیر لیا اور گمان کیا کہ آپ پر غالب ہو گئے، تو خدا نے انکے درمیان سے آپ کو نکال لیا اور اس مکان کی کھڑکی سے آسمان پر اٹھا لیا اور آپ کی شباہت اس پر ڈال دی جو مکان میں آپ کے پاس تھا۔ سو جب وہ اندر گئے تو اس کو رات کے اندھیرے میں عیسیٰ خیال کیا۔ پس اسے پکڑا اور سولی دیا اور سر پر کانٹے رکھے۔ اور انکے ساتھ خدا کا مکر یہی تھا کہ اپنے نبی کو بچا لیا اور اسے انکے درمیان سے اوپر اٹھا لیا اور ان کو ان کی گمراہی میں حیران چھوڑ دیا)

اور اسی طرح تفسیر بیضاوی میں بھی ہے:

حین رفع عیسی و القی شبھه علی من قصد اغتیاله حتّی قتل (جب عیسیٰ کو اوپر اٹھا لیا اور آپ کی شباہت اس پر ڈال دی جس نے آپ کو فریب سے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، حتی کہ وہ قتل کیا گیا)

اسی طرح دیگر تفاسیر مثل رحمانی، فتح البیان، معالم، سراج منیر، فیضی، عباسی، کبیر، جامع البیان میں اس امر کی تصریح موجود ہے۔ تفسیر کبیر میں رازی نے پانچ وجہیں ذکر کی ہیں۔ پہلی تین میں بالتصریح حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے اور کسی پر آپکی شباہت ڈالے جانے کا ذکر کیا، اور چوتھی میں کسی ظالم بادشاہ کا بنی اسرائیل پر مسلط کر دینا مکر الٰہی ٹھہرایا۔ ناقد بصیر پر ظاہر ہے کہ یہ وجہ منافی وجوہ سابقہ نہیں بلکہ انکے ساتھ ضم کی جا سکتی ہے۔ پانچویں وجہ علی سبیل الاحتمال یہ فرمائی:

یحتمل ان یکون المراد انّھم مکروا فی اخفاء امرہ وابطال دینه و مکر اللّٰہ بھم حیث اعلی دینه و اظھر شریعته و قھر بالذّل و الدّناءۃ اعداءہ و ھم الیھود (تفسیر کبیر ج ۲) (احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کے امر مخفی رکھنے اور آپ کے دین کے ابطال میں تدبیر کی اور خدا نے ان سے یہ تدبیر کی کہ آپ کے دین کو بلند کیا اور شریعت کو غالب کیا اور نہایت ذلت اور پستی سے آپ کے دشمنوں کو مغلوب کیا اور وہ یہودی ہیں)۔

اول تو اس وجہ کی تضعیف خود امام رازی نے کلمہ احتمال سے کر دی ہے دیگر یہ کہ اس وجہ اور قول جمہور مفسرین میں منافاۃ نہیں۔ کیونکہ ان میں نسبت سبب اور نتیجہ کی ہے کیونکہ نبی برحق کا

آسمان پر اٹھایا جانا اس نبی کی فضیلت کا مستلزم ہے اور دشمنوں کی ذلت و ناکامی کا موجب ہے۔ فلا منافاۃ بینھما اصلاً (ان دونوں میں ہرگز کوئی منافات نہیں)

سوال: مفسرین نے یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر یہ تھی کہ ایک اور شخص کو جس نے عیسیٰؑ کو پکڑوانا چاہا تھا، صلیب پر چڑھوا کر قتل کرایا اور حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ کیا ان ہر دو امر کی تائید قرآن شریف سے ہوسکتی ہے؟

جواب: بے شک مفسرین نے یہ سب کچھ قرآن شریف ہی سے لکھا ہے۔ امر اول کا بیان و لکن شبّہ لھم میں مصرح ہے اور فقاتلوا آئمۃ الکفر اس کا مؤید ہے۔ اور امر ثانی کی تصریح میں انّی متوفّیک و رافعک الیّ اور بل رفعہ اللّٰہ موجود ہیں۔ ان کی تفصیل موقع پر کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

سوال: و اللّٰہ خیر الماکرین میں بجائے اسم مضمر کے اسم ظاہر کیوں اختیار کیا گیا ہے؟ و ھو خیر الماکرین کیوں نہیں کہا گیا؟

جواب: قرآن شریف میں اللہ جل جلالہ کے اسماء حسنیٰ بکثرت ہیں اور وجہ اس کثرت کی یہ ہے کہ چونکہ قرآن شریف کی آیات مثل دعاوی مع بینات کے ہیں اس لئے ذکر ہر اسم کا حسب اقتضائے مقام ہوتا ہے۔ اور وہ اسم بمنزلہ دلیل و علت کے ہوتا ہے۔ چونکہ آیت ما نحن فیھا موقع نصرت حضرت روح اللہ رسول برحق اور ذلت اعداء میں وارد ہے اس لئے اسم جلالۃ (اللہ) کو بوجہ مہابت و اثبات رسالت و حفاظتِ رسول کمال مناسبت ہے جیسا کہ سورہ مجادلہ میں ہے:

کتب اللّٰہ لا غلبنّ انا و رسلی انّ اللّٰہ قویّ عزیز (مجادلہ: ۲۱) (اللہ نے مقرر کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہینگے کیونکہ اللہ بڑا قوی اور غالب ہے)

چونکہ یہ آیتِ سورہ مجادلہ بھی کفار پر رسول کو غالب کرنے کی بابت وارد ہے اس لئے ذکر اسم جلالۃ (اللہ) کا کیا اور آخر میں اسم جلالۃ کے ساتھ قوت اور غلبہ کا بھی ذکر کیا ہے جو بمنزلہ علت کے ہے۔

و لا یخفی امثال ذلک علی المتامل ومن لم یعط حظاً من ذلک فلا یلومن الّا نفسہ و ھمتہ (اور ایسی باتیں اس پر مخفی نہیں۔ جو تامل کرنے والا ہو اور جس کو اس ملکہ میں سے حصہ نہ ملا ہو، وہ سوائے اپنے نفس کے کسی کو ملامت نہ کرے)

چنانچہ تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم میں علامہ ابوالسعود اسعدہ اللّٰہ

با لفوز بجنّت النّعیم، اسی آیت میں فرماتے ہیں:

و اظهار الجلالة فی موضع الاضمار لتربية المهابة و الجملة تذييل مقرر لمضمون ما قبله (موضع اضمار میں اسم جلالۃ کو ظاہر لانا تربیت مہابت کے لئے ہے اور یہ جملہ تذییل ہے جو مضمون ماقبل کی تقریر اور اثبات کرتا ہے)۔

سوال: و اللّٰه خير الماكرين کی تفسیر کس طرح پر ہے؟

جواب: اس آیت سے مقصود اس امر کا اظہار ہے کہ اللہ قدیر کی تدبیر کے مقابلہ میں مخلوق عاجز کی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی۔ اور اس کی تدبیر اپنے رسولوں کے حق میں خیر ہوتی ہے، اسی طرح عیسیٰؑ کے حق میں بھی تدبیر خیر کی کہ ان کو آسمان پر اٹھالیا

(اکمل صاحب اس پر لکھتے ہیں: رسولوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر بے شک خیر ہی ہوتی ہے مگر تدبیر خیر سے خواہ مخواہ آسمان پر اٹھا لینا مراد لینا ہٹ دھرمی ہے۔ ص ۷۹ حاشیہ نمبرا۔

جواب۔ خواہ مخواہ مراد نہیں لی بلکہ بیان قرآنی سے لی ہے۔ اسے آپ ہٹ دھرمی کہتے ہیں تو پڑے کہیں اور یاد رکھئے لزوم واقعہ اور وقوع واقعہ میں فرق ہوتا ہے)

سوال: بے شک ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ ماکرین مکر میں ناکام رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ الٹا ان ہی پر عذاب نازل کرتا ہے مگر قرآن شریف میں یہود کے بعض انبیاء کے قتل کا جو ذکر آیا ہے اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: قرآن کریم میں تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں شرک پھیلنے کے بعد رسل اللہ تین طرح پر بھیجے گئے ہیں۔ اول وہ رسول جو اصحاب شرائع ہیں اور وہ پانچ ہیں: نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمد ﷺ جیسا کہ فرمایا:

شرع لكم من الدّين ما وصّى به نوحاً و الّذى اوحينا اليک وما وصّينا به ابراهيم و موسى و عيسى (شوریٰ:۱۳) (خدا نے تمہارے لئے وہ دین مقرر کیا ہے جس کی تاکید نوح کو کی تھی۔ اور جو (اے پیغمبر) ہم نے تیری طرف وحی کیا اور جس کی تاکید ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو کی تھی)

واذ اخذنا من النّبيّين ميثاقهم و منک ومن نوحٍ وّ ابراهيم و موسى و عيسى ابن مريم (احزاب:۷) (اور جب ہم نے سب نبیوں سے اور (اے پیغمبر) تجھ سے بھی اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بن مریمؑ سے بھی اقرار لیا)

آیت احزاب میں تخصیص بعد تعیم کا فائدہ مزید کرامت اور زیادہ شرافت ہے اور وہ ان کا اصحاب شرائع ہونا ہے جیسا کہ آیت سورۃ شوری میں مصرح ہے۔

دوسرا وہ گروہ ہے جو اپنی اپنی قوم کی طرف بالاستقلال رسول بنا کر بھیجے گئے اگر چہ صاحب شریعت نہ تھے، ہاں ان کے ہاتھ پر معجزات ظاہر ہوئے۔ اور ان کی قوم بہ سبب تکذیب کے معذب ہوئی۔ مثل صالحؑ اور ہودؑ اور لوطؑ اور شعیبؑ۔

تیسری وہ جماعت جو حکمت اور نبوت دیئے گئے لیکن اتباع تورات کے مامور تھے اور یہ وہ ہیں جو بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰؑ کے بعد بھیجے گئے۔ چنانچہ فرمایا:

انّا انزلنا التّورا ت فیھا ھدی وّ نور یحکم بھا النّبیّون الّذین اسلموا للّذین ھادوا (مائدہ) (ہم نے ہی توریت کو نازل کیا تھا اس میں ہدایت اور نور تھا۔ اس کے مطابق خدا کے فرمانبردار اور انبیاء قوم یہود کے لئے فیصلہ کرتے تھے) (مائدہ:۴۴)۔

مثل یحیٰؑ اور زکریاؑ کی۔ پس محاورہ قرآنی میں نبی اور رسول (مصداق میں) مترادف اور متبادل ہیں۔ ہر نبی رسول ہے اور ہر رسول نبی ہے، صاحب شریعت ہو یا نہ ہو، جیسے کہ موسیٰؑ کی شان میں رسولاً نبیّاً (پارہ ۱۶) فرمایا اور اسماعیلؑ کی شان میں رسولاً نبیّاً فرمایا۔ اور معلوم ہے کہ موسیٰؑ صاحب شریعت تھے اور اسماعیلؑ صاحب شریعت نہ تھے۔ پس بعض علماء کا یہ قول کہ رسول وہ ہے جس پر کتاب اترے اور ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں، اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ حسب التزام قرآن کریم ہے بلکہ یہ ان کی اصطلاح ہے، ولا مشا حۃ فی الاصطلاح (اور اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا)، چنانچہ بعض علماء نے ہماری طرح تحقیق کیا (حاشیہ شرح ملا ص ۴)

(اکمل صاحب اس پر اعتراض کرتے ہیں: کیا آپ کے علماء قرآن کے برخلاف اصطلاحات کے گھڑ لینے کے مجاز ہیں۔ ص ۱۹۔

جواب: جناب قرآن کے خلاف تو کوئی بھی مجاز نہیں، لیکن آپ کو سمجھ نہ ہو تو کوئی کیا کرے۔ قرآن نے جس امر کا التزام نہیں کیا، اسے کوئی گروہ اپنی اصطلاح میں کسی خاص معنی میں مقید کر لے تو اسے خلاف قرآن نہیں کہتے۔ دیگر یہ کہ میں نے تو اس اصطلاح کی پابندی بھی توڑ دی اور حاشیہ شرح ملا کا حوالہ بھی دے دیا۔ آپ نے نظر انداز کیوں کر دیا؟ دیکھئے وہاں لکھا ہے و الرّسول امّا مترا دف للنّبیّ .... و الیہ ذھب جماعۃ ص ۱ نمبر ۴۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی اپنے آپ کو رسول بھی کہتے ہیں اور نبی بھی اور پھر غیر تشریعی بھی کہتے ہیں۔ فافھم)

نتیجہ اس تمہید کا یہ ہے کہ قسم اول و دوم کے رسولوں کے مقابلہ میں ماکرین مکر میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ ان کا قتل شریعت اور رسالت میں شبہ ڈالتا ہے بخلاف جماعت ثالثہ کے کہ ان کا قتل کتاب اور شریعت میں خلل انداز نہیں ہوتا ۔ اس لئے جرم قتل انبیاء سوائے قوم یہود کے کسی امت سے سرزد نہیں ہوا ۔ اگر چہ ہر امت نے اپنے رسول کو قتل کرنے کی کوشش کی ۔ مفسرین آیت یقتلون النّبیّین ، وامثالھا میں حضرت یحیٰؑ اور زکریاؑ کو بالاتفاق مثال میں لکھتے ہیں ۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں کئی مواضع پر اور نیز تفسیر کبیر میں زکریاؑ و یحیٰؑ لکھا ہے اور تفسیر کشاف، معالم، مدارک، جامع البیان، خازن، سراج منیر بیضاوی فتح البیان، رحمانی، ابی السعود ان سب تفاسیر میں حضرت شعیاؑ اور حضرت زکریاؑ اور حضرت یحیٰؑ لکھے ہیں ۔ پس چونکہ حضرت عیسیٰؑ صاحب شرع و معجزات رسول ہیں اس لئے یہود آپ کو صلیب پر نہیں کھینچ سکتے تھے۔

کسر صلیب کی دوسری آیت:

وقولھم انّا قتلنا المسیح ابن مریم رسول اللّٰہ وما قتلوہ وما صلبوہ (نساء:۱۵۷) (اور ان کے اس قول کے سبب بھی کہ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم نے مسیح عیسی بن مریم رسول اللہ کو قتل کر ڈالا ہے اور انہوں نے نہ تو اسے قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا)۔

یہ آیت نفی صلیب کے لئے نص صریح اور دلیل قطعی ہے، اس کا منکر کافر ہے۔ یہ آیت دو وجہ سے نفی صلیب پر دلالت کرتی ہے۔ الوجہ الاول۔ قولہ تعالی بالتصریح وما قتلوہ وما صلبوہ یعنی یہود نے عیسی کو نہ تو قتل کیا اور نہ انہوں نے آپ کو صلیب پر چڑھایا۔

اشتہار بنام مرزا قادیانی:

محرر سطور (محمد ابراہیم میر) نے ایک مطبوع اشتہار مرزا صاحب قادیانی کو بھیجا تھا جسکی نقل حسب ذیل ہے:

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الّذین اصطفی۔

جناب مرزا صاحب!

بندہ جمیع اہل السنہ والجماعۃ سلف و خلف کی طرح اس بات کا قائل ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں چڑھائے گئے اور اب تک فوت بھی نہیں ہوئے۔ آپ اگر قرآن کریم

سے مسیح کا صلیب پر چڑھایا جانا ثابت کر دیں، اور اگر صلیب پر چڑھایا جانا ثابت نہ کر سکیں تو بعد از اقرار عدم مصلوبیت قرآن شریف میں سے بدلائل قطعیہ ان کی وفات ثابت کر دیں، تو بندہ اس بات کا حلفی اقرار کرتا ہے کہ آپ کی تحقیق کا بہت ہی ممنون و مشکور ہو کر مسیح کی وفات کو تسلیم کر لے گا۔ اس امر کے فیصلے کیلئے خواہ آپ مجھے قادیان میں حاضر ہونے کیلئے فرماویں اور کسی عام مجلس میں اس مرحلہ کو طے کریں، خواہ کسی اور جگہ پر تشریف لا کر مجھے اطلاع بخشیں۔ خواہ آپ سیالکوٹ میں قدم رنجہ فرما کر بندے کو ممنون فرماویں۔ بندہ ہر طرح حاضر ہے۔ آپکے سیالکوٹ آنے کی صورت میں ذاتی اخراجات کا متحمل بندہ ہوگا۔ اگر آپ بندے کو قادیان میں طلب نہ فرمائیں اور کسی اور جگہ بھی بسبب کسی خفی وجہ کے خود تشریف نہ لا سکیں تو وہاں قادیان ہی میں بیٹھے بیٹھے اس بار کو برداشت کریں، بندہ اس پر سر تسلیم نہیں پھیرے گا۔ اس عریضہ کے جواب میں آپ کا یہ فرما دینا کہ ہم نے یہ مسئلہ ازالہ اوہام میں بہ بسط لکھا ہوا ہے، بندہ کے لئے جواب باصواب نہیں ہوگا، کیونکہ وہ دلائل جو آپ نے ازالہ اوہام میں بیان کئے ہیں، بندہ کے نزدیک قطعیت چھوڑ مفید ظنیت بھی نہیں ہو سکتے۔ اس عریضہ کی قبولیت و عدم قبولیت سے بندہ کو ایک ہفتہ کے اندر اندر بدستخط خاص قلمی یا بذریعہ اشتہار طبع شدہ اطلاع بخشیں اور اس کی تعمیل کی میعاد ایک ماہ سے زائد نہیں ہونی چاہیے۔ ۸ جون ۱۹۰۲ء

یہ اشتہار رجسٹری کرا کر مرزا قادیانی کی خدمت میں ارسال کیا گیا جس کی رسید بھی آ گئی تھی مگر جواب ندارد۔ ہاں انکے ایک مرید بلکہ استاد زادے مولوی مبارک علی سیالکوٹی نے اسکا جواب لکھ کر اپنی لیاقت کا اظہار کیا۔ سو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ضمناً اس کی بھی تردید ہو جائے۔

اس رسالہ نام کا جواب باصواب ہے اور اس میں مولوی مبارک علی نے حضرت مسیح کے صلیب پر چڑھائے جانے کے ثبوت پر زور مارا ہے۔ اور آپ کو دلائل مزبورہ پر بڑا ناز ہے۔ چنانچہ لوح کے اندرونی صفحہ میں بڑے فخر سے فرماتے ہیں: سوال اور اسکے جواب میں غور فرما کر حسن کلام اور خوبی جواب اور طرز استدلال کی داد دیں۔

نیز نظم دلچسپ میں یوں رقم طراز ہیں:

گو دیکھنے میں چھوٹی سی یہ اک کتاب ہے — اس کا ہر ایک نکتہ مگر لاجواب ہے

جواب باصواب کا جواب

اس رسالہ میں مصنف نے اپنی تحقیقات کی داد ان دوامروں کی صحت پر مانگی ہے:۔

امر اول: صلب کے معنی صلیب پر مارنا ہیں، لہذا ما صلبوہ کے معنی . یہود نے حضرت مسیح کو صلیب پر نہیں مارا، ہوئے۔ چنانچہ صفحہ ۱۴ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

> واضح رہے کہ اصل لغت میں مصلوب ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کی موت صلیب پر واقع ہو جائے۔ دیکھو قاموس اور اقرب الموارد، وغیرہ اور جس شخص کی موت صلیب پر واقع نہ ہو، اس کو لغت کی رو سے مصلوب کہنا جائز نہیں۔ انتہی۔

اور صفحہ ۲۴ میں یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

> کیونکہ عرف لغوی میں مصلوب اسے کہتے ہیں جس کی موت صلیب پر واقع ہو جائے اور جس کی موت واقع نہ ہو، اسے مصلوب نہیں کہتے۔

امر دوم: کلمہ لکن اس وہم کے دفعیہ کے لئے آتا ہے جو کلام سابق سے پیدا ہو اور اللہ تعالی نے ولکن شبّہ لھم اس لئے فرمایا کہ ما صلبوہ کی نفی سے مطلق سولی پر چڑھانے کی نفی بھی سمجھی جاتی تھی (حق بر زبان جاری) مگر چونکہ فعل سولی پر چڑھانا درست تھا اور سولی پر مرجانا غلط، اس لئے ولکن شبّہ لھم سے اس وہم کو دور کیا اور ظاہر کر دیا کہ نفی صلب سے مراد نفی نتیجہ صلب (موت) ہے۔ یعنی سولی پر مرے نہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۶ میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

> پس اس قاعدے کی رو سے ثابت ہوا کہ آیہ زیر بحث کے جملہ اولی منفیہ میں ایک وہم ہے جو جملہ ثانیہ مثبتہ سے بواسطہ حرف استدراک متضمن معنی استثناء رفع کیا گیا ہے اور وہ وہم یہ ہے کہ نفی قتل بعلت صلب سے نفی وقوع صورت صلب موہوم ہوتی ہے جو مناقض اور مغائر نتیجہ صلب (موت) کی ہے۔ پس اللہ تعالی نے اس کو حرف استدراک متضمن معنی استثناء سے یوں ظاہر کیا کہ قتل اور صلب کا نتیجہ واقع نہیں ہوا اور صورت صلب پیش آ گئی۔ پس جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں آیہ شبّہ لھم میں مشتبہ حضرت مسیح ہے اور مشبّہ بہ یہود کا زعمی مصلوب یا وہ مقتول و مصلوب جو بعلت تصلیب معہود فی الذہن ہوتا ہے۔ انتہی۔

اقول: یہ دونوں امر بالکل غلط اور ناشی از جہالت ہیں اور ان کا قائل لیاقت علمیہ سے

بے بہرہ اور علوم رسمیہ سے بالکل نابلد ہے۔

امر اول، یعنی صلب کے معنی سولی پر چڑھا کر مارنا تین وجوہ سے باطل ہے۔ وجہ اول: غیاث اللغات اورصراح میں ہے۔ صلب بردار کردن۔ بلکہ غیاث اللغات میں لفظ صلیب کے ذیل میں کہا ہے: بمعنی بردار کردہ شدہ۔ وجہش آنکہ چوں عیسی علیہ السلام را برآسمان بردند، طرسوس نام شخصے را کہ ہم شکل عیسی بود، بردار کشیدند، و بعد ازاں واقعہ ترسایاں آنرا عیسی پنداشتہ شکل دار باعیسی از چوب تراشیدہ درگلوآویختند و تعظیمش کردند۔ اور سب تراجم اردو فارسی میں صلب کے معنی سولی پر چڑھانا ہی لکھے ہیں۔

ترجمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: ونہ کشتند او را و بردارنکردند اورا۔

ترجمہ شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ: اور نہیں مارا اس کو اور نہ سولی دی اس کو۔

ترجمہ شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ: اور نہ اس کو مارا ہے اور نہ سولی پر چڑھایا۔

ترجمہ حافظ نذیر احمد صاحب: نہ تو انہوں نے ان کو سولی چڑھایا۔

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ صلب کے معنی لغت اور تراجم میں سولی پر چڑھانا لکھے ہیں اور موت اس کے لئے لازم نہیں۔ اگر صلب کے معنی کسی لغت کی کتاب یا کسی محاورے میں یا کسی شعر میں سولی پر چڑھا کر مارنا آئے ہیں تو مصنف صاحب پر واجب تھا کہ اس کتاب کی عبارت نقل کر دیتے۔ صرف آپکا اتنا کہہ دینا کہ عرف لغوی میں فلاں لفظ کے معنی یہ ہیں، سند نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ کہیں کہ صفحہ کے حاشیہ میں قاموس اور اقرب الموارد کا نام لکھ دیا ہے بلکہ اس پر وغیرہ کا بھی پشتہ چڑھا دیا ہے تو اس عذر سے شرم چاہیے۔ مولوی صاحب! جہاں قاموس وغیرہ میں آپ کی تائید کی تصریح کی گئی ہے مہربانی کر کے وہ عبارت ہی نقل کر دی ہوتی تا کہ آپ پر دھوکے کا الزام عائد نہ ہوتا۔ مولوی صاحب! یاد رکھئے لغت کی کسی کتاب میں آپ کی تائید نہیں اور ہرگز نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے۔ یہ صرف آپ ہی کا اختراع ہے اور مصنفین گزشتہ پر افتراء

(اکمل نے بہت محنت سے لسان العرب میں سے عبارت تلاش کر کے نکالی و الصّلب هذه القتلة المعروفه..الخ۔ اور کہا ہے لسان العرب میں صلب کے معنی قتل کے لکھے ہیں ص ۱۱۔

جواب: فعلة بالکسر کا وزن عربی زبان میں نوعیت ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ شافیہ میں ہے و بکسر الفاء للنّوع نحو ضِربة و قِتلة۔ پس صلب کے ضمن میں لسان العرب میں جو القتلة المعروفه لکھا ہے سو اس کے معنی یہ ہیں کہ صلب بھی قتل کا ایک ذریعہ ہے۔ کیونکہ قتل عام ہے،

چاہے کس طرح مارا جائے اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک ان میں سے صلیب بھی ہے۔ اسی لئے قرآن میں ما قتلوہ کے بعد ما صلبوہ کی تصریح کی ضرورت پڑی کہ یہود قتل مسیح کی صورت صلیب پر چڑھا کر مارنا کہتے تھے۔ پس خدا تعالی نے ما قتلوہ سے تو قتل محض کی نفی کر دی اور ما صلبوہ سے صلیب پر چڑھانے کو رد کر دیا۔ پس ما صلبوہ میں فعل صلب جو منفی ہے وہ صلیب پر چڑھانے کے معنوں میں ہوا، نہ کہ صلیب پر مارنے کے معنی میں۔ کیونکہ مارنے کی نفی تو ما قتلوہ میں ہو چکی ہے باقی رہا صلیب پر چڑھایا جانا سو ما صلبوہ سے مردود ہو گیا)

اچھا اگر عربی زبان میں صلب کے معنی سولی پر چڑھا کر مارنا اور مصلوب کے معنی سولی پر چڑھایا جا کر مارا ہوا ہیں، تو صرف سولی پر چڑھانے اور سولی پر چڑھائے ہوئے کیلئے کیا لفظ ہیں؟ جب آپ نے یہ لکھا تھا کہ جس شخص کی موت صلیب پر واقع نہ ہو اس کو لغت کی رو سے مصلوب کہنا ناجائز ہے، تو کیا اس وقت ایسے شخص کیلئے جو لفظ اس زبان میں موضوع ہے، لکھنا ہی یاد نہ رہا تھا، یا خود بدولت کو یاد ہی نہ تھا؟ یا زبان ہی میں کوئی لفظ نہیں؟ براہ کرم وہ لفظ تو لکھ دیا ہوتا، تاکہ آپ کی تحریر کچھ تو مفید پڑتی۔ پہلی دو صورتوں میں آپ کا قصور ہے اور تیسری صورت میں زبان کا نقص۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنے پر الزام سہہ لیں گے اور زبان عرب میں نقص کے قائل نہ بنیں گے۔

وجہ دوم: جو الفاظ افعال کیلئے موضوع ہیں وہ صرف ان کی ابتدائی صورت کیلئے ہیں، نتیجہ ان میں داخل نہیں ہوتا۔ نتیجہ پر دلالت ترکیب سے ہوتی ہے، یا زیادت سے۔ آپ قواعد فقہ یا علم بیان کی کوئی کتاب پڑھیں پھر معلوم ہو جائے گا اور اس سے پہلے ایسی تحقیق کو چھوڑ دیں۔

وجہ سوم: مثل مشہور ہے دروغ گورا حافظہ نہ باشد۔ رسالہ جواب باصواب کے مصنف نے صلب کے معنی سولی پر چڑھا کر مارنا کرنے میں اپنی مطلب برآری کے لئے بہت زور مار کر تصرّف فی اللّغہ کیا ہے اور بموجب مثل مندرجہ عنوان انکی اپنی بہت سی عبارات اسی رسالے میں موجود ہیں جن میں صلب بمعنی مطلق صلیب پر چڑھانا استعمال کیا گیا ہے وہ مواقع یہ ہیں:

۱۔ حاشیہ صفحہ ۱۴، ما قتلوہ یقیناً۔ اے ما وقع موتہ بقتلہ صلباً۔ یعنی قتل بعلت صلب سے نفی وقوع صورتِ صلب موہوم ہوتی ہے۔

۲۔ صفحہ ۱۶، جو مناقض اور مغائر نتیجہ صلب (موت) کی ہے۔

صفحہ ۱۷، اب اس صورت میں یہ معنی ہوئے کہ مسیح کے صلب کا نتیجہ تو واقع نہیں ہوا۔

۴۔ صفحہ ۱۷، اور دونوں جملوں کے ملانے سے عدم وقوع نتیجہ صلب کا اثبات،۔

۵۔صفحہ ۱۸۔ پس ان دونوں آیتوں سے ثابت ہو گیا کہ آیت و ما قتلوہ وما صلبوہ و لکن شبّہ لھم میں مطلق نفی مقصود نہیں ، بلکہ نتیجہ صلب وقتل کی نفی مقصود ہے اور وقوع صورت صلب کا اثبات مطلوب ہے،۔

ہم ان عبارات پر کچھ زیادہ توضیح نہیں کرتے۔صرف ناظرین کے فہم رسا اور انصاف پر چھوڑتے ہیں اور ان کی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں کہ ان عبارات میں صلب بمعنی سولی پر چڑھانا مستعمل ہوا ہے یا نہیں۔ والانصاف اولی الاوصاف (انصاف کرنا سب سے بہتر وصف ہے) اگر مصنف اس اشارے سے اپنی بے علمی کا اعتراف نہ کریں تو نتیجہ اور سبب کی مغائرت سے سمجھ لیں۔ الفقیه تکفیه الاشارۃ و السّفیه لا تفیده العبارۃ (دانا کو بس ایک اشارہ ہی کافی ہے اور نادان کو (لمبی) عبارت بھی مفید نہیں)

امر دوم: یعنی بحث کلمہ لکن کی نسبت یہ عرض ہے کہ مولوی صاحب خود اس وہم میں پڑے ہیں اور عوام کو اوہام میں ڈالتے ہیں۔ فضلّ و اضلّ۔مولوی صاحب نے لکنّ (مثقلة النون) کے قاعدہ میں دو عبارتیں نقل کی ہیں اور ان عبارات سے مولوی صاحب کو کچھ فائدہ نہیں۔ ہاں اتنا فائدہ ضرور ہے کہ مرزائی پارٹی یہ جانے گی کہ مولوی صاحب علم نحو سے واقف ہیں۔مگر علم نحو کے ماہرین کے نزدیک یہ امر شاہد ناطق ہے کہ مولوی صاحب علم نحو سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ آپ نے کتب نحو کی عبارات تو نقل کر دیں کہ لکن ازالہ وہم کے لئے آتا ہے مگر تعیین وہم کی سند میں کسی تفسیر سے عبارت کیوں نقل نہ کی۔مخالف پر کسی کتاب کا حوالہ دے کر وہ امر آشکارا کیا جاتا ہے جس میں اس کو خلاف ہو۔کلمہ لکن کے ازالہ اوہام کیلئے موضوع ہونا تو فریقین کے نزدیک مسلّم ہے، اختلاف تو تعیین وہم میں ہے۔جو وہم آپ کو ہوا ہے اس کی صحت کے لئے کسی کتاب کی عبارت لکھنی چاہیے تھی یا اسے مدلل طور پر ثابت کرنا تھا۔مگر افسوس مولوی صاحب نے غیر ضروری امر ہی پر اپنا سارا زور بل لگا دیا اور جس امر کو دلیل سے ثابت کرنا تھا وہاں پہنچ کر بے دم ہو گئے۔ مولوی صاحب ! معاملہ ایسا نہیں جیسا آپ کو وہم ہوا ہے۔سنئے و ما قتلوہ و ما صلبوہ کے معنی تین طریق سے ہو سکتے ہیں۔

اول: اگر نفی قتل کو مفعول متصور رکھیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے : اور یہود نے مسیح کو قتل نہیں کیا اور نہ اس کو صلیب پر چڑھایا۔ و هذا الوجه هو الحقّ (اور یہی وجہ درست ہے)۔

دوم: اگر نفی قتل کو فاعل پر متصور رکھیں تو معنی یہ ہوں گے کہ مسیح کو یہود نے قتل نہیں کیا اور نہ اس کو سولی

پر چڑھایا۔اس کے خلاف یہ ہوگا کہ یہود کے سوا کسی اور نے مارا۔ اور یہ وجہ باطل ہے۔اس کی تفصیل انشاءاللہ آگے آئے گی۔

سوم :اگرنفی کوافعال مذکورہ پر متصور کریں تو معنی یہ ہوں گے : مسیح کو یہود نے قتل نہیں کیااور نہ صلیب پر چڑھایاہے۔اس کے خلاف یہ ہوگا کہ کسی اورطرح مرگیا۔اور یہ وجہ بھی باطل ہے۔

ناظرین انصاف سے دیکھیں کہ ان ہرسہ وجوہ میں سے و لکن شبّہ لھم کوکس وجہ سے تعلق ہے۔اگرانصاف سے غورکیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ و لکن شبّہ لھم کو ان وجوہ میں صرف پہلی ہی صورت سے مناسبت ہے اور جمیع مفسرین نے بالاتفاق یہی معنی کئے ہیں ۔صورت دوم اس لئے درست نہیں کہ اس صورت میں فعل کی اسناد اس کے فاعل کی طرف نہیں کی گئی اور نیز اس لئے کہ اس صورت میں یہود کا ذکر باسم ظاہر چاہیے تھا، یاضمیر مرفوع متصل لانی چاہیے تھی ۔صورت سوم اس لئے باطل ہے کہ جب اس صورت کے خلاف یہ تھا کہ وہ کسی اورطرح مرگے، تو پھرفعل کی نفی یہود کی طرف اشارہ کر کے نہ کی جاتی، بلکہ عام طور پر کہا جاتا کہ اس کوکسی نے نہیں مارا، وہ تو اپنی موت سے بستر پر مراہے، کیونکہ اس صورت میں لفظ احد (بمعنی کوئی) بہ سبب معین نہ ہونے کے نکرہ اور عام ہے اور یہوداس کی نسبت خاص، اور خاص کی نفی عام کی نفی نہیں ہو سکتی۔ باقی رہی صورت اول، سواس کو جملہ و لکن شبّہ لھم سے پورا پورا تعلق ہے، اوروہ یہ ہے کہ یہود نے مسیح کوقتل نہیں کیا اور نہ انہوں نے اسے صلیب پر چڑھایا لیکن کسی ایسے شخص کوصلیب پر چڑھایا جوان کیلئے از روئے مکر کے مسیح کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا کیونکہ جب اللہ تعالی نے ما قتلوہ وما صلبوہ سے مسیح سے مصلوبیت ومقتولیت کی نفی کردی تو وہم ہوسکتا تھا، اوروہ وہم معقول تھا کہ قتل اورصلب حسی امر ہیں وہمی اورخیالی نہیں، اس لئے کوئی نہ کوئی ضرور مصلوب ومقتول ہوا تھا۔اگر وہ مسیح نہیں تھا تو اورکون تھا؟ سوضرور تھا کہ اس کا جواب دے کر ازالہ وہم کیا جاتا۔پس و لکن شبّہ لھم سے اللہ تعالی نے اس وہم کو دفع کیا اورحقیقت امر کھول دی کہ وہ کوئی اورشخص تھا جوکہ یہود کے لئے مکراً بھم مسیح کا ہم شکل بنایا گیا تھا۔

اس میں شائدکوئی کوتاہ نظری سے سوال کرے کہ فعل شبّہ کی اسنادکس کی طرف ہے کیونکہ اسے مسیح کی طرف مسند کیا جائے تو مسلمانوں کے اعتقاد میں مسیح مشبّہ بہ ہیں اور یہاں ذکر مشبّہ کا ہے اوراگرکسی اور مقتول ومصلوب کی طرف اسناد کی جائے تو اس کا اوپر ذکر نہیں۔

ھذا تقریر السّوال

اس کا ایک جواب باتفاق جمہور مفسرین یہ ہے جو امام رازیؒ نے دیا ہے :

ان یسند الی ضمیر المقتول لانّہ قولہ وما قتلوہ و ما صلبوہ یدلّ علی انّہ وقع القتل علی غیرہ فصار ذلک الغیر مذکوراً بھذا الطّریق فحسن اسناد شبّہ الیہ (کہ یہ فعل مسند ہے طرف ضمیر کی جو مقتول کی طرف پھرتی ہے کیونکہ قول و ما قتلوہ و ما صلبوہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کسی اور شخص پر قتل واقع ہوا۔ پس اس طریق سے وہ مقتول مذکور ہوا اور شبّہ کی اسناد اس کی طرف ٹھیک ہوئی)۔

اور نیز انّا قتلنا المسیح سے بھی اس مقتول کا ذکر سمجھ میں آ سکتا ہے جیسا کہ قاضی بیضاوی نے فرمایا: او الی ضمیر المقتول لدلالۃ انّا قتلنا علی انّ ثمّ قتیلاً (یا اس فعل کی اسناد ضمیر مقتول کی طرف ہے کیونکہ انا قتلنا المسیح اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہاں کوئی تو ضرور مقتول تھا)

مولوی صاحب نے شبّہ کی توجیہ میں تفسیر بیضاوی کی عبارت نقل کر کے عوام کو یہ دھوکہ دینا چاہا کہ گویا اس توجیہ میں پہلے مفسر بھی ان سے متفق ہیں۔ اچھا مولوی صاحب! اگر قاضی بیضاوی کی عبارت آپ کے مفید ہے، تو قاضی بیضاوی ہی سے پوچھ لیجئے کہ مسیح کے رفع کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ مولوی صاحب! تفسیر بیضاوی درسی کتاب ہے اور آپ نے نہیں پڑھی تفسیر بیضاوی آپ جیسے ماہروں سے حل نہیں ہو سکتی۔

(مولوی مبارک علی سیالکوٹی، جناب مرزا قادیانی کے استاد مولوی فضل احمد مرحوم کے بیٹے تھے۔ فقہ وغیرہ کی چند ابتدائی کتابیں حافظ محمد سلطان سیالکوٹی سے پڑھیں۔ حدیث کی کچھ کتابیں استاد پنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی سے پڑھیں۔ کسی ناگفتہ بہ شرارت پر جناب حافظ صاحب نے سخت سزا دی وہاں سے بھاگ آئے۔ پھر قادیانی ہو گئے۔ مولوی نور الدین کے بعد لاہوری جماعت میں شامل ہوئے۔ آخر گوجرانوالہ میں طاعون سے فوت ہوئے)۔

مولوی صاحب! آپ مفسرین کے اقوال سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتے مفسرین کے آیت ذیل میں کئی اقوال کے نقل کرنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ اقوال آپس میں متضاد ہیں اور ان سے نتیجہ ایک نہیں نکلتا۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ ہر صورت میں نتیجہ ایک ہی ہے، اس کے اثبات کی کئی صورتیں ہیں۔ اور جس قول سے نتیجہ الٹ نکلتا ہے اس کی تضعیف کر دیتے ہیں۔ آپ ذرا غور کریں کہ اگر

شبّہ کی اسناد جار مجرور کی طرف کرنے یا ضمیر مقتول کی طرف کرنے سے نتیجہ ایک نہیں نکلتا تو مفسرین پر یہ الزام عائد ہوگا کہ وہ قول راجح اور مرجوح اور ضعیف اور قوی میں تمیز نہیں کر سکتے تھے صرف مختلف اقوال کا نقل کر دینا جانتے تھے اور ان میں قوت فیصلہ نہ تھی۔ یا یہ نتیجہ نکلے گا کہ معاذ اللہ قرآن شریف ایسی کتاب ہے کہ اسکے مضامین کے بیان میں اتفاق رائے نہیں۔ اگر ان اختلافات کو اس طریق پر جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، سمجھا جائے تو مفسرین کی بھی علوّ شان ثابت ہوتی ہے اور قرآن کی بھی۔ مفسرین کی اس طرح کہ گویا وہ ایسے وسیع النظر اور ماہر ہیں کہ ایک امر کو کئی وجوہ سے ثابت کر سکتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی اس طرح کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے مضامین کے اثبات کے لئے اپنے اندر ہی کئی دلائل رکھتی ہے۔ فافھم

اب ہم بفضلہٖ تعالیٰ شبّہ کی اسناد کی نسبت مفسرین کے اقوال نقل کر کے مولوی صاحب کے فہم سے وہم کو دور کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ ہر صورت میں نتیجہ یہی ہے کہ کوئی اور شخص مسیح کا ہم شکل بنایا گیا تھا اور وہی صلیب پر کھینچا جا کر مارا گیا تھا چنانچہ تفسیر بیضاوی میں ہے:

و شبّہ مسند الی الجار والمجرور کأنّہ قیل و لکن وقع لھم التّشبیہ بین عیسی و المقتول (شبّہ جار مجرور یعنی لھم کی طرف مسند ہے گویا یہ کہا گیا، لیکن ان کو عیسی اور اس مقتول میں مشابہت نظر آئی)

مولوی صاحب اس توجیہ کی طرف صفحہ ۱۵ کے حاشیہ میں یوں اشارہ کرتے ہیں:

بعض مفسرین نے شبّہ کا اسناد جار مجرور کی طرف بھی مانا ہے۔ جس کے یہ معنی ہوئے و لکن وقع لھم التّشبیہ ای شبّہ علیھم الامر او جعِل الامر مشتبھاً لھم۔

مولوی صاحب نے اس ایک سطر عبارت کے نقل کرنے میں جو خیانت کی ہے وہ ناظرین پر ظاہر ہوگئی ہوگی۔ اگر جار مجرور کی طرف اسناد کرنے سے معنی آپ کے مطلب کے موافق تھے، تو آپ نے اگلی عبارت پوری نقل کیوں نہ کی، اور بین عیسی و المقتول کی خیانت کیوں کی اور اپنی طرف سے اس کے معنی شبّہ علیھم الامر او جعل الامر مشتبھاً لّھم عربی عبارت عربی خط میں لکھ کر کیوں عبارت لمبی کی گئی اور کیوں لوگوں کو دھوکہ دیا گیا؟ ایمانداری تو یہ تھی کہ آپ کتاب کی عبارت پوری نقل کر دیتے، پھر سمجھنے والے خود سمجھ لیتے کہ یہ عبارت آپ کے موافق ہے یا مخالف۔ مولوی صاحب نے وقع لھم التّشبیہ کے معنی شبّہ علیھم الامر او جعل الامر مشتبھاً لّھم کر کے اپنی لیاقت کا ایک اور نمونہ دکھایا ہے۔ سبحان اللہ!

کہاں کی کہاں لگادی۔ آپ پر تشبیہ اور اشتباہ، مشتبہ ہوگئے اور صلہ علی سے نظر ہی عالی پرواز ہوگئی اور صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ پھر یہ فرمایا:

پس بجائے صلہ علی کے صلہ لام کا اختیار کرنا، یہ ایک دقیق بلاغت کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ لام عربی میں انتفاع کے لئے آتا ہے۔ ص ۱۲۔

جواب: مولوی صاحب! آپ کیوں ایسے امور میں دخل انداز ہوتے ہیں جن کے آپ اہل نہیں۔ آپ ناحق لغت اور نحو کا مسئلہ چھیڑتے ہیں۔ آپ لغت اور نحو نہیں جانتے۔ آپ کو کسی استاد کے اس مصرع سے نصیحت کی جاتی ہے؛ نکتہ داں نشود کرم گر کتاب خورد۔ اس عبارت کو بغور پڑھیں۔

اشتباہ اور تشابہ وغیرہ کا صلہ جب علی آئے تب ان کے معنی التباس کے ہوتے ہیں دیکھئے: انّ البقر تشابہ علینا (سورہ بقرہ) (بے شک گائے موصوفہ مشتبہ ہوگئی ہم پر)۔

اور فتشابہ الخلق علیھم (سورہ رعد:۱۶) (پیدائش مشتبہ ہوگئی ان پر)۔

اور: و للبسنا علیھم (سورہ انعام:۹) (اور البتہ مشتبہ کرتے ہم اوپر ان کے)۔

اور شبّہ علیہ الامر تشبیھاً لبس علیہ (قاموس) (معاملہ اس پر مشتبہ ہوگیا)

آپ نے ناحق شبّہ علیھم الا مر اور وقع لھم التشبیہ کو ایک بنا کر اپنی بے بضاعتی پر ہنسایا۔ پھر آپ نے مطولات کا مطالعہ نہیں کیا۔ اگر کیا ہوتا تو ضرور جانتے کہ عربی میں لام کئی معنوں کے لئے آتا ہے۔ ایک ان میں ضرار ہے جیسے اس آیت میں ہے: فیکیدوا لک کیداً (یوسف) (پس وہ تیرے ضرر کی تدبیر کریں گے)۔

ایسے ہی و لکن شبّہ لھم میں بھی ضرار کے لئے ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا و مکروا و مکر اللّٰہ۔ پس یہود کا مکر یہ تھا کہ مسیح کو مصلوب کر کے قتل کر ڈالیں۔ اللہ تعالی کا مکر ان کے مقابلہ میں یہ ہوا کہ انہی میں سے ایک شخص کو مسیح کا ہم شکل بنا کر ان کے اپنے ہاتھ سے مصلوب کرا کے مقتول کرایا۔ جن کا ضرر انہی پر پڑا بحکم آیت سورہ فاطر ولا یحیق المکر السّیّء الّا باھلہ؛؛ (بداندیشی کا وبال اس کے اہل ہی پر پڑا کرتا ہے) (فاطر:۴۳)

دیکھو دونوں آیتوں میں مکر اور کید کے لفظ ہیں جو آپس میں مترادف ہیں۔

دیگر یہ کہ جار مجرور کی طرف اسناد کرنے سے الامر کہاں سے نکال لیا۔ دراصل آپ مفسرین کے اقوال سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتے۔ بیضاوی میں عبارت مذکورۃ الصدر کے آگے لکھا ہے:

او فی الامر علی قول من قال لم یقتل احد وّ لکن ارجِف بقتلہ

فشاع بین النّاس (یا اس معاملہ میں ان کیلئے تشبیہ واقع ہوئی ۔ اس قائل کے قول پر کہ مقتول کوئی بھی نہیں تھا ۔ لیکن عیسیٰؑ کے قتل کی جھوٹی افواہ اڑ گئی اور لوگوں میں شائع ہو گئی)

اس عبارت میں سے فی الامر کو دیکھ کر پہلی توجیہ سے ملا لیا اور ایک الگ عبارت بنا کر مفسرین کے ذمہ لگانی چاہی ۔

واضح ہو کہ آپ نے یہ عبارت بھی صفحہ ۱۷ میں نقل کی ہے اور اس میں یہ خیانت کی ہے کہ فی الامر کی جگہ الی الامر لکھ کر اپنے مطلب کے موافق معنی گھڑ لئے ہیں ۔ زیادہ اطمینان کیلئے تفسیر ارشاد العقل السلیم کا مطالعہ کریں تا کہ آپ کو سمجھ آ جائے کہ صحیح عبارت فی الامر ہے، نہ کہ الی الامر ۔

مطلب اس عبارت کا پہلی عبارت کو ملا کر یہ ہے کہ یہود کے لئے مسیح اور مقتول میں تشبیہ واقع ہو گئی ۔ یعنی ان کی نظر میں وہ مقتول مسیح نظر آیا (حاصل مطلب یہ ہے کہ یہود نے جس شخص کو صلیب پر چڑھا کر قتل کیا ، انہوں نے اس کی نسبت یہ گمان کیا کہ وہ حضرت مسیحؑ ہے حالانکہ وہ کوئی اور تھا) ، یا اس معاملے میں ان کیلئے تشبیہ واقع ہوئی ۔ او فی الامر کا عطف عبارت متقدمہ بین عیسی والمقتول پر ہے ۔ گویا عبارت یوں ہے او وقع لھم التّشبیہ فی الامر .. الخ ۔ اور یہ عبارت بعطف تردیدی کوئی نئی ترکیب نہیں جیسا کہ مولوی صاحب نے خوش فہمی سے سمجھا ہے بلکہ شبّہ کی جار مجرور کی طرف اسناد کرنے میں جو دوسرے معنی ہو سکتے تھے، وہ ذکر کئے ہیں اور ان معنوں کے ضعف کی طرف بھی علی قولِ من قال سے اشارہ کر دیا ۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو تفاسیر کے مطالعہ اور تدریس کی توفیق بخشی ہے وہ خوب پہچانتے ہیں کہ یہ قول شاذ ہے اور پھر بھی اس میں مسیح کی عدم مصلوبیت کی تصریح ہے اور رفع جسمی کی نفی نہیں ۔

مفسرین کا دوسرا قول شبّہ کی اسناد کی نسبت وہ ہے جو پہلے امام رازی اور قاضی بیضاوی کی تفاسیر سے گزر چکا ہے ۔

ناظرین ان دونوں قولوں کو سامنے رکھ کر انصاف سے نظر کریں کہ دونوں ترکیبوں سے نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے یا الگ الگ ؟ اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ مسیح کے سوا کوئی اور شخص مصلوب ہو کر مقتول ہوا ۔ یہ سارا بیان مولوی (مبارک علی) صاحب کی وجہ پر ردّ ہے ، جو ضمناً کیا گیا ۔

مفسرین کی یہ ترکیب کہ شبّہ کی اسناد ضمیر مقتول کی طرف ہے نہایت ٹھیک اور قواعد لسان کے بالکل مطابق ہے

لما قال ابن هشام معرّباً الی ابن مالک انّه لکن غیر عاطفةٍ وّ الواؤ عاطفة بجملةٍ حذِف بعضها علی جملهٍ صرِح بجمیعها قال فالتّقدیر فی نحوها ما قام زید وّ لکن عمر ولکن قام عمر وّ فی و لکن رّسول اللّٰه و لکن کان رسول اللّٰه (مغنی جلد دوم) (چنانچہ امام ابن ہشام نے ابن مالک نحوی کی طرف نسبت کر کے کہا کہ و لکن میں لکن غیر عاطفہ ہوتا ہے۔ اور واؤ ایسے جملہ کو جس میں سے کچھ محذوف ہو، ایسے جملہ سے جو پورا مصرح ہے، عطف کرتی ہے۔ پس مثال قام زید .. الخ میں تقدیر یہ ہے و لکن قام عمرو اور آیت و لکن رّسول اللّٰه میں تقدیر عبارت یوں ہے و لکن کان رسول اللّٰه)

مولوی صاحب بے چارے علم نحو میں ایسے کم فہم ہیں کہ کسی کتاب کی عبارت نقل کرتے وقت امر مقصود اور غیر مقصود میں بھی تمیز نہیں کر سکتے۔ لکنّ مشددة النون کا قاعدہ لکھا اور چونکہ شبّه لهم میں لکن مخففة النون مع الواؤ تھا اس لئے اعتراض سے بچنے کے لئے ایک عبارت کے پیچھے اتنا دنبالہ لگا دیا۔ یجوز معها ای لکن مشددة او مخففة الوا و و هی امّا لعطف جملة علی جملة و اما اعترا ضبة (شرح جامی) اور اس دنبالہ نے آپ کی سخت تفضیح کی، کیونکہ لکن پر واؤ کے داخل ہونے میں تو کوئی خلاف ونزاع نہیں۔ نزاع تو اس میں ہے کہ جس لکن مخففة النون پر واؤ داخل ہو، اس کا حکم کیا ہے؟ آپ اتنا تو سوچ لیتے کہ جب آیت میں لکن مخففة النون مع واؤ ہے تو اس کا بھی کسی کتاب سے قاعدہ دیکھ لیں، مبادا اس میں خصم کے مذہب کی کوئی تائید ہو، اور پھر ندامت اٹھانی پڑے۔ اور مزید براں نہایت جرأت سے مولوی صاحب نے آیت سورہ احزاب و لکن رّسول اللّٰه ....کی ترکیب لکھ دی اور خیال نہ فرمایا کہ آئمہ نحو نے اس کی ترکیب کس طرح کی ہے؟ شائد وہ ترکیب خصم کے مذہب کی مؤید ہو۔ مولوی صاحب! اب تو خوب دیکھ لیا یا نہیں کہ جس طرح ما قام زید و لکن عمرو میں قام محذوف ہے اور آیت و لکن رسول اللّٰه و خاتم النّبیّین میں کان مخذوف ہے اور کان اور قام وہی افعال ہیں جو پہلے جملوں میں نفیاً مذکور ہیں اسی طرح ما قتلوہ و ما صلبوہ و لکن شبّه لهم میں تقدیر عبارت یوں ہے و لکن قتلوا و صلبوا من شبّه لهم (لیکن انہوں نے اس شخص کو قتل کیا اور صلیب پر چڑھایا جو ان کے لئے مسیح کے مشابہ بنایا گیا تھا)۔

تفسیر کشاف جو قرآن مجید کی عربیت اور فصاحت و بلاغت کے ذکر کرنے میں سب

تفسیروں کی استاد ہے، اس میں یوں لکھا ہے: و لکن شبّه لهم من قتلوه (لیکن شبیہ بنایا گیا واسطے ان کے جس کو قتل کیا انہوں نے)۔ اور یہی الفاظ بعینھا تفسیر مدارک میں بھی ہیں اور تفسیر رحمانی جو نکات و معارف قرآنیہ میں لاثانی ہے، اس میں لکھا ہے و لکن قتلوا و صلبوا من القی علیه شِبهه (لیکن انہوں نے اس کو قتل کیا اور صلیب دی جس پر مسیح کی شباہت ڈالی گئی تھی)۔

اس قاعدہ کی دوسری مثال:

ما کان لبشرٍ ان یّؤتیه اللّه الکتاب و الحکم و النبوّة ثم یقول للنّاس کونوا عباداً مّن دونِ اللّه و لکن کونوا ربّانیّین (آل عمران:۷۸)

(کسی بشر کو جسے خدا کتاب اور فہم شریعت اور نبوت عطا کرے، لائق نہیں کہ وہ لوگوں سے یہ کہے کہ خدا کے سوائے میرے بندے بن جاؤ لیکن (یہ کہتا ہے) کہ رب کے بندے بنو)

اس میں تقدیر عبارت یوں ہے ولکن یّقول کونوا ربّانیّین۔

اسی طرح اس قاعدہ کی مثالیں قرآن و حدیث و کتب ادب میں بکثرت ہیں۔ دیکھو تفسیر جلالین و جامع البیان، بیضاوی، مدارک، خازن، سراج منیر، کبیر، ابوالسعود، رحمانی، کشاف، فتح البیان، ابن کثیر (مولوی محمد علی ایم اے لاہوری نے اس قاعدہ سے انکار کیا ہے چونکہ وہ عربی زبان سے ناواقف ہیں اس لئے ان کا انکار غیر جائز ہے)

اب آپ برائے خدا اپنی ہی پیش کردہ آیت سورہ احزاب کی مثال سے اس آیت کو سمجھیں اور امام ابن مالک اور ابن ہشام اور علامہ نسفی اور علامہ علی مہائمی اور فارسِ میدانِ فصاحت علامہ جاراللہ زمخشری کی ترکیب کو تسلیم کر کے حزب اللہ میں داخل ہو جائیں اور قادیانی کے عقائد سے جلد توبہ کر کے اس کے مکائد سے بچ جائیں کیونکہ آیت سورہ احزاب ختم نبوت و رسالت پر نص قطعی ہے اور قادیانی مدعی رسالت ہے اور آپ اس کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی نظم دلچسپ میں سے ایک شعر پیش کیا جاتا ہے

ہے مقتداء امام و رسول خدا ہے وہ　　صادق ہے اور امین ہے عالی خطاب ہے

(حیرانی ہے کہ مولوی مبارک علی نے یہ شعر مرزا صاحب کی زندگی میں لکھا اور ان کی زندگی بھر اس پر قائم رہے۔ پھر مولوی نورالدین کی خلافت کے زمانہ میں بھی اس پر قائم رہے، لیکن لاہوری پارٹی قادیان سے بدر کی گئی اور انہوں نے لاہور میں اپنا الگ شاخسانہ بنا لیا اور مولوی مبارک علی ان کے ہاں مدرسہ میں ملازم ہوئے، تو مولوی محمد علی ایم اے کی موافقت میں، جو عربی زبان سے ناواقف ہیں، قادیانی رسالت سے

تائب ہو گئے اور اپنا شعر بھی بھول گئے اور اسی حالت میں طاعون سے مر گئے)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ جواب باصواب کے باقی بعض قابل اعتراض مقامات پر بھی بنظر تحقیق نقض کیا جائے: ۔

قولہ: صفحہ ۱۹ میں ان کے اپنے اقرار سے ثابت ہو گیا کہ صلیب پر ضرور کوئی ایسا شخص چڑھایا گیا ہے جس کے ناک، کان، آنکھ وغیرہ تمام اعضا مسیح کے اعضاء کے مشابہ تھے۔ گویا ہو بہو وہی تھا۔ انتہی

اقول۔ اس نامعقول قول سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ مجیب صاحب کا دماغ سمجھ سے خالی ہے کیونکہ مشابہت صوری سے اتحاد ذوات لازم نہیں آتا، جیسے کہ حضرت مریم کے پاس جبریل کے بصورت بشری آنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا فتمثل لھا بشراً سویّاً (مریم) یعنی پس وہ (جبریل) اس (مریم) کے پاس پورے (توانا) بشر کی شکل میں آیا)۔ پھر حضرت جبریل کا جواب ذکر کیا انّما انا رسول ربّکِ (یعنی میں تو تیرے رب کا فرشتہ ہوں)۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ باوجود بشری صورت میں ہونے کے حقیقتِ ملکیت ان سے منتزع نہیں ہوئی تھی، بلکہ فرشتے کے فرشتے ہی تھے۔ اسی طرح جو شخص حضرت مسیح کا ہم شکل بنایا گیا تھا اس کی ذات اور حقیقت وہی رہی تھی جو شباہت پڑنے سے پیشتر تھی، گو حضرت مسیح کی صورت اس پر ڈال دی گئی تھی۔ اس کے نظائر و امثال کتب حدیث و واقعات اولیائے عظام میں بکثرت ہیں اور اصطلاح صوفیا کرام میں اسے خلع کہتے ہیں۔ مثلاً حضرت جبریل کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بارہا بصورت بشری آنا (خصوصاً آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں سے حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آنا) صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن نسائی وغیرہ کتب حدیث میں مصرح ہے اور حضرت ابراہمؑ اور لوطؑ کے پاس جو فرشتے بصورت بشری آئے تھے ان کا ذکر بھی قرآن شریف میں متعدد مقامات میں مذکور ہے۔ چنانچہ سورۃ ہود میں ان سے حکایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا یا لوط انّا رسل ربّک (اے لوط ہم تیرے رب کے فرشتے ہیں)۔ اس بیان وتفصیل سے صاف معلوم ہو گیا کہ القائے شبہ سے ذات ملقی علیہ متغیر نہیں ہو جاتی بلکہ حقیقت بر حال قائم رہتی ہے کیونکہ حلیہ اور شکل مثل لباس کے عوارض میں سے ہے داخل حقیقت نہیں۔

قولہ: دنیا کی دو کثیر التعداد قومیں یہود و نصاری تواترِ قومی کے طور پر اس بات پر اتفاق رکھتی ہیں کہ مسیح کو صلیب پر ضرور لٹکایا گیا۔

اقول: جناب! یہود کے قول کو تو اللہ تعالیٰ نے وما قتلوہ و ما صلبوہ سے باطل کر دیا، اور انہیں اس قولِ زور کے سبب ملعون قرار دیا۔ اور آپ ابھی تک ان کے تواتر پر اترا رہے ہیں۔ اور

نصاری کے مذہبی اختلافات کی بابت آپ کو کیا معلوم ہے؟ یہ کس جاہل سے سیکھا تھا کہ نصاری مسیح کے مصلوب ہونے پر اتفاق رکھتے ہیں۔ آپ ان کی کتب خلافیات کا مطالعہ کریں پھر آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ نصاری کے قدیم فرقے یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرت مسیح مصلوب نہیں ہوئے بلکہ ایک اور شخص صلیب پر لٹکایا گیا تھا جس پر حضرت عیسیٰؑ کی شکل ڈال ڈالی گئی تھی (حضرت عیسیٰؑ کا مصلوب ہونا تو پولوس نے کھڑا جس نے منافقت سے آپ کا دین بگاڑا۔ دیکھو رومیوں کے خطوط، قرنتیوں وغیرہ کے نام۔ پھر اس پر کفارہ کی بنیاد ڈالی) چنانچہ جارج سیل صاحب قرآن کریم کے ترجمہ انگریزی میں بذیل آیت و مکروا و مکراللّٰہ واللّٰہ خیر الماکرین، جو لکھتے ہیں وہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ ناظرین انصاف سے غور کریں اور رائے دیں کہ کیا حضرت روح اللہ کا مصلوب ہونا عیسائیوں کا اتفاقی اعتقاد ہے۔

خلاصہ مطلب عبارت انگریزی جارج سیل:

یہود کے خلاف اللہ تعالی کا مکر یہ تھا کہ عیسی کو آسمان پر اٹھا لیا اور آپ کی مشابہت ایک اور شخص پر ڈال دی جو آپ کی بجائے گرفتار کر کے صلیب دیا گیا۔ یہ مسلمانوں کا متواتر مسئلہ ہے۔ بعض (عیسائی) لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ قصہ القائے شباہت کا (معاذ اللہ) محمد رسول اللہ ﷺ کی اپنی اختراع ہے، مگر وہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں کیونکہ پیغمبر صاحب کے زمانے سے بہت مدت پہلے عیسائیوں کے بہت سے فرقوں کا یہی اعتقاد تھا۔ چنانچہ فرقہ بیسلیڈین، جو عیسائیت کے نہایت شروع میں تھا، مسیح کے مصلوب ہونے سے انکار کرتا تھا اور ان اعتقاد یہ تھا کہ سائمن آپ کی جگہ صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ ایسے ہی فرقہ سیرنتھین جو ان سے بھی پیشتر تھا، اور کارپاکریشن، جو مسیح کو صرف انسان ہی مانتے ہیں، ان کا بھی یہی اعتقاد تھا کہ مسیح مصلوب نہیں ہوئے بلکہ حواریوں میں سے ایک شخص کو جو آپ کا ہم شکل تھا، صلیب دیا گیا۔ مصنف فوٹین کہتا ہے کہ میں نے ایک کتاب بنام رسولوں کے سفرنامے پڑھی جس میں پطرس، یوحنا، اندریاس، طامس اور پولوس کے اعمال مندرج تھے، اور منجملہ دیگر امور کے ایک امر یہ بھی تھا کہ:

مسیح مصلوب نہیں ہوئے بلکہ آپ کی بجائے کوئی اور شخص صلیب دیا گیا تھا۔ اور اس لئے حضرت مسیح ان لوگوں پر ہنسے جنہوں نے اپنے زعم میں آپ کو صلیب پر چڑھایا تھا۔

اس کے بعد جارج سیل نے انجیل برنباس کی عبارت نقل کی ہے جس کا مطلب یہ ہے:

جب یہود حضرت مسیح کو پکڑنے کے لئے جا رہے تھے آپ بوساطت چار فرشتگان (جبریل،

مکائیل، اسرائیل، یوریل) تیسرے آسمان پر اٹھا لئے گئے کہ آپ آخر دنیا تک نہ مریں گے اور آپ کی بجائے یہودہ اسکر یوطی صلیب دیا گیا۔ اللہ تعالی نے اس مکار کو یہود کی نظروں میں حضرت مسیح کا ایسا ہم شکل کر دیا کہ یہود اس کو پکڑ کر پلاطوس کے پاس لے گئے۔ یہ مشابہت صوری ایسی عجیب تھی کہ اس سے حضرت مریم اور حواری بھی بھول گئے مگر حضرت مسیح اللہ تعالی سے اجازت لے کر ان کو تسلی دینے کے لئے پھر نازل ہوئے۔ اس پر برناباس جو عیسیٰؑ کا ایک حواری تھا، اس نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے ہم کو اور اپنی والدہ ماجدہ کو کیوں غم اور تکلیف میں رکھا کہ آپ ایسی بری موت مرے، گو یہ تھوڑی دیر کے لئے تھی۔ حضرت مسیح نے اس پر یہ جواب دیا: اے برناباس! سچ جانیو کہ گناہ خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو، اللہ تعالی کے نزدیک سزا کے لائق ہوتا ہے کیونکہ اللہ گناہ سے ناراض ہے۔ میری والدہ ماجدہ اور مومن حواریوں نے مجھے نفسانی پیار کی آمیزش سے محبت کی، اس لئے اللہ تعالی نے ان کو اس موجودہ غم سے سزا دی تا کہ پھر دوزخ کی سزا نہ ہو۔ اور میری تو یہ بات ہے کہ اگرچہ میں دنیا میں بے عیب رہا ہوں مگر چونکہ اور لوگوں نے مجھے خدا اور خدا کا بیٹا کہا اس لئے اللہ تعالی نے، کہ میں قیامت کے دن شیطانوں سے مضحکہ نہ کیا جاؤں، یہودہ اسکر یوطی کی موت سے مجھ پر یہ مضحکہ کرا دیا کہ مسیح صلیب پر مارا گیا اور یہ مضحکہ محمد ﷺ کے آنے تک رہے گا۔ وہ دنیا میں آ کر ہر اس شخص کو اس غلطی سے نکالیں گے جو اللہ تعالی کی شریعت کا متبع ہو۔ انتہی

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کی عدم مصلوبیت کا اعتقاد نصاری کے قدیم فرقوں میں مسلّم تھا اور ان کی قدیم تصانیف بھی اس امر کی شہادت دیتی ہیں اگرچہ وہ کسی غرض سے ان کو مخفی رکھیں مگر بمصداق: انّ اللّٰہ یؤیّد ھذا الدّین بالرّجل الفاجر (خدا اس دین اسلام کی مدد فاجر آدمی سے بھی کرا لیتا ہے) اللہ تعالی نے اعدائے اسلام سے بھی اسلام کی تائید کرائی جس طرح کہ موسیٰؑ کی تربیت فرعون کے گھر میں کرائی۔

انجیل برناباس کے متعلق ایک اور نکتہ ہے کہ مرزا قادیانی دعوی نبوت سے پیشتر عیسائیوں کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت ثابت کرنے میں اسی انجیل برناباس سے انہیں ملزم کیا کرتے تھے، اب ان کے اپنے ہی الزام سے ہم ان کو ملزم کرتے ہیں کہ یہ عبارت جو وہ عیسائیوں کو سناتے تھے خود پڑھیں۔ مرزا صاحب نے اپنی مسیحیت کیلئے رسول اللہ ﷺ کے اثبات نبوت کو بھی جھٹلا دیا۔ قاتلھم اللّٰہ انّی یوفکون (خدا ان کو غارت کرے کدھر بھٹکتے پھرتے ہیں)

قولہ: بحکم احالۃ العادۃ تواطئھم علی الکذب، عادۃً ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ہو،
اقول: جناب مولوی صاحب! آپ کتب درسیہ کے سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتے لہذا نقل عبارات سے اپنی تفضیح نہ کرایا کریں۔ شرح نخبہ میں سے یہ عبارت تو دیکھ لی مگر تواتر کے افادہ یقین کی شروط کے لئے اگلے صفحہ کو الٹ کر نہ دیکھا۔ اگر تواتر کا مدار صرف کثرت پر ہے تو افواہ اور اخبار بے سرو پا کس کا نام ہے؟ پھر تو آپکے نزدیک عوام ہندؤوں کا یہ قول کہ راون کے دس سر تھے اور ہنومان نے پہاڑ اٹھا لیا، اور ایسے باتیں جو ان میں ذائع وشائع ہیں، سب متواترات میں سے ہوں گے کیونکہ ان امور کو ہزاروں لوگ روایت کرتے چلے آئے ہیں۔ جناب من! تواتر کے افادہ یقین کے لئے ایک یہ شرط ہے کہ منتہی اس کا حسّ ہو، دیکھئے شرح نخبہ کے اگلے صفحہ پر ہے:

فاذا جمع ھذہ الشروط الاربعۃ وھی عدد کثیر احالت العادۃ تواطئھم و توافقھم علی الکذب و رووا ذلک عن مثلھم من الابتداء الی الانتھاء و کان مستند انتھائھم الحسّ وانضان الی ذلک ان یّصحب خبرھم افادۃ العلم لسامعہ فھذا ھو المتواتر (ص ۸ مطبوعہ دہلی ۱۹۱۴ء) (پس جب یہ چاروں شرطیں پوری ہو جائیں ۱۔ یہ کہ اتنی بڑی جماعت روایت کرے کہ عادت کی رو سے ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال سمجھا جائے۔ ۲۔ یہ کہ ابتداء سے انتہاء تک سارا سلسلہ عادل ضابط راویوں کا ہو۔ ۳۔ یہ کہ ان کے انتہاء کی استناد امر حسّی ہو۔ ۴۔ یہ کہ ان کا خبر دینا سامع کو یقین کا فائدہ دیوے تو اسے متواتر کہتے ہیں)

اور اسی طرح علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں بعد ذکر دیگر شروط کے فرمایا:

ھذا کلّہ مع کون مستند انتھائہ الحسّ من مشاھدۃ او سماعٍ لانّ ما لا یکون کذلک یحتمل دخول الغلط فیہ (یہ سب باتیں تب معتبر ہیں کہ اس خبر کا انتہاء حس ہو یعنی اگر مشاہدہ کے متعلق ہے تو مشاہدہ ہو اور اگر سماع کے متعلق ہے تو سماع ہو۔ کیونکہ جو اس طرح پر نہ ہو اس میں غلطی کے داخل ہو جانے کا احتمال ہو سکتا ہے)

پس اگر آپ عقیدہ مردودہ صلیبیہ کے زعمی تواتر کو حسب ہدایاتِ عبارات مذکورہ تحقیق کرینگے تو آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ حضرت روح اللہ کی نسبت یہود و نصاریٰ کا قول صلیب بالکل غلط اور مردود ہے۔ شرح عقائد نسفی میں اس امر کی تصریح ہے کہ مصلوبیت حضرت مسیح کا تواتر ممنوع ہے (کیونکہ صدر اول میں اس کی بابت چشم دید شہادت دینے والا ایک شخص بھی نہیں بلکہ حضرت عیسی

کی گرفتاری کے وقت آپ کے سب حواری بھاگ گئے تھے۔ ملاحظہ ہو انجیل متی اور انجیل مرقس۔ پس عہد واقعہ میں واقعہ کا گواہ ہی کوئی نہیں تو زمانہ مابعد کی کثرت کسی کام کی نہ رہی)

قولہ: صفحہ ۷ پر لکھا: مسیح تو کیا مسیح سے بھی عالی درجت انبیاء آنحضرت ﷺ کے خدام کی منزلت نہیں رکھتے،۔ اور نیز کہا: مسیح تو ایک معمولی انسان ہے اور اس قابل نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے خدام کی برابری کر سکے۔

اقول: رسول اللہ ﷺ کے امتی غایت ما فی الباب ولایت کے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پر پہنچ سکتے ہیں، نبی نہیں ہو سکتے کیونکہ آیت و خاتم النّبیین مانع ہے اور ولی کو نبی پر فضیلت دینا اہلسنت کے نزدیک کفر و ضلالت ہے۔ اللہ کا نبی متبوع و مطاع ہوتا ہے اور امتی تابع و مطیع۔ تابع، متبوع سے کس طرح بڑھ سکتا ہے؟ اور مطیع مطاع سے کیسے افضل ہو سکتا ہے؟ مجیب صاحب علم اسلامی سے ایسے بے خبر ہیں کہ اہل سنت کے مشہور عقائد بھی آپ کو معلوم نہیں۔ قصیدہ امالی میں ہے:

و لم یفضل ولیّ قطّ دھراً نبیّاً او رسولاً فی انتحا لی

یعنی ولی کبھی کسی نبی یا رسول سے افضل نہیں ہو سکتا۔

اور ملا علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

و ذلک لانّ الولیّ تابع للنّبیّ ولا یکون التّابع باعلی مرتبۃٍ من المتبوع و لانّ النّبیّ معصوم مامون العاقبۃ و الولیّ یجب ان یکون خائفاً عن الخاتمۃ ولانّ النّبیّ مکرّم بالوحی ومشاھدۃِ الملائکۃِ الکرام و الرّسول مامور بتبلیغ الاحکا م و ارشاد الانام بعد اتصافہ بکمالات الولیّ فی المقامات الفخام فما نقِل عن بعض الکرامیّۃ من جواز کون الولیّ افضل من النّبیّ کفر و ضلالۃ و عبارۃ النسفی فی عقائدہ ولا یبلغ ولیّ درجۃ الانبیاء اولی من عبارۃ الناظم لافادتھا نفی المساوات ایضاً۔ (اس کا سبب یہ ہے کہ ولی نبی کے تابع ہوتا ہے اور کوئی پیرو اپنے پیشوا سے افضل رتبہ پر نہیں ہو سکتا۔ نیز اس لئے کہ نبی معصوم ہے اور خاتمہ سے امن میں ہے، اور ولی کے لئے ضروری ہے کہ خاتمہ سے ڈرتا رہے۔ نیز اس لئے کہ نبی وحی سے اور ملائکہ مقربین کے مشاہدے سے مشرف ہوتا ہے اور رسول احکام الٰہی کی تبلیغ اور خلقت کے ارشاد کا مامور ہوتا ہے۔ بعد ازاں کہ ولی کے کمالات سے بھی نہایت عالی

مقامات پر موصوف ہو۔ پس بعض کرامیہ سے جو نقل کیا گیا ہے کہ جائز ہے کہ کوئی ولی کسی نبی سے افضل ہو، کفر اور ضلالت ہے۔ اور امام نسفی کی یہ عبارت کہ، کوئی ولی انبیاء کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا، اس ناظم کی عبارت سے اولی ہے کیونکہ اس میں مساوات کی بھی نفی کا فائدہ ہے

اسی طرح تمہد ابی الشکور سالمی میں ہے:

قال اهل السنّة و الجماعة انّ النّبیّ افضل من ولیّ وان کانت درجته ادون من درجات النّبوّة و قال المنقشفة من الکرامیة انّه یجوز ان یّکون الولیّ افضل من النّبیّ و هذا کفر۔ (اہل سنت والجماعت کا قول یہ ہے کہ ہر نبی ہر ولی سے افضل ہوتا ہے خواہ وہ نبی درجات نبوت کے کسی ادنی درجے پر ہو اور کرامیہ میں منقشفہ کہتے ہیں کہ ولی کا نبی سے افضل ہونا جائز ہے اور یہ کفر ہے)

اسی طرح دیگر کتب عقائد میں بھی مذکور ہے۔ پس مولوی صاحب کا اس کے خلاف لکھنا ان کی جہالت بین دلیل ہے۔

قولہ۔ صفحہ ۸۔ اگر وہ بقول مشتہر صاحب صلیب پر چڑھا ہی نہیں سکے تو پھر مکر کون سا ہوا جس کو خدا تعالی نے اپنی کتاب عزیز میں ان کی طرف منسوب کیا ہے۔ کیا اللہ تعالی نے بلا وقوع کسی امر کے اس کا وقوع ان کی طرف منسوب کر دیا ہے؟

اقول: یہ امر بھی مجیب صاحب کی بے لیاقتی ظاہر کر رہا ہے کیونکہ مکر کہتے ہیں تدبیر محکم کو، جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ یہود نے حضرت روح اللہ کو صلیب پر چڑھانے کی صرف تدبیر ہی کی تھی، سو اللہ تعالی نے اس ارادہ بد کو ان کی طرف منسوب کیا اور جس شخص کو علوم درسیہ میں ادنی سی ممارست بھی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ارادہ انسانی کو وقوعِ فعل لازم نہیں۔ پس یہ ضرور نہیں کہ جب تک فعل صلب کا وقوع نہ ہو، تب تک یہود کی طرف ارادہ وتدبیر ایصال شر منسوب نہ کر سکیں۔ فافہم

مجیب صاحب اگر اپنی ہی عبارت کو محفوظ رکھتے تو ایسی فاش غلطی نہ کرتے چنانچہ آپ اسی صفحہ کی سطر دوم میں فرماتے ہیں کہ یہود نے ایک منصوبہ بنایا۔، اور تیسری سطر میں، چاہا، لکھتے ہیں اور سطر ششم میں پھر، منصوبہ، تحریر کرتے ہیں۔ آپ غور کریں اور انصاف سے کہیں کہ کیا منصوبہ بنانے اور چاہنے کے یہی معنی ہوا کرتے ہیں کہ وہ امر بالضرور واقع بھی ہو جائے۔ جناب من! ارادہ امر دیگر ہے اور صدور فعل امر دیگر۔

قولہ: صفحہ ۱۱۔ لیکن دعوی کی تکذیب نہیں کی؛۔

اقول: حضرت! اس آیت افلا یتدبّرون القرآن ام علی قلوبٍ اقفالھا (کیا یہ لوگ قرآن کو تدبر سے نہیں پڑھتے یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں) کے مصداق بھی تو پائے جانے چاہییں۔ اگر آپ کو یہود کے دعوائے قتل مسیح کی تردید وتکذیب معلوم نہیں ہوئی تو اس میں قصور کس کا ہے؟

اللہ تعالی نے یہود کی لاف، قتل مسیح، کو ان الفاظ میں بیان کیا:

انّا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللّٰہ۔ نساء: ۱۵۷۔ (ہم نے ضرور عیسی بن مریم، رسول اللہ کو قتل کر ڈالا ہے)،

اس میں دو امر ملحوظ ہیں:۔

اول، دعوی قتل مسیح کو بطور مفاخرت ذکر کرنا، کیونکہ نفس قتل امر فخر نہیں تھا بلکہ ان کے زعم میں قتل محل خاص میں واقع ہوا اس لئے مفعول یعنی المسیح کو موصوف ذکر کیا اور یہی مفاخرت یہود اس امر کی مؤید ہے کہ ما قتلوہ و ما صلبوہ میں نفی قتل وصلب کو مقصور علی المفعول کیا جائے۔

دوم، لفظ انّما سے اس زعم پر یہود کا جزم۔

سو اللہ تعالی نے اس امر اول کی تکذیب وتردید ما قتلوہ و ما صلبوہ سے کر دی اور ان کے فخر کو خاک میں ملا دیا اور امر دوم یعنی ان کے جزم کا ابطال و ما قتلوہ یقیناً سے فرمایا اور حقیقت امر کو و لکن شبّہ لھم اور بل رّفع اللّٰہ الیہ سے کھول دیا کہ کوئی اور شخص مصلوب ہو کر مارا گیا اور حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالی نے آسمان پر اٹھا لیا سبحان اللّٰہ ما احکم کلامہ

دوسری وجہ جس سے آیت قولھم انّا قتلنا المسیح ابن مریم رسول اللّٰہ (ان کے اس قول کے سبب بھی، ہم نے ان پر لعنت کی، کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے ضرور مسیح ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر ڈالا) عقیدہ ملعونہ صلیبیہ کی تردید کرتی ہے، یہ ہے کہ جن جرائم کے سبب اللہ تعالی نے یہود پر لعنت کی منجملہ ان کے ان کا قول بہ قتل وصلب مسیح تھا۔

(اکمل صاحب کہتے ہیں، یہ صلب آپ نے کہاں سے ملا لیا؟

جواب: ما قتلوہ کے بعد ما صلبوہ سے، یعنی قتل کی نفی کے بعد صلب کی نفی کرنے سے معلوم ہوا کہ یہود اس امر کے مدعی تھے کہ ہم نے حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھا کر مار دیا سو اللہ تعالی نے دونوں باتوں کی الگ الگ نفی کر دی)۔

ان جرائم میں سے بعض تو محض اقوال ہیں اور بعض افعال جیسا کہ فبما نقضھم میثاقھم و قولھم انّا قتلنا تک غور کرنے سے واضح ہوتا ہے۔

افعال یہ ہیں: اول نقض میثاق کیونکہ خلاف میثاق فعل صادر ہوتا ہے۔ دوم کفر بآیات اللہ، کیونکہ یہ فعل تحریف کلمات اللہ وقتل انبیاء واخذ رشوت وسود جیسے افعال قبیحہ کی طرف کھینچنے والا ہوا۔ سوم قتل انبیاء، یہ اگرچہ کفر ہی کا نتیجہ ہے مگر چونکہ باصلہ ایک مستقل کفر ہے اس لئے علیحدہ ذکر کیا گیا۔

اور اقوال یہ ہیں: اول، ان کا قلوبنا غلف کہنا۔ دوم حضرت عیسیٰؑ کے بے پدر پیدا ہونے پر قدرت قادر عزیز سے انکار کرنا اور چونکہ ان کا کفر دو زمانوں میں ہوا، اول قبل مبعث عیسیٰؑ، پھر بعد آپ کی ولادت اور بعثت کے، اس لئے کفر کو مکرر ذکر کیا۔ اور اسی نکتہ کے لئے اعادہ جار بھی کیا۔ سوم مریم صفیۃ اللہ پر بہتان لگانا۔ چہارم ان کا یہ کہنا کہ ہم نے حضرت مسیح کو مار ڈالا ہے۔

ناظرین قرآن کریم کی فصاحت اور حسن بیان پر غور کریں کہ اللہ نے ان کے اقوال و افعال میں کس طرح فرق کیا ہے۔ جملہ افعال کو نسبت صدوری وقوعی سے ذکر کیا کہ بے شک ان سے یہ افعال قبیحہ سرزد ہوئے۔ کما یشھد بذلک طریق البیان (جیسا کہ طریق بیان اس کی شہادت دیتا ہے) اور جملہ اقوال کو مردود و مکذوب فرمایا چنانچہ قولھم قلوبنا غلف کو بل طبع اللّٰہ علیھا بکفرھم سے رد کیا اور حضرت مسیح کی ولادت باسعادت کے بارے میں جو اقوال مردودہ آپ پر اور حضرت صفیۃ اللہ (مریم) پر کہے تھے انکو لفظ بہتان سے اور نیز انّ مثل عیسی عند اللّٰہ کمثل آدم (بے شک عیسی کا معاملہ خدا کے نزدیک آدم کی طرح ہے) اور نیز قال انی عبد اللّٰہ (مریم) (کہا میں خدا کا کامل بندہ ہوں) سے اور نیز و الّتی احصنت فرجھا (انبیاء) سے رد فرمایا اور دعوی قتل کو و ما قتلوہ و ما صلبوہ (اور نہیں قتل کیا انہوں نے اس کو اور نہ اس کو صلیب پر چڑھایا) سے مکذوب کیا۔

اس بیان وتفصیل سے واضح ہوگیا کہ اگر فعل صلب صورتِ فعلیہ میں صادر ہوا ہوتا تو اللہ تعالی فعل کو سبب لعنت قرار دیتا، نہ مجرد قول کو۔ اور پھر عبارت و قولھم انّا قتلنا المسیح کی بجائے و بصلبھم المسیح ہوتی، کیونکہ صلیب پر چڑھانا اور معاذ اللہ، رسول برحق کے پاک ہاتھوں میں میخیں لگانا وغیرہ زیادہ سخت جرم ہے، مجرد افتراء و بہتان سے۔ اس قول بقتل المسیح کے سبب یہود کو ملعون و مردود گرداننے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالی کو حضرت مسیح کو آسمان پر مرفوع کیا اور اس وقت تک زندہ رکھا اور پھر آخری زمانے میں دنیا میں نازل کرے گا۔ اس قول مردود سے اس حکمت کا ابطال و بطلان لازم آتا ہے۔ پس اگر اب بھی کوئی شخص حضرت مسیح کے صلیب پر چڑھائے جانے اور ان کی موت قبل النزول کا قائل ہو تو چونکہ وہ بھی اللہ تعالی کی حکمت بالغہ کو باطل

کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کا حکم بھی یہود کا حکم ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ایک اور نکتہ ہے کہ چونکہ اس ذکر سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کے بعض انبیاء کو قتل کرنے کا ذکر کیا اور حضرت مسیح کی نسبت بھی یہود و بعض فرق نصاریٰ کا یہی قول تھا کہ وہ مصلوب ہو کر مقتول ہوئے اور حقیقت الامر اس کے خلاف تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے قتل و صلب کی نفی علیحدہ طور پر کر دی تا کہ کوئی حقیقت ناشناس آپ کو بھی ان انبیاء کے زمرہ میں شمار نہ کر لے جو یہود کے ہاتھ سے شہید ہوئے ۔ اور اس طرز بیان کو التّخصیص بعد التّعمیم لاخراج الخاص عن حکم العام کہتے ہیں۔ پس اس آیت سے ملحدین کی صلیب بالکل منہزم و منکسر ہو گئی۔ و الحمد للّٰہ علی ذلک

کسر صلیب کی تیسری آیت:

و اذ کففت بنی اسرائیل عنک اذ جئتھم بالبیّنات فقال الّذین کفروا منھم ان ھذا الّا سحر مّبین (مائدہ:۱۰) (اللہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ کو فرمائے گا کہ میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم پر کی تھیں۔ منجملہ انکے ایک یہ ہے کہ جب تم بنی اسرائیل کے پاس معجزات لائے اور انہوں نے ان معجزات کو جادو کہا، اور تم پر دست درازی کرنی چاہی تو ہم نے ان کا ہاتھ تم سے روکے رکھا، یعنی تمہارے پاس تک نہ آنے دیا)۔

یہ آیت بالصراحت صلیب ملحدین کو توڑ رہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ یہود کو حضرت عیسیٰؑ سے روکنے کو حضرت عیسیٰؑ پر نعمت فرماتا ہے اور آپ کو امتناناً یاد کراتا ہے۔ معاذ اللہ اگر حضرت مسیح، یہود کے ہاتھ سے صلیب پر چڑھائے جائیں تو اس صورت میں اس امتنان سے کذب باری لازم آتا ہے اور ایسا اعتقاد کفر ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذلک۔

اسی سورت مائدہ میں صحابہ کو ایسے ہی کلمات طیبات سے نعمت یاد کرائی ہے چنانچہ فرمایا:

یا ایّھا الّذین آمنوا اذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم اذ ھمّ قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکفّ ایدیھم عنکم ... (مائدہ:۱۱) (اے مسلمانوں! تم اللہ کی وہ نعمت یاد کرو جو اس نے تم پر کی جب قوم کفار نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو ہم نے ان کے ہاتھ تم سے روکے رکھے)

جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے حق میں یہود نے مکر ایصال شر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو

آپ تک نہ پہنچنے دیا اسی طرح حضرت محمد ﷺ رسول اللہ حبیب خدا اشرف انبیا کے حق میں بھی طائفہ یہود بنی نضیر نے ارادہ کیا اور اللہ تعالی نے آپ کو ان کے شر سے بالکل محفوظ رکھا (ابن کثیر سورہ مائدہ) اور الٹا ان ہی پر وبال جلاوطنی نازل نازل کیا (ابن کثیر، سورہ حشر)۔ یہ آیت اس نعمت عظمی کی تذکیرو یاددہانی کیلئے ہے۔

سبحان اللہ! جس طرح حضرت مسیح کو خطاب یا عیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیک فرمایا اسی طرح اپنے حبیب ﷺ اور آپ کے اصحاب کو یا ایھا الّذین آ منوا اذکروا نعمة اللّٰه علیکم سے خطاب کیا اور جس طرح حضرت عیسیٰ کو و اذ کففت بنی اسرا ئیل عنک سے نعمت یاد دلائی اسی طرح اپنے حبیب ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اذ ھمّ قوم ان یّبسطوا الیکم ایدیھم فکفّ ایدیھم عنکم سے انعام یاد کرایا۔ پس جس طرح اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کو کوئی گزند نہیں پہنچی، اسی طرح عیسیٰ کو بھی صلیب کی تکلیف نہیں اٹھانی پڑی۔

اس آیت مبارکہ میں لفظ کفّ کے متعلق ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا و اذ کففت بنی اسرا ئیل عنک (اور جب ہٹا رکھا میں نے تجھ سے بنی اسرائیل کو) اور یہ نہیں فرمایا و اذ نجّینا ک من بنی اسرا ئیل (یعنی جب بچایا تجھ کو..) جیسے کہ دوسرے مقام پر بنی اسرائیل کو اپنی نعمت یاد کرائی واذ نجّینا کم من آل فرعون یسومونکم سوء العذا ب (بقرہ: ۴۹) (اور جب بچایا ہم نے تم کو آل فرعون سے پہنچاتے تھے تم کو بہت برا عذاب)۔ کیونکہ اس صورت میں وہم پڑ سکتا تھا کہ یہود نے حضرت عیسی کو گرفتار کرلیا ہوگا اور آپ کو کچھ اذیت بھی پہنچائی ہوگی مگر آخر کار اللہ نے آپ کو ان کے ہاتھ سے بچالیا ہوگا جیسا کہ عقیدہ ملعونہ ذکر کیا جاتا ہے۔ جس طرح کہ بنی اسرائیل فرعون کے ملک میں غلام تھے اور وہ ان کو ہر طرح کی تکلیف پہنچاتا تھا مگر آخر کار اللہ نے ان کو اس کے ظلم سے نجات دی۔ لیکن پہلی صورت میں یعنی قرآن کے الفاظ میں اس وہم کی سراسر تردید ہے۔ یعنی اول تو نجات پانا کی بجائے لفظ کفّ (ہٹا رکھا) استعمال کیا۔ دوم یہ کہ کفّ کا مفعول بنی اسرائیل کو کیا نہ کہ ضمیر مخاطب کو جو عیسیٰ کیلئے ہے۔ یعنی یہ نہیں کہا کففتک عن بنی اسرا ئیل (ہٹا رکھا تجھ کو بنی اسرائیل سے) کیونکہ ارادہ ضرر پہنچانے کا یہود کا تھا، پس انہی کو ہٹا رکھنے کا ذکر مناسب ہے۔ سوم یہ کہ کفّ کا صلہ عن ذکر کیا جو بعد (دوری) کے لئے آتا ہے۔ پس جب اللہ تعالی نے اپنے رسول برحق سے دشمنوں کو بالکل دور ہٹائے رکھا اور آپ کے پاس بھی پھٹکنے نہ دیا تو پھر وہ کس طرح آپ کو کوئی اذیت پہنچا سکتے تھے اور کیسے صلیب پر کھینچ سکتے تھے۔

(اکمل صاحب فرماتے ہیں: باوجود وعدہ و اللّٰہ یعصمک من النّاس کے حضرت رسول کریم ﷺ کا دانت مبارک شہید ہوا... کففت کا لفظ یعصمک سے زیادہ نہیں۔

جواب: اولاً تو یہ ہے کہ و اللّٰہ یعصمک من النّاس دانت مبارک کے شہید ہونے کے بعد نازل ہوئی۔ ثانیاً یہ کہ عصمت کا لفظ اس موقع پر بولا جاتا ہے جب کوئی گرفتار مصیبت ہو اور پھر اس سے بچا لیا جائے۔ دیکھو سورہ ہود میں ہے کہ نوح کے بیٹے نے طوفان میں مبتلا ہونے کے وقت کہا سآوی الی جبلٍ یعصمنی من الماء اور حضرت نوحؑ نے اس کے جواب میں کہا لا عاصم الیوم من امرِ اللّٰہ۔ پس کف کا لفظ عصمت کی نسبت زیادہ ہوا)۔

یہی آیت یعنی و اذ کففت دوسری آیت و مطھّرک من الّذین کفروا(کافروں سے تجھے پاک رکھنے والا ہوں) کی صحیح تفسیر ہے کہ اس میں بھی تطہیر سے مراد یہی ہے کہ عیسیٰؑ یہودیوں کے ہاتھ سے پاک رہیں گے۔ جملہ معتبر تفاسیر میں اس آیت و اذ کففت... کے ذیل میں ایسا ہی مذکور ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ اللہ نے عیسیٰؑ کو یہود کے ہاتھ گرفتار نہیں ہونے دیا اور کوئی گزند پہنچنے نہیں دیا بلکہ مبسوط تفاسیر میں رفع الی السّماء کی بھی تصریح ہے چنانچہ تفسیر فتح البیان میں ہے:

و لما اتی عیسی بھذہ الآیات البیّنات قصد الیھود بقتلہ فخلّصہ اللّٰہ منھم و رفعہ الی السّماء (فتح البیان ج ۲) (اور جب حضرت عیسیٰؑ نے یہ روشن نشانات (معجزات) دکھلائے تو یہود نے آپ کے قتل کا قصد کیا۔ سو خدا تعالیٰ نے آپ کو ان میں سے صاف نکال لیا اور آسمان کی طرف اٹھا لیا)

اور اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں یہ لکھا ہے:

ای واذکر نعمتی علیک فی کفّی ایّاھم عنک حین جئتھم بالبراھین والحجج القاطعۃ علی نبوّتک و رسالتک من اللّٰہ الیھم فکذّبوک و اتّھموک بانّک ساحر و سعوا فی قتلک و صلبک فنجّیتک منھم و رفعتک الیّ و طھّرتک من دنسھم و کفیتک شرّھم (ابن کثیر زیر آیت ہذا) (اے مسیح تو وہ نعمت یاد کر جو ان یہود کو تجھ سے دور ہٹا رکھنے کے بارے میں کی، جب تو ان کے پاس یقینی دلائل اور قطعی ثبوت اپنی نبوت اور رسالت کے لایا تو انہوں نے تیری تکذیب کی اور تجھے تہمت لگائی کہ تو جادوگر ہے اور تیرے قتل و عذاب میں سعی کرنے لگے تو ہم نے تجھ کو ان میں سے نکال لیا اور اپنی طرف اٹھا لیا اور تجھے ان کی

میل سے پاک رکھا اور ان کی شرارت سے بچالیا)

اور اسی طرح تفسیر کبیر میں ہے:

روی انّه علیه الصّلوة والسّلام لمّا اظهر هذه المعجزات العجیبة قصد الیهود قتله فخلّصه اللّٰه منهم حیث رفعه الی السّماء (مروی ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ نے یہ معجزات مذکورہ دکھلائے تو یہود نے آپ کے قتل کا قصد کیا تو خدا نے آپ کو ان میں سے اس طرح صاف نکال لیا کہ انہیں آسمان پر اٹھالیا)

اور اسی طرح تفسیر خازن میں ہے:

وذلک انّ عیسی لمّا اتی بهذه المعجزات العجیبة الباهرة قصد الیهود قتله فخلّصه اللّٰه منهم و رفعه الی السّماء (اور اس کا سبب یہ تھا کہ جب عیسیٰؑ ایسے عجیب اور روشن معجزات لے کر آئے تو یہود نے آپ کے قتل کا قصد کیا۔ پس اللہ نے آپ کو ان میں سے اس طرح صاف ہی نکال لیا کہ انہیں آسمان پر اٹھالیا)

مرزا قادیانی نے اپنے رسالہ ازالہ اوہام میں ان آیات تذکیر انعامات میں کہا ہے کہ اگر حضرت مسیح آسمان پر اٹھائے گئے ہیں تو ایسا بھی انعام ان نعمتوں میں کیوں معدود نہیں ہوا؟ جواباً معروض ہے کہ اگر چشم حق بین سے دیکھیں تو واذ کففت بنی اسرا ئیل عنک اسی نعمت جلیلہ کی تذکیر کیلئے کافی ہے کیونکہ جب بیان قرآنی کی رہنمائی سے مفسرین نے صورت واقعہ کو ملحوظ رکھ کر اس آیت سے سمجھ لیا تو جس شخص پر یہ انعام وارد ہوا، وہ کیوں نہ سمجھے گا۔

سوال: حضرت ابراہیم کو کفار نے آگ میں ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آگ سے بچالیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہود نے حضرت روح اللہ کو صلیب پر چڑھا دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ رکھا اور ان کے ہاتھ سے مرنے نہ دیا، تو اس میں کیا حرج ہے؟

جواب: مصنف رسالہ جواب باصواب کو بھی صفحہ ۱۰ میں یہی خبط ہوا ہے۔ جناب! وقائع اور امور تاریخیہ میں قیاس کو بالکل دخل نہیں ہوتا بلکہ ان کا مدار صرف روایت وشہادت ہی پر ہوتا ہے۔ وقائع میں قیاسات کے مفید نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وقوع حوادث کی صورت واحد دون آخر نہیں ہوتی، پس عیسیٰؑ کے واقعہ کو قیاس محض سے واقعہ ابراہیمؑ کا ہم رنگ بنانا جہالت و سفاہت ہے کیونکہ صورت نجات اسی ایک طریق میں منحصر نہیں ہے کما لا یخفی علی من له ادنی تامّل۔ دیگر یہ کہ ہمارا دین سماعی ہے قیاسی نہیں۔ یعنی جو امر جس طرح قرآن و حدیث میں وارد ہے اسے اسی

طرح تسلیم کرتے ہیں اور اپنے قیاسات نحیفہ اور خیالات ضعیفہ پر مدار نہیں رکھتے۔ چونکہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کا آگ میں پڑنا اور پھر سلامت رہنا ذکر کیا گیا ہے اسلئے اس واقعہ کو اسی طرح مانتے ہیں اور چونکہ حضرت عیسیٰؑ کا صلیب پر نہ چڑھایا جانا اور یہود کا آپ کو مسّ تک بھی نہ کرسکنا مذکور ہے اسی لئے اسی طرح یقین رکھتے ہیں، اپنے خیال و قیاس سے کچھ نہیں کہتے۔ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے واقعہ نار کی بابت سورہ انبیاء میں فرمایا:

قلنا یا نار کونی برداً و سلاماً علی ابراھیم و ارادوا به کیداً فجعلنا ھم الاخسر ین (انبیاء: ۷۰) ہم نے کہا اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا اور انہوں نے ابراہیم سے داؤ کرنا چاہا، پس ہم نے انہی کو نہایت زیانکار کر دیا

اور سورہ صافات میں الاسفلین (نہایت پست) فرمایا۔ سوان آیات میں امر یا نار کونی برداً و سلاماً علی ابراھیم مشعر اس امر کا ہے کہ آپ آگ میں ڈالے گئے تھے کیونکہ امر یا نار کونی برداً و سلاماً نہیں ہو سکتا جب تک آگ موجود نہ ہو اور علی ابراھیم صادق نہیں ہو سکتا جب تک حضرت ابراہیمؑ اس میں واقع نہ ہوں (وجود خارجی بھی ہوتا ہے اور ذہنی بھی۔ خدا کے امر میں دونوں برابر ہیں۔ صورت اس کی یہ ہے کہ اگر خدا کے امر کے وقت مامور خارج میں موجود نہ ہو بلکہ خدا کے علم میں ہو تو خدا تعالی اس صورت علمیہ کو امر کرتا ہے تو لزوماً خارج میں اس کا وجود ہو جاتا ہے چنانچہ فرمایا انّما امرہ ا ذا اراد شیئاً ان یّقول له کن فیکون۔ یس: ۸۲)۔ علاوہ اس کے حدیث میں رفعاً وارد ہوا:

عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللّٰه ﷺ لمّا القی ابرا ھیمؑ فی النّار قال اللّٰھم انّک واحد فی السّماء و انا فی الارض وا حد اعبد ک (ابن کثیر) یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈالے گئے تو آپ نے کہا اے خدا تو آسمان میں واحد (لاشریک) ہے اور (اس وقت) زمین میں صرف میں اکیلا تیری (خالص) عبادت کرتا ہوں..)

نیز صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے موقوفاً وارد ہے:

عن ابن عباس قال کان آ خر قول ابراھیم حین القی فی النّار حسبی اللّٰه و نعم الوکیل (بخاری، کتاب التفسیر، سورہ آل عمران) یعنی حضرت ابراہیمؑ جب آگ میں ڈالے گئے تو آخری بات جو آپ نے کی وہ یہ تھی حسبی اللّٰه و نعم الوکیل

یعنی مجھے صرف اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہتر کارساز ہے)

پس اس سے آگ کا واقعہ صاف ثابت ہو گیا۔

نیز یہ کہ کفار کو اخسرین اور اسفلین کر دینا، فرمایا اور خاسرین و سافلین نہ فرمایا کیونکہ اسم تفضیل پر از روئے معنی زیادتی ہوتی ہے جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ پس کفار الاخسرین یعنی سخت زیان کار اور الاسفلین یعنی نہایت پست اور ذلیل تب ہی ہو سکتے ہیں جب اپنا سارا زور بل لگا چکیں اور اپنے اسباب کو استعمال میں لا چکیں اور پھر اپنے ارادے میں ناکام رہیں۔ جیسا کہ سورہ کہف کے اخیر میں فرمایا:

قل ھل ننبّئکم بالاخسرین اعمالاً۔الّذین ضلّ سعیھم فی الحیوۃ الدّنیا و ھم یحسبون انّھم یحسنون صنعاً (کہف:۱۰۳۔۱۰۴) (کہو کیا ہم تم کو بتائیں کہ اپنے اعمال میں کون نہایت زیانکار رہتے ہیں؟ ایسے لوگ وہ ہوتے ہیں جن کی سعی اسی زندگی میں اکارت جائے اور وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نیک کام کرتے ہیں)

اس سے ظاہر ہے کہ اخسر اس کو کہتے ہیں جس کی سعی اکارت جائے۔ نیز فرمایا:

فما کان جواب قومہ الّا ان قالوا اقتلوہ او حرّقوہ فانجاہ اللّٰہ من النّار (عنکبوت:۲۴) (یعنی ان کی قوم سے کوئی جواب اس کے سوائے بن نہ آیا کہ وہ کہنے لگے کہ اسے قتل کر ڈالو یا اسے آگ میں جلا دو۔ پس خدا نے اسے اس آگ سے نجات دی)

اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ کے خلاف آپ کی قوم کی دو تجویزیں ذکر کی گئی ہیں، قتل یا آگ میں جلانا۔ پھر آگ سے بچا لینے کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ کفار آگ میں ڈالنے کی تجویز کو عمل میں لائے تھے، لیکن خدا نے آپ کو اس کے گزند سے محفوظ رکھا۔ دیگر یہ لفظ نجات جو اس آیت میں وارد ہے اس جگہ بولا جاتا ہے جہاں کوئی مبتلائے مصیبت ہو اور پھر اس سے بچ جائے۔ چنانچہ فرمایا قل من یّنجّیکم من ظلمات البرّ و البحر..(انعام:۶۳) اور نیز یہی وجوہات مذکورہ اس امر کی مؤید ہیں کہ کفار کا کید حضرت خلیل اللہ کے خلاف صرف تدبیر تک ہی نہ رہا تھا بلکہ صورت فعلیہ میں سرزد ہوا تھا اور پھر وہ اس میں ناکام رہے بخلاف حضرت مسیح کے کہ کفار یہود کا مکر صورت فعلیہ میں صادر نہیں ہوا جیسا کہ و مطھّرک من الّذین کفروا اور وما قتلوہ وما صلبوہ اور و اذ کففت بنی اسرائیل عنک سے ظاہر ہے۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ دیگر رسولوں کو انہی اسباب ارضیہ سے اسی زمین میں مکائد کفار سے نجات دیتا

رہا جیسے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کو ارض مقدسہ کی طرف اور اپنے حبیب ﷺ کو مدینہ طیبہ میں ہجرت کرائی تو حضرت عیسیٰؑ کو کیوں آسمان پر اٹھا لیا۔ کیا زمین پر نہیں بچا سکتا تھا؟

جواب: مصنف رسالہ جواب باصواب کو بھی یہی خبط ہوا ہے چنانچہ بڑے مبہوت ہو کر صفحہ ۱۰ میں یہی سوال کرتے ہیں اور نیز صفحہ ۱۳ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

> چونکہ آنحضرت ﷺ کی اس محصوریت سے نجات اس عالم میں ارضی اسباب اور قدرتی تائیدات سے ہوگئی تھی ...الخ۔

سو اس کا تفصیلی جواب بل رفعه اللّٰه اليه کی تفسیر میں ذکر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ

کسر صلیب کی چوتھی آیت:

و جیهاً فی الدّنیا والآخرة (آل عمران:۴۴)

(صاحب وجاہت ہوگا دنیا و آخرت میں)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو صفت و جیهاً فی الدّنیا و الآخره سے موصوف کیا اس لئے آپ مصلوب نہیں ہو سکتے کیونکہ مصلوبیت اس عالم دنیوی میں لحوق ذلت و خزی کا سبب ہے۔ اور خزی و خذلان منافی وجاہت ہے جیسا کہ سورہ مائدہ (آیت ۳۳) میں بعد ذکر تصلیب وغیرہ کے فرمایا ذلک لهم خزی فی الدّنیا (یہ ان کیلئے اس زندگی میں خواری ہے) معاذ اللہ اگر حضرت روح اللہ صلیب پر لٹکائے جائیں تو وہ وجاہت باقی نہیں رہتی خواہ وہ صلیب سے زندہ اتارے جائیں کیونکہ لحوق خزی کیلئے مجرد صلیب پر لٹکایا جانا کافی ہے، موت بالصلیب ضروری نہیں۔ و حاشا شان روح اللّٰه الوجيه فی الدّنيا و الآخرة عن ذلک۔ پس عقیدہ ملعونہ صلیبیہ بالکل مردود ہے۔

سوال: حضرت مسیح اور آپ کی والدہ ماجدہ کی شان میں یہود نے کیسے کیسے ناشائستہ کلمات کہے، کیا یہ امر وجاہت کے منافی نہیں؟

جواب: جھوٹے طعن اور بہتان سے شان بری میں کوئی قدح واقع نہیں ہوتا کیوں کہ اذی بالقول اور وجاہت میں منافات نہیں، چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی شان میں فرمایا:

> فبرّأه اللّٰه ممّا قالوا وكان عند اللّٰه وجیهاً (احزاب: ۶۹) (پس خدا نے موسیٰؑ کو، اس سے جو انہوں نے کہا تھا، بری کیا اور وہ خدا کے نزدیک صاحب وجاہت تھا)۔

پس جس طرح حضرت کلیم اللہ کو مضمون مقولہ یہود سے بری کیا اور آپ کی وجاہت میں کوئی نقص نہ آیا اسی طرح حضرت روح اللہ اور کلمۃ اللہ کو معجزہ تکلم فی المہد سے طعن یہود سے بری کیا، پس آپ کی وجاہت میں بھی کوئی فرق نہیں آسکتا۔ فافہم و تدبّر

فصل ثانی در اثباتِ حیات و رفع عیسیٰ

عیسیٰؑ کی حیات اور رفع الی السّماء بنصوص قطعیہ ثابت ہے۔ چنانچہ پہلی آیت یہ ہے:

اذ قال اللّٰہ یا عیسی انی متوفّیک و رافعک الیّ و مطھّرک من الّذین کفروا (آل عمران: ۵۴) (جب کہا اللہ نے اے عیسیٰؑ میں ہوں تیرا بھر لینے والا اور اٹھانے والا تجھ کو اپنی طرف اور پاک رکھنے والا تجھ کو کافروں سے)

اس آیت معنونہ کا آیت مقدمہ سے ارتباط اس طرح ہے کہ پہلی آیت میں اللہ تعالی کے مکر (تدبیر محکم) کا ذکر تھا، اس آیت میں اس مکر کے وقتِ وقوع اور صورتِ وقوع کا ذکر کیا۔ نیز یہ کہ پہلی آیت میں اللہ تعالی نے اپنی صفت خیر الماکرین فرمائی تھی اس آیت میں مکر (تدبیر محکم و کامل) کی ایک مثال ذکر کی جو اسی قصہ کے متعلق تھی۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے:

و اذ قال اللّٰہ تعالی ظرف لّخیر الماکرین او مکر اللّٰہ۔ (اذ قال اللّٰہ ظرف ہے خیر الماکرین کا یا مکر اللّٰہ کا)

اسی طرح دیگر تفاسیر میں بھی ہے، مثلاً بیضاوی، سراج منیر وغیرہ۔ غرض مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت جملہ مکر اللّٰہ کی تفسیر کرتی ہے اور واضح طور پر کیفیت اور صورتِ مکر یعنی تدبیر الہی کو بیان کرتی ہے اور چونکہ اللہ نے اپنی صفت خیر الماکرین فرمائی، اس لئے لامحالہ اس کی تدبیر رسول برحق کی شان میں خیر ہونی چاہیے اور اعداء الرسول کے حق میں مضر۔ ظاہر ہے کہ کفار ناہنجار کے ناپاک ہاتھوں سے صلیب پر چڑھایا جانا رسول مؤید بالمعجزات کی شان میں خیر نہیں ہے بلکہ رفع الی السّماء خیر الخیرات واحسن التدبیرات سے ہے۔

وقوع مکر یعنی رفع الی السّماء سے پیشتر یا عیسی انّی متوفّیک و رافعک الیّ کی یہ ضرورت تھی کہ چونکہ کفار نے حضرت عیسیٰؑ کے قتل و صلب میں از حد کوششیں کیں اور آپس میں منصوبے باندھے اور آپ کے منزل مہبطِ رحمت الٰہیہ کا محاصرہ کرلیا، اس لئے ایسے نازک وقت

میں تسلی کیلئے بشارتِ تخلیص از مکرِ اعداء ضروری تھی کہ اے عیسیٰ میں ان کافروں کو ان کے مکر میں کامیاب نہ ہونے دوں گا، بلکہ تجھ کو اپنی طرف پورا پورا اٹھا لوں گا، ایسا کہ ان کے ہاتھ میں تیرا ایک بال بھی نہ آئے۔ چنانچہ تفسیر رحمانی میں ہے:

اذ قال اللّٰہ یا عیسی اعلاماً لہ بمکرہ بالاعداء و تخلیصہ عن مکرھم (جب اللہ نے عیسیٰ کو اپنی اس تدبیر پر واقف کرنے کیلئے کہا، جو اس نے آپ کے دشمنوں سے کرنی تھی اور ان کے مکر سے آپ کو سلامت نکال لینے کے متعلق تھی)

تحقیق لفظ توفّی

واضح ہو کہ توفّی کی نسبت مرزا قادیانی کا یہ دعوی ہے کہ یہ لفظ صرف موت اور قبض روح کیلئے موضوع ہے اور یہ امر اس کے علوم رسمیہ اور لیاقت علمیہ سے بالکل بے بہرہ اور عاری ہونے کی دلیل بیّن ہے کیونکہ لفظ توفّی لفظ وفا سے ماخوذ ہے۔ اور وفا کے معنی ہیں پورا کرنا۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے الوفا ضدّ الغدر یقال وفی بعھدہ و اوفی بمعنی (جلد بستم) یعنی وفا غدر کی ضد ہے چنانچہ محاورہ ہے کہ فلاں شخص نے اپنا عہد پورا کیا اور اوفی (باب افعال) اسی کا ہم معنی ہے۔ پس توفی باب تفعل ہے اسی مادہ وفا سے۔ اس کے معنی ہوئے اخذ الشیء وافیاً یعنی کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔ چنانچہ تفسیر کبیر، خازن، جامع البیان، بیضاوی، سراج منیر، ابی السعود اور فتح البیان میں اس امر کی تصریح موجود ہے اور دیگر ابواب جو مادہ وفا سے آئے ہیں ان سب میں بھی یہی معنی ملحوظ ہیں اور جس طرح سے مادہ کے حروف ہر صیغہ میں باقی رہتے ہیں اسی طرح مادہ کے معنی بھی ہر باب وصیغہ میں باقی رہتے ہیں۔ علم صرف میں ادنی مہارت رکھنے والا بھی اسے بخوبی جانتا ہے۔ چنانچہ ہم ناظرین کی سہولت اور مزید تسلی کیلئے اس مادہ وفی سے جو باب زبان عرب میں مستعمل ہیں ان سب کو مع مثالوں کے لکھتے ہیں جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ ہر باب کے ہر معنی میں اس کے مادی معنی یعنی، پورا کرنا، ملحوظ ہے:

☆ باب مجرد ثلاثی۔ مادہ وفا سے مصدر وفاء معنی مصدری، پورا کرنا، اس کی مثال۔

امّا ابن طوق فقد اوفی بذمتہ کما وفی بقلاص النجم ھادیھا

یعنی ابن طوق نے تو اپنا ذمہ پورا کر دیا..الخ۔

لسان العرب اور مصباح میں زیر لفظ وفی اس شعر کو اس نے ذکر کیا ہے کہ مجرد و فیء اور مزید فیہ اوفی دونوں ہم معنی ہیں۔

☆ باب ثلاثی مجرد میں مادہ وفا سے مصدر وفاء ،مصدری معنی پورا کرنا، نبھانا۔

مثال: لسان العرب میں یہ بھی ہے و فی الحدیث :

فمررت بقوم تقرض شفاھھم کلما قرضت وفت ای تمّت و طالت

یعنی حدیث میں آیا ہے کہ میں دوزخیوں کی ایک قوم پر گذرا جن کے ہونٹ کاٹے جا رہے تھے جب جب کاٹے جاتے تھے پھر پورے ہو جاتے تھے۔

☆ باب افعال مزید فیہ۔ ایفاء۔ پورا کرنا۔ پورا دینا۔ مثالیں:

اوفوا بعھدی اوفِ بعھدِکم (بقرہ) اے بنی اسرائیل تم میرا عہد، جو مجھ سے کیا ہے پورا کرو، میں تمہارا عہد، جو تم سے کیا ہے، پورا کرونگا۔

و اوفوا الکیل و المیزان بالقسط (انعام:۱۵۳) اور پیمانے اور ترازو کو عدل سے پورا کرو، یعنی پورا پورا ماپ کرا اور تول کردو۔

اذغدرت حسناء اوفت بعھد ھا ومن عھدھا ان لّا یدوم لھا عھد

جب خوبصورت محبوبہ عہد شکنی کرے تو وہ اپنے عہد کو پورا ہی کرتی ہے کیونکہ اس کے عہد میں سے یہ بھی ہے کہ اس کا عہد مدامی نہ ہو۔ (متنبّی)

☆ باب تفعیل میں مادہ وفا سے مصدر توفیۃ ،معنی پورا دینا۔ مثالیں:

فیوفّیھم اجورھم (آل عمران:۵۶) (پس خدا ان کو ان کے اجر پورے دے گا)

و انّما توفّون اجورکم یوم القیامۃ (آل عمران:۱۵۴) (سوائے اس کے نہیں کہ تمہارے اجر پورے پورے تم کو قیامت کے دن دیئے جائیں گے)

و ابراھیم الّذی وفّی (النجم:) (اور ابراہیم جس نے پورا کر دکھایا)۔

لسان العرب میں یہ بھی لکھا ہے: وفی با لشّیء و اوفی و وفّی بمعنی وا حدٍ یعنی اس کا مجرد اور باب افعال اور باب تفعیل (تینوں) ہم معنی ہیں۔

☆ باب استفعال میں مادہ وفا سے مصدر استیفآء کے معنی پورا پورا لے لینا۔ مثالیں:

ا ذا اکتا لوا علی النّاس یستوفون (تطفیف:۲) (جب لوگوں سے ماپ کر لیتے

ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں)۔

توفّیت منه دراهمی (میں نے اس سے اپنے درہم پورے وصول پائے) یہ محاورہ تفسیر کبیر، خازن، سراج منیر میں زیر آیت انّی متوفّیک لکھا ہے۔

☆ باب تفعّل میں مادہ وفا سے مصدر توفی معنی موافقت۔ باب استفعال یعنی توفی و استیفاء دونوں کے ایک ہی معنی ہیں کامل اور پورا لے لینا۔ مثالیں:

استوفاه و توفّاه استکمله (اساس البلاغہ)۔ استوفاء اور توفّاہ کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اسے کامل اور پورا لے لیا۔

توفّیت المال منه و استوفیته اذا اخذته کلّه (لسان العرب ج ۲۰) یعنی توفّیت المال اور استوفیته دونوں کے یہ معنی ہیں کہ اس نے پورا پورا لے لیا اور اس سے کچھ بھی نہ چھوڑا۔

و توفّاه هو منه و استوفاه لم یدع منه شیئاً (لسان العرب ج ۲۰) توفّاہ اور استوفاہ دونوں کے یہ معنی ہیں کہ اس نے پورا پورا لے لیا اور اس سے کچھ بھی نہ چھوڑا۔

توفّیته و استوفیته بمعنی یعنی توفّیت اور استوفیت دونوں ہم معنی ہیں (مصباح المنیر للعلامہ الفیومی)

استیفاء توفّی تمام گرفتن حق، یعنی دونوں کے معنی ہیں حق پورا لے لینا۔

☆ باب تفعّل میں مادہ وفا سے مصدر توفّی معنی پورا پورا گن لینا۔ مثالیں:

توفّیت عدد القوم اذا عددتهم کلّهم (لسان العرب ج ۲۰) (یعنی میں نے سب قوم کی گنتی پوری لے لی)۔ اس کی شہادت کے لئے لسان العرب میں یہ شعر لکھا ہے:

انّ بنی الادردِ لیسوا من احد ولا توفّاهم قریش فی العدد

(تحقیق بنی ادرد کسی میں سے نہیں ہیں اور قریش نے ان کی گنتی پوری نہیں کی)

مجازاً سلا دینا بقرینہ لیل اور منام و کری (نیند) وغیرہ۔ مثالیں:

و هو الّذی یتوفّاکم باللّیل (انعام:۶۰) (خدا ایسی ذات ہے کہ تم کو رات کے وقت پورا لیتا ہے یعنی سلا دیتا ہے)

اللّه یتوفّی الانفس حین موتها و الّتی لم تمت فی منامها (زمر:۴۲) (خدا ہی پورا پکڑتا ہے جانوں کو ان کی موت (جسم اور روح کی مفارقت) کے وقت اور جو

(ابھی) نہیں مریں (ان کو پورا پکڑتا ہے) ان کی نیند کے وقت، یعنی سلا کر)

فلمّا توفّاہ رسول الکری و دبّت العینان فی الجفن

(جب اسے نیند کے فرشتے نے پکڑ لیا..الخ۔ یعنی وہ سو گیا)

لسان العرب میں کہا ہے:توفّی النآئم فھذا استیفاء دبت عقلہ و تمییزہ الی ان نام

☆ باب تفعل میں مادہ وفا سے مصدر توفّی کے (مجازی معنی) مار لینا بقرینہ موت و ملک الموت وغیرہ۔ مثالیں:

اللّٰہ یتوفّی الانفس حین موتھا (زمر:۴۲) (یعنی خدا ہی جانوں کو قبض کرتا ہے ان کی موت کے وقت، یعنی مارتا ہے)

قل یتوفّاکم ملک الموت (اے پیغمبران سے کہو تم کو قبض کرے گا ملک الموت، یعنی تم کو مارے گا)

حتّی یتوفّاھنّ الموت (النساء:۱۵) (حتی کہ قبض کرے ان کو موت یعنی وہ مر جائیں)

نوٹ: ان سب آیات میں توفّی سے موت مراد لینے کے لئے موت اور ملک الموت قرائن ہیں اور یہ معنی مجازی ہیں۔ چنانچہ آئندہ واضح ہوگا۔ انشاء اللہ۔

واضح ہو کہ توفّی بمعنی موت مجازاً ہے نہ حقیقتاً و وضعاً جیسا کہ اساس البلاغۃ میں ہے:

و من المجاز .. توفّی فلان و توفّاہ اللّٰہ و ادرکتہ الوفاۃ ۔یعنی یہ مجازات ہیں۔

(اکمل صاحب اپنی شہادت الفرقان کے صفحہ ۲۰ میں خاکسار کو الزاماً کہتے ہیں:

موت کے معنی کو مجاز کہنا آپ ہی کی ایجاد ہے۔

جواب: مرزا صاحب خود اور ان کی جماعت بھی علوم عربیہ سے بالکل بے بہرہ ہے۔ میں تو علامہ زمخشری کا حوالہ دیتا ہوں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ آپ ہی کی ایجاد ہے۔ چہ خوش)۔

اور لسان العرب میں اس کی وجہ میں کہا ہے:

توفّی المیّت استیفاء مدّ تہ الّتی وفیت لہ و عدد ایّامہ وشھورہ و اعوا مہ فی الدّنیا (میت کی توفّی سے مراد ہے اس کی مقررہ مدت اور اس کے دنیا میں رہنے کے دنوں مہینوں اور برسوں کی گنتی کو پورا کرنا)۔

آئمہ لغت اور آئمہ تفسیر بلا خلاف مادہ وفا کے باب تفعل و استفعال کو ہم معنی ذکر کرتے

ہیں چنانچہ علامہ فیومی مصباح میں فرماتے ہیں: توفّیتہ و استوفیتہ بمعنی ترجمہ توفّیتہ اور استوفیتہ ہم معنی ہیں یعنی دونوں کے معنی ہیں، میں نے اسے پورا لے لیا۔ و استوفاہ و توفّاہ استکملہ۔ اسی طرح تفسیر کبیر اور خازن اور معالم میں بھی ان کو ہم معنی ذکر کیا گیا ہے۔ اور صراح اور قاموس میں بھی ایسا ہی بیان ہے۔ اور اساس البلاغۃ میں لکھا ہے کہ استوفاہ اور توفّاہ دونوں کے معنی ہیں: اس نے اسے کامل لے لیا۔

مرزا قادیانی نے دافع الوساوس کے صفحہ ۵۶۴ میں جہاں اپنے آپ کو خدا بنایا ہے استوفانی لکھا ہے اور اس جگہ فاعل اللہ تعالی ہے اور مفعول خود مرزا صاحب ذی روح۔ اور اس سے مراد موت نہیں ہے۔ پس مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ لفظ توفّی سوائے قبض روح کے کسی معنی میں مستعمل نہیں ہوتا، بالکل غلط اور مردود ٹھہرا کیونکہ جب بتصریح آئمہ لغت وتفسیر ثابت ہو چکا ہے کہ توفّی اور استیفاء ہم معنی ہیں تو جس طرح استیفاء سوائے معنی موت کے مستعمل ہوتا ہے، اسی طرح توفّی کے سوائے معنی موت کے استعمال کو کون مانع ہے؟ خصوصاً جب محاورہ توفّیت منہ دراھمی مندرجہ تفسیر کبیر جلد۲ صفحہ ۴۸۱ (میں نے اس سے اپنے درہم پورے بھر پائے) زبان عرب میں ذائع وشائع ہو۔

پس جب آئمہ لغت وتفسیر بالاتفاق لکھتے ہیں کہ اس مادہ کے باب تفعل اور استفعال کے معنی ایک ہی ہیں اور قرآن مجید اور لغت میں سے استیفاء کے معنی پورا پورا لینا ثابت کیا گیا ہے تو اب توفّی کے معنی پورا پورا لینا کرنے میں کیا تردد باقی رہا۔ علاوہ بریں جب علم اشتقاق وتصریف سے بھی واضح ہو گیا کہ یہ لفظ توفّی مادہ وفا کا مزید فیہ ہے اور وفا کے معنی بحسب الوضع موت نہیں، بلکہ پورا لینے کے ہیں، تو پھر بھی باوجود اتنی تصریحات کے کوئی شخص بے تکی ہانکتا جائے کہ توفّی موت اور قبض روح کیلئے موضوع ہے، تو کیا اس کی لیاقت علمی ہنسی کے قابل نہیں ہوگی؟

باقی رہا یہ امر کہ یہ لفظ قرآن شریف میں بمعنی موت مستعمل ہوا ہے، سو ہم اس سے انکار نہیں کرتے کیونکہ معنی مستعمل فیہ اور موضوع لہ میں فرق ہوتا ہے۔ استعمال سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ لفظ اصل موت کیلئے وضع کیا گیا تھا اور اسکے حقیقی معنی بس قبض روح ہی کے ہیں۔ جس قدر محاورات میں لفظ توفّی جن معنوں میں مستعمل ہوا ہے اگر ان میں سے کسی میں بھی کوئی مدعی علم وفضل ہم کو اس کے وضعی اور حقیقی معنوں (پورا پورا لے لینا) سے باہر ثابت کر دے تو بے شک ہم اسکے بے دام غلام ہیں۔ اس لفظ کا اطلاق موت کے معنی پر بھی صرف اس لئے ہے کہ موت بھی ایک قسم کی توفّی

یعنی پوری پوری گرفت ہوتی ہے، نہ اس اعتبار سے کہ یہ لفظ بمعنی موت موضوع ہے۔

(اکمل صاحب علمی باتوں کے نہ سمجھنے میں بہت کامل ہیں۔ہم نے جو تفاسیر معتبرہ کی عبارات سے موت کو توفّی کی ایک نوع ثابت کر کے ظاہر کر دیا کہ توفّی موت کیلئے موضوع نہیں تو ہمارے اکمل صاحب ایسی بات کو بھی نہ سمجھ کر اس پر لکھتے ہیں:

جب موت توفّی کی قسم سے ہے، تو بھی وضعی معنی ہوئے نہ کہ مجازی۔ص ۲۰۔

جواب: بریں اکملیت بباید گریست۔ جناب من! قسم اور مقسم کی وضع ایک نہیں ہوتیں لہذا کوئی لفظ اپنے مفہوم کلی اور اس کی انواع ہر دو کیلئے موضوع نہیں ہوتا۔ فافھم)

چنانچہ تفسیر بیضاوی میں زیر آیت فلمّا توفّیتنی لکھا ہے: التوفّی اخذ الشّیء وافیاً و الموت نوع منه (توفی کے معنی کسی چیز کا پورا پورا لینا ہے اور موت اس کی ایک نوع ہے) اسی طرح توفّی کا اطلاق قرآن شریف میں نیند پر بھی آیا ہے، یہ بھی اسی لئے ہے کہ نیند بھی ایک قسم کی توفّی یعنی پوری پوری گرفت ہوتی ہے اور عیسیٰؑ کے مقدمہ میں جو توفّی کے معنی رفع الی السّماء لئے جاتے ہیں تو اسی اعتبار سے کہ یہ بھی ایک قسم کی توفّی یعنی پوری پوری گرفت ہے۔ اور قرض وصول کر لینے پر بھی اس کا اطلاق محاورہ زبان عرب میں پایا گیا، تو وہ بھی اسی لحاظ سے کہ قرض پورا پورا لے لیا جاتا ہے۔ الغرض توفّی کے جس قدر محاورات و استعمالات ہیں خواہ وہ قرآن مجید میں ہیں، خواہ حدیث شریف میں، خواہ دواوین عرب میں، ان سب میں اس کے وضعی اور حقیقی معنی اخذ الشّیء وافیاً یعنی کسی چیز کو پورا پورا لے لینا ہی ملحوظ ہیں، اور بس۔ اور ظاہر ہے کہ جس لفظ کے کئی معنی یا کئی استعمالات ہوں اس کو ایک معنی میں معین کرنے کیلئے ضرور کوئی قرینہ موجود ہونا چاہیے کیونکہ متکلم کی مراد ایک وقت میں اس لفظ سے ایک ہی ہے۔ پس توفّی کے ساتھ اگر موت اور اس کے لوازمات کا ذکر ہوگا تو اس کے معنی موت ہوں، اور اگر نیند اور اس کے مقتضیات مذکور ہوں تو توفّی کے معنی سلا دینا ہوں گے۔ اور اگر اس کے ساتھ ذکر رفع کا ہوگا تو اس سے مراد رفع ہوگی اور اگر اس کے ساتھ درہم و دینار وغیرہ اشیاء کا ذکر ہوگا تو اس کے معنی ان کا قبض کرنا ہوں گے اور اگر اس کے ساتھ عدد اور گنتی کا ذکر ہوگا تو اس کے معنی پورا پورا گن لینا ہوں گے۔

ثانیاً: برائے اثبات جہالت قادیانی:

سورہ زمر میں ہے:

اللّٰہ یتوفّی الانفس حین موتھا و الّتی لم تمت فی منامھا فیمسک الّتی قضی علیھا الموت و یرسل الاخری الی اجلِ مّسمّی (زمر: ۳۹۔۴۲) (اللہ ہی پورا پکڑتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جو ابھی نہیں مریں ان کو (پورا پکڑتا ہے) ان کی نیند کے وقت۔ پس اس جان کو بند رکھتا ہے جس پر موت کا حکم جاری کیا اور دوسری کو چھوڑ دیتا ہے مقررہ مدت تک)

سورہ انعام میں ارشاد فرمایا:

وھو الّذی یتوفّاکم باللّیل و یعلم ما جرحتم بالنّھار ثمّ یبعثکم فیہ لیقضی اجل مّسمّی (انعام:۶۰) (اللہ وہ ہے جو تم کو رات کے وقت پوری گرفت کرتا ہے اور جو کچھ تم دن کو کرتے ہو، جانتا ہے۔ پھر تم کو دن میں اٹھا کھڑا کرتا ہے، تاکہ اجل مسمی پوری کی جائے)

ان آیتوں میں توفّی کی دو انواع، موت اور منام، مذکور ہوئی ہیں:۔

توفّی بالموت کی صورت قبضِ روح مع الامساک ذکر کی گئی ہے اور توفّی بالنّوم کی صورت قبضِ روح مع الارسال بیان کی گئی ہے۔ پس قبض روح جو دونوں میں مشترکہ ہے جنس ہے امساک اور ارسال فصل ہے۔ والّذی یمیز الشّیء عمّا یشارکہ فی الجنس (کتب منطق) (یعنی فصل اسے کہتے جو کسی چیز کو اس چیز سے متمیز کرے جو جنس میں اس کی شریک ہو)

پس بموجب مذہب مرزا صاحب توفّی صرف قبض روح کیلئے موضوع ہے، نہ موت اور قبض روح ہر دو کیلئے، کیونکہ ان دونوں میں نسبت عموم وخصوص ہے اور کوئی لفظ معنی اعم واخص ہر دو کیلئے موضوع نہیں ہوتا

(اکمل صاحب نے اس عموم وخصوص کے متعلق ایک خاص علمی کمال دکھایا ہے۔فرماتے ہیں: حالانکہ قبض روح عین موت کا مترادف ہے۔ ص ۲۱۔

جواب: بندہ خدا! عام وخاص میں ترادف کہاں؟ ترادف تو اتحاد ومساوات کا لحاظ ہوتا ہے اور عام وخاص میں کمی بیشی ہوتی ہے پس ان میں ترادف کا ادعاء باطل ہے)

ثالثاً: اگر مرزا قادیانی صرف قبض روح ہی کو مدلول وضعی قرار دیں تو یہ بھی انکی بے علمی و بے استعدادی پر دلیل ظاہر ہوگی کیونکہ توفّی لفظ مفرد ہے اور قبضِ روح مرکب۔ زیرا کہ ثانی میں جزءِ لفظ جزءِ معنی پر دال ہے۔ یعنی قبض دال ہے اخذ پر، اور روح دال ہے شئے مقبوض پر،

بخلاف اول کے کہ اس میں جزءِ لفظ ، جزءِ معنی پر دلالت نہیں کرتی ۔ لہذا لفظ توفّی مفرد کا مدلول قبضِ روح جو مرکب ہے درست نہیں ، اسی لئے سورہ زمر کی آیت میں صرف یتوفّی نہیں کہا، بلکہ یتوفی الانفس کہا ہے تا کہ توفّی دلالت کرے اخذ پر اور انفس، کہ مدلول اس کا ارواح ہے، دلالت کرکے شئ مقبوض پر۔ اور بعد ترکیب کے معنی مرکب پیدا ہوں اگر توفّی (مفرد) کے معنی قبضِ روح (مرکب) ہیں تو لفظ نفس کی کیا ضرورت تھی ۔ پس ثابت ہوا کہ توفّی کے حقیقی معنی مطلق قبض کے ہیں ، نہ قبض روح کے ۔ و ھذا ھو المراد۔

رابعاً : بالفرض اگر مان بھی لیں کہ توفّی کے حقیقی معنی قبض روح ہیں تو پھر بھی آیت انّی متوفّیک و رافعک الیّ سے عیسیٰؑ کی موت ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ جب قبض روح کی کیفیتیں دو ہیں ، ایک مع الامساک اور دوسری مع الارسال، تو انّی متوفّیک و رافعک الیّ میں توفی بقرینہ رافعک الیّ جو رفع جسمی پر روز روشن کی طرح دلالت کررہی ہے بمعنی نیند ہوگی کیونکہ منام اور رفع جسمی میں منافاۃ نہیں بلکہ ان میں جمع ممکن ہے جیسا کہ ایک جماعت مفسرین اس طرف بھی گئے ہیں چنانچہ خازن میں ہے:

> (الثّانی) المراد بالتّوفّی النّوم ومنه قوله تعالی یتوفّی الانفس حین موتها والّتی لم تمت فی منامها فجعل النّوم وفاة وکان عیسی قد نام فرفعه اللّه وهو نائم لئلّایلحقه خوف (تفسیر خازن) (اس جگہ) توفی سے مراد نیند ہے اور اسی سے ہے آیت اللّه یتوفّی الانفس ..پس اس میں خدا تعالی نے نیند کو بھی وفات کہا ہے ۔ پس انّی متوفّیک سے مراد یہ ہوئی کہ عیسیٰؑ سو گئے تھے پس خدا نے آپ کو نیند ہی میں اوپر اٹھالیا تا کہ آپ کو خوف لاحق نہ ہو)

اوراسی طرح دیگر تفاسیر مثل درمنثور، ابن کثیر، فتح البیان، معالم، تفسیر کبیر میں اس امر کی تصریح موجود ہے ۔ پس اب تو مرزا کا سارا تانا بانا ٹوٹ گیا اور ان کے ہاتھوں سوائے ابلہ فریبی و تاویلات باطلہ و تحریفات کاسدہ کے اور کچھ نہ رہا کیونکہ صاف ثابت ہوگیا کہ توفّی کے معنی اخذ الشّیء وافیاً ہیں ، اس پر زیادۃ بالنظر الی المتعلق و القرائن کی جائے گی ، نہ بحسب الوضع ۔ پس توفّی کا متعلق یا تو صرف جسم ہوگا ، یا صرف روح ، یا جسم مع روح ۔ پھر اگر روح ہے تو یا تو مقبوض مع الامساک ہوگا ، اسے موت کہیں گے ، یا مع الارسال ہوگا ، اسے نیند بولیں گے ۔ ان ہر دو میں دو دو امر علاوہ مفہوم توفّی کے اعتبار سے کئے گئے ہیں ۔ موت میں روح اور امساک ، اور منام

میں روح اور ارسال ۔ پس مرکب معانی کے لئے ترکیبِ الفاظ بھی ضروری ہے لہذا اس ترکیب کے لئے ضروری ہوا کہ متعلق توفّی اور قرائن کی طرف نظر کی جائے ۔

ا ۔ قبض روح مع الامساک اور قبض روح مع الارسال کی مثال سورہ زمر کی وہ آیت ہے جو اوپر مذکور ہو چکی ہے ۔ یعنی

اللّٰہ یتوفّی الانفس حین موتھا و الّتی لم تمت فی منامھا فیمسک الّتی قضی علیھا الموت و یرسل الاخری الی اجلٍ مّسمّی (اللہ ہی روحوں کو قبض کرتا ہے ان کی موت (مفارقت روح و بدن) کے وقت اور جو روحیں ابھی نہیں مریں ان کو قبض کرتا ہے ان کی نیند میں پس جس پر موت کا حکم جاری کیا ہے اس کو تو روک رکھتا ہے اور دوسری (نیند والی) کو مدت مقرر (موت) تک بھیجتا رہتا ہے)

اس آیت میں ہر معنی کیلئے ایک لفظ مذکور ہے ، یعنی قبض کیلئے یتوفّی اور روح کیلئے الانفس ، مرنے کیلئے موت ، امساک کیلئے یمسک ، نیند کیلئے منام اور ارسال کیلئے یرسل ۔

۲ ۔ صرف قبض جسم کی مثال محاورہ عرب شائعہ فی اللسان مندرجہ تفسیر کبیر ، خازن وغیرہ توفّیت منه دراھمی (میں نے اس سے اپنے درہم پورے لئے)

۳ ۔ قبض جسم مع روح یعنی زندہ چیز کو اخذ کرنے کی مثال آیات :

انّی متوفّیک و رافعک الیّ

اور فلمّا توفّیتنی بقرینہ رافعک الیّ

اور بل رّفعه اللّٰه الیه ۔

سوال : بے شک علم تصریف اور علمی تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ توفّی کے معنی پورا پورا لے لینا ہیں ، لیکن لغت کی بعض کتابوں میں جو توفّی بمعنی موت کہا ہے ، اس کا کیا جواب ہے ؟

جواب : کتب لغت میں حقیقی منقولی اور مجازی ہر طرح کے معنی لکھے ہوتے ہیں مگر ان کی تعیین حسب قرائن حالیہ و مقالیہ سلسلہ عبارت سے مفہوم ہوتی ہے ۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ ابتداء میں لفظ جس معنی کیلئے وضع کیا گیا تھا اسے اس کے حقیقی اور وضعی معنی کہتے ہیں ۔ پھر یا تو لفظ کا ایک ہی معنی ہو گا یا زیادہ ۔ پھر زیادہ یا تو بحسب الوضع ہوں گے ، اسے مشترک کہتے ہیں ، مثلاً عین جو بمعنی زر ، زانو ، چشمہ آب اور آنکھ ہے ، یا وضع میں تو ایک معنی تھا مگر اس کے مفہوم میں کئی چیزیں پائی گئیں ، اسے جنس کہتے ہیں ۔ اور ہر اس چیز کو جس پر اسکا اطلاق ہو سکتا ہے اسکی نوع کہتے ہیں ۔ مثلاً حیوان

کہ جنس ہے اور گھوڑا اور گدھا اس کی انواع ہیں صرف اس اعتبار سے کہ وہ جاندار ہیں، نہ اس لئے کہ حیوان بحسب الوضع ان سب کیلئے موضوع ہے۔ اور یا کثرت بہ سبب دیگر معانی میں منقول ہونے کے ہوگی۔ پھر اگر عرفِ عام نے نقل کیا تو اسے منقولِ عرفی کہتے ہیں مثلاً دابہ کہ اصل میں موضوع ہے ہر جاندار کیلئے جو زمین پر چلے، اور غالب معنی اس کے سواری کے جانور ہیں، اور اگر اس کی ناقل شرع ہے، تو اسے منقول شرعی کہتے ہیں۔ مثلاً صوم و زکوۃ و حج کہ لغت میں ان کے وضعی معنی اور ہیں مگر شریعت میں یہ الفاظ اور معانی میں مخصوص ہیں۔ اور اگر اس کا ناقل کوئی خاص طائفہ ہے تو اسے منقول اصطلاحی کہیں گے، مثلاً مصطلحات علمیہ و کتب منطق قطبی وغیرہ۔ اب ظاہر ہے کہ توفّی بحسب الوضع بمعنی موت موضوع نہیں کیونکہ اس کا ماخذ و مادہ وفا ہے اور نہ یہ لفظ مشترک المعنی ہے کہ اس کے معانی متعددہ میں سے ایک موت بھی ہوا، اور نہ منقول شرعی ہے کیونکہ ایسے الفاظ میں تصرف کرنے سے شریعت کو کچھ تعلق نہیں اور نہ منقول اصطلاحی ہے کیونکہ یہ کسی علم اور فن کی اصطلاح نہیں۔ اگر ہے تو یہی کہ یہ لفظ بروئے علم اشتقاق وفا سے ماخوذ ہے اور اس کے حقیقی اور وضعی معنی اخذ الشّیء وافیاً یعنی کسی چیز کو پورا پورا پکڑ لینا، ہیں اور چونکہ اس کے مفہوم میں رفع اور موت اور نیند بھی داخل ہیں کیونکہ یہ بھی پوری پوری گرفت ہیں، اس لئے اس لفظ کا اطلاق رفع اور موت اور نیند پر بھی درست ہوگا۔ صرف اس اعتبار سے کہ توفّی جنس ہے اور رفع اور موت اور نوم اس کی انواع ہیں، نہ اس لئے کہ یہ لفظ بحسب الوضع موت کے لئے موضوع ہے۔ توفّی کے جنس اور رفع اور موت اور نیند کے انواع ہونے پر تفاسیر معتبرہ شاہد ہیں، چنانچہ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں:

> قوله انّی متوفّیک یدلّ علی حصول التّوفّی وھو جنس تحته انواع بعضها بالموت و بعضها بالاصعاد الی السّماء فلمّا قال بعده و رافعک الیّ کان ھذا تعییناً للنّوع و لم یکن تکراراً (خدا تعالیٰ کا قول انّی متوفّیک صرف حصول توفّی پر دلالت کرتا ہے اور وہ جنس ہے جس کے تحت کئی انواع ہیں۔ کوئی بالموت اور کوئی بالرفع الی السّماء۔ پس جب خدا تعالیٰ نے اس کے بعد و رافعک الیّ فرمادیا تو یہ نوع کی تعیین کیلئے ہوا نہ کہ تکرار)

(اکمل صاحب نے تفسیر کبیر کے اس حوالہ پر بہت غضب ڈھایا ہے کہ امام رازی کی شان میں حقارت آمیز طریق بیان اختیار کیا ہے۔ افسوس اکمل صاحب نے یہ کتاب مرزا صاحب آنجہانی کی وفات

کے بعد لکھی، اگر وہ ان کی زندگی میں لکھتے تو ہم امام رازی کی کسی کتاب کا کوئی ورق مرزا صاحب کے سامنے رکھ کر کہتے کہ جناب اسے حل کیجئے۔ پھر اگر وہ اپنے مددگاروں سمیت اسے حل فرمادیتے تو جانتے۔ اگرچہ امام رازی کی تصنیف کا امتحان کیلئے بھی مرزا صاحب کے سامنے پیش کرنا امام رازی کی تصانیف کی بے قدری ہے۔ سبحان اللہ! کجا رام رام کجا ٹین ٹیں!)

اسی طرح تفسیر بیضاوی و سراج منیر میں بذیل آیت فلمّا توفّیتنی لکھا ہے:

توفّیتنی بالرّفع الی السّماء لقوله تعالی انّی متوفّیک و رافعک الیّ و التّوفّی اخذ الشّیء وافیاً والموت نوع منه قال اللّه تعالی، اللّه یتوفّی الانفس حین موتها و الّتی لم تمت فی منامها

(فلمّا توفّیتنی کے معنی یہ ہیں کہ خدایا جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا بدلیل انّی متوفّیک و رافعک الیّ، کیونکہ توفی کے معنی ہیں کسی شیٔ کو پورا پورا لے لینا اور موت اس کی ایک نوع ہے۔ چنانچہ خدا تعالی نے فرمایا اللّه یتوفّی الانفس... الآیة)

حاصل مطلب یہ کہ لفظ توفّی بحسب الوضع موت کے لئے موضوع نہیں ہے، صرف اس کا استعمال اس نسبت سے جو جنس اور نوع میں ہوا کرتی ہے بمعنی موت ہے اور بس۔ اور چونکہ تعیین نوع کیلئے حاجت قرینہ کی پڑا کرتی ہے لہذا سلسلہ عبارت میں قرائن حالیہ و مقالیہ پر نظر کریں گے جیسے عین کہ یہ موضوع ہے معانی معتددہ مثل زر، چشم، زانو اور چشمہ آب کیلئے (بالاوضاع المختلفه) تو اب ہر جگہ اس کا ایک ہی معنی نہ ہوگا، اور نہ ایک جگہ سارے معنی مراد ہوں گے، بلکہ حسب حال مضمون عبارت والفاظ عبارت جس معنی کو اس جگہ مناسبت ہوگی وہ اس جگہ معین ہو جائے گا، چنانچہ آیت فانفجرت منه اثنتا عشرة عیناً میں عین کے معنی چشمہ آب ہیں کیونکہ اس جگہ استسقاء یعنی طلب آب اور انفجار یعنی پانی کا پھوٹ پڑنا اور مشرب یعنی پانی کے گھاٹ کا ذکر ہے۔ ان قرائن حالیہ و مقالیہ نے اسے اس جگہ چشمہ آب کے معنوں میں کر دیا۔ اور آیت فی عینٍ حمئة میں قرینہ حمئة نے اس سے چشمہ آب مراد ہونے پر دلالت کی، اور ام لهم اعین لا یبصرون بها میں قرینہ بصارت نے جارحہ (بمعنی عضو) یعنی آنکھ پر دلالت کی۔ اسی طرح جنس کو اس کی کسی نوع میں معین کرنے کیلئے حاجت قرینہ کی ہوتی ہے۔ ورنہ مضمون و مفہوم میں خلل پڑتا ہے۔ پس چونکہ انّی متوفّیک کو و رافعک الیّ کے ساتھ ضم کیا، اس لئے عیسی کی توفی بالرّفع الی السّماء ہوئی۔ مزید تفصیل لفظ توفّی کی اس وقت کی جائے گی جب

آیات قرآنیہ جن میں لفظ توفّی کے مشتقات آئے ہیں، ان کا ذکر ہوگا اور ہر ایک کے ساتھ اس کے قرینہ صارفہ کا ذکر کیا جائے اور عنقریب آئے گا انشاء اللہ تعالی۔

کسی لفظ کے کسی معنی میں زیادہ مستعمل ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ ان معنوں سے مخصوص ہو گیا ہے اور اس کے دیگر معانی واطلاقات متروک و مہجور ہو گئے ہیں ۔ مثلاً قاموس میں دابہ کی نسبت لکھا ہے:

و الدّابّۃ ما دبّ من الحیوان و غلب علی ما یرکب۔ دابہ اصل میں ہر جاندار چیز کو کہتے ہیں جو زمین پر چلے اور غالب استعمال اسکا سواری والے جانوروں پر ہوتا ہے

تو قاموس کے لکھنے سے آیت وما من دا بّۃٍ فی الارض الّا علی اللّٰہ رزقھا (ہود: ۶) (زمین میں کوئی جانور نہیں جس کا رزق خدا کے ذمہ نہ ہو) کے یہ معنی نہ ہوں کہ اللہ تعالی صرف سواری کے جانوروں کا رازق ہے۔ بلکہ یہ لفظ اپنے اصلی وسیع معنوں میں لیا جائے گا کہ جو چیز زمین پر حرکت کرنے والی ہے ان سب کا رزق حسب وعدہ اللہ تعالی کے ذمہ ہے۔اسی طرح اگر کتب لغت میں توفّی کا ستعمال بمعنی موت لکھا ہوا ہے، تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتیا کہ یہ لفظ انہی معنوں کے لئے موضوع ہے، یا انہی معنوں میں محصور ہے، بلکہ کتب لغت میں ہر قسم کے معانی وضعی مجازی اور منقولی خواہ منقول شرعی ہوں ،خواہ عرفی خواہ اصطلاحی سب لکھے ہوتے ہیں، ان میں سے کسی خاص مقام پر معانی مخصوصہ کا چسپاں ہونا سلسلہ عبارت اور قرائن حالیہ ومقالیہ پر موقوف ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جملہ قرائن کتب لغت میں مصرح ہوں کیونکہ قرائن محصور نہیں ہو سکتے بلکہ حسب مقام سلسلہ عبارت ومفہوم کلام میں قرائن مختلف ہوتے ہیں۔

چنانچہ حصول الما مول (جوشوکانی کی کتاب ارشادالفحول کا اختصار ہے) میں لکھا ہے:۔

ولا یشترط النقل فی احاد المجاز بل العلاقۃ کافیۃ و المعتبر نوعھا و الیہ ذھب الجمھور وھو الحقّ و لم یأت من اشترط ذلک بحجۃٍ یّصلح لذکرھا و تستدعی التعرض لدفعھا و کلّ من لہ علم و فھم یعلم انّ اھل العربیۃ ما زالوا یخترعون المجازات عند وجود العلاقۃ و نصب القرینۃ و ھکذا من جاء بعد ھم من اھل البلا غۃ فی فنّی النظم والنّثر و یتمارحون باختراع الشیء الغریب من المجازات عند وجودِ الّمصحح للتّجوّز۔ (اور مجاز کے افراد میں (اہل لغت

سے)نقل ضروری نہیں بلکہ صرف علاقہ کافی ہے اور (زیادہ تر) اس کی نوع کا اعتبار ہے اور جمہور حکماء کا یہی مذہب ہے اور یہی حق ہے اور جس نے اس کے (نقل کو) ضروری قرار دیا ہے اس نے ایسی حجت کوئی بھی پیش نہیں کی جو ذکر اور تردید کے لائق ہو، یعنی بالکل قابل التفات نہیں۔ اور جو شخص علم اور فہم رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ اہل عربیت ہمیشہ علاقہ کے پائے جانے پر مجازات اور قرائن کا مقرر کرنا اختراع کرتے رہے ہیں اور اسی طرح نظم اور نثر کے علمائے بلاغت جو ان سے بعد ہوتے آئے ہیں (وہ بھی اس بارہ میں اختراعات کرتے رہے ہیں) اور صحت مجاز کے قرینہ کے وقت کسی نادر مجاز کے اختراع کے سبب ایک دوسرے پر فخر کرتے رہے ہیں)

حاصل اس تقریر کا یہ ہوا کہ جس جگہ توفّی کے ساتھ موت اور اس کے لوازمات کا ذکر ہو، اس جگہ توفّی کی تعیینِ نوع موت میں ہوگی اور جہاں نیند اور اس کے مقتضیات موجود ہوں گے وہاں اس کی تعیینِ نوع نوم میں ہوگی اور جس مقام پر قرینہ رفع مذکور ہو اس جگہ یہ لفظ نوع رفع میں معین ہوگا جیسا کہ عنقریب آیات توفّی سے ظاہر ہوگا انشاء اللہ۔ غرض کتب لغت میں توفّی بمعنی موت لکھا ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ یہ لفظ موت کیلئے موضوع ہے کیونکہ علم تصریف اس کا برملا انکار کر رہا ہے اور نہ یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ اپنے اصلی معنوں سے ہٹ کر بمعنی موت مخصوص ہوگیا ہے کیونکہ اہل لغت کا اس کو مجاز لکھنا اس کی صریح تردید کر رہا ہے چنانچہ تاج العروس شرح قاموس میں ہے:

و من المجاز ادركته الوفاة اى الموت و الميتة و توفّى فلان اذا مات و توفّاه اللّه عزّ وجلّ اذا قبض روحه (اور مجاز میں سے ایک یہ ہے ادركته الوفاة یعنی اسے موت نے پالیا یا پکڑلیا اور توفّى فلان وہ پورا ہوگیا کے معنی ہیں وہ مرگیا تو توفّاه اللّه (خدا نے اسے پورا کرلیا) کے معنی ہیں خدا نے اس کی روح قبض کرلی)

اور اسی طرح اساس البلاغۃ، زمحشری میں لکھا ہے:

ومن المجاز توفّى فلان و توفّاه اللّه و ادركته الوفاة ۔ (توفّى فلان اور توفّاه اللّه اور ادركته الوفاة سب مجازیں ہیں)

(اکمل صاحب بھی عجب کمال کے پتلے ہیں کہ باوجود آئمہ لغت کی تصریح کے کہ توفّی بمعنی موت مجازاً ہے، الزاماً لکھتے ہیں: موت کے معنی کو مجاز کہنا آپ کی ہی ایجاد ہے۔ ص ۲۰۔

جواب ۔ کیا تاج العروس اور اساس البلاغۃ میری تصانیف ہیں؟)

اور مجاز بولنا تب ہی درست ہے جب حقیقی معنی متروک نہ ہوں چنانچہ قطبی میں بعد تقسیم لفظ باعتبار معانی جو اوپر گزر چکی ہے، یہ لکھا ہے کہ:

و ان لم یترکِ الاول بل یستعمل فیه ا یضاً سمّی حقیقة ان استعمِل فی الاوّل وھو المنقول عنه و مجاز ان استعمِل فی الثّانی وھو المنقول الیه (قطبی ص۴۴ مطبع رحیمیہ دیو بند) (اگر معنی اول متروک نہ ہوں بلکہ اس میں اس لفظ کا استعمال ہو تو اسے حقیقت کہتے ہیں۔ جب پہلے معنوں میں مستعمل ہو اور وہ اس کا معنی منقول عنہ (جس سے نقل کر کے مجازی معنی لئے گئے ہوں) ہے اور اگر دوسرے معنوں میں مستعمل ہو تو اسے مجاز کہتے ہیں اور وہ معنی منقول الیہ ہے (نقل کر کے جو معنی مراد لئے گئے ہیں)

آئمہ لغت کے توفّی کو مجازاً بمعنی موت لکھنے سے صاف ثابت ہو گیا کہ توفّی کے اپنے وضعی معنی اخذ الشّیء وافیاً متروک نہ ہوں گے۔ آسان طریق جو جلدی راہ راست پر لاوے وہ یہ ہے کہ توفّی کو کتب لغت سے تلاش کرو۔ اگر یہ لفظ وفا کے ضمن میں مذکور ہو، تو اسے وفا سے ماخوذ سمجھو، ورنہ نہیں اور پھر جملہ تصریفاتِ وفا پر نظر کرو تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اس کے معنی پورا کرنے کے ہیں اور جو معنی مجازی ہوں گے وہ باعتبار اس علاقہ کے ہوں گے جو حقیقت اور مجاز میں ضروری ہے۔ چنانچہ حصول المامول (ص۲۔ مصری) میں ہے:

لا بدّ من العلاقة فی کل مجاز فی ما بینه و بین الحقیقة و العلاقة ھی اتصال المعنی المستعمل فیه بالموضوع له (ہر مجاز میں اس علاقہ کا ہونا ضروری ہے جو اس میں اور حقیقت میں ہوتا ہے اور علاقہ اس اتصال (معنوی) کو کہتے ہیں جو معنی مستعمل فیہ (مجازی) اور معنی موضوع لہ (حقیقی) میں ہوتا ہے)

اور چونکہ علاقات اور اتصالات معنی مستعمل فیہ اور موضوع لہ میں حسب اقتضائے مقام مختلف ہوتے ہیں اسلئے ان کی تقریر کتب لغت میں ضروری نہیں۔ چنانچہ حصول المامول میں گذر چکا ہے کہ علاقات مقتضیہ مجاز کے لئے ضروری نہیں کہ وہ کسی کتاب میں مذکور ہوں بلکہ وہ علاقہ جس سے معنی مستعمل فیہ وموضوع لہ میں نسبت پیدا ہو سکے، کافی ہے۔

آیات توفّی مع بیان قرینہ

پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ توفّی کے معنی اخذ الشّیء وافیاً ہیں اور یہ بھی محقق ہو چکا ہے کہ توفّی جنس ہے اور رفع اور موت اور نیند اس کی انواع ہیں۔ اور یہ بھی مذکور ہو چکا ہے کہ تعیین نوع کے لئے وجود قرینہ یا تعذرِ حقیقت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ بغیر اس کے مراد متکلم (کہ ان معانی و انواع میں سے کون سی نوع اس کی مراد ہے) معین نہیں ہوسکتی۔ لہذا قرآن شریف کی وہ سب آیات جن میں مشتقات توفّی (باب تفعل) وارد ہوئے ہیں، لکھ کر پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی قرائن صارفہ پر بھی اشارات کرتے جاتے ہیں۔

۱۔ و الّذین یتوفّون منکم و یذرون ازواجاً یتربّصن بانفسھنّ اربعة اشھر و عشراً (تم میں سے جو قبض کئے جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کی بیویاں، دوسرے نکاح کے لئے، چار مہینے دس دن رات کا انتظار کریں)۔ (بقرہ:۲۳۴)

۲۔ و الّذین یتوفّون منکم و یذرون ازواجاً وصیة لازواجھم متاعاً الی الحول غیر اخراج (بقرہ۔ ۲۴۱)

بیان قرینہ یہ ہے: ان ہر دو آیات نمبر ۱ اور ۲ میں عورتیں بیوہ چھوڑنا اور عدت حالتِ بیوگی اور وصیت، توفی سے موت مراد لینے کے قرینے ہیں۔

۳۔ حتّی یتوفّاھن الموت (نساء:۱۵) (حتی کہ قبض کرے ان کو موت)

۴۔ انّ الّذین توفّاھم الملائکة ظالمی انفسھم (نساء:۹۷) (جن کو فرشتے قبض کرتے ہیں حالانکہ وہ (فرشتے) ان (کفار) کی جانوں پر سختی کرتے ہیں)

۵۔ حتّی اذا جاء احدکم الموت توفّته رسلنا (انعام:۶۱) (حتی کہ جب تم میں سے ایک کی موت آجاتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کو قبض کر لیتے ہیں)

۶۔ حتّی اذا جاءتھم رسلنا یتوفّونھم (اعراف:۳۷) (حتی کہ جب ان کے پاس ہمارے فرشتے آجاتے ہیں تو ان کو قبض کر لیتے ہیں)

۷۔ و لو تری اذ یتوفّی الّذین کفروا الملائکة یضربو ن وجو ھھم و

ادبارھم (انفال:۵۰) (کاش تو دیکھے جب قبض کرتے ہیں فرشتے کفار کو، مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر)

۸۔ فکیف اذا توفّتھم الملائکۃ یضربون وجوھھم و اد بارھم (محمد) (پس کس طرح ہوگا جب قبض کریں گے ان کو فرشتے مارتے ہوئے ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر)

۹۔ الّذین تتوفّاھم الملائکۃ ظالمی انفسھم (نحل: ۲۸) (جن کو قبض کرتے ہیں فرشتے سختی کرتے ہیں ان کی جانوں پر)

۱۰۔ الّذین تتوفّاھم الملائکۃ طیّبین (نحل: ۳۲) (جن کو قبض کرتے ہیں فرشتے خوشحالی میں)

۱۱۔ قل یتوفّاکم ملک الموت الّذی وکّل بکم (الم سجدہ: ۱۱) (اے پیغمبر! ان سے کہو تم کو قبض کرے گا ملک الموت جو تم پر مقرر کیا گیا ہے)

بیان قرینہ۔ نمبر۳ سے ۱۱ تک ان نو آیات میں توفّی سے موت مراد لینے کیلئے ملائکہ موت اور جان کندن کے وقت کفار کو عذاب کرنا اور مومنوں کو سلام اور بشارت جنت سنانا، صاف اور صریح قرینے ہیں۔ احادیث میں ان کی تفصیل موجود ہے۔

۱۲۔ و امّا نرینّک بعض الّذی نعد ھم او نتوفّینّک (یونس: ۴۶)۔ (اگر ہم تجھ کو اپنے وعدے کے ایک حصہ کی باتیں دکھا دیں، یا تجھ کو قبض کر لیں)

۱۳۔ و امّا نرینّک بعض الّذی نعدھم او نتوفّینّک (۱۳: ۴۰)

۱۴۔ فامّا نرینّک بعض الّذی نعدھم او نتوفّینّک (مومن: ۷۷)

بیان قرینہ آیات نمبر ۱۲ تا ۱۴ کا یوں ہے کہ ان میں توفیّ بمقابلہ نرینّک آئی ہے جو معنی موت کے لئے قوی قرینہ ہے کیونکہ وعدہ نرینّک زندگی چاہتا ہے۔ پس نتوفّینّک ضرور اس کی ضد یعنی موت ہونا چاہیے۔ دیگر یہ کہ سورت زخرف (آیت ۴۱۔۴۲) (فامّا نذ ھبنّ بک فانّا منھم منتقمون۔ او نرینّک الّذی وعد ناھم فانّا علیھم مقتدرون) میں نتوفّینّک کی بجائے نذ ھبنّ بک وارد ہے جو کنایہ ہے فنا سے۔

۱۵۔ و اللّٰہ خلقکم ثم یتوفّاکم و منکم من یردّ الی ارذل العمر لکی لا یعلم بعد علم شیئا (نحل: ۷۰)

۱۶۔ یا ایّھا النّاس ان کنتم فی ریبٍ مّن البعث فانّا خلقنا کم من تراب ثمّ من علقۃٍ ثم من مضعۃٍ مخلّقۃٍ و غیر مخلّقۃٍ لنبیّن لکم و نقرّ فی الارحام ما نشاء الی اجلٍ مسمّی ثمّ نخرجکم طفلاً ثمّ لتبلغوا اشدّکم ومنکم من یّتوفّی ومنکم من یردّ الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علمٍ شیئاً (حج ۵) اے لوگو! اگر تم (دوبارہ) جی اٹھنے سے شک میں ہو تو (سوچو) ہم نے (پہلے) تو تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے، پھر جمے خون سے، پھر پورے بنے ہوئے اور نہ بنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے سے، تاکہ تم کو بتائیں، اور ٹھہرائے رکھتے ہیں ہم رحموں میں جو چاہیں مدت مقرر تک۔ پھر تم کو بچے کی صورت میں باہر نکالتے ہیں پھر (تم کو زندہ رکھتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور بعض تم سے (پہلے) قبض کئے جاتے ہیں اور بعض ارذل عمر تک پہنچائے جاتے ہیں تاکہ جاننے کے بعد بھی کچھ نہ جانیں

۱۷۔ ھو الّذی خلقکم من ترابٍ ثمّ من نطفۃٍ ثمّ من علقۃٍ ثم یخرجکم طفلاً ثمّ لتبلغوا اشدّکم ثمّ لتکونوا شیوخاً و منکم من یّتوفّی من قبل ولتبلغوا اجلاً مّسمّی (مومن: ٦٧)(جس نے پیدا کیا تمیں مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر جمے خون سے، پھر تم کو بچے کی صورت میں نکالتا ہے، پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور بعض تم میں سے (پہلے بھی) قبض کر لیے جاتے ہیں۔ اور تاکہ تم (اپنی) اجل مقررہ کو پہنچو)

قرینہ ان آیات نمبر ۱۵ تا ۱۷ میں یہ ہے کہ جس جس موقع پر لفظ توفّی وارد ہوا ہے سورت مومنون رکوع نمبر ایک میں اس موقعہ پر لفظ میّتون (۱۵:۲۳) وارد ہوا ہے۔ پس صاف معلوم ہو گیا کہ یہ آیت توفی کی تفسیر موت سے کرتی ہے۔ علاوہ بریں یہ کہ قبل پیدائش سے موت تک جس قدر مختلف قدرتی استحالات انسان پر وارد ہوتے ہیں ان آیات میں ان سب کا بالتفصیل ذکر ہے۔ مثلاً پہلے مٹی، پھر نطفہ، پھر علقہ، پھر مضغہ (گوشت کا ٹکڑا)، پھر ہڈی پر گوشت، پھر مدت حمل تک رحم میں رہنا، پھر طفل ہو کر پیدا ہونا، پھر بڑھنا، پھر جوان ہونا، پھر بوڑھا ہونا، پھر اجل مقرر تک پہنچ کر مرنا۔ یہ سب حالتیں اس بات کے قرائن ہیں کہ ان مقامات پر توفّی سے مراد موت ہے کیونکہ موت بھی ایک حالت ہے۔ پچھلی آیت (سورہ مومن کی) میں ایک اور نکتہ ہے کہ چونکہ جملہ معللہ لتبلغوا اشدّ کم کا عطف خبریہ یخرجکم پر نہیں ہوسکتا اس لئے لامحالہ

یبقیکم مقدر نکالنا پڑے گا (جامع البیان زیر آیت ہذا) لہذا ابقا کے مقابلے میں جو توفّی ہوگی، ضرور اس سے مراد موت ہوگی۔

۱۸۔ ربّنا فاغفرلنا ذنوبنا و کفّر عنّا سیئاتنا و توفّنا مع الابرار (آل عمران: ۱۹۲) (خداوندا! ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں دور کر دے اور ہم کو نیکوں کے ساتھ قبض کرنا)۔

۱۹۔ ربّنا افرغ علینا صبراً و توفّنا مسلمین (اعراف: ۱۲۶) خداوندا ہم پر فضل انڈیل دے اور قبض کر ہم کو مسلمان کر کے)

۲۰ ۔ انت ولیّ فی الدّ نیا والآخرۃ و توفّنی مسلماً و الحقنی بالصّالحین (یوسف: ۱۰۱) (تو ہی میرا مددگار ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ قبض کرنا مجھے مسلمان کر کے اور ملانا مجھے صالحین سے)

آیات ۱۸ تا ۲۰ میں قرینہ صارفہ موجود ہے اور وہ دعائے لحوق بالصّالحین والابرار ہے کیونکہ یہ الفاظ کنایہ ہیں موت سے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اوّلکنّ لحوقاً بی اطولکنّ یداً۔ اور نیز صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرض الموت میں مع الّذین انعم اللّٰہ علیھم .. (الآیہ) پڑھا، اور نیز اللّٰھم اغفرلی و ارحمنی و الحقنی بالرّفیق اور نیز آخر کلمہ آپ کا اللّٰھم الرّفیق الاعلی تھا۔ ان سب احادیث سے ثابت ہوا کہ دعائے لحوق بالصالحین والابرار والرفیق الاعلی سے موت بخاتمہءحسنہ مراد ہوتی ہے۔ لہذا یہ آیات بھی قرینہ سے خالی نہیں۔

۲۱۔ وھو الّذی یتوفّاکم باللّیل و یعلم ما جرحتم بالنّھار ثمّ یبعثکم فیہ لیقضی اجل مّسمّی (انعام: ۶۰) (خدا وہ ذات ہے جو تم کو رات کو قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو تم دن کو کرتے ہو۔ پھر تم کو دن کے وقت اٹھا کھڑا کر دیتا ہے تا کہ زندگی کی مدت مقرر پوری جائے)

۲۲ ۔ اللّٰہ یتوفّی الانفس حین موتھا والّتی لم تمت فی منامھا فیمسک الّتی قضی علیھا الموت و یرسل الاخری الی اجلٍ مّسمّی (زمر: ۴۲)۔ (خدا ہی قبض کرتا ہے جانوں کو موت (روح اور جسم کی مفارقت) کے وقت اور جو ابھی نہیں مریں ان کو (قبض کرتا ہے) ان کی نیند میں، پس جس پر موت (کا حکم) جاری کیا

ہے اس کو تو بند رکھتا ہے اور دوسری (نیند والی) کو مدت مقرر (موت) تک بھیجتا رہتا ہے)

آیات ۲۱، اور ۲۲ میں بھی قرائن موجود ہیں۔ پہلی آیت میں توفّی سے مراد نیند ہے کیونکہ قرینہ لیل موجود ہے اور پھر ساتھ ہی پھر دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا اور کام کاج کرنے کا ذکر ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس توفی سے جورات کے وقت ہو اور پھر اس کے بعد دن کو کھڑے ہوں، نیند ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں پہلے موقع پر توفی سے مراد موت ہے بقرینہ حین موتھا، دوسرے موقع پر جو بقاعدہ عطف محذوف ہے اس سے مراد نیند ہے بقرینہ منامھا۔ اس پچھلی آیت میں ایک اور نکتہ ہے کہ جس نفس کی توفی بالموت ہوتی ہے اس کیلئے اللہ نے فیمسک الّتی قضی علیھا الموت فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ توفی کے وضعی معنی صرف اخذ الشّیء وافیاً ہیں کیونکہ امساک سے مراد ابقاء ہے اسی حالت ماخوذہ پر نہ تجدد۔ اور اسی لئے قضا بالموت کی تصریح ضروری ہوئی۔ اس آیت میں دوسری شق میں جہاں توفّی سے مراد نیند ہے، علاوہ قرینہ فی منامھا کے یرسل الاخری الی اجلٍ مّسمّی قرینہ ہے توفّی سے نیند مراد لینے پر، کیونکہ اس کے معنی وہی ہیں جو پہلی آیت سورہ انعام میں ثمّ یبعثکم فیہ لیقضی اجل مّسمّی کے ہیں۔ غرض ان آیات میں حسب قرائن لیل و منام و بعثت فی النھار (دن کو اٹھا کھڑا کرنا) توفّی سے مراد نیند ہے اور یہ توفّی کی دوسری نوع ہے۔ گذشتہ آیات میں توفّی کی ایک نوع موت آئی تھی بقرائن موجبہ معنی موت اور اس جگہ بقرائن موجبہ معنی نیند توفی کی دوسری نوع نیند ثابت ہوئی۔ کیا اب بھی توفّی کے جنس اور موت اور نیند کے انواع ہونے میں شک باقی رہا ہے؟

تنبیہ: واضح ہو کہ نیند کے موقع پر قبض روح کا لفظ بولنے سے کسی کو یہ دھوکا نہ لگ جائے کہ نیند موت ہوتی ہے نفی کے لئے اسی آیت سورت زمر میں والّتی لم تمت موجود ہے مرزا صاحب قادیانی نے اس آیت میں لفظ لم تمت چھوڑ دیا ہے تا کہ کسی کو یہ خبر نہ ہو جائے کہ سوئے ہوئے کا حکم لم تمت ہے، یعنی یہ کہ وہ مردہ نہیں اور حدیث شریف میں جو احیانا بعد ما اماتنا آیا ہے وہ اس آیت کے معارض نہیں کیونکہ قرآن شریف میں نفی حقیقتِ موت کی گئی ہے اور حدیث میں نیند کو موت مجازاً کہا گیا ہے بموجب اس تحقیق کے جو ہم نے ذکر کی نہ مطابق زعم مرزا صاحب قادیانی کے۔ اور اہل علم پر روشن ہے کہ حقیقت و مجاز کی رو سے نفی و اثبات کا فرق ہو تو ان میں تعارض و تناقض نہیں ہوتا کیونکہ ہر دو میں ذوات مختلف ہیں۔

۲۳۔ قل یا ایّھا النّاس ان کنتم فی شکٍ مّن دینی فلا اعبد الّذین تعبدون من دون اللّٰہ و لکن اعبد اللّٰہ الّذی یتوفّاکم و امرت ان اکون من المؤمنین (یونس:۱۰۴) (اے پیغمبر، کہو اے لوگو! اگر تم میرے دین سے شک میں ہو تو (سن رکھو) میں تو ان کو، جن کو تم پوجتے ہو، کبھی نہیں پوجوں گا۔ ہاں میں تو صرف اللہ کی عبادت کروں گا جو تم کو قبض کرتا اور مجھے حکم ہوا ہے کہ ایمان داروں میں سے ہوں)۔

۲۴۔ یا عیسی انّی متوفّیک و رافعک الیّ و مطھّرک من الّذین کفروا (آل عمران: ۵۴) (اے عیسی! میں ہوں تیرا بھر لینے والا اور تجھے اپنی طرف اٹھا لینے والا اور کافروں سے تجھے پاک رکھنے والا)۔

آیات نمبر ۲۳، ۲۴ سے مراد یہ ہے کہ میں تو اپنا معبود اس ذات برحق کو بناتا ہوں جس کے قبضہ واختیار میں تمہارا ایجاد و ابقاء اور اعدام و افنا اور ارجاع ہے جیسا کہ آیت کیف تکفرون با للّٰہ و کنتم امواتاً فاحیاکم ثمّ یمیتکم ثمّ یحییکم ثمّ الیہ ترجعون (بقرہ:۲۸) وامثالہا سے ظاہر ہے۔ اور صرف اعدام وافنا کے ذکر پر اکتفا کی یہ وجہ ہے کہ علوم عقلیہ میں ثابت شدہ ہے کہ ذکر احد الضدین کا استلزاماً ضد آخر پر دلالت کرتا ہے جیسے نور کہ اس کے ذکر سے اس کی ضد ظلمت کا بھی تصور حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح سواد سے بیاض۔ پس اسی طرح ذکر اعدام استلزاماً ایجاد کا مشعر بھی ہے۔ قرآن شریف میں اس کی نظائر بہت ہیں دیکھو تفسیر کبیر و کشاف و ابی السعود تحت آیت سرا بیل تقیکم الحرّ مجرد گرمی کے ذکر سے اس کی ضد سردی بھی معلوم ہوسکتی ہے اور نیز فتح الباری شرح صحیح بخاری باب ذکر الملائکۃ میں تحت ثم یعرج الیہ الّذ ین باتوا فیکم مسطور ہے کہ اس سے الّذین ظلموا پر بھی دلالت ہوسکتی ہے، پس ثانی کو استغناء حذف کیا لانّ ذکرا احد الضدّین تنبیہ علی الضد الآخر۔ نیز اس لئے کہ تحقیق افناء واعدام بغیر تحقیق ایجاد کے متصور نہیں ہوسکتا۔ پس جو توفّی بمقابلہ ایجاد مذکور ہو، لابدّ اس سے مراد اعدام ہوگی و ھو الموت۔ اور باوجود ہر شئے کے قبضہ قدرت باری عزاسمہ میں ہونے کے، جیسا کہ فسبحان الّذی بیدہ ملکوت کلّ شیء سے ثابت ہے، صرف مخاطبین یعنی کفار ہی کو متعلق توفی گردانے میں تہدید کفار ملحوظ ہے جیسا کہ سباق سے ظاہر ہے اور یہی امر موید ہے تخصیص ذکر توفّی کا دون ذکر نعمۃ الایجاد لانّ المقام مقام تخویف و تھدید یعنی ایجاد و خلق کی نعمت کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ یہ مقام تخویف وتہدید کا ہے اور اصل بلاغت یہی ہے کہ مقتضائے

حال کا لحاظ کیا جائے ۔ اور نیز چونکہ اس آیت ما نحن فیھا سے پہلے اہلاک کفار اور انجاء رسل اللہ و مومنین کا ذکر ہے اس لئے مراد اس پارہء آیت سے یہ ہوگی کہ میں اسی ایک معبود برحق کی پرستش کرتا ہوں جس نے مجھ سے تمہاری ہلاکت اور میرے بقاء کا وعدہ کیا ہے ۔ پس اس طریق سے بھی توفّی بمقابلہ ابقاء مذکور ہوئی ۔ فثبت القرینۃ و اند فعت الرّیبۃ ۔

مضمون مذکور تفاسیر معتبرہ مثل تفسیر کبیر، ابن کثیر، فتح البیان، ابی السعود، رحمانی، کشاف وغیرہ سے ماخوذ ہے ۔

آیت ۲۳ اور ۲۴ میں توفی سے مراد رفع جسمی ہے بقرینہ صریحہ را فعک الیّ و مطھّرک من الّذین کفروا (اٹھا لینے والا ہوں تجھ کو اپنی طرف) اور آیت : بل رفعہ اللّٰہ الیہ (نساء: ۱۵۸) اور بموجب حدیث نزول کے بتصریح من السماء (کتاب الاسماء والصفات للبیہقی، نیز کنز العمال) کما سیجیء ذکر ذلک ۔

بس اب قرآن شریف کی جملہ آیات توفّی کا پورا بیان ہو چکا اور ایک نیک باطن پاک طینت صاحب بصیرت کے لئے کوئی گنجائش انکار باقی نہ رہی ۔ اور مرزا صاحب قادیانی کے طعن کا جواب، جس میں انہوں نے اپنے ازالہ اوہام صفحہ ۳۳۵ میں کل علمائے سلف و خلف کو ملحد و محرف قرار دیا ہے، کافی طور پر ہو چکا کہ دیگر مواقع پر توفّی سے موت اور نیند مراد لینے کی یہ وجوہ ہیں اور حضرت عیسیؑ کے بارے میں توفّی سے رفع مراد لینے کی وجہ یہ ہے ۔ لہذا مرزا قادیانی کو کوئی حق نہیں کہ ناحق علمائے اسلام کی شان میں بدزبانی کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کرے ۔ (اب تو برزخ میں اس بدزبانی کا مزہ چکھ رہے ہوں گے)

چوں خدا خواہد کہ پردہء کس درد | میلش اندر طعنہء پاکاں کند

اگر کوئی لفظ کئی معنوں میں اطلاق پذیر ہے، خواہ وہ معنی حقیقی ہوں خواہ منقولی باقسامہا تو قرآن شریف میں اس کے مواضع کثیرہ میں ایک ہی معنی میں مستعمل ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ دیگر مواضع میں بھی اس کے یہی معنی لگیں گے کیونکہ ایسی کئی مثالیں ہیں کہ سارے قرآن شریف میں کسی لفظ کے ایک ہی معنی ہیں اور صرف ایک جگہ پر اس لفظ کے اور معنی ہیں ۔ یہاں صرف پانچ مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے زیادہ تحقیقات کے لئے تفسیر اتقان کو ملاحظہ فرماویں ۔

اول : لفظ اصحاب النار قرآن میں جس جگہ آیا ہے اس کے معنی دوزخ میں جلنے والے کفار و فساق ہیں، سوائے سورہ مدثر کے کہ اس میں اس کے معنی وہ فرشتے ہیں جو دوزخ پر مقرر ہیں ۔

دوم : بعل کے معنی سورہ بقرہ اور نساء میں شوہر ہیں اور سورہ صافات میں نام ہے اس بت کا جسے وہ قوم پوجتی تھی جن کی طرف حضرت الیاسؑ بھیجے گئے تھے۔

سوم:عود اور عادۃ کے معنی سارے قرآن میں تکرار فعل کے ہیں بجز آیت والّذین یظاھرون من نّسائھم ثم یعودون لما قالوا (مجادلہ:۵۸) کے کہ اس میں توبہ اور پشیمانی مراد ہے۔

چہارم: ریب کے معنی ہر جگہ شک ہیں مگر ریب المنون (طور:۵۲) میں حوادث زمانہ مراد ہیں۔

پنجم : بروج سے مراد ہر جگہ کواکب ہیں، مگر بروج مّشیّدۃ (نساء:۷۸) میں اونچے اور محکم محل مراد ہیں۔

و رافعک الیّ

لفظ توفّی کی نسبت کافی طور پر تحقیق ہو چکی اور علم تصریف اور کتب لغت اور تفاسیر معتبرہ سے بہ بسط محقق ہو چکا کہ لفظ توفی اخذ الشّیء وافیاً ، کسی چیز کو پورا پورا لینے کیلئے موضوع ہے، اور موت اور نیند اور رفع اس کے انواع ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ کسی ایک نوع کی تعین کیلئے حاجت قرینہ کی ہوتی ہے۔ پس قول الٰہی یا عیسی انّی متوفّیک سے رفع جسد الی السّماء مراد لینے کے لئے پہلا قرینہ و را فعک الیّ ہے۔ اور را فعک الیّ سے رفع روح اور عزت کی موت مراد نہیں ہے جیسا کہ مرزا صاحب قادیانی کہتے ہیں بلکہ مراد اس سے رفع جسم الی السماء ہے، لا غیر۔

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ صراح میں لکھا ہے

رفع برداشتن و ھو خلاف الوضع ۔یعنی رفع کے معنی اوپر کے طرف اٹھانا ہیں برخلاف لفظ وضع کے کہ اس کے معنی نیچے رکھنا، ہیں۔

اسی طرح المصباح المنیر میں لکھا ہے: رفعتہ رفعاً خلاف خفضتہ ۔

لغت کی کسی کتاب میں رفع کے معنی ،عزت کی موت، نہیں لکھے۔ اور نہ کسی محاورہ میں اس کا استعمال اس معنی میں پایا گیا ہے۔ یہ صرف مرزا صاحب کا تصرف فی اللغۃ ہے جس طرح چاہتے ہیں قرآن و حدیث اور لغت کو اپنی مرضی کے تابع کر لیتے ہیں

(اکمل قادیانی رفع الی اللّٰہ سے عزت کی موت مراد لینے کی وجہ میں فرماتے ہیں: اگر کہیں عزت کی موت (مرزا نے) لکھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ توفّی کے معنی موت اور رفع الی

اللّٰہ سے مراد عزت دونوں ملا کر حاصل مطلب عزت کی موت ہوا۔ صفحہ ۲۷۔

جواب: جناب عیسیٰؑ کی نسبت توفّی اور رفع الی اللّٰہ ہر دو مستقل بالمفہومیہ اور متساوق ہیں، ایک کو دوسرے کا ضمیمہ بنا کر معجون مرکب نہیں بنا سکتے)

اگر کہا جائے کہ جب رفع کا صلہ الی آتا ہے تو یہ کنایہ ہوتا ہے اعزاز واکرام سے جیسا کہ محاورہ رفعتہ الی السّلطان صراح میں موجود ہے (جیسا کہ مبارک علی سیالکوٹی نے القول الجمیل میں لکھا ہے) تو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ اس محاورے سے تمسک کرنے سے مرزا کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ تو رفع الی اللّٰہ سے عزت کی موت مراد لیتے ہیں۔ پس جب تک محاورہ رفعتہ الی السّلطان میں عزت کی موت مراد نہ ہو، تب تک اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں۔

ثانیاً یہ کہ محاورہ رفعتہ الی السّلطان کو رفع جسمی کے انکار میں پیش کرنا استعداد علمی سے عاری ہونے کا نتیجہ ہے کیونکہ صراح کی پوری عبارت یوں ہے:

ونزدیک گردانیدن کسے را بکسے صِلتہ بِالِی و من ذلک قولھم رفعتہ الی السّلطان۔

جب عبارت نزدیک گردانیدن کسے را بکسے، موجود ہے تو اس سے ذی علم وفہم کو یہ وہم نہیں ہو سکتا کہ اس جگہ رفع سے مراد صرف رفعت منزلت ہے کیونکہ کسی کو کسی کے نزدیک کرنے میں قرب جسمی ملحوظ ہوتا ہے۔ پس محاورہ رفعتہ الی السّلطان کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس شخص کو گھر بیٹھے بٹھائے عزت دلا دی، بلکہ معنی تو یہ ہیں کہ میں اس کو بادشاہ کے حضور لے گیا، عزت اور ذلت سے اس میں کوئی بحث نہیں۔ اگر وہ شخص منظور نظر شاہی ہے، تو حضور شاہی میں اسکی عزت ہوگی اور اگر کوئی مجرم ہے تو مورد سخطات شاہی ہوگا، کیونکہ بادشاہ اور حاکم کی حضوری میں عزت و ذلت اپنی استعداد کے لحاظ سے ہے، نہ باعتبار بادشاہ کے قریب جانے کے۔ چنانچہ فتح الباری جز ۹ صفحہ ۴۳۱ میں محاورہ و رفعہ الی الحاکم کے معنی جو ہر طرح سے رفعتہ الی السّلطان کا ہم پلہ ہے احضرہ للشکوی یعنی شکایت کے لئے حاکم کے حضور لے جانا لکھے ہیں۔

ثالثاً یہ کہ صراح کی عبارت کا مطلب عند ارادۃ الاعزاز یہ ہے کہ بر تقدیر ارادہ ءِ معنی اعزاز و مرتبہ رفع کا صلہ الی آنا چاہیے، نہ یہ کہ جس جگہ رفع کا صلہ الی ہو اس سے بغیر اعزاز و اکرام کے اور کچھ ارادہ ہی نہیں کر سکتے تا کہ رفع جسمی ممنوع خیال کیا جائے اور مخالف کو کامیابی ہو، بلکہ الی کے صلہ ہونے کے وقت نظر بر اصل واقعہ کہیں رفع جسمی اور اعزاز دونوں مجتمع ہو سکتے

ہیں۔ چنانچہ محاورہ و رفعتہ الی السّلطان میں جس صورت میں کہ متکلم نے مفعول کو اصالۃً یا وکالۃً بجسمہ لے جا کر سلطان کے ہاں معزز بنایا ہو اور ظاہر ہے کہ معنی وضعی اور معنی کنائی کا اجتماع ممتنع نہیں بخلاف حقیقی اور مجازی کے کما سیجیء۔ اور کسی جگہ صرف رفع جسمی بغیر ارادہ اعزاز کے پایا جاتا ہے جیسا کہ امثلہ ذیل اس امر کی مشعر ہیں:

المثال الاوّل: المصباح المنیر میں بذیل لفظ رفع لکھا ہے رفعت الزّرع الی البیدر اور اس کے معنی صراح میں یوں کئے ہیں، برداشتم غلہ درودہ و بخرمن گاہ آوردم۔ یعنی میں کھیت کو کاٹ کر اور غلہ اٹھا کر خرمن گاہ میں لے آیا۔

ایسا ہی قاموس میں ہے:

و الزرع حملوہ بعد الحصاد الی البیدر۔

رفعوا الزرع کے یہ معنی ہیں کہ کسان کھیت کاٹنے کے بعد اٹھا کر خرمن گاہ میں لے آئے

اسی طرح اساس البلاغۃ میں بھی ہے۔

المثال الثّانی: صحیح بخاری باب اذا وکّل رجلاً فترک الوکیل شیئًا میں حدیث وکالۃ ابی ہریرہ بحفظ زکوۃ رمضان میں الفاظ لارفعنّک الی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وارد ہیں۔ اور فتح الباری باب الوکالۃ جزء ۹ صفحہ ۴۳۱ میں لارفعنّک کے ذیل میں لکھا ہے:

لاذ ھبنّ بک اشکوک یقال رفعہ الی الحاکم اذا احضرہ للشّکوی

یعنی ابو ہریرہؓ نے (شیطان سارق غلہ خیرات کو کہا کہ) آج تو میں تجھے ضرور رسول اللہ ﷺ کی جناب میں تیری (بدعملی) کی شکایت کیلئے لے چلوں گا۔

اور اسی طرح یہ محاورہ ہے رفعہ الی الحاکم یعنی وہ اس کو حاکم کے حضور میں اس کی (بدعملی کی) شکایت کیلئے لے گیا۔ اگر رفع کے معنی بوقت صلہ الی صرف اعزاز و اکرام ہوتے ہیں تو کیا معاذ اللہ حضرت ابو ہریرہؓ نے شیطان سارق (چور) کو عزت دلانی چاہی تھی اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی جناب پاک میں؟ نعوذ باللّٰہ من ذلک

المثال الثّالث: صحیح بخاری باب فضل الکھف و نزول السکینۃ و نیز مشکوۃ المصابیح صفحہ ۱۷۶ حدیث قراۃ اسید بن حضیر، سورۃ الکھف میں رفع رأسہ الی السّماء (اس نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا) اور نیز فرفعت رأسی الی السّماء (پس میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا)، وارد ہے۔ اس حدیث میں بھی دو دفعہ رفع کے ساتھ صلہ الی آیا ہے اور دونوں جگہ

رفع جسمی مراد ہے بغیر ارادہ رفعِ منزلت کے۔

المثال الرابع: صحیح بخاری و صحیح مسلم و نیز مشکوۃ کتاب الجنائز باب البکاء علی المیّت صفحہ ۱۴۲ میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی سیدہ زینبؓ کے فرزند ارجمندؓ کے فوت ہو جانے کی حدیث میں فرفع الی رسول اللّٰہ ﷺ الصّبیّ یعنی وہ لڑکا (رسول اللہ ﷺ کا نواسہ) آپ کے پاس اٹھا کر لایا گیا۔ سبحان اللہ! رفع جسمی کے لئے کیا عمدہ مثال ہے۔ موت کا وقت بھی ہے اور پھر یہاں عزت کی موت مراد نہیں۔

المثال الخامس: اللہ تعالیٰ نے سورہ فاطر میں فرمایا:

الیه یصعد الکلم الطّیّب و العمل الصّالح یرفعه (فاطر:۱۰)

(کلمہ طیب خدا ہی کی طرف چڑھتا ہے اور نیک عمل کو خدا بلند کرتا ہے)

تفسیر فتح البیان میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

(الیه) تعالی لا الی غیره (یصعد الکلم الطّیّب) الصّعود هو الحرکة الی فوق وهو العروج ایضاً وموضع الثّواب فوق و موضع العذاب اسفل ومعنی صعوده الیه قبوله له او صعود الکتبة من الملائکة بما یکتبونه من الصّحف (کلمہ طیب صرف خدا ہی کی طرف چڑھتا ہے اور صعود اس حرکت کو کہتے ہیں جو اوپر کی جانب ہو، اور اسے عروج بھی کہتے ہیں۔ اور ثواب کی جگہ اوپر کو ہے اور عذاب کی جگہ نیچے کو ہے، اور خدا کی طرف کلمہ کے صعود کے معنی ہیں خدا کا اس کو قبول کر لینا، یا اس کے معنی ہیں کراماً کاتبین فرشتوں کا ان صحیفوں کو لے کر چڑھنا، جو وہ لکھتے ہیں)

صورت ثانیہ یعنی ملائکہ کا اعمال عباد کو کتابت میں لا کر صعود الی السّماء کرنا حدیث شریف کے بالکل موافق ہے جیسا کہ اسی تفسیر میں آگے بروایت ابن مسعودؓ ذکر کیا ہے:

انّ العبد المسلم اذا قال سبحان اللّٰه و بحمده و الحمد اللّٰه و لا اله الّا اللّٰه واللّٰه اکبر وتبارک اللّٰه قبض علیهنّ ملک فضمّهنّ تحت جناحه ثمّ یصعد بهنّ الی السّماء فلا یمرّ بهنّ علی جمعٍ من الملائکة الّا استغفر لقائلهنّ حتّی یحیّ بهنّ وجه الرّحمن ثم قرأ: الیه یصعد الکلم الطّیّب ۔ الآیه ۔ (جس وقت کوئی مسلمان سبحان اللّٰه و بحمده... الخ ۔ پڑھتا ہے تو ایک فرشتہ (جو ان کلمات پر مؤکل ہوتا ہے) ان کلمات کو لے

لیتا ہے اور اپنے بازوؤں کے نیچے لگا کر آسمان پر لے چڑھتا ہے۔ پس فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے وہ گزرتا ہے وہ سب اس کے قائل کے لئے دعائے استغفار کرتے ہیں، حتی کہ اللہ تعالی کی جناب پاک میں تحفۃً پیش کئے جاتے ہیں (عبداللہ ابن مسعودؓ نے یہ حدیث سنا کر) پھر آیت الیہ یصعد الکلم الطّیّب ..الخ۔ پڑھی۔

اور اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں بھی اس آیت کے ذیل میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور یہ معنی دیگر کئی احادیث سے بھی ثابت ہیں چنانچہ صحیح بخاری باب ذکر الملائکۃ میں کراماً کاتبین کی نسبت ثم یعرج الیہ الّذین باتوا فیکم (پھر وہ جو رات کو تم میں رہے خدا کی طرف اوپر چلے جاتے ہیں) وارد ہے۔ نیز معلوم رہے کہ اس جگہ بھی عروج جو صعود کا مترادف ہے اس کا صلہ الی آیا ہے اور مراد عروج حقیقی ہے، نہ کنائی نہ مجازی۔

دیگر یہ کہ صعود الی اللّٰہ سے قبولیت مراد رکھنا بنا بر ارادہ معنی لازمی ہے اور ممارس کتب فن پر ظاہر ہے کہ لازمی معنوں کے ساتھ حقیقی معنوں کا ارادہ جائز ہے جیسا کہ آگے بحث کنایہ میں مفصل طور پر مطوّل سے نقل کیا جائے گا، انشاء اللہ کیونکہ کلمات طیبات مکتوب ہو کر آسمان کی طرف مرفوع ہوتے اور جنابِ خدا میں قبول ہوتے ہیں۔

المثال السّادس: صحیح مسلم میں ہے:

یرفع الیہ عمل اللّیل قبل عمل النّہار

(رات کا عمل خدا کی طرف مرفوع ہو جاتا ہے، پیشتر اس کے کہ دن کا عمل صادر ہو)

اس میں بھی رفع کا صلہ الی آیا ہے اور صورت صعود اعمال کی اوپر مثال میں گزر چکی۔ گویا یہ حدیث من وجہ تفسیر ہے آیت الیہ یصعد الکلم الطّیّب کی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوۃ میں اس حدیث کی شرح یوں فرماتے ہیں:

> یرفع الیہ عمل اللّیل قبل عمل النّہار یعنی برداشتہ میشود و بالا بردہ میشود بسوئے درگاہِ وے عملہائے بندگان کہ در شب مے کنند پیش از عملہائے کہ در روزے کنند و عمل النہار قبل عمل اللّیل و برداشتہ میشود عملِ روز پیش از عمل شب یعنی ہنوز روز نشدہ و عملے در آں واقع نشدہ کہ عمل شب بالا می برند و شب نرسیدہ کہ عمل روز ببرند و دریں مبالغہ است در مسارعت ملائکہ موکل باعمال عباد و امتثال امر و سرعت عروج ایشاں بمحالِ عرض و مصاعدِ سماوات ایشاں برفع اعمال دراد نی ساعت چہ فرق میان روز و شب جز آنی و جز ولایتجزی نبود

ایسا ہی امام نوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے:

فانّ الملائکة الحفظة یصعدون باعمال اللّیل بعد انقضائه فی اوّل النّهار و یصعدون باعمال النّهار بعد انقضائه فی اوّل اللّیل

(ملائکہ محافظین رات کے اعمال اس کے گزر جانے پر دن کے اول وقت میں لے چڑھتے ہیں اور (اسی طرح) دن کے اعمال اس کے گزرنے پر رات کے شروع میں لے چڑھتے ہیں۔

المثال السّابع: مجمع البحار میں زیر لفظ رفع لکھا ہے:

فرفعه الی یده ای رفعه الی غایة طول یده لیراه النّاس فیفطرون

(جلد ثانی ص۲۳) (آنحضرت ﷺ نے پیالہ اپنے دست مبارک کی لمبائی کے برابر اوپر اٹھایا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں اور روزے افطار کریں)

المثال الثّامن: مجمع البحار جلد۲ ص۲۳ یر فعه الی النّبیّ ﷺ۔ اس میں بھی صلہ الی آیا ہے اور مراد اس سے مدخول الی کی طرف بات کو نسبت کرنا اور اس تک پہنچانا ہے۔

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ جب رفع کا صلہ الی آتا ہے تو اس کے معنی شیء مذکور کو مدخول الی کی طرف اٹھانا، ہوا کرتے ہیں بغیر ارادہء معنی موت و اعزاز و اکرام کے، خواہ وہ شئے جوہر ہو خواہ عرض۔

خلاصہ یہ کہ لغت میں رفع کے حقیقی اور وضعی معنی، اوپر کو اٹھانا، ہیں، برخلاف وضع اور خفض کے کہ ان کے معنی نیچے رکھنا ہیں۔ پس جہاں رفع کا مفعول کوئی جسم ہوگا وہاں اس سے مراد نیچے سے اوپر کو حرکت دینا ہوگی اور اگر اس کا متعلق و معمول کوئی معنی ہوگا، تو اقتضائے مقام پر محمول ہوگا جیسے محاورہ رفعته الی الحاکم میں اگر ضمیر منصوب سے مراد کوئی جسم ہو، تو اس سے مراد رفع جسمی ہوگی اور اگر کوئی امر و معاملہ ہو تو صرف اس امر کا پیش کرنا مراد ہوگا۔ اس بیان کی تصدیق کیلئے المصباح المنیر کی عبارت ذیل ملاحظہ ہو تاکہ اللہ ظلمات شکوک سے نجات دے:

فالرّفع فی الاجسام حقیقة فی الحرکة و الانتقال فی المعانی علی ما یقتضیه المقام (لفظ رفع جسموں کے متعلق حقیقی معنی کی رو سے حرکت اور انتقال کے لئے ہوتا ہے اور معانی کے متعلق جیسا موقع و مقام ہو، ویسی مراد ہوتی ہے)

مصباح کی اس تصریح سے واضح ہوگیا کہ رفع کے حقیقی اور وضعی معنی نیچے سے اوپر کو حرکت و انتقال کے ہوتے ہیں اور نیز محاورات سابقہ سے روشن ہوگیا کہ رفع کا صلہ جب الی

آئے تو اس کے معنی شئے مذکور کا مدخول الی کی طرف مرفوع ہونا، ہوا کرتے ہیں۔ پس اس بیان و تحقیق سے و رافعک الیّ سے یہ محقق ہوا کہ عیسیٰ بجسدہ زندہ مرفوع الی السّماء ہوئے کیونکہ رافعک میں ضمیر مخاطب راجع بطرف منادی یعنی عیسیٰؑ ہے۔ اور اسمائے اجسام مع ارواح کے ہوا کرتے ہیں نہ مجرد ارواح کے اور نہ مجرد اجسام کے اور کلمات الی اللّٰہ اور الی السّماء ہر دو سے ایک ہی مقصود ہے علی ما سنبیّن انشاء اللّٰہ (جیسا کہ ہم جلد ہی بیان کرینگے)۔

ثالثاً! یہ کہ کنایات بغیر ارادہ معنی کنائی و بغیر مطابقت باصل واقعہ کے اور مجازات بغیر تعذر حقیقت یا وجود قرینہ صارفہ کے مراد نہیں لئے جا سکتے۔ مثلاً کشف السّاق جو کنایہ شدت اور مستعدی سے ذکر کیا جاتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ محاورہ اپنے معانی حقیقیہ یعنی پنڈلی کو برہنہ کرنا، پر کبھی بھی دال نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پانی سے گذرنے کے وقت یا کسی اور تقریب سے اپنی ساق (پنڈلی) کو فی الواقع برہنہ کر لے تو یہ الفاظ معانی حقیقیہ پر محمول ہوں گے جیسے کہ سورہ نمل میں و کشفت عن ساقیھا کہ بلقیس نے (شیش محل میں جاتے وقت شیشے کے فرش کو پانی خیال کر کے اپنے پائینچوں کو سمیٹا اور) اپنی پنڈلی کو ننگا کیا (علی قولٍ) اور اگر حالات اس امر کے مقتضی ہیں کہ اس شخص نے اپنی پنڈلی برہنہ نہیں کی اور متکلم نے بھی اس معنی کا ارادہ نہیں کیا تو یہی الفاظ کنایہ ہوں مستعدی یا شدت سے جیسا کہ تفسیر اتقان میں ہے:

اصبر عناق انّه شر باق

قد سنّ لی قومک ضرب الاعناق

و قامت الحرب بنا علی ساق

مع ہذا معنی حقیقی اور معنی کنائی دونوں جمع ہو سکتے ہیں برخلاف مجاز کے کہ یہ حقیقت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اور کنایہ اور مجاز میں یہی فرق ہے جیسا کہ مطوّل میں بالتصریح موجود ہے:

الکنایة لفظ ارید به لازم معناه مع جواز ارادته معه ای ارادة ذلک المعنی مع لازمه کلفظ طویل النجاد المراد به لازم معناه اعنی طول القامة مع جواز ان یّراد حقیقة طول النّجاد ایضاً فظهر انّها تخالف المجاز من جهة ارادة المعنی الحقیقی للفظ مع ارادة لازمه لارادة طول النجاد مع ارادة طول القامة بخلاف المجاز فانّه لا یصح فیه ان یّراد المعنی الحقیقی (کنایہ ایک ایسا لفظ ہے جس سے اسکے لازمی

معنی کا ارادہ کیا جائے، اور اس لازمی معنی کے ساتھ اس لفظ کے اصلی معنی کا ارادہ بھی جائز ہو۔ مثلاً لفظ طویل النجاد کہ اس سے اس کے لازمی معنی یعنی قد کی درازی مراد ہیں اور ساتھ ہی اس کے حقیقی معنی (شرافت نسب) بھی مراد لینے جائز ہیں۔ پس ظاہر ہو گیا کہ کنایہ اور مجاز میں یہی فرق ہے کہ کنایہ میں حقیقی اور لازمی ہر دو معنی جمع ہو سکتے ہیں بخلاف مجاز کہ اس کے ساتھ حقیقی معنی جمع نہیں ہو سکتے)۔

اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں را فعک الیّ کے معنی حقیقی یعنی رفع جسمی جو بالکل حق ہیں اور معنی کنائی (فرضی) یعنی رفع منزلت جو مراد نہیں ہیں، ان دونوں میں تبائن کلی و منافات نہیں ہے بلکہ دونوں معاً مجتمع و متحقق ہو سکتے ہیں کیونکہ رفع جسمی بہ نسبت عبدِ صالح مستلزم اعزاز و اکرام ہوتی ہے جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے و رفع ابویه علی العرش یعنی حضرت یوسفؑ نے اپنے والدین کو تخت پر چڑھا بٹھایا۔

خصوصاً مسئلہ ما نحن فیھا یعنی رفع مسیح الی السماء میں رفعت قدر و منزلت بھی بطریق اولی احسن پائی جاتی ہے۔ پس معنی کنائی ہم کو مضر نہیں جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ ارادہ معنی کنائی کے وقت ارادہ معنی حقیقی بالضرور ممنوع ہے اور معنی مجازی کی نسبت یہ جواب ہے کہ ارادہ مجازات بغیر حقیقت کے ممنوع ہونے کے یا بغیر قرینہ موجود ہونے کے ممنوع ہے جیسا کہ علم اصول اور بیان میں مصرح ہے۔

اسی لئے قرآن شریف میں جہاں کہیں رفع سے مراد رفع بحسب الدرجہ مراد ہے وہاں بالضرور قرائن صارفہ موجود ہیں مثلاً آیات: رفع بعضھم درجات (بقرہ:۲۵۳) اور نرفع درجات من نّشاء (انعام و یوسف) اور رفع بعضکم فوق بعضٍ درجات (انعام) اور رفعنا بعضھم فوق بعض درجات (زخرف) میں لفظ درجات بالتصریح موجود ہے پس چونکہ و رافعک الیّ میں ارادہ رفع جسم الی السماء کے لئے نہ تو تعذر حقیقت لازم آتا ہے اور نہ کوئی قرینہ موجود ہے اس لئے اس جگہ محض رفع منزلت مراد نہیں لے سکتے۔

عوام کے افہام کے لئے اس قدر کافی ہے کہ وہ آیت جو کہ حضرت یوسفؑ کے اپنے والدین کو تخت کے اوپر بٹھانے کے بارے میں ہے، یاد رکھیں کہ جس طرح اس آیت میں مفعول رفع کا مدخول علی پر حقیقۃً بالجسد مرفوع ہونا مراد ہوتا ہے اسی طرح یا عیسی انی متوفّیک و رافعک الیّ میں حضرت مسیح کا بجسدہ العنصری مرفوع الی السماء ہونا مراد ہے

اوراسی طرح آیت الیه یصعد الکلم الطّیّب و العمل الصّا لح یرفعه (فاطر) میں مفعول یصعد یعنی کلمہ طیب کا مدخول الی یعنی جنابِ باری تعالی عزاسمہ میں آسمان پر مرفوع ہونا مراد ہے جیسا کہ اس کی تفصیل حدیث شریف میں وارد ہے اوراس کی کچھ شرح پہلے گذر چکی ہے ۔ نیز آیت ثانیہ سورہ فاطر سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ ارتفاع الی اللّٰہاور صعود الی السّماء متساوق فی المعنی ہیں۔ کیونکہ صورت صعود کلمات طیبات کی یہ ہے کہ کراماً کاتبین اعمال عباد لکھ کر آسمان پر جنابِ باری عزاسمہ میں پیش کرتے ہیں۔

جملہ تفاسیر معتبرہ مثل تفسیر کبیر، معالم، جلالین، سواطع الالہام، جامع البیان، رحمانی (جو بیان نکات قرآنی میں بے مثل ولا ثانی ہے)، فتح البیان،، ابن کثیر، مدارک، درمنثور، بیضاوی، خازن ،السراج المنیر ،کشاف، ابی السعود اور عباسی ،ان سب منقولی ومعقولی تفاسیر میں بلا خلاف رافعک الیّ سے رفع الی السّماء مرادلکھا ہے۔ چنانچہ بعض کی عبارات تحریر میں یوں ہیں:

تفسیر رحمانی میں لکھا ہے:

(و) لا ادع لک شهوة طعام و شراب فتحتاج الی مسا کنة الارض (را فعک الیّ) ای الی سمائی (و) انّما ارفعک لانّی (مطهّرک من) جوا ر (الّذین کفروا) لئلایصل الیک من آ ثارهم شیء (و) کما اجعلک فوق اهل الارض فانا (جاعل الّذین اتّبعوک) من المسلمین و النّصاری (فوق الّذین کفروا) لک من الیهود یغلونهم (الی یوم القیامه) (اور میں تجھے کھانے پینے کی خواہش ہی باقی نہ رکھوں گا کہ تجھے زمینی سکونت کے اسباب کی حاجت پڑے کیونکہ میں تجھے اپنے آسمان کی طرف اٹھانے والا ہوں کہ تجھے کفار کی مصاحبت سے پاک رکھوں تا کہ تجھے ان کے ہاتھ سے کوئی گزند نہ پہنچے اور جس طرح تجھے زمین والوں سے اونچا کروں گا اسی طرح تیرے تابعداروں کو (جومسلمان اور عیسائی ہیں) تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رکھونگا)۔

علامہ علی مہائمی نے اس عبارت جامعہ میں منکرین کے شبہ کا بھی ازالہ کر دیا ہے کہ اگر حضرت روح اللہ آسمان پر موجود ہیں تو کھاتے کہاں سے ہیں؟

اسی طرح تفسیر کشاف اور مدارک میں ہے:

(و را فعک الیّ) ای الی سمائی (و مِقرِّ ملائکتی)(تجھ کو اپنے آسمان

اور اپنے فرشتوں کی قرارگاہ میں اٹھا لینے والا ہوں)

سبحان اللہ! علامہ جاراللہ زمخشری باوجود اہل اعتزال کا امام ہونے کے اپنی اس تفسیر میں جو قرآن مجید کی عربیت بیان کرنے میں سب کی استاد تسلیم کی گئی ہے رافعک الیّ میں حقیقی معنی رفع الی السماء کو چھوڑ کر تاویل نہیں کر سکے۔ اگر ان کو عربیت اجازت دیتی تو وہ ضرور تاویل کرتے۔ اسی طرح تفسیر بیضاوی وسراج منیر اور ابی السعود میں بھی ہے۔

و مطہّرک من الّذین کفروا

و متوفّیک سے رفع جسم مراد لینے کے لئے دوسرا قرینہ الفاظ مطہّرک من الّذین کفروا ہیں۔ اس جگہ تطہیر سے مراد کفار کے ہاتھ سے صاف بچا لینا ہے کیونکہ اللہ تعالی نے مشرکین کو نجس اور پلید قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا: انّما المشرکون نجس (توبہ: ۲۸) (مشرکین، بوجہ خباثت شرک، نجس ہیں) ابن جریر اپنی تفسیر میں حضرت ابن جریج رومی سے نقل کرتے ہیں:

عن ابن جریج قولہ انّی متوفّیک و رافعک الیّ و مطہّرک من الّذین کفروا قال فرفعہ ایّاہ الیہ توفّیہِ ایّاہ و تطہیرہ من الّذین کفروا (ج ۳ ص ۱۴۷۔۱۴۸) (کہ انہوں نے قول الٰہی انیّ متوفّیک .. الخ کے بارے میں کہا کہ خدا کا عیسیٰؑ کو اپنی طرف اٹھا لینا ہی آپ کی توفّی ہے، اور یہی کفار سے تطہیر ہے)

(اکمل صاحب اس مقام پر سخت حیران ہیں۔ کبھی تو تطہیر سے مراد تخلیص مان جاتے ہیں، گو الٹی طرف سے ناک پکڑ کر اور کبھی صاف انکار کر جاتے ہیں اور کبھی نہایت سادگی سے کہتے ہیں: مگر یہ تخلیص و انجاء کیا آسمان پر جانے ہی سے ممکن ہے؟ کیا دوسرے ملک میں چلے جانے سے ممکن نہ تھی؟ صفحہ ۳۱۔

جواب: جناب معقولات جانے آپ کی بلا۔ سنئے! ممکنات میں سے جب ایک صورت واقع ہو جائے، تو وہ ممکن درجہ وجوب میں آ جاتا ہے پس اس کے علاوہ دوسری ممکن صورتوں کے امکان کی وجہ سے اس واجب کا انکار سفاہت ہے۔ اور اس جگہ تطہیر سے مراد تخلیص بنابر موقع ذکر ہے اسے اصطلاح علمائے اصول میں، سوق کلام، کہتے ہیں جو آپ نہیں جانتے اور قرائن حالیہ و مقالیہ اس کے مؤید ہیں)

جملہ تفاسیر معتبرہ کیا معقولی اور کیا منقولی مثل تفسیر کبیر و معالم وجلالین وتفسیر فیضی و رحمانی و فتح البیان و جامع البیان و مدارک وسراج منیر وخازن وکشاف و ابی السعود وعباسی و بیضاوی و ابن

کثیر میں و مطھرک من الّذین کفروا کے معنی کفار کے ہاتھ سے خلاصی اور نجات لکھے ہیں بلکہ تفسیر فتح البیان اور ابن کثیر میں اس جگہ رفع الی السّماء بھی ذکر کیا ہے۔

پس آیت انّی متوفّیک ... کے صحیح معنی یہ ہوئے کہ اے عیسی میں تجھے پورا پورا لے لوں گا اور تجھے اپنی طرف آسمان پر اٹھا لوں گا اور تجھے کفار کے شرّ سے صاف بچا لوں گا۔

(اکمل صاحب نہایت بے باکی سے لکھتے ہیں: اور پندرہ تفاسیر کا حوالہ جو دیا کہ ان میں اس آیت کے معنی کفار کے ہاتھ سے خلاصی ونجات کے لکھے ہیں، وہ برابر ہمارے اعتقاد کی تصدیق کر رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے نبی کو ان کے ہاتھوں سے خلاصی ونجات دی اور کشمیر چلے آئے ص ۳۷۔

جواب: اکمل صاحب مفسرین پر یہ افتراء کیسا؟ ان میں سے جس تفسیر میں کشمیر کی تصدیق لکھی ہے بھلا کسی مجلس میں دکھائیں تو سہی۔ ہاں سماء کے معنی کشمیر کر لیں تو امر دیگر ہے)

تعجب ہے کہ قرآن کی صاف تصریحات کے برخلاف ایک مسلمان کس طرح تسلیم کر سکتا ہے کہ یہود نے آپ کو پکڑوا کر صلیب پر چڑھوا دیا اور آپکے سر پر (استھزاءً) کانٹوں کا تاج پہنایا گیا اور آپکے ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھونکی گئیں اور آپ کی پسلی میں نیزہ مارا گیا نعوذ با للّٰہ

(یہ سب امور نصاری کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں جن کے اعتبار سے سرسید احمد خان اور مرزا قادیانی تصلیب مسیح کے قائل ہوئے ہیں۔ نہ تو یہ کتابیں معتبر ہیں اور نہ انکے بیانات قابل اعتبار ہیں۔

اول: اس وجہ سے کہ ان کتابوں کے مصنفین تک ان کی سند متصل نہیں اور نہ ان کی طرف ان کی نسبت کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دوم: اس وجہ سے کہ جن مصنفوں نے بھی ان کو لکھا انہوں نے واقعات مندرجہ کی کوئی سند نہیں بیان کی اور نہ سلسلہ روایت کو ذکر کیا۔

سوم: اس وجہ سے کہ ان میں یہ بھی مرقوم ہے کہ جب سپاہی حضرت مسیح کو گرفتار کرنے آئے تو آپ کے شاگرد بھاگ گئے۔ دیکھو متی ۲۶:۵۶ اور مرقس ۱۴:۵۰۔ پس جب واقعہ کے وقت کوئی بھی مومن موجود نہیں تھا تو کس کی شہادت سے اس کا اعتبار کیا جائے؟

چہارم: اس وجہ سے کہ واقعہ صلیب اور اس کے ضمیمہ جات کی نسبت انہی مصنفین اناجیل میں کئی قسم کی اختلاف بیانیاں ہیں مثلاً

ا۔ متی ۲۶:۴۸ اور مرقس ۱۴:۴۴ اور لوقا ۲۲:۴۷ میں مرقوم ہے کہ یہوداہ اسکریوطی نے آپ کی پیشانی پر بوسہ دے کر آپ کو شناخت کرایا۔ لیکن اس کے برخلاف یوحنا ۱۸:۵ میں مرقوم ہے کہ خود حضرت مسیح نے سپا

ہیوں کو اپنے آپ بتایا کہ میں مسیح ہوں اور انہوں نے آپ کو گرفتار کیا۔

۲۔ اسی طرح متی ۳۲:۲۷ اور مرقس ۲۱:۱۵ اور لوقا ۲۶:۲۳ میں مسطور ہے کہ سپاہیوں نے ایک دیہاتی شخص شمعون کرینی کو، جو دیہات سے آرہا تھا، بیگاری میں پکڑا اور اسے حضرت مسیح کی صلیب اٹھوائی اور وہ اسے اٹھا کر مقام گلگتا تک، جہاں وہ صلیب دیئے گئے، لے گیا۔ لیکن اس کے برخلاف انجیل یوحنا ۱۷:۱۹ میں مسطور ہے کہ صلیب خود حضرت مسیح نے اپنے کندھوں پر اٹھائی اور مقام گلگتا تک لے گئے۔

۳: اسی طرح متی ۵:۲۷ میں اس روپئہ کی بابت جو یہوداہ اسکریوطی نے حضرت مسیح کو پکڑوانے کی رشوت میں لیا، یہ لکھا ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد یہوداہ وہ روپئہ مقدس میں پھینک کر چلا گیا اور جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی لیکن اس کے برخلاف کتاب، رسولوں کے اعمال ۱۸:۱ میں لکھا ہے کہ اس نے روپئے سے ایک کھیت حاصل کیا اور سر کے بل گرا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کی ساری انتڑیاں نکل پڑیں۔

پس ایسے صاف اختلافات کے ہوتے ان کا بیان ہرگز قابل اعتبار نہیں رہتا اور صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ خدا تعالی نے جو فرمایا و انّ الذین اختلفوا فیہ لفی شکّ مّنہ ما لھم من علم الّا اتّباع الظّنّ ۔ نساء۔ بالکل حق ہے، یعنی جن لوگوں نے اس مر میں (حق سے) اختلاف کیا ، وہ بالضرور شک میں ہیں۔ ان کو سوائے گمان کی پیروی کے کوئی بھی علم نہیں)

اگر کوئی کہے کہ اس جگہ تطہیر سے مراد ان الزاموں سے بری کرنا ہے جو یہود آپ کی ولادت بلا پدر کے بارے میں لگاتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالی نے آپ کو ان سب الزاموں سے پاک کیا اور بری بیان کیا اور یہ امر قرآن شریف میں متعدد مقامات پر اشارۃً صراحۃً مذکور ہے لیکن خاص اس مقام پر تطہیر سے مراد سوائے ان کے مکر سے بچا لینے کے اور کچھ نہیں

(اکمل صاحب لفظ مکر کی اس تشریح کو جو ہم نے سابقاً کئی صفحوں میں بیان کی ہے نظر انداز کر کے فرماتے ہیں، مکر کیا تھا؟ آپ خود ہی حسب قول اپنے بول اٹھے، قتل، بس اس سے اللہ نے نجات دے دی۔ ص ۳۰۔

جواب: جناب والا! اس جگہ مکر سے مراد قتل مع اس کے اسباب کے ہے کیونکہ قتل کے لئے کوئی نہ کوئی صورت اور اس کے اسباب ضروری ہیں اور وعدہ مطھّرک میں قتل اور اس کے اسباب سے بالکلیہ صاف صاف بچا لینا مقصود ہے۔ پس نہ قتل ہوا اور نہ اسباب قتل جن کا انہوں نے منصوبہ باندھا تھا، منعقد ہو سکے۔ اسی لئے ما قتلوہ کے بعد ما صلبوہ کی تصریح ضروری ہوئی کہ صلیب پر چڑھانا قتل کا ذریعہ اور سبب تھا پس اس کی بھی نفی کر دی فافھم و لا تکن من القاصرین)

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مطھرک کا وعدہ بوقت تبلیغ رسالت ہے، جب یہود آپ کے قتل کے درپئے تھے، جیسا کہ سابقاً فلما احسّ عیسی منهم الکفر اور مکروا و مکر اللّٰہ کی تفسیر میں مذکور ہو چکا، اوران الزامات سے برأت اس سے پیشتر تکلم فی المھد سے ہو چکی تھی اور جو امر پہلے گذر چکا ہو اس کا آئندہ وعدہ نہیں ہوسکتا کیونکہ وعدہ ہمیشہ اس امر کا کیا جاتا ہے جو حاصل نہ ہو۔ پس وعدہ مطھّرک من الّذین کفروا جو تکلم فی المھد سے کئی سال بعد ہوا ،اس سے برأت ازطعن مراد نہیں ہوسکتی اور چونکہ بالکلیہ صاف بچالینا تھا اسلئے مبالغۃً اس معنی کو لفظ تطہیر سے بیان کیا۔ چنانچہ اس کی کچھ تفصیل متوفیک کی بحث میں گذر چکی اور کچھ ابھی مذکور ہوگی۔

(اکمل صاحب نے اس موقع پر عجیب کمال دکھایا ہے کہ صلیب پر کئی ایک مصیبتیں اٹھا کر اور نیم مردہ ہو کر صرف موت سے بچ رہنے کی بابت بھی لکھتے ہیں: صاف بچ نکلے،۔

جواب: سبحان اللہ! صاف بچنے کی یہ صورت قادیان والے ہی سمجھتے ہوں ہوں گے۔ بندہء خدا! کیوں عقل کے پیچھے ٹوٹ کر پڑے ہو اور جس امر کو خدا تعالی نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ وما صلبوہ ،خواہ مخواہ اس کے خلاف کیوں باتیں کرتے ہو)

اگر کہا جائے کہ تطہیر از طعن، محمد رسول اللہ ﷺ کی معرفت قرآن شریف میں کی جانے کا وعدہ ہوسکتا ہے،تو اس جواب یہ ہے کہ قرآن شریف نے صرف حکایۃً مضمون بیان کیا ہے جو عیسیٰؑ نے عادۃً کلام نہ کرنے کی عمر میں بیان کیا تھا، پس اصل برأت تو اس سے ہوگی اور کوئی فعل نقل کرنے والے کی طرف اصالۃً منسوب نہیں ہوسکتا، پس یہ عذر بھی درست نہیں۔

(اکمل صاحب نے یہاں نئی توجیہ نکالی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وعدہ تطہیر علاوہ اس کے اس الزام کے متعلق ہے جو لعنتی موت کا یہود لگاتے تھے۔ص ۱۳۱۔

جواب: جناب من! علاوہ کا علاوہ کیوں ساتھ رکھ دیا۔ اس کی تو کافی تردید ہو چکی، کچھ جواب تو بن آیا نہیں اور علاوہ یونہی لکھ مارا۔ دیگر یہ کہ ؛ لگاتے تھے ؛ کیسے دھر گھسیٹا۔ ذرا سوچو تو یہ بشارت تو آپ کو زندگی میں واقعہ صلیب سے قبل ہو رہی ہے۔ واقعہ صلیب سے پیشتر لعنتی موت کا الزام کیسے متصور ہوسکتا ہے کہ آپ نے ؛ لگاتے تھے ؛ صیغہ ماضی لکھ مارا۔

دیگر یہ کہ صلیب پر چڑھایا جانا، یا اس سے قتل کیا جانا کوئی گناہ نہیں کہ موجب الزام ہو سکے، پس اس تطہیر کی کیا ضرورت ہے؟ اگر کہا جائے کہ یہود کے خیال میں صلیب کی موت لعنتی تھی جیسا کہ کتاب استثنا میں مذکور ہے، پس اس نظر سے صلیب کی موت موجب الزام ہوسکتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ

کتاب استثنا کے اس حوالہ سے یہ نتیجہ نکالنا قادیانی ایجاد ہے۔ وہاں کہیں بھی مذکور نہیں کہ مطلقاً صلیب پر لٹکایا ہوالعنتی ہوتا ہے۔ بلکہ خاص اسی شخص کوملعون کہا گیا ہے جوکسی جرم واجب الصلیب کی سزا میں مصلوب ہو، جیسا کہ نفس عبارت میں مذکور ہے ۔ دیکھو کتاب استثنا باب ۲۱۔ آیت ۲۲ میں مکتوب ہے:

اگرکسی نے ایسا گناہ کیا ہوجس سے اس کا قتل واجب ہو...الخ)

اس جگہ رفع الی السّماء کو توفّی سے تعبیر کرنے میں ایک خاص نکتہ ہے جو تفسیر کبیر اور خازن میں مذکور ہے کہ:

انّ التوفّی اخذ الشّیء وافیاً و لمّا علم اللّٰہ انّ من النّاس من یّخطر بباله انّ الّذی رفعه اللّٰہ هو روحه لا جسده ذکر هذا الکلام لیدلّ علی انّه علیه الصّلوة و السّلام رفع بتمامه الی السّماء بروحه و بجسده (تفسیر کبیر ج ۲) (توفّی کے معنی ہیں کسی چیز کو بتمامہ لے لینا، اور چونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ کسی شخص کے دل میں یہ بھی گزرے گا کہ اللہ نے عیسیٰؑ کی (صرف) روح کو اٹھایا تھا اور جسم کو نہیں اٹھایا تھا اس لئے اللہ نے یہ کلام، انّی متوفّیک، فرمایا تاکہ اس امر پر دلالت کرے کہ اللہ تعالی نے آپ کو بتمامہ مع جسم اور روح کے (زندہ) آسمان پر اٹھالیا)

سبحان اللہ! قرآن شریف کیسا معجز کلام ہے اور امام رازی بھی قرآن شریف کے کیسے رمز شناس ہیں کہ جو بات مرزا جی کئی صدیوں بعد کہنے والے تھے اس کی تردید پہلے ہی فرمادی۔ یہ ایک عظیم الشان پیش گوئی ہے جو پوری پوری واقع ہوئی۔

کشف مغالطہ: صحیح بخاری میں مذکور ہے:

قال ابن عباس متوفّیک ممیتک (کتاب التفسیر سورہ مائدہ) یعنی ابن عباس متوفّیک کے معنی ممیتک کرتے ہیں۔

مرزا صاحب قادیانی کوالہام بانی کے علاوہ مغالطہ دہی میں خاص کمال تھا اور کسی سیدھی بات کو بھی الٹا کر کچھ کا کچھ کر دکھانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا پس اس ممیتک سے پہاڑ سر پر اٹھالیا اور ایک طوفان برپا کر دیا کہ لو جی! حضرت ابن عباس بھی وفات مسیح کے قائل تھے اور امام بخاری کا بھی یہی مذہب تھا۔ (ازالہ اوہام)

جناب مرزا صاحب نے نہ تو صحیح بخاری کسی استاد حدیث سے پڑھی کہ اسے سمجھتے اور نہ اس کے سمجھنے کی قابلیت ہی رکھتے تھے، بلکہ جیسا کہ وہ خود اقرار کرتے ہیں علم حدیث سے مناسبت ہی

نہ رکھتے تھے (حمامۃ البشریٰ وتبلیغ مصنفہ مرزا صاحب) پھر علم حدیث میں ان کے قول کا کیا اعتبار؟

کسی روایت کی تشریح کے لئے ضروری ہے کہ اس کی صحت معلوم کرنے کے بعد اول تو اس کے جملہ طرق جمع کئے جائیں، پھر اس مضمون کی جملہ روایات کو سامنے رکھ کر علوم آلیہ کی مدد سے اسے حل کیا جائے۔ مرزا جی کی علمی بضاعت جاننے والے اصحاب جانتے ہیں کہ مرزا جی کی نظر علم روایت میں بہت ناقص تھی اور فہم قاصر۔ پھر خود غرضی کا بھوت سر پر سوار۔ مزید برآں کذب و افتراء اور مغالطہ سے بے خوفی۔ پھر وہ ایک مضمون کی جملہ روایات اور ایک روایت کے جملہ طرق کو کس طرح اور کیوں جمع کریں، بالخصوص جب اس طرح کی تحقیقات کا نتیجہ اپنے ادعاء اور مدعا کے خلاف ہو۔ وہ تو صرف لا تقربوا الصّلوۃ جانتے تھے اور انتم سکاری سے ان کو کچھ واسطہ نہ تھا۔ چنانچہ ہم خدا کے فضل سے انکے ہر دو مغالطات کو دور کر کے حقیقت الامر کو منکشف کرتے ہیں۔

پہلا مغالطہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ وفات مسیح کے قائل تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سراسر افتراء ہے حضرت ابن عباسؓ، حضرت عیسیٰؑ کی وفات قبل النزول کے قائل ہرگز نہ تھے۔ صحابہ میں حضرت عیسیٰؑ کی رفع آسمانی کی بیشتر روایات حضرت ابن عباسؓ اور ان کے شاگردوں ہی سے مروی ہیں چنانچہ تفاسیر مبسوط ان سے بھری پڑی ہیں۔ آپ نے جو متوفّیک سے مراد ممیتک بتائی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ مر چکے ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آئندہ زمانہ میں کسی وقت فوت کرے گا کیونکہ متوفی اسم فاعل کی وضع میں زمان مستقبل ہوتا ہے کیونکہ اس کا اشتقاق فعل مضارع سے ہوتا ہے۔ چنانچہ صراح میں ہے اسم الفاعل و هو اسم مشتق من المضارع۔ اور اس امر کا لحاظ قرآن میں بھی کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا ولا تقولنّ لشیءٍ انّی فاعل ذلک غداً الّا ان یّشاء اللّٰہ (کہف: ۲۳۔۲۴)۔ اس آیت میں فاعل سے جو اسم فاعل کا صیغہ ہے، لفظ غداً منضم کیا ہے جس کے معنی کل آئندہ کے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ ممیتک سے مقصد یہ ہے کہ میں تجھے آئندہ زمانہ میں ماروں گا۔

پس ابن عباسؓ اس آیت کے اجزاء میں تقدیم وتاخیر کے قائل ہیں جیسے کی مفسرین کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے کہ اگر اس جگہ توفّی سے مراد موت بھی لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ توفّی بالموت کا تحقق ووقوع بعد آسمان سے نازل ہونے کے ہوگا (جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان (مذکورہ) واقعات کے بعد میرا بھائی عیسیٰ بن مریم آسمان سے اترے گا۔ مختصر کنز العمال) اگرچہ آیت میں مقدم ہے اور رفع الی السماء کا

تحقق و وقوع قبل موت کے ہو چکا اگرچہ ذکر میں موخر ہے، کیونکہ ترتیب ذکری اور ترتیب وقوعی میں مطابقت ضروری نہیں اس لئے کہ واوٴ عاطفہ ترتیب کیلئے نہیں ہوتی بلکہ صرف جمع کیلئے آتی ہے (کافیہ میں ہے: ولواؤ للجمع المطلق لا ترتیب فیھا)۔ چنانچہ امام رازی اس آیت میں تقدیم و تاخیر کی بحث میں فرماتے ہیں کہ جولوگ اس میں تقدیم وتاخیر کے قائل ہیں ان کا قول یہ ہے کہ

قالوا ان قوله و را فعک الیّ یقتضی انّه رفعه حیاً والواؤ لا یقتضی التّرتیب فلم یبق الّا ان یّقول فیها تقدیم و تاخیر و المعنی انّی رافعک الیّ و مطهّرک من الّذین کفروا ومتوفّیک بعد انزالی ایّاک فی الدّنیا ومثله من التّقدیم و التّاخیر کثیر فی القرآن (تفسیر کبیر ج ۲)

(قول الٰہی و را فعک الیّ تقاضا کرتا ہے کہ اللہ نے آپ کو زندہ اٹھالیا اور واوٴ (عاطفہ) ترتیب کی مقتضی نہیں پس سوائے اس کے اور کچھ نہ رہا کہ کہا جائے کہ اس میں تقدیم وتاخیر ہے اور معنی یہ ہیں کہ میں تجھے اپنی طرف اٹھالینے والا ہوں اور کفار سے بالکل پاک صاف رکھنے والا ہوں اور تجھے دنیا میں نازل کرنے کے بعد فوت کرنے والا ہوں۔ اور اس قسم کی تقدیم و تاخیر قرآن شریف میں بکثرت ہے)

اور اس سے پیشتر فرماتے ہیں؛

(الوجه الرّابع) فی تاویل الآیة انّ الواؤ فی قوله متوفّیک و رافعک الیّ لا تفید التّرتیب فالآیة تدلّ علی انّه تعالی یفعل به هذه الافعال فاما کیف یفعل و متی فالامر فیه موقوف علی الدّلیل و قد ثبت الدّلیل انّه حیّ و ورد الخبر عن النّبیّ ﷺ انّه سینزل و یقتل الدّجّال ثمّ انّه تعا لی یتوفّاه بعد ذلک (تفسیر کبیر جلد ۲۔ سورہ آل عمران)

(چوتھی وجہ یہ ہے کہ واوٴ عاطفہ جو متوفّیک و را فعک الیّ میں ہے وہ مفید ترتیب نہیں۔ پس یہ آیت صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے یہ سب معاملے کرے گا۔ لیکن کس طرح کرے گا، اور کب کرے گا، پس یہ سب کچھ کسی اور دلیل پر موقوف ہے۔ اور اس کی دلیل ثابت ہو چکی ہے کہ آپ زندہ ہیں اور نبی ﷺ سے حدیث وارد ہے کہ آپؑ ضرور اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے پھر اللہ تعالیٰ آپ کو اسکے بعد فوت کرے گا)

امام رازی کے حوالہ میں جو یہ مذکور ہے کہ قرآن مجید میں تقدیم وتاخیر کی مثالیں بکثرت

ہیں بالکل درست ہے۔ مثلاً اسی مقام سے تھوڑا پیشتر سلسلہ ذکر مریم میں آیت یا مریم اقنتی لربّک و اسجدی و ارکعی مع الرّا کعین (آل عمران:۴۲) میں سجدہ کو رکوع سے پہلے ذکر کیا حالانکہ ترتیب خارجی وعملی میں متاخر ہوتا ہے۔ اس کی دیگر مثالوں کے لئے اتقان فی علوم القرآن کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ اس میں مستقل طور پر ایک خاص فصل اس امر کیلئے مقرر کی گئی ہے۔

(ہر چند کہ تقدیم وتاخیر کی مثالیں قرآن میں بکثرت ہیں لیکن اکمل قادیانی کبھی تو اسے غیر معقول کہہ دیتے ہیں اور کبھی الٹی طرف سے ناک پکڑ کر تسلیم کر لیتے ہیں، مگر شاباش ان کی ہمت پر کہ اپنی ہٹ سے نہیں ہٹتے۔ سوان کے لئے حضرت سعدی کا یہ شعر مناسب ہے

آنکس کہ بقرآن وخبر زد نرہی　　　آنست جوابش کہ جوابش ندہی)

اب معتبر کتابوں سے حضرت ابن عباسؓ کا مذہب درباره رفع اور توفّی حضرت مسیح بیان کیا جاتا ہے:

امام سیوطی، تفسیر الدرالمنثور میں فرماتے ہیں:

عن الضّحاک عن ابن عباس فی قوله انّی متوفّیک و رافعک الیّ، یعنی رافعک ثمّ متوفّیک فی آخرالزّمان (حضرت ضحاک تابعی حضرت ابن عباسؓ سے قول الٰہی انّی متوفّیک و رافعک الیّ کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مراد اس جگہ یہ ہے کہ تجھے اٹھالوں گا پھر آخری زمانہ میں فوت کروں گا)

(باوجود اس کے کہ ابن عباسؓ تصریح کرتے ہیں اور ہم سب کا یہی مذہب ہے کہ حضرت عیسی آخری زمانہ میں فوت ہوں گے پھر بھی اکمل صاحب کہتے ہیں: جب قیامت کے بعد تک موت نہ ہوئی تو اچھے خاصے خدا بن گئے۔ ص۳۴۔

جواب: جناب والا! پھر روح بھی خدا ہوئی کیونکہ اسے بھی فنا نہیں۔ غالباً اسی لئے مولوی سید سرور شاہ احمدی قادیانی نے مباحثہ سیالکوٹ میں پادری عبدالحق مسیحی مناظر کے جواب میں کہا تھا کہ خدا روح ہے۔ معاذ اللہ۔ ان لوگوں کو نہ علم ہے نہ عقل)

اسی طرح ابی السعود میں ہے:

و الصّحیح انّ اللّٰه تعالی رفعه من غیر وفات ولا نوم کما قال الحسن و ابن زید وهو اختیار الطبری وهو الصّحیح عن ابن عباس (کہ صحیح یہی ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کو بغیر موت اور نیند کے اٹھالیا جیسے کہ حضرت حسن بصری

اور ابن زید تابعین نے کہا اور یہی امام ابن جریر طبری نے اختیار کیا ہے اور یہی حضرت ابن عباسؓ سے صحیح ،طور پر ثابت، ہے)

اسی طرح تفسیر ابن کثیر اور تفسیر فتح البیان میں بذیل و انّه لعلم للسّاعة (زخرف :۶۱)(یعنی تحقیق وہ (عیسیٰؑ) قیامت کا ایک نشان ہے)۔حضرت ابن عباس کا مذہب دوبارہ نزول عیسیٰؑ مذکور ہے کہ وہ اس آیت سے حضرت عیسیٰؑ کے نزول کو قرب قیامت کی ایک نشانی جانتے تھے

(اکمل قادیانی اس مقام پر اعتراض کرتے ہیں: اگر نزول ثانی کے اعتقاد کا ذکر ہے،تو آپ نے اسے مفصل کیوں نہ لکھا۔ص ۳۴۔

جواب: جناب مفصل اس لئے نہ لکھا کہ اس کتاب کا موضوع نزول مسیح نہیں۔فافھم)

اسی طرح محدث ابن جریر نے و ان مّن اھل الکتاب الّا لیؤمننّ به قبل موته (نساء: ۱۵۹) کی تفسیر میں عن سعید بن جبیرعن ابن عباس وان مّن اھل الکتا ب الّا لیؤمننّ به قبل موته ، قال قبل موت عیسی (ابن جریر۔ج ۵ص۱۲) (ابن عباسؓ کے شاگرد سعید بن جبیر تابعی کی روایت سے) ابن عباسؓ سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا کہ قبل موته سے مراد قبل موت عیسی ہے۔

نیز فتح الباری ،ارشاد الساری اور عمدۃ القاری ہر سہ شروح صحیح بخاری میں آیت وان مّن اھل الکتاب الّا لیؤمننّ به قبل موته میں قبل موته کی ضمیر کے بارے میں لکھا ہے کہ بسند صحیح ابن عباسؓ سے یہی ثابت ہے کہ یہ ضمیر عیسیٰؑ کی طرف پھرتی ہے اور ان سے جو یہ مروی ہے کہ یہ ضمیر کتابی کی طرف پھرتی ہے اسے ضعیف لکھا ہے کیونکہ اس کی اسناد میں ایک راوی خصیف ہے جو ضعیف ہے۔(فتح الباری)

پس تصریحات بالا سے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابن عباسؓ کا اعتقاد یہی تھا کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔

(ابن عباسؓ کا مذہب ہم نے بدلائل ثابت کر دیا کہ وہ نزو ل من السماء اور بعدِ نزول کے وفاتِ مسیح کو مانتے ہیں۔اس پر اکمل صاحب سے کچھ بن نہ پڑا،تو فرماتے ہیں: ان کا اپنا مذہب خواہ کیا ہو ایک اہل زبان اور پھر صحابی کی شہادت تو مل گئی کہ توفّی کے وضعی معنی موت کے ہیں۔ ص ۳۳۔

جواب: اس وقت زیر نزاع یہی امر ہے کہ ابن عباسؓ کا مذہب در بارہ وفات ونزول مسیح کیا ہے؟ پس جب ثابت ہو گیا کہ وہ رفع ونزول ہر دو کے قائل ہیں، اور وفات بعد النزول مانتے ہیں جو اہل سنت کا مذہب

ہے، تو آپ کے مرزا صاحب کا مغالطہ کہ حضرت ابن عباسؓ وفات قبل النزول کے قائل ہیں، طشت از بام ہوگیا اور یہ جو آپ نے لکھا کہ توفّی کے وضعی معنی موت ثابت ہو گئے یہ آپ کی علمی بے کمالی ہے اس سے بعض اوقات موت مراد ہونا تو محل کلام نہیں، محل تحقیقات تو یہ ہے کہ اس سے مراد موت از روئے حقیقت ہے یا از روئے مجاز۔ سو ابن عباس والی روایت میں اس امر کا کوئی فیصلہ نہیں۔ پھر ثابت کس طرح ہو گیا؟)

اور آخری زمانہ میں آسمان سے نازل ہوں گے اور اس کے بعد فوت ہوں گے چنانچہ ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: فعند ذلک ینزل اخی عیسی بن مریم من السّماء (مختصر کنز العمال) (پس ان، مذکورہ، واقعات کے وقت میرا بھائی عیسی بن مریم آسمان سے اترے گا)

(اکمل صاحب اس نزول کی بابت فرماتے ہیں: نزول سے مراد کسی چیز کا بروزی طور سے آنا ہے یعنی اس کی روح وقوت میں۔ ص ۳۴۔

جواب: جناب والا پھر تناسخ کیا ہوا؟)

باقی رہا دوسرا مغالطہ کہ امام بخاری بھی وفات مسیح کے قائل تھے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پہلے سے بھی بڑا دلیرانہ افتراء ہے۔ امام بخاری آئمہ محدثین سے ہیں وہ خلاف قرآن و حدیث واجماع صحابہ کوئی اعتقاد کیسے رکھ سکتے ہیں؟ یہ مرزا کا افتراء ہے اور عوام کو دھوکہ ہے۔

اول اس وجہ سے کہ ابن عباسؓ کی روایت کے معنی معلوم ہو چکے کہ محدثین کے نزدیک کیا ہیں، پس امام بخاری کا قول بھی بوجہ امام و حافظ حدیث ہونے کے وہی ہے، نظر بر روایات دیگر

دوم: اس وجہ سے کہ نقل قول صحابی مستلزم اعتقادِ ناقل نہیں۔

سوم: یہ کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں نزول عیسیٰؑ کا مستقل باب باندھا ہے اور اس کے ذیل میں صحیح حدیث نزول کی ذکر کی ہے اور اسی حدیث کو سب محدثین نے نزول عیسیٰؑ کے لئے اصل دستاویز بنایا اور دیگر سب روایات کو اس کے تابع رکھا۔

چہارم: یہ کہ امام بخاری نے اسی موقع پر آیت و اذ قال اللّٰہ یا عیسی أأنت قلت .. الخ۔ کی تفسیر میں کہا کہ اذ صلہ ہے اور قال بمعنی یقول یعنی بمعنی مستقبل ہے اور اس صورت میں معاملہ قیامت پر جا پڑتا ہے (مزید تفصیل شہادت القرآن حصہ دوم میں ہوگی) اور امام بخاری اہل سنت کے ساتھ رہتے ہیں، پس امام بخاری وفات قبل النزول کے قائل ہرگز نہیں ہو سکتے۔ لہذا مرزا صاحب کا دعوی بالکل بے بنیاد ہے۔ و اللّٰہ الموفق

تذییل وتتمہ

اب ذیل کی سطور میں بطور تتمہ کے ان کتابوں کا نام لکھا جاتا ہے جن میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ واؤ عاطفہ ترتیب کے لئے نہیں بلکہ مطلق جمع کے لئے آتی ہے۔ یہ اس لئے کہ اگر بالفرض توفّی سے موت مراد بھی لی جائے تو بھی رفع ونزول سے پیشتر عیسیٰؑ کی موت کا واقع ہونا ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ واقعات کی صورت یوں ہوگی کہ پہلے رفع آسمانی ہوئی، پھر قرب قیامت میں نزول ہوگا، پھر اس کے چندسال بعد وفات ہوگی۔ جیسا کہ ابن عباسؓ، ضحاک اور آئمہ مفسرین کا مذہب ہے کیونکہ آیت بل رفعه اللّٰه اليه رفع آسمانی میں نص قطعی ہے۔

(اکمل صاحب انّی متوفّیک ...کی ترتیب کی حکمت میں فرماتے ہیں: پھر حضرت عیسیٰ کو چونکہ یہ خیال تھا کہ مشابہ بالمصلوب کی حالت پیش آنے کا فائدہ اٹھا کر یہود میری لعنتی موت کی خبر اڑادیں گے تو اس کے جواب میں فرمایا کہ میں تجھے کفار کے الزام سے پاک رکھوں گا۔ص ۳۱۔
جواب: جناب والا! صلیب سے قبل حضرت عیسیٰؑ کو کیا معلوم تھا کہ مجھے نیم جان اتارا جائے گا اور یہ پروپیگنڈہ بنایا جائے گا)

اور مجموع احادیث نزول جن میں حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے نزول اور انکے بعض کام اور حج وعمرہ اور مدت اقامت اور وفات اور مدفن کا ذکر ہے اسی ترتیب کو چاہتی ہیں۔ چنانچہ محدث ابن جریر طبری توفّی کی مختلف صورتیں نقل کرنے کے بعد بطور فیصلہ لکھتے ہیں:

قال ابو جعفر واولی هذه الاقوال بالصّحة عندنا قول من قال معنی ذلک انّی قابضک من الارض و رافعک الیّ لتوا تر الاخبار عن رسول اللّٰه ﷺ انّه قال ینزل عیسی بن مریم فیقتل الدّجال ثمّ یمکث فی الارض مدّة ذکرها اختلف الرّوایا ت فی مبلغها ثمّ یموت فیصلّی علیه المسلمون (جلد۳ص۱۸۴) (ابوجعفر، محدث ابن جریر، کہتا ہے کہ ان سب اقوال میں سے ہمارے نزدیک اولی بصحت ان کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تجھے زمین سے لے لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھالینے والا ہوں کیونکہ آنحضرت ﷺ سے متواتر حدیثیں مروی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ عیسیٰؑ بن مریم اتریں گے

اور دجال کو قتل کریں گے پھر زمین میں اتنی مدت رہیں گے جو آپ نے ذکر کی، اور اس کی تحدید میں مختلف روایتیں ہیں، پھر مریں گے اور مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے اور ان کو دفن کرینگے

اس کے بعد امام ممدوح نے بعض احادیث نزول ذکر کی ہیں جن کی بنا پر انہوں نے فیصلہ بالا دیا ہے۔ اب ہر فن کی کتابوں کے نام لکھے جاتے ہیں جن میں لکھا ہے کہ واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہوتی۔

علم نحو: کافیہ، شرح جامی، رضی شرح کافیہ، زینی زادہ، ترتیب سعیدی، تکملہ عبدالحکیم سیالکوٹی، الفیہ ابن مالک، حاشیہ الفیہ، شرح الفیہ لابن عقیل، مفصل للزمخشری۔ الفیہ للسیوطی

علم اصول: حصول المامول، ارشاد الفحول، اصول شاشی، حواشی، حسامی، نور الانوار، اصول بزدوی، آیات بینات، شرح جمع الجوامع، منہاج للبیضاوی، شرح الاسنوی، مسلّم الثبوت، فواتح الرحموت، توضیح تلویح حاشیہ للفزی، تحریر لابن الھمام۔ تقریر لابن امیر الحاج۔

علم بلاغت: مختصر المعانی۔ مواہب المفتاح، عروس الافراح، نہایۃ، الایجاز (رازی)

علم ادب: شرح سبعہ معلقہ قصیدہ لبید بن ربیعہ میں مولوی فیض الحسن سہارن پوری، جو ہندیوں میں زبان عربی کے ماہر ادیب مانے گئے ہیں، اس کی تصریح میں فرماتے ہیں:

اغلی السّباء بکلّ ادکن غاتق او جونۃٍ قدِحت و فضّ ختامھا

اس شعر میں شراب کا نکالنا پہلے مذکور ہوا اور ڈاٹ کا کھولنا پیچھے، حالانکہ ترتیب واقعی و عملی میں معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یعنی بوتل کا ڈاٹ پہلے کھولا جاتا ہے اور شراب یا جو کچھ بوتل کے اندر ہو، پیچھے نکالا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں سورہ نحل میں فرمایا:

و اللّٰہ اخرجکم من بطون امّھاتکم لا تعلمون شیئاً وجعل لکم السّمع والابصار والافئدۃ لعلّکم تشکرون (نحل: ۲۸) (اور خدا نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں خارج کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر کرو)

اس آیت میں ماں کے پیٹ سے نکالنا پہلے ذکر کیا گیا اور دل اور آنکھ اور کان کا بنانا پیچھے۔ لیکن ترتیب واقعی میں معاملہ اس کے برعکس ہے، یعنی وہ اعضا پہلے بنتے ہیں اور بہت مدت بعد بچہ پیٹ سے خارج ہوتا ہے۔

۲۔سورہ بقرہ میں ہے:

و ادخلوا الباب سجّداً و قولوا حطّة ۔ یعنی خدا نے یہود کو حکم دیا کہ دروازہ شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور (زبان سے) کہنا بخشش (بقرہ:۵۸)

اسی مضمون کو سورہ اعراف میں یوں بیان کیا:

و قولوا حطّة و ادخلوا الباب سجّداً (اعراف:۱۶۱)

اس جگہ اوپر کے مقام کی ترتیب کے خلاف کلمہ حطّہ کا کہنا پہلے ذکر کیا اور شہر کے دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کا ذکر پیچھے کیا، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے۔ چنانچہ شرح رضی میں اسی آیت کی بنا پر کہا ہے کہ:

و لو کانت للتّرتیب لناقض قوله تعالى و ادخلوا الباب سجّداً و قولوا حطّة ، قوله فی موضع اخرى وقولوا حطّة وادخلوا الباب سجّداً اذا القصّة واحدة (رضی شرح کافیہ ص۵۰۳) (اگر واؤ ترتیب کے لئے ہو تو اللہ کا قول و ادخلو الباب سجداً ..الخ ، اس قول کو جو دوسری جگہ بالفاظ و قولوا حطّة ...الخ وارد ہے، توڑ دیوے کیونکہ ہر (دو آیات میں) قصہ ایک ہی ہے)

۳۔سورہ مومنون میں فرمایا:

نموت و نحیا وما نحن بمبعوثین (مومنون:۳۷) (یعنی ہم مرتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں اور (اس کے بعد) ہم (دوسری دفعہ) زندہ نہیں کئے جائیں گے)

یہاں مرنے کو پہلے ذکر کیا اور زندہ رہنے کو پیچھے، حالانکہ ترتیب خارجی میں پہلے جینا ہوتا ہے، پیچھے مرنا۔ علامہ رضی اس آیت کو بھی واؤ عاطفہ کے ترتیب کیلئے نہ ہونے پر شاہد لائے ہیں

قرآن میں اس کی مثالیں اس قدر ہیں کہ انکے نقل کرنے سے خوف طوالت ہے۔غرض جمہور آئمہ نحو واصول نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ واؤ عاطفہ ترتیب کیلئے نہیں ہوتی اور نیز یہ کہ ترتیب ذکری اور ترتیب خارجی یا وقوعی وعملی میں مطابقت ضروری نہیں۔ پس جب اس قدر شواہد واسناد سے یہ مسئلہ پایہ یقین کو پہنچ گیا تو حضرت ابن عباسؓ کا مذہب کہ آیت انّی متوفّیک و رافعک میں تقدیم وتاخیر ہے، خلاف محاورہ زبان عرب نہ ہوا۔

☆ **دوسری آیت** جس سے حضرت عیسیٰؑ کی حیات اور رفع آسمانی قطعی طور پر ثابت ہے آیت سورہ نساء ہے:

و قولهم انّا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول اللّه وما قتلوه و ما صلبوه و لكن شبّه لهم و انّ الّذين اختلفوا فيه لفى شكٍ مّنه ما لهم به من علم الّا اتّباع الظّنّ و ما قتلوه يقيناً بل رّفعه اللّه اليه و كان اللّه عزيزاً حكيماً (نساء: ۱۵۷) (اور ہم نے ان کو اس قول کے بدلے (بھی ملعون کیا) کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم رسول خدا کو قتل کر دیا، حالانکہ انہوں نے اس کو نہ قتل کیا اور نہ اس کو صلیب پر چڑھایا۔لیکن (انہوں نے) اس شخص کو قتل کیا اور صلیب دیا، جو ان کے لئے مسیح کا ہم شکل بنایا گیا تھا۔اور بے شک وہ لوگ جنہوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا البتہ وہ اس سے شک میں پڑے ہیں۔ان کو اس کا کوئی بھی علم نہیں سوائے ظن کی پیروی کے اور انہوں نے اس کو ہرگز ہرگز قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے اس کو اوپر اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے)

و قولهم انا قتلنا المسيح کی تفسیر، اور و ما قتلوه و ما صلبوه کی تشریح اور و لكن شبّه لهم کی توضیح و تنقیح بیان ہو چکی ہے اور حوالہ جارج سیل منقول ہو چکا، اس سے ظاہر ہو چکا کہ حضرت روح اللہ کے واقعہ صلیبی کی نسبت فرق نصاریٰ ہی مختلف الآراء ہیں۔لہذا ان الّذين اختلفوا فيه سے یہی نصاریٰ مراد ہیں دون اليهود، کیونکہ یہود تو اپنے زعم میں قتل حضرت روح اللہ پر جزم رکھتے ہیں۔کما هو واضح من قوله انّا قتلنا المسيح ... میں گزر چکا کہ و ما قتلوه يقيناً سے یہود کے اس جزم کا ابطال اور اس کی تردید منظور ہے۔ فلا تكرار حينئذٍ (پس اس صورت میں اس میں تکرار نہیں)

اب بل رفعه اللّه اليه کی صحیح مراد بیان کی جاتی ہے کہ یہ آیت درباره حیات و رفع مسیح الی السماء نص قطعی بعبارۃ النص ہے۔سو واضح ہو کہ مرزا قادیانی کا یہ قول ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے تو گئے مگر زندہ اتارے گئے اور پھر خفیہ طور پر علاج کراتے رہے اور بعد ازاں بھاگ کر کشمیر میں آگئے جہاں ۸۷ سال زندہ رہ کر فوت ہوگئے۔ اور مرزا صاحب بل رفعه اللّه اليه سے کبھی رفع روح بتاتے ہیں اور کبھی عزت کی موت مراد رکھتے ہیں۔

مرزا صاحب کی صلیب تو فصل اول سے بالکل منکسر ہوگئی اور معنی کنائی کی تردید رافعک الیّ میں بالاستیفاء ہوچکی ۔ اور ہجرت الی کشمیر کی تردید ابھی آگے مذکور ہوگی ۔ انشاء اللہ

چونکہ مرزا صاحب قادیانی رفعہ اللّٰہ الیہ سے رفع روح مراد لیتے ہیں اور اہل سنت والجماعت سلفاً وخلفاً مطابق مراد الٰہی رفع جسم پر یقین رکھتے ہیں اس لئے بہر دوصورت رفع کے معنی تو حقیقی ہی لئے گئے اور نیز چونکہ مرزا صاحب بھی رفع روح الی اللہ کی صورت رفع الی السماء ہی بتاتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں اس آیت کے ذیل میں بالتصریح لکھا ہے اور اہل سنت بھی رفع الی اللہ اور رفع الی السماء کو متساوق فی المعنی جانتے ہیں جیسا کہ رافعک الیّ میں محقق ہوچکا ہے، اس لئے الیہ سے الی السّماء مراد ہونا بھی مسلّم فریقین ہوگیا ۔ پس تنازع صرف جسم وروح کے مرفوع ہونے میں رہا اور بس ۔ لہذا رفع روح کا ابطال اور رفع جسم کا اثبات مدلل طور پر کیا جاتا ہے واللّٰہ الموفّق و ھو نعم المعین ۔

(اکمل صاحب رفع الی اللّٰہ اور رفع الی السّماء کے تساوق کو نہ سمجھ کر فرماتے ہیں: ایسا کہنا خداوند کریم کو مکانی بنانا ہے جو کفر ہے ۔ ص ۳۶ ۔

جواب: جناب عالی! پھر أأمنتم من فی السّماء وغیرہ آیات میں کیا فرمائیں گے ۔ کیا قرآن بھی کفر سکھاتا ہے ۔ سنئے خداوند کریم کے لئے جہت فوق کی طرف ماننا تقاضائے فطرت ہے لیکن اسے کسی جہت میں ماننا اور ہے، اور یہی کفر ہے ۔

پھر اکمل صاحب فرماتے ہیں: رفع روح الی اللہ کو رفع الی السّماء بنانے سے یہ مطلب ہے کہ روح کی رفع الی اللہ ہو تو وہ عند اللہ عند الملائکۃ فی السماء چلا جاتا ہے نہ یہ کہ رفع الی اللّٰہ اور الی السّماء کے معنی ایک ہیں ۔ ص ۳۶ ۔

جواب: جناب والا! بات تو پھر بھی وہی رہی کہ روح خدا کے پاس آسمان پر چلی گئی ۔ بس یہی تو مقصود تھا کہ مرزا صاحب بھی روح آسمان پر جانا مانتے ہیں حالانکہ آسمان کا لفظ موجود نہیں ۔ آپ نے بھی اسے بحال رکھا، ہاں کمال یہ کیا کہ تسلیم کر کے سرکھسکا گئے، مان کر بگڑ جانا اسے ہی کہتے ہیں) ۔

وجہ اول برائے ابطال رفع روحانی واثبات رفع جسمی

چونکہ یہودیوں کا قول انّا قتلنا المسیح ہے اور ظاہر ہے کہ قتل وصلب کے قابل جسم ہے نہ کہ روح، اس لئے مزعوم یہود قتل جسد ہوا نہ کہ قتل روح ۔ بنا برآں وما صلبوہ اور ما

قتلوہ یقیناً میں بھی نفی قتل وصلب جسم ہی سے کی گئی ہے۔ پس چونکہ جملہ ضمائر منصوب ومتصل جو افعال منفیہ وفعل مثبت کے ساتھ ہیں یعنی جو وما قتلوہ وما صلبوہ اور وما قتلوہ یقیناً بل رّفعہ اللّٰہ الیہ میں واقع ہیں، ان سب کا مرجع المسیح ہے۔ اس لئے لامحالہ جسد مسیح مرفوع ماننا پڑے گا، بنا بر اتحاد مرجع، اور پھر چونکہ رفعہ اللّٰہ الیہ میں رفع کو بصیغہ ماضی تعبیر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ زمانہ کی ماضویت واستقبال اضافی امور سے ہے ذاتی نہیں، یعنی ایک ہی زمانہ بہ نسبت ایک کے ماضی ہوسکتا ہے اور بہ نسبت دوسرے کے استقبال۔ اس لئے رفع کی ماضویت بھی کسی کی نسبت سے ہوگی اور وہ ماقبل بل ہے، یعنی واقعہ صلیبی، جس طرح کہ آیات ذیل سے ظاہر ہے:

۱۔ ام یقولون بہ جنّۃ بل جاء ھم بالحقّ (مومنون: ۷۰) (کیا یہ کفار کہتے ہیں کہ اسے (پیغمبر ﷺ) کو جنون ہے۔ نہیں بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے)

۲۔ و یقولون أئنا لتارکوا آ لھتنا لشاعرٍ مّجنون بل جاء بالحق (صافات: ۳۶) (اور یہ (دوزخی) کہتے تھے کہ کیا ہم اس شاعر مجنون کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں (ہمارا پیغمبر شاعر ومجنون نہیں) بلکہ وہ تو حق لے کر آیا)

واقعہ میں مجیء بالحق کا تحقق پہلے ہوا، بعد ازاں ان کفار بدکردار نے آپ ﷺ کی نسبت زعم جنون کیا۔ اور

۳۔ و قالوا اتّخذ الرّحمن و لداً سبحانہ بل عباد مّکرمون (انبیاء) (اور یہ کہتے ہیں کہ خدا نے اولاد بنائی، وہ پاک ہے، بلکہ (وہ تو) اسکے معزز بندے ہیں)

واقعہ میں تکریم بعض عباد اللہ کا تحقق پہلے ہوا۔ پیچھے مشرکین نے انکی نسبت زعم الوہیت کیا۔ اسی طرح بل رّفعہ اللّٰہ الیہ میں بھی یہی ملحوظ ہے کہ ماقبل بل یعنی واقعہ صلیبی پر بزعم یہود بہ نسبت مسیح پیچھے ہوا اور اس سے پیشتر اللہ نے آپ کے جسد مبارک کو مرفوع الی السماء کرلیا تھا اور چونکہ واقعہ صلیبی کے پیشتر حیات مسیح عند الخصم بھی مسلّم ہے اسلئے اللہ نے جسد مسیح کو آسمان پر زندہ اٹھالیا اور یہود کے ہاتھ میں ہرگز نہ آنے دیا اور یہی امتنان باری و اذ کففت بنی اسرائیل عنک میں مذکور ہے اور یہی تھا وعدہ الٰہی انّی مطھّرک من الّذین کفروا (میں تجھ کو کفار سے بالکل پاک رکھوں گا)

(اکمل صاحب بات تسلیم کر کے بھی سر کھسکا جاتے ہیں چنانچہ صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں:

رفع کی ماضویت آپ نے پوچھی وہ واقعہ صلیبی کی نسبت ہی سہی تو معنی یہ ہوئے کہ واقعہ صلیبی

سے پہلے ہی مسیح مرفوع الشان عنداللہ تھے۔

جواب: اکمل صاحب نے کمال دکھلانا چاہا تھا لیکن بات نہ بن سکی کیونکہ مرزا صاحب کا ساختہ پرداختہ سب برباد ہوگیا، یعنی رفع الی اللّٰہ سے مراد عزت کی موت ہے)

نیز اس لئے کہ چونکہ وما قتلوہ یقیناً بل رّفعہ اللّٰہ الیہ میں ہر دو منصوب متصل ضمیریں المسیح کی طرف راجع ہیں اور المسیح معتبر ہے جسد مع روح سے، اس لئے صرف اسی ضمیر سے رفع جسد مع روح ثابت ہوسکتا ہے کیونکہ ارواح مجردہ بغیر تعلق بالبدن کے قابل تسمیہ نہیں ہوتے اور نہ جسم بے روح حامل اسم ہوتا ہے۔

شق اول: (یعنی مجرد ارواح کا نام نہ رکھا جانا) آیت و اذ اخذ ربّک من بنی آدم من ظھورھم ذرّیّتھم (اعراف) (علی قول) اور باب صحیح بخاری الارواح جنود مّجنّدۃ سے ثابت ہے جس سے معلوم ہوا کہ خلق ارواح کا تحقق خلق اجسام سے متقدم ہے اور اس حالت میں ان کے نام نہیں ہوتے۔

شق ثانی یعنی مجرد جسم کا نام نہ رکھا جانا، مسئلہ فقہیہ عدم تسمیہ صبی درصورت غیر مستہل ہونے سے ظاہر ہے۔

پس واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے المسیح یعنی جسم مع روح کو جس کا نام المسیح عیسی ابن مریم تھا، آسمان کی طرف اٹھالیا اور یہ امر بشارتِ مریم سے بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علی لسان الملائکہ فرمایا تھا یا مریم انّ اللّٰہ یبشّرک بکلمۃٍ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم (آل عمران: ۴۴)۔ اس سے واضح ہوگیا کہ مسمی بالمسیح عیسی بن مریم ہونا بعد تحقق اثر کلمہ کن کے ہے اور وہ کیا ہے؟ ولادت مسیح فثبت المراد فالحمد للہ۔ اور ایسا ہی انا نبشّرک بغلام اسمہ یحی (مریم: ۷) سے ظاہر ہے فافھم و تدبر و تامّل و لا تعجل

وجہ ثانی برائے ابطال مزعوم قادیانی

آیت بل رّفعہ اللّٰہ الیہ میں قتل وصلب کی نفی کے بعد اثبات رفع بواسطہ حرف بل کیا گیا ہے اور ماہرین علم اصول ونحو پر روشن ہے کہ بل ابطالیہ کے اطراف متضاد فی الحکم ہوتے ہیں اور باہم متحقق نہیں ہوسکتے کیونکہ اجتماع ضدین عقلاً محال ہے جیسا کہ آیات ذیل سے واضح ہے:

۱۔ و قالوا اتّخذ اللّٰہ ولداً سبحانہ بل لہ ما فی السّماوات و الارض

(بقرہ: ۱۱۶) (اور یہ مشرک کہتے ہیں کہ خدا نے فرزند اختیار کیا۔ وہ پاک ہے۔ بلکہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کی ملک ہے)

۲۔ و قالوا اتّخذ الرّحمن ولداً بل عباد مّکرمو ن (انبیاء: ۲۶) (اور یہ کہتے ہیں کہ خدا نے فرزند اختیار کیا۔ وہ اس سے پاک ہے بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں)

ان آیتوں میں ولدیت وعبودیت میں کلمہ بل سے تضاد و تنافی ظاہر کر کے تنزیہہ باری سبحانہ از اتّخاذ ولد کی گئی ہے۔

۳۔ ام یقولون به جنّة بل جاء هم با لحقّ (مومنون: ۷۰) (کیا یہ منکر کہتے ہیں کہ اسے (پیغمبر کو) جنون ہے، (نہیں، بلکہ وہ تو ان کے پاس حق لے کر آیا ہے)

۴۔ و یقولون أ أنّا لتارکوا آ لهتنا لشاعرٍ مّجنون بل جاء بالحق و صدّق المرسلین (صافات: ۳۶۔۳۷) (اور یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم اس شاعر مجنون کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں (ہمارا پیغمبر شاعر و مجنون نہیں) بلکہ وہ ان کے پاس حق لایا اور دیگر رسولوں کی تصدیق کی)۔

ان آیتوں میں کلمہ بل سے رسول اللہ ﷺ سے نسبت مجنونیت و شاعریت کا ابطال اور آپ کے مجیء با لحق و تصدیق المر سلین کا اثبات کیا گیا ہے کیونکہ جب آپ اللہ کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں اور دیگر مرسلین کی تصدیق کرتے ہیں تو پھر آپ کی نسبت مجنونیت و شاعریت بالکل باطل ٹھہری۔ اگر کلمہ بل کو افادہ مذکور کے لئے مفید تسلیم نہ کیا جائے تو معاذ اللہ پھر تقریب نا تمام رہتی ہے۔ پس آیت معنونہ میں بھی ماقبل بل یعنی مقتولیت ومصلوبیت اور مابعد بل یعنی مرفوعیت میں منافات وعدم اجتماع فی التحقق پایا جانا چاہیے۔ اگر رفعه اللّٰه الیه سے مراد رفع روح یا اعزاز واکرام لیا جاوے تو ناقد لبیب پر اس کا بطلان ظاہر ہے کیونکہ مابین مقتولیت و مصلوبیت اور رفع روح و اعزاز واکرام کے اصلاً منافاۃ نہیں کیونکہ شہداء جو ظلماً مقتول ہوتے ہیں ان کے ارواح عالم بالا کو مرفوع ہوتے ہیں اور وہ جناب باری عز اسمہ میں بغایت معظم ومکرم بھی ہوتے ہیں۔ پس بمقتضائے کلمہ بل ارادہ رفع روح باطل ٹھہرا اور چونکہ مقتولیت ومصلوبیت اور رفع جسمی بحالت زندگی میں منافاۃ ہے اور ہر دو معاً متحقق نہیں ہو سکتے، لہذا لابدّ ارادہ رفع جسمی تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ جب زندہ جسم مرفوع الی السماء ہو گیا تو پھر اس کو صلیب پر نہیں چڑھا سکتے۔

سوال: مرزا قادیانی مقتولیت مسیح کے قائل نہیں۔ لہذا تقریب بالا ان کے مذہب کے

خلاف موثر نہیں۔ اور نیز بموجب ان کے مذہب کے مابعد بل یعنی رفع جو کنایہ ہے اعزاز واکرام سے، اس میں اور ماقبل بل یعنی قتل بالصلیب میں جو بحکم توریت مستلزم لعن ہے، تنافی وتضاد متصور ہے، کیونکہ ملعون عنداللہ معزز نہیں ہوسکتا۔

اما الجواب عن الشق الاول: پس واضح ہو کہ تقریر بالا گو رداً بزعم الیہود ہے کیونکہ وہی بالجزم اس کے خلاف کہتے تھے مگر اس میں من وجہٍ مرزا قادیانی کے اعتقاد فاسد کا ابطال و استیصال بھی بکمال وضوح عیاں ہے اگرچہ انہوں نے یہودیت ونصرانیت کے رنگ میں ایک الگ مسلک اختیار کیا ہے۔ وہ مسلک یہ ہے کہ مسیح صلیب پر چڑھائے تو گئے مگر اس سے مرے نہیں۔

(اکمل اسے تسلیم تو کرتے ہیں، لیکن کہتے ہیں: اس بروز محمد (مرزا) نے دو قوموں میں بطور حکم فیصلہ کر دیا۔ ایک گروہ قائل تھا کہ صلیب پر چڑھائے گئے اور قتل ہو گئے، دوسرا گروہ کہتا تھا کہ نہ قتل ہوئے نہ صلیب پر چڑھائے گئے۔ آپ، مرزا، نے فرمایا صلیب پر چڑھائے تو گئے، مگر قتل نہیں ہوئے ص ۳۶۔

جواب: اکمل صاحب اپنی تحریر سے آپ ہی پھنس گئے۔ اس کی توضیح یوں ہے کہ وہ ایک گروہ کی نسبت تو فرماتے ہیں کہ وہ حضرت مسیح کی نسبت قتل وصلیب ہر دو کا قائل ہے۔ لیکن دوسرے کی نسبت فرماتے ہیں کہ وہ ہر دو سے منکر تھا۔ سو معلوم ہے کہ پہلے قول کے قائل یہود ونصاری ہیں اور قادیانی علماء اس واقعہ کے تواتر کے ثبوت میں یہی دلیل پیش کیا کرتے ہیں چنانچہ مولوی مبارک علی سیالکوٹی احمدی کا قول مع تردید پہلے گذر چکا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دوسرا گروہ جو قتل وصلیب میں سے کسی بات کا بھی قائل نہیں وہ کون سا ہے؟ ماننا پڑے گا کہ وہ دوسرا گروہ مسلمانوں کا ہے جو بحکم ما قتلوہ وما صلبوہ حضرت مسیح کو ہر دو سے بری ومحفوظ مانتے ہیں۔ پس اکمل صاحب نے تسلیم کر لیا کہ مرزا قادیانی سے پیشتر حضرت مسیح کے مقتول نہ ہونے اور صلیب پر نہ چڑھائے جانے، پر امت مرحومہ کا اجماع ہو چکا تھا۔ لہذا مرزا صاحب کا یہ قول کہ: حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے گئے، اجماع امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ٹھہرا۔ صاحبان آپ اسی کتاب میں میرے اشتہار بنام مرزا صاحب پر ایک نظر پھر ڈالیں جہاں لکھا ہے: جناب مرزا صاحب بندہ جمع اہل سنت والجماعت سلف وخلف کی طرح اس بات کا قائل ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں چڑھائے گئے اور اب تک فوت بھی نہیں ہوئے۔

الحمدللہ کہ اب ہمارے اکمل صاحب نے بھی خود ہی مان لیا کہ مرزا صاحب سے پیشتر مسلمانوں کا یہی اعتقاد تھا۔ دیگر یہ بھی بالکل صاف ہو گیا کہ چونکہ یہود حضرت عیسیٰؑ کے قتل وصلب ہر دو کے قائل تھے اس لئے خدا نے ہر دو امر کی تردید کیلئے فرمایا وما قتلوہ وما صلبوہ کہ نہ تو انہوں نے مسیح کو قتل

کیا اور نہ سولی دی)

تفصیل اس کی یوں ہے کہ مضمون کسر صلیب میں متحقق ہو چکا ہے کہ صلیب کے معنی صرف سولی پر لٹکانے کے ہیں۔ پس چونکہ مرزا صاحب مصلوبیتِ حضرت مسیح کے قائل ہیں اسلئے تقریب بالا سے ان کے مذہب کا بھی ابطال ہوا کیونکہ بل رفعه اللّٰه الیه میں ابطال مصلوبیت بھی ملحوظ ہے بوجہ بل کے قبل مذکور ہونے کے چنانچہ خازن میں بل رّفعه اللّٰه کی تفسیر میں لکھا ہے:

والمعنی انّهم لم یقتلوا عیسی و لم یصلبوه و لکنّ اللّٰه عزوجل رفعه اللّٰه (خازن ص ۴۲۰) اس کے معنی یہ ہیں کہ یہود نے حضرت عیسیٰؑ کو نہ تو قتل کیا اور نہ اسے صلیب دیا۔ بلکہ اس کو خدا نے اپنی طرف اٹھالیا۔

(کلمہ بل کے استعمال کی تحقیق و تدقیق سے اکمل صاحب کے سارے پیچ بل نکل گئے اور انہوں نے بلا تردد اسے تسلیم کرلیا۔ چنانچہ میری عبارت نقل کر کے تصدیق فرماتے ہیں: بل رفعه اللّٰه الیه میں ابطال مصلوبیت بھی ملحوظ ہے۔ بے شک۔ص ۳۷۔ لیکن اس کے بعد پھر مکر نے کی راہ نکالتے ہیں اور لکھتے ہیں:

مگر مصلوبیت کے معنی صلیب پر موت واقع ہونے کے ہیں ورنہ ماننا پڑے گا کہ لاصلّبنّکم اور او یصلّبوا میں بھی صرف صلیب پر چڑھانا مراد ہے۔ص ۳۷۔

جواب: جناب والا مصلوب کی تحقیق سابقاً مبارک علی کے جواب باصواب کی تردید میں مفصل گذر چکی اس سے عشوہ نمائی کیوں کی۔ اور جو آیات آپ نے لکھی ہیں ان میں بھی وہی تحقیق ملحوظ ہے)۔

اور شق ثانی کے جواب میں اول تو یہ معروض ہے کہ کتب محرفہ سے استدلال و تمسک کرنا اور بیان قرآنی میں تحریف کرنا سب سے زیادہ موجب لعن ہے۔ جو توریت موسی کلیم اللہ پر نازل کی گئی تھی وہ تو صفحہ دنیا پر نظر نہیں آتی ہے اور اس کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ جو پانچ کتابیں بنام توریت مجموعہ بائیبل کے ابتداء میں منضم ہیں وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ کسی مورخ نے حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بہت دیر بعد وقائع و شرائع موسویہ کو تاریخی طور پر جمع کیا جیسا کہ اس کی اندرونی شہادات سے ثابت ہے۔ مثلاً کتاب استثنا باب اخیر واقعہ وفات حضرت کلیم اللہ اور اسی طرح کئی دیگر مواضع (مرزا قادیانی نے اپنی آخری کتاب چشمہ معرفت میں صفحہ ۲۵۵ میں خود ان کتابوں کو لچر پوچ اور محرف مبدل لکھا ہے)۔

دیگر یہ کہ توریت اور انجیل شریف اور قرآن عظیم غرض جملہ کتب سماویہ میں اللہ تعالی کا یہی وعدہ ہے کہ شہداء بمراتب عالیہ فائز ہوں گے، چنانچہ سورہ توبہ میں فرمایا:

انّ اللّٰه اشترای من المؤمنین انفسهم و اموالهم بانّ لهم الجنّة یقاتلون فی سبیل اللّٰه فیقتلون و یقتلون وعداً علیه حقاً فی التّوراة و الانجیل و القرآن (توبہ: ۱۱۱) (بے شک خدا نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال ،جنت کے بدلے خرید لئے ہیں تو (کبھی تو فریق مقابل کو) قتل کرتے ہیں اور (کبھی) خود قتل ہو جاتے ہیں خدا نے حق وعدہ کیا ہے تورات میں بھی انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی)

دیگر یہ کہ توریت موجودہ میں بھی مطلقاً قتل بالصلیب کو مستلزم لعن قرار نہیں دیا گیا بلکہ خاص اسی شخص کو ملعون کہا گیا ہے جو کسی سخت جرم واجب الصلیب کی سزا میں مصلوب ہو، جیسا کہ سیاق وسباق بلکہ صریح عبارت سے ظاہر ہے:

اور اگر کسی نے کچھ ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو اور وہ مارا جائے، اور تو اسے درخت پر لٹکا دے

تو اس کی لاش رات بھر لٹکی نہ رہے بلکہ تو اسی دن اسے گاڑ دے کیونکہ وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے اس لئے چاہیے کہ تیری زمین میں جس کا وارث خداوند تیرا خدا تجھ کو کرتا ہے ناپاک نہ کی جاوے۔ (استثنا ۲۱:۲۲۔۲۳)

And if a man have committed a sin worthy of death, and he be to be put to death, and thou hang him on a tree.

His body shall not remain all night upon the tree, but thou shalt in any wise bury him that day; (for he that is hanged is accused of God;) that thy land be not defiled, which the Lord thy God giveth for an inheritance. (Deuteronomy 21:22-23)

مزید برآں ظاہر ہے کہ کافر مجرم کا مقتول بالصلیب ہونا ہی موجب لعن نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شریعت حقہ کے حکم سے کسی اور طریق سے بھی قتل کیا جائے یا سزا دیا جائے تو پھر بھی وہ زمرہ مردودین میں معدود ہوگا جیسا کہ آیت مائدہ سے ثابت ہے:

انّما جزاء الّذین یحاربون اللّٰه و رسوله ویسعون فی الارض فساداً ان یّقتّلوا او یصلّبوا او تقطّع ایدیهم و ارجلهم من خلافٍ او ینفوا من الارض ذلک لهم خزی فی الدّنیا ولهم فی الآخرة عذاب عظیم (مائدہ: ۳۳)۔ (سوائے اس کے نہیں کہ ان لوگوں کی جزا جو خدا اور اس کے رسول سے لڑتے

ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، یہ ہے کہ ان کو خوب قتل کیا جائے یا صلیب پر لٹکایا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں الٹے کاٹ دیے جائیں یا ان کو جلا وطن کیا جائے۔ یہ ان کیلئے دنیا میں خواری ہے اور آخرت میں ان کو بڑا عذاب ہوگا)

اور یہ بھی یاد رہے کہ مومن عاصی کے لئے حدود کفارہ ہوتی ہیں جیسا کہ حدیث صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ پس اس بیان سے واضح ہوگیا کہ عنداللہ ملعون و غیر ملعون اور مردود و مقبول ہونا مادہ صلاح و فساد کے سبب ہے نہ کہ قتل و صلب کے سبب۔

پس جب ثابت ہو چکا کہ توریت موجودہ میں بھی مطلقاً مقتولیت بالصلیب کو موجب لعن قرار نہیں دیا گیا بلکہ وہ حکم مجرم فی الواقع کی نسبت ہے، تو چونکہ حضرت عیسیٰؑ فی الواقع غیر مجرم تھے لہذا بنا بر واقعہ ماقبل بل یعنی قتل بالصلیب اور مابعد بل یعنی رفع اعزازی میں تنافی و تضاد متحقق نہ ہوا، بلکہ مومن جو ظلماً مقتول ہو وہ عنداللہ معزز ہوتا ہے پس تقریب کلمہ بل بعد ابطال تاویل قادیانی رفع جسمی میں محکم رہی۔

اور اگر مسیح کو معاذ اللہ بزعم یہود مجرم خیال کر کے تنافی پیدا کی جائے تو ماہر ذکی پر ظاہر ہے کہ و ما قتلوہ یقیناً بل رّفعہ اللّٰہ الیہ قصر قلب ہے جس میں مزعوم مخاطب کو برعکس ما یذکرہ المتکلم ظاہر کر کے رد کیا جاتا ہے اور چونکہ صورت اعتراضیہ میں بحسب علم المتکلم بھی وصف مزعوم مخاطب کا وجود متصور ہے و ہذا خلف۔ لہذا قول قائل باطل ہوا۔

ثانیاً یہ کہ سابقاً بوضوح متحقق ہو چکا ہے کہ وما قتلوہ و ما صلبوہ میں نفی قتل و صلب مقصور علی المفعول ہے یعنی قتل و صلب کی نفی صرف بہ نسبت حضرت مسیح کی گئی ہے دون غیرہ بلکہ ولکن شبّہ لھم سے وہی قتل و صلب غیر مسیح کیلئے ثابت کیا گیا ہے اور یہ بھی مذکور ہو چکا ہے کہ مفعول قتلنا یعنی المسیح کو موصوف رسول اللّٰہ ذکر کرنا بنا بر اظہار مفاخرتِ یہود ہے جو قصر مذکور کیلئے مؤید قوی ہے۔ پس ماہر ذکی پر ظاہر ہو سکتا ہے کہ کلام الٰہی وما قتلوہ یقیناً بل رّفعہ اللّٰہ الیہ جو کلام قصری ہے وہ من باب القصر الموصوف علی الصفۃ ہے و ھو ان لا یتجاوز الموصوف تلک الصفۃ اری اور پھر قصر قلب ہے لوجود موجبہ ولیس قصر افراد ولا تعیین للفقدان موجبا تھا۔ اور پھر قصر کے طرق اربعہ مشہورہ میں سے قصر بالعطف ہے لانّہ اشتمل علی کلمۃٍ بل الّتی تقتضی ثبوت ضدّ حکم ما قبلہ لما بعدہ۔ اور چونکہ قصر تمیز بین الخطا و الصواب ملحوظ ہوتی ہے اور قصر قلب میں متکلم پر واجب ہوتا ہے کہ مثبت و منفی

کو منصوص ذکر کرے کیونکہ اس میں نفی غیر اور اثبات مذکور بطریق حصر بیان کرنا پڑتا ہے، تاکہ مخاطب کے اعتقاد میں جو خطا ہے اس کی تردید بھی ہو جائے اور یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ مخاطب کا اعتقاد برعکس ما یذکرہ المتکلم ہے، خصوصاً قصر بالعطف میں تو کسی صورت میں بھی ترک تصریح بالمراد جائز نہیں کیونکہ پھر مابعد عاطفہ کا حکم ماقبل کی ضد ثابت نہیں ہوسکتا۔

(اکمل صاحب نے ہمارے اس بیان قصر قلب کو مان لیا ہے اور اس قاعدے کی رو سے ہم نے جتنی تصریحات کا ضروری ہونا ذکر کیا ہے ان سب کو بھی تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

قصر قلب جس میں مزعوم مخاطب کو برعکس ما یذکرہ المتکلم ظاہر کر کے رد کیا جاتا ہے، بے شک! چنانچہ اس آیت میں بھی مزعوم مخاطب کے برعکس ہی کیا گیا ہے کیونکہ مجرم زعمی کا مدار قتل بالصلیب تھا جس کی نفی کی گئی۔ اور اصل حال بتا دیا کہ مسیح صلیب پر چڑھائے گئے اور مشبہ بالمصلوب ہو گئے۔ مگر یونس نبی کی طرح قبر میں زندہ ہی رکھے گئے اور پھر وہاں سے نکل کر لمبا سفر کیا اور کشمیر میں شاہزادہ نبی کہلائے اور باعزت وہاں رہے اور کامیابی کے ساتھ دنیا سے بمجوائے فلمّا توفّیتنی اٹھائے گئے۔ بل رّفعه اللّٰه الیه میں یہ سارا مضمون بالتصریح بتلایا گیا ہے ص ۳۹۔

حضرات! اکمل صاحب نے ہمارے بیان کو حرف بحرف تسلیم کر لیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ سب امور مذکورہ بل رّفعه اللّٰه میں بالتصریح بتلا دیئے گئے ہیں اور ہم عرض کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں ان امور کا ذکر مطلقاً نہیں۔ اب آپ خود انصاف کر لیں کہ آیا قرآن میں یہ امور مذکور ہیں یا نہیں۔ اگر مذکور ہیں تو بہتر، ورنہ سمجھ لیں کہ قادیانی دعاوی اسی طرح بے بنیاد ہوتے ہیں)

بعد تمہید اس تقریب کے واضح ہو کہ اگر رفع الی اللّٰه سے موت طبعی بعد از واقعہ صلیب بعرصہ دراز بملک کشمیر مراد لی جائے جیسا کہ مزعوم مرزا صاحب ہے تو بمقتضائے تمہید مذکور تصریح و ما قتلوه بالصّلیب بل بقی حیاً زماناً طویلاً اماته اللّٰه و رفعه الیه (مطابق مذہب مرزا لکھا ہے) ضروری ہے۔ کیونکہ جب مزعوم یہود قتل مسیح بالصلیب تھا اور مراد الٰہی اثبات واقعہ صلیبی مگر برعکس زعم یہود ابطال قتل بالصلیب اور اثبات حیات بعد واقعہ صلیب بعرصہ دراز تھا، تو اتنی تصریحات کا ترک کر دینا حسب قواعد معانی و بیان، فصاحت و بلاغت کے بالکل منافی ہے اور شان قرآن کریم کے ہرگز شایاں نہیں۔ پس چونکہ بنا بر مذہب مرزا صاحب بوجہ فقدان نصّ علی المثبت یعنی واقعہ صلیبی و حیات بعرصہ دراز بعد ازاں یہود کے زعم باطل کا ابطال ہرگز نہیں ہوسکتا اور نہ مدعائے الٰہی کا اثبات۔ اس لئے لامحالہ قول مرزا صاحب باطل ٹھہرے گا اور چونکہ

بموجب مذہب فرقہ حقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کے نص علی المثبت والمنفی موجود ہے یعنی ابطال واقعہ صلیبی بہ نسبت مسیح ما صلبوہ میں منصوص ہے اور رفع الی السماء بل رّفعہ اللّٰہ الیہ میں مصرح ہے اور قتل وصلب غیر مسیح جس پر آپ کی شباہت ڈالی گئی و لکن شبّہ لھم میں مذکور ہے بل رفعہ اللّٰہ الیہ سے سوائے رفع جسد کے اور کچھ مراد لینا ہرگز جائز نہیں۔

ثالثاً یہ کہ اس سے اوپر انہی یہود کی نسبت کہا گیا ہے و قتلھم الانبیاء بغیرالحق اور وہ مقتول انبیاء عنداللہ ماجور ومرفوع الدرجات ہوئے اور ہیں اگرچہ وہ یہود کے نزدیک مجرم و لائق قتل تھے۔ پس اس مقام پر رفعت درجہ اور قتل بالظلم جمع ہو گئے اسی طرح اگر حضرت مسیح ان کے ہاتھ سے قتل بھی ہو جاتے تو پھر بھی عنداللہ مرفوع الدرجات ہی ہوتے کیونکہ آپ نبی صادق ہیں اور مثل دیگر نبیوں کے ناحق قتل کیے جاتے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کے واقعہ کو دوسرے انبیاءِ مقتولین کی شمولیت میں بیان نہیں کیا بلکہ ان سے جدا طور پر کیا ہے جو بل رّفعہ اللّٰہ الیہ ہے اور سابقاً اچھی طرح بدلائل واضح ہو چکا ہے کہ بل ابطالیہ کے ماقبل و مابعد میں جمع ممکن نہیں اور مرزا صاحب قادیانی ان کو واقعاً جمع کرتے ہیں، لہٰذا ان کا قول باطل ہے اور بموجب مذہب اہل سنت جمع ممکن نہیں کیونکہ جب آپ واقعہ صلیبی سے پیشتر آسمان کی طرف اٹھائے گئے تو پھر صلیب پر کس طرح چڑھائے جا سکتے ہیں جیسا کہ سابقاً محقق ہو چکا ہے۔

رابعاً یہ کہ وجہ اول میں بالدلیل ثابت ہو چکا ہے کہ رفع کی ماضویت بہ نسبت ماقبل بل یعنی واقعہ صلیبی کے لئے ہے تو اگر رفعہ اللّٰہ الیہ سے موت طبعی بعداز مدت مدید مراد لی جائے تو معاذ اللہ کلام باری سبحانہ میں کذب لازم آتا ہے کیونکہ جب موت مسیح قبل از واقعہ صلیبی واقع ہی نہیں ہوئی تو پھر اس کو قبل از واقعہ ذکر کرنا کذب نہیں تو اور کیا ہے؟ حاشا شانہ عن ذلک

بعد از قطع احتمالات مردودہ مذکورہ آیت بل رفعہ اللہ الیہ رفع جسمی میں محکم ٹھہری اور مخالفت کے لئے اس میں کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ اس لئے صحابہ کرام جو اہل لسان تھے اور اپنی عربی زبان کے محاورات کو خوب سمجھتے تھے اور انہوں نے قرآن من اوّلہ الی آخرہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں شب و روز اقامت کر کے آپ ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے مع اس کے بیان و تفسیر کے سیکھا تھا۔ اور علمائے عظام، کیا متقدمین اور کیا متاخرین، جو اکثر علوم عربیہ کے موجد اور مجدد اور میدان فصاحت کے فارس اور بحر بلاغت کے غواص تھے، اور جن کی مساعی جمیلہ

سے آج کل علوم عربیہ زندہ نظر آتے ہیں، ان میں سے ایک سے بھی اس آیت میں اختلاف مروی نہیں ۔اور کسی نے بھی سوائے رفع جسمی کے مراد نہیں لی چنانچہ تفسیر کبیر میں رازیؒ فرماتے ہیں:

رفع عیسی الی السّماء ثابت بھذہ الآیۃ و نظیر ھذہ الآیۃ قولہ فی آل عمران انّی متوفّیک و رافعک الیّ و مطھّرک من الّذین کفروا ۔ واعلم انّہ تعالی لمّا ذکر عقیب ما شرح انّہ وصل الی عیسی انواع کثیرۃ من البلاء والمِحنۃ انّہ رفعہ الیہ دلّ ذلک انّ رفعہ الیہ اعظم فی باب الثّواب من الجنّۃ ومن کلّ ما فیھا من اللّذّات الجسمانیّۃ و ھذہ الآیۃ تفتح علیک باب معرفۃِ السّعادات الرّوحانیّۃ

(اس آیت سے حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر اٹھایا جانا ثابت ہے اوراس کی نظیر سورہ آل عمران کی آیت انّی متوفّیک.. الخ ہے۔اور جان لوکہ جب خدا تعالی نے اس کے بعد کہ عیسیٰؑ کوکئی قسم کی تکالیف اور مصائب پہنچیں، یہ ذکر کیا کہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا تو اس امر نے یہ بتایا کہ حضرت عیسیٰؑ کا خدا کی طرف مرفوع ہونا جنت وغیرہ ہر جسمانی لذت کے ثواب سے زیادہ ہے۔ اور یہ آیت تجھ پر سعادات روحانیہ کی معرفت کا دروازہ کھول دے گی)

(امام رازی نے جوفرمایا کہ یہ آیت تجھ پر سعادت روحانیہ کی معرفت کا دروازہ کھول دے گی تو اکمل صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ بس حضرت عیسیٰؑ کی رفع روحانی ہے، چنانچہ ص ۴۱ میں فرماتے ہیں: تفسیر کبیر میں پیش کردہ عبارت تفتح علیک ... الخ میں اشارہ ہے رفع روحانی کی طرف۔

جواب: حالانکہ اس میں عبارت کے شروع میں الی السّماء کی تصریح موجود ہے پھر بھی کہتے ہیں کہ اشارہ ہے رفع روحانی کی طرف ۔صحیح مطلب امام رازی کی عبارت کا یہ ہے کہ حضرت عیسی کو رفع آسمانی کی جونعمت ملی وہ دیگر جسمانی نعمتوں سے برتر ہے اس سے قبولیت اور قرب الہی کی حقیقت معلوم ہوکر سعادت روحانی حاصل کی جاسکتی ہے)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جسم خاکی کا آسمان کی طرف صعود کرنا ممتنعات ومحالات میں سے ہے اور نیز یہ کہ جب اللہ تعالی دیگر رسولوں کوانہی اسباب معتادہ سے بچاکر اسی کرہ ارض میں بساتا رہا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اورلوطؑ کوارض مقدسہ اور آنحضرت ﷺ کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرائی، تو حضرت روح اللہ کو کیوں آسمان پر اٹھالیا اورکس لئے اتنی دیر تک زندہ رکھ کر پھر زمین میں نازل کرے گا؟

سوال کی شق اول کا جواب حسب وعدہ اولاً تو یہ ہے کہ امر خارق عادت کے وقوع میں شک بدو وجہ ہوسکتا ہے۔اول واقع کرنے والے کے نقص علم کی نظر سے۔دوم اس کے عجز و نقص قدرت کے اعتبار سے۔اور یہ امر عندالخصم بھی مسلّم ہے کہ اللہ تعالی ان ہر دو نقصوں سے مبرا و منزہ ہے۔اسی لئے اللہ نے بل رّفعه اللّه اليه میں رفع کو اپنی طرف منسوب کیا کیونکہ صعود الی السّماء اگر چہ عیسیٰؑ کی اپنی حول وقوت سے بعید ہے مگر اللہ عزیز کی قدرت کاملہ کے سامنے کچھ بھی نہیں اوراسی طرح اللہ سبحانہ نے اسراء نبوت ﷺ کو اپنی طرف نسبت کیا اور فرمایا سبحان الّذی اسری بعبده ليلاً .. الآيه (بنی اسرائیل:۱) (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات سیر کرائی) یعنی اتنی مسافت بعیدہ اتنے تھوڑے وقت میں طے کرنا اگر چہ بہ نسبت محمد رسول اللہ ﷺ کی قدرت سے متعذر ہے مگر اللہ سبحانہ کی قدرت کے سامنے بالکل سہل ہے۔

كما قال الامام الرّازی تحت قوله تعالى .. وكان اللّه عزيزاً حكيماً ـ حيث قال و المراد من العزّة كمال القدرة و من الحكمة كمال العلم فنبه بهذا على ان رفع عيسى من الدّنيا الى السّماوات و ان كان كالمتعذر على البشر لكنه لا تعذر فيه بالنّسبة الى قدرتى و الى حكمتى۔ و هو نظير قوله تعالى: سبحان الّذى اسرى بعبده ليلاً ـ فانّ الاسراء وان كان متعذراً بالنّسبة الى قدرة محمد ﷺ الا انّه سهل بالنّسبة الى قدرة الحقّ سبحانه (چنانچہ امام رازی نے وكان اللّه عزيزاً حكيماً کے ذیل میں کہا ہے کہ اس آیت میں عزت سے کمال قدرت مراد ہے اور حکمت سے کمال علم مراد ہے۔پس اس سے خدا نے اس امر پر متنبہ کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کا دنیا سے آسمان پر اٹھایا جانا اگر چہ بشر کی طاقت سے بالا ہے لیکن میری قدرت اور حکمت کی نسبت کوئی چیز بھی نہیں۔اور یہ دوسری آیت سبحان الّذى اسرى بعبده کی نظیر ہے کہ اسراء اگر چہ آنحضرت ﷺ کی قدرت کی نسبت مشکل ہے مگر حق سبحانہ کی قدرت کے آگے بالکل سہل ہے)

اوراسی نکتہ عجیبہ کیلئے بل رّفعه اللّه اليه میں اسم جلالۃ (اللہ) کا ذکر کیا کیونکہ یہ اسم دلالت کرتا ہے اس ذات پر جو مجتمع صفات کمال ہو۔وهو اللّه الّذى لا اله الّا هو۔

مزید براں اسی دقیق لطیفہ کے لئے اپنی اور دو صفتیں جو کمال علم اور کمال قدرت کی مظہر و مثبت ہیں ذکر کیں، جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ چونکہ قرآن عظیم کی آیات مثل دعاوی مع بینات

کے ہیں، اس لئے ذکر ہر اسم اور صفت کا حسب اقتضائے مقام ومفہوم کلام ہوتا ہے اور وہ اسم منزلہ علت مضمون ہوتا ہے۔ پس چونکہ رفع الی السّماء میں وہم واستبعاد ووسوسہ عبثیت واقع ہوسکتا تھا اس لئے اس کے ازالہ کیلئے و کان اللّٰہ عزیزاً حکیماً فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ مجمتع صفات کمال اپنے ارادے پر غالب اور قادر ہے، جو کچھ چاہتا ہے کرسکتا ہے، لہذا حضرت روح اللہ کو آسمان پر چڑھا سکنا اس کے دائرہ قدرت سے خارج نہیں، اور چونکہ وہ حکیم ہے اس لئے آپ کا رفع الی السماء اور حیات سماوی اور نزول بعینہ عبث اور خلاف حکمت نہیں ہے۔

دیگر یہ کہ سائنس اس کمال پر پہنچ گیا ہے اور نئی نئی انسانی ایجادات اور عجائب المخلوقات کے نئے نئے انکشافات اس حد تک ہو چکے ہیں کہ گذشتہ زمانہ کے بہت سے محالات عادیہ مشاہدات وواقعات ثابت ہو چکے ہیں جن پر قیاس کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دیگر امور بھی اسی طرح ممکنات سے ہیں اور اس ذہنیت کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ ہر محال عادی ممکن بالذات ہوتا ہے۔

اسفل (نیچے) سے اعلیٰ (اوپر) کی طرف حرکت کرنے کو صعود کہتے ہیں انسان طبعی طور پر اپنے ارادہ وقوت سے ایک چھلانگ سے زیادہ ایسی حرکت نہیں کرسکتا، لیکن ایروپلین نے ثابت کردیا کہ کسی تدبیر وحکمت عملی سے انسان پرواز بھی کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ تدبیر ہمارے علم میں آجائے اور ہم عملی طور پر اس پر قدرت وقابو رکھ سکیں۔ سلیمانؑ کا تخت ہوا میں اڑتا تھا اس کیلئے بھی عالم اسباب میں کوئی سبب ہوگا جسکا ہم کو علم نہیں لیکن ہم ایروپلین سے سمجھ سکتے ہیں کہ وہ ممکن ہے۔

اسی بنا پر خداوند عزوجل نے حضرت عیسیٰؑ کی رفع کے ساتھ فرمایا و کان اللّٰہ عزیزاً حکیماً۔ یعنی سمجھایا کہ میں حکیم ہوں، مجھے سب تدبیریں آتی ہیں، اور عزیز ہوں سب تدبیریں اور حکمتیں میرے احاطہ قدرت میں ہیں۔ جس امر کا ارادہ کروں اس کے وجود میں لانے سے کوئی امر مجھے عاجز نہیں کرسکتا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا:

> و ما کان اللّٰہ لیعجزہ من شیء فی السّماوات ولا فی الارض انہ کان علیماً قدیراً (فاطر:۴۴) (کہ خداوند عزوجل ایسا نہیں ہے کہ اسے کوئی شئے بھی آسمانوں یا زمین میں عاجز کردیوے، بے شک وہ سب کچھ جانتا اور بڑی قدرت والا ہے)

صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث سے ثابت ہے کہ معراج کی رات سرور عالم آنحضرت ﷺ کی سواری کیلئے براق لایا گیا۔ یہ کیا تھا؟ خدا تعالیٰ نے جب چاہا کہ اپنے حبیب ﷺ کو بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کرائے اور تجلیات ونشانات قدرت دکھائے تو اس کے اس ارادہ کے فعل

میں آنے کی ایک عملی تدبیر تھی، اور صحیح بخاری میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ثمّ اخذ بیدی فعرج بی الی السّماء (کتاب الصلوۃ) (پھر جبریلؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف لے چڑھا)۔ یہ بھی عالم اسباب میں سے ایک سبب تھا کہ ایک فرشتہ، جس کیلئے اوپر چڑھنا اس کی طبیعت کے برخلاف نہیں، ایک انسان کو جو طبعی طور پر اپنے ارادہ وقوت سے آسمان پر نہیں چڑھ سکتا، چڑھا کر لے گیا۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت عیسیٰؑ کو حضرت جبریلؑ کے ذریعہ آسمان پر اٹھا لیا ہو، چنانچہ امام رازیؒ و ایّد ناہ بروح القدس (بقرہ: ۲۵۳) کی تفسیر میں اس امر کے بیان میں کہ عیسیٰؑ کو جبریل سے دیگر انبیاء کی نسبت مزید اختصاص ہے، فرماتے ہیں:

لانّہ ھو الّذی بشّر مریم بولادتہ وانّما ولد عیسیٰؑ بنفخۃ جبریلؑ وھو الّذی ربّاہ فی جمیع الاحوال وکان یسیر معہ حیث سار وکان معہ حین صعد الی السّماء (ج ا ص ۴۲۶) (اس لئے کہ جبریل ہی نے حضرت مریم کو عیسیٰؑ کی پیدائش کی بشارت دی تھی اور حضرت عیسیٰؑ، حضرت جبریل ہی کی پھونک سے پیدا ہوئے، اور اسی نے سارے احوال میں آپ کی تربیت کی اور جہاں آپ جاتے تھے جبریل بھی ساتھ ہوتے اور وہ اس وقت بھی آپ کے ساتھ تھے جب آپ آسمان کو چڑھے)...

ثانیاً یہ کہ کسی امر کا امکان شئے دیگر ہے اور اس کا وقوع شئے دیگر۔ عقل کے متعلق صرف اثبات امکان ہے، نہ وقوع۔ جس طرح کہ وقوع صرف رویت یا نقل یعنی مخبر صادق کی روایت وخبر کے متعلق ہے نہ کہ عقل کے۔ پس برہان عقلی سے صعود الی السّماء کے امکان کا بیان اس طریق سے ہے کہ ممتنعات دو قسم پر ہیں، بالذات و بالغیر، اور ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہوتا ہے کیونکہ عرف میں امکان بدو معنی مستعمل ہوتا ہے اور ان میں سے امکان ذاتی ہے کہ اس کا وجود وعدم بالنظر الی ذات الممکن متساوی ہوتا ہے۔ گو بلحاظ امور خارجیہ از علل موجبہ یا موانع وعوائق احدھما واقع بلکہ واجب ہو۔ اور یہ (امکان ذاتی) جامع ہوتا ہے وجوب بالغیر اور امتناع بالغیر کو یعنی واجب بالغیر اور ممتنع بالغیر عین حالت وجوب و امتناع بالغیر کو، یعنی واجب بالغیر اور ممتنع بالغیر عین حالت وجوب و امتناع میں ممکن ذاتی ہوتے ہیں کیونکہ عین حالت وجوب و امتناع میں بھی اس کا وجود و عدم متساوی ہوتا ہے اگرچہ بلحاظ امور خارجیہ احدھما واجب ہوگیا ہو۔ پس چونکہ صعود ونزول سماوی ممتنع بالذات نہیں ہے بلکہ واجب بالغیر ہے لثبوت صعود الملائکۃ و نزولھم اس لئے بہ نسبت بشر کے ممتنع بالغیر ہوگا۔ با لنظر الی الامور الخارجیہ۔ مثل عدم استعداد در

فطرت انسان وعدم صعودِ فردے از افراد بنی آدم قبل از مسیح اور تمہید بالا سے متحقق ہو چکا کہ ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہوتا ہے کیونکہ امکانِ ذاتی جامع ہوتا ہے وجوب بالغیر اور امتناع بالغیر کو، اس لئے صعود البشر الی السّماء ممکن بالذات ہوا۔

(اس مقام پر امکان وامتناع اور وقوع ولا وقوع کی بحث ایسی صفائی اور سہولت سے بیان کی گئی ہے کہ معقولات میں کچھ بھی دسترس رکھنے والا آسانی سے سمجھ سکتا ہے لیکن اکمل صاحب اس سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

آپ (ابراہیم میر) نے صعود کو ممتنع بالغیر ثابت کیا ہے۔ بہت اچھا۔ اب فرمائیے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ممتنع بالغیر کے لئے امکان وقوعی نہیں ہوتا۔ ص۴۲۔

اکمل سے کون کہے کہ جب ممتنع بالغیر ہوا تو اس کا وقوع کیوں ممکن نہیں کیونکہ ممتنع بالغیر اسے کہتے ہیں جو اپنی ذات میں تو ممکن ہو لیکن موانع وعوائق کے سبب وجود میں نہ آیا ہو اور چونکہ ہر ممکن کا وجود وجودِ علت موجبہ اور رفع موانع وعوائق کے وقت واقع ہو جاتا ہے اس لئے ہر ممتنع بالغیر بھی وقوع میں آ سکتا ہے کیونکہ امکان ذاتی جامع و شامل ہوتا وجوب بالغیر اور امتناع بالغیر کو جیسا کہ متن میں مدلل ومفصل بیان ہو چکا ہے، ہاں وقوع کی دلیل کا سوال باقی رہ جاتا ہے۔ سو اس کیلئے ہم نے شروع تقریر میں صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ اثبات وقوع صرف رویت یا نقل (یعنی مخبر صادق کی خبر وروئت یا شہادت) کے متعلق ہے نہ کہ عقل کے اور وہ خبر وشہادت آیت بل رّفعه اللّٰه اليه میں مذکور ہے جسکی تفسیر وتوضیح ہم کر رہے ہیں)

دیگر یہ کہ صعود البشر الی السّماء محالات عادیہ میں سے ہوگا نہ کہ عقلیہ میں سے اور محالات عادیہ کا ممکنات ذاتیہ میں سے ہونا ظاہر ہے لتعذّرِ الاحاطة بقدرةِ الحق سبحانه۔ پس جب صعود البشر الی السّماء ممکن بالذات ٹھہرا، اور یہ امر عند الخصم بھی مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ممکن پر قادر ہے، تو رفع مسیح الی السّماء بہر دو طریق تحت قدرت باری عزاسمہ ثابت ہوا۔ یعنی اس نظر سے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کی فطرت میں بنفخ روح قدسی مادہ ملکیت پیدا کیا تھا اور حضرت عیسیٰؑ بلکہ کل بنی آدم کی فطرت میں مادہ ملکیت یا ان کو مثل ملائکہ پیدا کر لینا داخل قدرت باری عزاسمہ ہے، کیونکہ جب الوف الوف ملائکہ کو پیدا کر لیا تو ان کی مثل پیدا کر لینے پر بھی قادر ہے جیسا کہ ضمن ذکر مسیح ہی میں فرمایا:

ولو نشاء لجعلنا منكم ملائكة فى الارض يخلفون (زخرف:۶۰) (اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے پیدا کرتے جو زمین میں آباد ہوتے)

(ہم نے لجعلنا منکم ملا ئکہ کا ترجمہ کیا ہے ہم (چاہتے تو) تم میں سے فرشتے پیدا کرتے، اس پر اکمل صاحب فرماتے ہیں: لجعلنا منکم کے معنی تمام معتبر تفسیروں میں بدلاً منکم لکھے ہیں، یہ تو نہیں کہ تم میں سے فرشتے پیدا ہونے لگ جائیں۔

جواب: ان تفاسیر کے نام سنیں جن میں اس کے معنی، تم میں سے فرشتے پیدا کردیں یا کردیتے، لکھے ہیں:

تفسیر کشاف جو بلحاظ عربیت کے سب سے اول نمبر پر ہے اس میں بھی یہی معنی لکھے ہیں دیگر یہ کہ امام زمخشری کے بعد امام رازی، قاضی بیضاوی، امام خطیب شربینی۔ نواب صدیق حسن اور علی مہائی نے بھی یہ معنی ذکر کئے ہیں بلکہ نواب صاحب نے امام سمین سے اسی کو مشہور نقل کیا ہے)

اور اس اعتبار سے بھی کہ افراد بنی آدم میں سے حضرت مسیح کو اپنی قدرت کاملہ کا نمونہ بنانے کے لئے مخصوص کیا جیسا کہ فرمایا:

ولنجعله آیة للنّاس (مریم:۲۱) (اور تا کہ ہم اسکو اپنی قدرت کا ایک نشان بنائیں)

نیز: ان ھو الّاعبد انعمنا علیه و جعلناه مثلاً لبنی اسرا ئیل (زخرف: ۵۹) (وہ تو ہمارا ایک بندہ ہی ہے جس پر ہم نے انعام کیا اور اسکو بنی اسرائیل کیلئے نمونہ بنایا)

اور اس نظر سے بھی کہ صعود الی السّماء ممکن بالذات ہے اور ہر ممکن بالذات تحت قدرت باری تعالی ہے چنانچہ اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ باوجود قادر ہونے کے صرف مسیح ہی کو کیوں مثل ملائکہ پیدا کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی قادرِ مختار ہے، قادرِ مجبور نہیں جیسا کہ آریوں کے خیال سے لازم آتا ہے اور فاعل مختار، فعل کی کسی خاص صورت کو اختیار کرلے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں، خصوصاً جب کہ وہ علیم کل اور حکیم مطلق بھی ہو جیسا کہ فرمایا:

و ربّک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرة (قصص:۶۸) (اور تیرا رب جو کچھ چاہے پیدا کرے اور جو کچھ چاہے پسند کرے اس میں غیروں کا کوئی اختیار نہیں)

نیز فرمایا: لا یسئل عمّا یفعل وھم یسئلون (انبیاء:۲۳) (جو کچھ خدا کرے اس کی بابت اس سے کوئی پرسش نہیں اور دیگر سب کو پرسش ہے)

اور نیز فرمایا انّ ربّک فعّال لّما یرید (ھود: ۱۰۷) (بے شک تیرا رب کر لینے والا ہے اس امر کو جسے وہ چاہے)

(اکمل، حضرت عیسی کو مثل ملائکہ کہنے پر سخت ناراض ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: پھر عیسی کس طرح

فرشتہ ہو سکتے ہیں، جو عورت کے پیٹ میں حسب معمول نو ماہ خون حیض سے پرورش پاتے رہے۔ ص ۴۲

جواب: میں اکیلا حضرت روح اللہ کو مثل ملائکہ نہیں کہتا بلکہ شاہ ولی اللہ اور ان سے پہلے مخدوم علی مہائمی بھی میرے ساتھ ہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب تو تاویل الاحادیث میں حضرت عیسیٰؑ کے حال میں فرماتے ہیں کان عیسی کانہ ملک یّمشی علی وجه الارض۔ ص ۵۹۔ یعنی عیسیٰ گویا ایک فرشتہ تھے جو روئے زمین پر چلتے تھے۔ اور مخدوم صاحب تفسیر رحمانی میں فرماتے ہیں: و کیف لا یکون ملکیّة (وا نّه لعلم للسّاعة) ای من اشرا طها ینزل بقربها و البشر المحض لا یبقی الی هذه المدّة۔ (سورہ زخرف) (یعنی عیسیٰؑ میں ملکیت کس طرح نہ ہو کیونکہ وہ تو قیامت کا ایک نشان ہیں کہ اس کے قریب نازل ہوں گے اور بشر محض اتنی مدت تک زندہ نہیں رہتا)

مرزا صاحب قادیانی نے اس مقام پر ایک اور غلطی کی ہے کہ اپنی کتاب ازالہ اوہام میں آیت و کان اللّٰه عزیزاً حکیماً کے ذیل میں عزیز کا ترجمہ عزت والا یعنی آبرو والا کیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی عزت والا ہے مگر اس کی صفت عزیز سے مراد غلبہ وقدرت ہے چنانچہ علامہ فیومی مصباح میں فرماتے ہیں:

عِزّ الرجل بالکسر و عزازة فالفتح قوی و عزّ یعزّ من باب تعب لغة فهو عزیز و جمعه اعزّة و الاسم العزّة و تعزز قوی و عززته بآخر قویته با لتثقیل و التخفیف من با ب قتل۔

مصباح کا سارا بیان قرآن کے بالکل مطابق ہے چنانچہ سورہ یٰس میں ہے فعزّزنا بثالث (یٰس: ۱۴) اور سورہ فتح میں اسی معنی میں اشدّاء علی الکفار (فتح: ۲۹) فرمایا، اور مواضع متعددہ میں صفت عزیز کو صفت قوی کے ساتھ جمع کیا۔ مثلاً سورہ حج، احزاب، شوریٰ اور مجادلہ میں۔ اس بیان سے واضح ولائح ہو گیا کہ اسم الٰہی عزیز کے معنی الغالب علی ما یرید ہیں۔

(اکمل صاحب اس کا جواب دیتے ہیں کہ جب عزت کے معنی غلبہ ہیں تو مرزا صاحب کی عبارت میں عزت کے معنی، آبرو والا، کیوں کئے جائیں۔

جواب: جناب اس لئے کہ اردو زبان میں عزت بمعنی غلبہ مستعمل نہیں ہے۔ اگر مرزا کے خیال شریف میں عزت کے معنی غلبہ تھے، تو وہ خطوط ہلالی میں ظاہر کر دیتے)۔

سوال کی دوسری دونوں شقوں کے جواب میں اللہ سبحانہ نے اپنی صفت حکیماً فرمائی کیونکہ جب فعل رفع، اللہ عزیز حکیم کی طرف منسوب ہوا تو اگرچہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو شریہود

سے محفوظ رکھ کر اسی سطح زمین پر زندہ رکھنے پر بھی قادر تھا مگر بحکم فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ ضرور ہے کہ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہ ہو کیونکہ صفات الٰہیہ میں سے ایک صفت حکیم بھی ہے اور وہ ہر شئے کو اس کے مقام مناسب پر رکھتا ہے اور ہر شخص سے اس کے مادہ فطری کے موافق اور استعداد نفس ناطقہ کے مطابق سلوک کرتا ہے۔ لہذا مقتضائے حکمت یہی ہوا کہ چونکہ حضرت روح اللہ کی پیدائش پر اسباب ارضیہ منعقد نہیں ہوئے بلکہ آپ کی پیدائش نفخ روح القدس سے عالم الامر میں سے ہے یعنی کلمہ کن سے ہوئی ہے، پس آپ کو کمال تشبہ بالملائکہ ایک خاص طور پر حاصل ہے، لہذا آپ کو مرفوع الی السّماء کر کے آسمان کو آپ کا مقر بنا دینا بمقابلہ آپ کے مادہ فطری کے مقام تعجب و خلاف حکمت نہیں ہے۔ اسی تاثیر جبریلی سے معجزہ تکلم فی المھد ظاہر ہوا۔ اور یہی تاثیر روح القدسی احیائے موتی اور دیگر معجزات کا باعث ہوئی۔ اسی لئے قرآن میں خبر سعادت اثر و ایّدناہ بروح القدس (بقرہ: ۲۵۳) آپ ہی سے مخصوص ہے اور یہی تائید جبریلی صعود الی السّماء کے وقت آپ کے ہم رکاب تھی جیسا کہ امام رازی نے اسی آیت کے ذیل میں بیان کیا، جو سابقاً گذر چکا۔

(اکمل صاحب لکھتے ہیں کہ تمہاری عبارت بالا سے: یہ ثابت ہوا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا مادہ فطرتی اور استعداد نفس ناطقہ ایسی نہ تھی ورنہ وہ بھی مقرّ ملائکہ یعنی آسمان پر مرفوع ہوتے۔ ص ۴۳

جناب! آنحضرت ﷺ بھی آسمان پر مرفوع ہوئے لیکن آپ اسے بھی نہیں مانتے۔ شب معراج میں نبی کریم ﷺ اپنے جسم پاک سے آسمان پر لے جائے گئے اور حضرت عیسیٰؑ کے مقام سے بہت آگے گئے، جہاں پر رفیق راہ بھی رہ گئے۔ بوستان میں سعدی مرحوم فرماتے ہیں

چناں گرم در تیہ قربت براند — کہ در سدرہ جبریل زد باز ماند

دیگر یہ کہ شہادت القرآن کی اگلی سطروں میں آپ نے حضرت مسیح کی خصوصیت میں الفاظ ، خاص طور پر ، کی طرف نظر نہیں کی حالانکہ آپ اپنی کتاب کے صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں: شہادۃ القرآن حصہ اول اس وقت میرے سامنے ہے۔

اسی طرح ہم آدمؑ کے بھی آسمان پر رہنے کے قائل ہیں۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ قیامت کو لوگ آدم کے پاس جا کر شفاعت کیلئے التجا کریں گے تو آپ کی تعریف میں یہ بھی کہیں گے و اسکنک جنۃ (مشکوۃ) یعنی اللہ تعالی نے آپ کو اپنے بہشت میں بسایا۔ اور معلوم ہے کہ جنت آسمان پر ہے بدلیل : عند سدرۃ المنتھی عندھا جنّۃ الماوی اور حدیث بخاری میں ہے کہ سدرۃ المنتھی ساتویں

آسمان پر ہے۔

پھر اکمل صاحب کی تاثیر جبریلی کا بھی انکار کرتے ہیں حالانکہ امور خارقہ کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے۔ میں اپنے سے بہت پیشتر کے دو بڑے بڑے بزرگوں کے کلام پیش کرتا ہوں۔شاہ ولی اللہ تاویل الاحادیث میں فرماتے ہیں فحصلت فی جبلّته ملکة راسخة شبیهة بجبریل و هذا معنی تا ئید اللّه له بروح القدس (ص ۵۹)۔(یعنی حضرت جبریل کے نفخ کی وجہ سے حضرت عیسیٰؑ کی جبلت میں جبریل کے مشابہ پختہ ملکہ پیدا ہوگیا اور یہ ہیں معنی خدا تعالی کے آپ کی تائید روح القدس سے کرنے کے۔

اور حضرت شیخ اکبر فصوص الحکم میں فرماتے ہیں وما کان فیه من قوة الاحیاء والابراء فمن جهة نفخ جبریل علیه السّلا م ۔ ص ۲۵۴۔مع شرح بالی آفندی مطبوعہ مطبع عثمانیہ۔یعنی حضرت عیسیٰؑ میں مردوں کو زندہ کرنے اور بیماروں اور کوڑھیوں اور اندھوں کو اچھا کرنے کی قوت نفخ جبریل کی جہت سے تھی)

دوسری حکمت الٰہیہ حضرت روح اللہ کے زندہ رکھنے اور دنیا میں نازل کرنے میں یہ ہے کہ نظر بر کمالات انبیاء چار وصف ایسے معلوم ہوتے ہیں جن کا حصول بہ نسبت انبیاء اولوالعزم کے ضروری ہے، گو ان میں سے کسی کی نسبت کوئی وصف بباعث عدم ضرورت ذکر قرآن میں مذکور نہ ہو، یا بسبب موانع وعوائق خارجیہ مثل عدم ضرورت ظہور بالفعل ظاہر نہ ہوا، مگر بالقوۃ وہ سب ان صفات اربعہ سے متصف ہیں ۔

اول: مبشر بہ (بصیغہ اسم مفعول)، اس اعتبار سے کہ اس پیغمبر کے ہونے کی بشارت پہلے دی جاتی ہے جیسے حضرت روح اللہ کی نسبت علی لسان الملائکۃ حضرت مریم کو بشارت دی گئی:

یا مریم انّ اللّه یبشّرک بکلمةٍ مّنه اسمه المسیح عیسی ابن مریم (آل عمران :۴۴) (اے مریمؑ خدا تجھ کو اپنے کلمہ کی،جس کا نام مسیح عیسی بن مریم ہوگا، بشارت دیتا ہے۔)

اور نیز و رسولاً الی بنی اسرا ئیل (آل عمران : ۴۸) (اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف)۔

پس حضرت مسیح مبشر بہ ہوئے ۔دوم: مصدق ،سوم مبشر۔ ہر دو بصیغہ اسم فاعل ۔ مصدق اس نظر سے کہ وہ رسول اپنے سے پہلے رسولوں کی تصدیق کرتا ہے اور مبشر اس لحاظ سے کہ وہ

رسول کسی دیگر رسول کے آنے کی بشارت سناتا ہے جیسے عیسی روح اللہ اور موسی کلیم اللہ اور محمد رسول اللہ حبیب اللہ صلوۃ اللہ علیھم کی نسبت حکایۃ عن روح اللہ سورہ صف میں ذکر کیا:

و مصدّقاً لّما بین یدی من التّوراۃ و مبشّراً برسولٍ یأتی من بعدی اسمه احمد (صف:۶) (تصدیق کرنے والا توریت کی جو میرے آگے ہے اور بشارت دینے والا ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا)

اس آیت سے حضرت عیسیٰؑ کے دونوں وصف یعنی مصدق ومبشر ہر دو بصیغہ اسم فاعل ثابت ہوئے۔ اور حضرت موسیٰؑ کا مصدق ہونا (بصیغہ اسم مفعول) جو وصف چہارم ہے کیونکہ تصدیق کتاب مستلزم ہے تصدیق رسول کی۔ اور آنحضرت سرور عالم ﷺ کا مبشر بہ ہونا۔ اور وصف چہارم جناب رسالتمآب ﷺ کی نسبت سورہ صافات میں فرمایا:

بل جاء با لحق و صدّق المرسلین (صافات:۳۷) (بلکہ وہ حق لے کر آیا اور رسولوں کی تصدیق کرتا ہے)

اس میں آپ ﷺ کا وصف مصدق اسم فاعل مذکور ہوا اور چونکہ حضرت روح اللہ بھی زمرہ مرسلین میں سے ہیں اس لئے ان کی صفت مصدق بصیغہ اسم مفعول ثابت ہوئی۔ پس اس سلسلہ میں حضرت روح اللہ کے چاروں وصف ثابت ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے صرف دو یعنی مبشر بہ صیغہ اسم مفعول اور مصدق بصیغہ اسم فاعل۔ آنحضرت ﷺ کے لئے بوجہ سیادت اور ختم رسالت ان اوصاف اربعہ کا ظہور بالفعل ضروری ہے پس اگر آپ کے اوصاف کی تکمیل بالفعل کے لئے کوئی نیا رسول پیدا کیا جاتا تو خاتم النبیین کا شرف باقی نہیں رہتا اور بلحاظ ختم نبوت مجرد کے تو اوصاف بلحاظ مبشر بصیغہ اسم فاعل اور مصدق بصیغہ اسم مفعول کا ظہور نہیں ہوتا، جو شان سیادت کے شایان نہیں۔ اس لئے اللہ حکیم کی حکمت بالغہ اس امر کی مقتضی ہوئی کہ حضرت عیسیٰؑ کو زندہ رکھا جائے جن کی آمد ثانی کی بشارت سے آپ کا لقب مبشر بصیغہ اسم فاعل ظاہر ہو جائے اور حضرت مسیح دنیا میں آکر اس امر کی تصدیق کریں کہ محمد رسول اللہ ﷺ حق ہے، حق ہے، اور آپ ﷺ کی صفت مصدق بصیغہ اسم مفعول بالفعل ظاہر ہو جائے۔ پس اس طریق حکیمانہ سے ختم نبوت بھی قائم رہی کیونکہ حضرت مسیح آپ ﷺ سے پہلے رسول بن چکے ہوئے ہیں اور اسی نبوت سے پھر آئیں گے اور نیز رسول اللہ ﷺ کے اوصاف اربعہ بھی پورے ہو گئے۔ چنانچہ فتح الباری (ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ میں اس شرح میں جو حدیث لاؤں گا وہ صحیح ہو گی یا حسن۔ مقدمہ ص ۴) میں باب

نزول عیسی ابن مریم میں بتخریج طبرانی من حدیث عبداللہ بن مغفل مذکور ہے :

ینزل عیسی بن مریم مصدقاً بمحمّد علی ملّته (عیسیٰ بن مریم، محمد ﷺ کی تصدیق کے لئے نازل ہوں گے)۔

اسی طرح تفسیر رحمانی میں اس آیت میں حکیماً کی تفسیر کے متعلق لکھا ہے :

و ھی حفظه لتقویة دین محمد ﷺ حین انتھائه الی غایة الضّعف لظھور الدّجال فیقتله (۱۷۳) (حضرت عیسیٰ کے رفع میں یہ حکمت ہے کہ خدا نے آپ کو دین محمدی کی تقویت کے لئے محفوظ رکھا ، جب کہ وہ (دین محمدی) دجال کے ظہور سے بہت ہی ضعف میں ہو جائے گا ، تو آپ اس (دجال) کو قتل کریں گے)

حضرت مسیح کو اس نعمۃ جزیلہ و منحۃ جلیلہ کے لئے ، اس واسطے مخصوص کیا گیا کہ آپ کی نسبت حضرت مریم کو آپ کی ولادت سے پیشتر ہی بشارت سنادی گئی تھی و لنجعله آ یةً للّنا س (مریم) (تا کہ ہم اس کو لوگوں کے (اپنی قدرت کا) ایک نشان بنائیں)۔لہذا آپ اس انعام کے زیادہ مستحق ہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :

انا اولی النّاس بعیسی ابن مریم (رواہ البخاری وغیرہ) (مجھے عیسی بن مریم کے ساتھ سب لوگوں سے زیادہ نسبت ہے)

الحمدللہ کہ اس کے فضل غیر متناہی اور حسن توفیق سے آیت بل رّفعه اللّه الیه و کا ن اللّه عزیزاً حکیماً کی تفسیر معقولاً و منقولاً پوری ہوئی ۔ اور بدلائل قاہرہ و براہین ظاہرہ باہرہ و حجج قاطعہ حضرت عیسیٰ کا صعود الی السماء اور اب تک زندہ رہنا ثابت کر دیا گیا ۔

اب مختصراً دیگر آیات و دلائل مثبتہ رفع و حیات آسمانی بیان کی جاتی ہیں ۔

و ان من اھل الکتاب الّا لیؤمننّ به

تیسری آیت جس سے حضرت عیسیٰ کی حیات الی الآن اور نزول فی آخر الزمان ثابت ہوتا ہے ، یہ ہے :

و ان من اھل الکتاب الّا لیؤمننّ به قبل موته و یوم القیامة یکون علیھم شھیداً (نساء:۱۵۹) (اور نہیں ہوگا کوئی اہل کتاب میں سے مگر ایمان لے آئے گا اس پر، اس کی موت سے پہلے اور وہ قیامت کے دن ان پر شاہد ہوگا)

وجہ استدلال کی یہ ہے کہ لیؤمننّ میں لام قسم کا اور نون تاکید کا ہے اور متون و شروح کتب نحو میں مصرح ہے کہ نون تاکید مضارع کو خالص استقبال کے لئے کر دیتا ہے اور ماضی اور حال کے لئے نون تاکید نہیں آتا۔ اس مسئلہ میں کسی نحوی کو خلاف نہیں اور نہ کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی یا کلام عرب عرباء میں اس کے خلاف نون تاکید کا استعمال پایا گیا ہے، چنانچہ امام ابن ہشام نحوی مغنی میں تحریر کرتے ہیں:

و امّا المضارع فان کان حالاً لم یؤکّد بهما و ان کان مستقبلاً اکّد بهما و جوباً فی نحو: تا للّه لاکیدنّ اصنامکم۔ (مغنی ج ۲ ص ۲۲) (اگر مضارع حال کے معنی میں ہو تو ان ہر دو (نون خفیفہ وثقیلہ) سے اس کی تاکید نہیں کی جاتی اور اگر مستقبل کے معنی میں ہو تو اس (مستقبل) کی تاکید آیت تا للّه لا کیدنّ کی مثل میں، یعنی جب فعل کے اول میں قسم کا کوئی حرف ہو، ان ہر دو (نون ثقیلہ یا خفیفہ) میں سے کسی کے ساتھ واجب ہوتی ہے)

اسی طرح علامہ رضی، شرح کافیہ میں فرماتے ہیں:

و امّا فی المستقبل الّذی هو خبر محض فلا یدخل الّا بعد ان یّدخل علی اوّل الفعل ما یدلّ علی التّوکید ایضاً کـ لام القسم (لیکن اس مستقبل میں جو محض خبری ہو نون تاکید (خفیفہ یا ثقیلہ) داخل نہیں ہوتا مگر اس صورت میں کہ فعل کے اول میں کوئی تاکید کا کلمہ بھی داخل ہو مثلاً لامِ قسم)

بعد اس تمہید کے واضح ہو کہ چونکہ آیت ما نحن فیها میں لیؤمننّ مع لام قسم اور نون تاکید ثقیلہ کے ہے پس حسب تصریحات بالا یہ خالص استقبال کا صیغہ ہے، اسلئے مراد الٰہی اس آیت مبارکہ سے یہ ہوئی کہ آئندہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں سب اہل کتاب حضرت عیسیٰؑ پر آپ کے مرنے سے پہلے ایمان لے آئیں گے اور آپؑ ان پر قیامت کے دن شاہد ہوں۔

موافق محاورہ کتاب وسنت وقواعد نحو وکلام عرب عرباء اس آیت کے صحیح معنی یہی ہیں، اور جتنے معنی اس کے سوا ہیں وہ سب غلط اور باطل ہیں (اس کی مفصل بحث شہادت القرآن حصہ دوم میں کی گئی ہے)۔ پس چونکہ ابھی تک اتفاق اہل کتاب قاطبۃً (سب کے سب) عیسیٰ پر ایمان لانے پر متحقق نہیں ہوا لہذا آپ ابھی تک فوت نہیں ہوئے و هذا هو المراد

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ والّذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصّلیب و یقتل الخنزیر و یضع الحرب و یفیض المال حتی لا یقبلہ احد تکون السجدۃ الواحدۃ خیراً من الدّنیا ثمّ یقول ابوھریرہ و اقرأو ان شئتم و ان من اھل الکتاب الّا لیؤمننّ بہ قبل موتہ و یوم القیامۃ یکون علیھم شھیداً (بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسی بن مریم) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ البتہ عنقریب تم میں ابن مریم صاحب عدل و انصاف حاکم ہو کر اتریں گے۔ پس صلیب کو توڑیں گے اور خنزیروں کو قتل کروا دیں گے اور لڑائی موقوف کر دیں گے اور مال اس قدر کثرت سے ہو جائے گا کہ کوئی اس کو قبول نہ کرے گا یہاں تک کہ ایک سجدہ ساری دنیا (کے مال و متاع) سے بہتر ہوگا۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو و ان من اھل الکتاب. الخ)

ارشاد الساری شرح بخاری میں اس حدیث کے ذیل میں اس آیت کا مفہوم یوں ادا کیا گیا ہے:

ای و ان من اھل الکتاب احد الّا لیؤمننّ بعیسی قبل موت عیسی و ھم اھل الکتاب الّذین یکونون فی زمانہ فتکون الملّۃ واحدۃ و ھی ملّۃ الاسلام و بھذا جزم ابن عباس فیما رواہ ابن جریر من طریق سعید ابن جبیر عنہ باسناد صحیح (اہل کتاب میں سے کوئی بھی نہ ہوگا مگر حضرت عیسیٰؑ پر، حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا اور وہ، وہ اہل کتاب ہوں گے جو ان (عیسی) کے زمانہ (نزول) میں ہوں گے۔ پس صرف ایک ہی ملت اسلام ہو جائے گی۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے اسی پر جزم کیا ہے، اس روایت کے مطابق جو ابن جریر نے ان سے سعید بن جبیر کے طریق سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی)

اس آیت کو اپنے ماقبل سے دو ارتباط ہیں۔ اول یہ کہ جب آیت بل رفعہ اللّٰہ الیہ میں مسیح کا صعود الی السماء مذکور ہوا تو سامع کے دل میں ایک سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ حضرت مسیح آسمان سے کبھی نازل بھی ہوں گے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے بطور استینافِ بیانی (جوابِ سوال مقدر) فرما دیا کہ زمانہ اخیر میں آپ نزول فرما ہوں گے

(اکمل قادیانی نے اس مقام پر ایک سوال کیا ہے کہ یہ کس آیت کا ترجمہ ہے ص ۴۴۔

جناب والا! صحیحین کی احادیث نزول اور سلسلہ کلام کو ملحوظ رکھ کر مراد الہی سمجھائی گئی ہے اس لئے استیناف بیانی کا ذکر کیا گیا ہے، جسے آپ غالباً نہیں جانتے)

اوران کے نزول کے وقت یہ ہوگا کہ اہل کتاب بالا تفاق آپ پر ایمان لے آئیں گے

(اکمل صاحب دریافت کرتے ہیں کہ: سب اہل کتاب کس طرح ایمان لائیں گے جب کہ جنگ میں تقریباً سب کے سب ہلاک ہو چکیں گے؛۔

جواب: سب اہل کتاب کا جنگ میں ہلاک ہونا کسی آیت یا حدیث میں وارد نہیں ہوا۔ ہاں سوائے ملت اسلام کے باقی سب ملتوں کی ہلاکت کا ذکر حدیث ابی داؤد میں آیا ہے۔ سو ملت کی ہلاکت دیگر امر ہے اور اہل ملت کی ہلاکت دیگر۔ دیکھئے آنحضرت ﷺ کے وقت کچھ کفار جنگوں میں مارے گئے اور باقی سب اسلام لے آئے۔ پس حجاز سے کفر مٹ گیا اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے نزول پر ہوگا۔

نیز اکمل صاحب فرماتے ہیں کہ سب اہل کتاب کا ایمان لے آنا آیت و القینا بینھم العداوۃ و البغضاء الی یوم القیامۃ کے برخلاف ہے۔ص ۴۴۔

جواب: ایمان اور عداوت میں منافاۃ نہیں ہے کہ دونوں یکجا جمع نہ ہو سکیں۔ نہ سمجھ سکیں تو قادیانی اور لاہوری پارٹی کے حالات سے سمجھ لیں۔

دیگر یہ کہ الی یوم القیامۃ سے مراد قرب یوم القیامۃ ہے کیونکہ فنائے عالم کے بہت عرصہ بعد قیامت ہوگی۔ پس جب کوئی آدمی ہی زندہ نہ ہوگا تو دشمنی کس میں ہوگی؟ پس لامحالہ اس سے قرب یوم القیامۃ مراد لینی پڑے گی اور جب قرب یوم القیامت مراد ہوئی تو اس سے مراد زمانہ نزول عیسی ہے چنانچہ صحیح مسلم میں وارد ہے کہ عیسیٰؑ کے نزول پر بغض اور عداوتیں جاتی رہیں گی۔ پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ یہودیوں میں آپس میں اور عیسائیوں میں آپس میں بغض رہیں گے جب تک وہ یہودیت و نصرانیت پر رہیں گے اور وہ اس حالت پر عیسیٰؑ کے نزول تک رہیں گے۔ جب وہ نازل ہوں گے تو یہ سب ان پر ایمان لاکر مسلمان ہو جائینگے پس عداوتیں بھی نہ رہینگی کیونکہ اس وقت وہ یہودی اور عیسائی نہ ہونگے)

دوم یہ کہ چونکہ اس مضمون کا شروع یسئلک اھل الکتاب ان تنزل علیھم کتاباً من السّماء .. الآیه سے ہے اور اس میں اہل کتاب یہود کا سرور کائنات ﷺ کی جناب میں اقتراحاً یہ سوال پیش کرنا مذکور ہے کہ ہم آپ پر تب ایمان لائیں گے جب آپ ہم پر آسمان سے کتاب نازل کر دکھلائیں جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل میں مذکور ہے و لن نؤمن لرقیّک حتّی

تنزّل علینا کتا باً نقرأہ (یہ کفار کہتے ہیں کہ ہم تیرے (آسمان پر) چڑھنے ہی کو تسلیم نہیں کریں گے جب تک تو ہم پر کوئی کتاب نہ اتارے جسے ہم خود پڑھ لیں) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس سوال کے دو جواب تعلیم فرمائے۔ اول یہ ظاہر کیا کہ ایسے ایسے مقترحات کا پیش کرنا ان کی موروثی اور جدی عادت ہے چنانچہ انہوں نے باوجود حضرت موسیٰ پر ایمان رکھنے کے آپ سے اس سے بھی بھاری سوال کیا یعنی کہا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ ظاہراً دکھا۔ اور انہوں نے فلاں شرارت کی اور وہ فلاں فعل قبیح اور خلق شنیع کے مرتکب ہوئے۔ اسی سلسلہ ذکر شناعات یہود میں ان کا یہ قول بھی ذکر کیا کہ وہ فخر سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح عیسی بن مریم رسول اللہ کو قتل کر ڈالا۔ حالانکہ مسیح کو نہ تو انہوں نے قتل کیا اور نہ اسے صلیب پر چڑھایا۔ ولیکن اس شخص کو سولی پر چڑھا کر قتل کیا جس پر حضرت مسیح کی شکل وشباہت ڈالی گئی تھی.. الی قولہ ... بل رّفعه اللّٰه الیه و کان اللّٰه عزیزاً حکیماً۔

پس اس ذکر کے ضمن میں اول تو آیت ما نحن فیھا میں اس طور پر تقریع و تبکیت یہود پائی گئی کہ جس رسول کی نسبت یہود فخر سے بے باکانہ یہ اخبار بے سرو پا اور افواہ بے بنیاد اڑا رہے ہیں کسی زمانہ میں یہود اس نبی برحق روح اللہ کے سامنے سخت پست اور ذلیل ہو کر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ تفسیر رحمانی میں اسی آیت کے متعلق لکھا ہے:

ثمّ اشار الی من کان یفتخر بقتله سیتذال له قبل موته (رحمانی۔ص ۱۷۲) (پھر خدا نے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ کے قتل پر فخر کرتے ہیں وہ عنقریب اس کی موت سے پہلے اس کے تابع ہو کر اس کے سامنے عاجز و ذلیل ہوں گے)۔

(ہر چند ہم نے نہایت وضاحت سے ان آیات کا ربط مضمون سابق سے بیان کر دیا اور تائید کیلئے تفسیر رحمانی کا حوالہ بھی دے دیا، جو ربط آیات میں لا ثانی ہے لیکن اکمل صاحب لکھتے ہیں:

سوال تو یہ ہے کہ آسمان سے کوئی کتاب نازل ہو اور جواب یہ ہے کہ مسیح اتر کر تمہاری خوب خبر لے گا۔ پھر وہ بھی ان کی نہیں کیونکہ وہ تو مر چکے ہوں گے، بلکہ ان کی اولاد کی کسی آخری پشت کی۔

جواب: شائد ہمارے الفاظ تقریع اور تبکیت پر آپ کی نظر نہیں پڑی۔ جناب من! قرآن میں اس کی نظائر بکثرت ہیں۔ ہم سے تفسیر جلالین پڑھیں ہم آپ کو اس طریقِ جواب کی تصریح دکھا دیں گے۔ ہاں یہ خوب کہا کہ ان کی اولاد کو ڈرا وا دیا گیا۔ جناب! یہ بھی قرآن میں بکثرت ہے یا بنی اسرائیل اذکروا والے رکوع پڑھیں۔ اور افسوس کہ آپ نے مولوی نورالدین کو یہ بات نہ سمجھائی، ورنہ وہ بھی مرزا صاحب کی پشت سے کسی لڑکے کا نکاح محمدی بیگم کے بطن سے کسی لڑکی کے ساتھ تجویز نہ کرتے)

ثانیاً اس طور پر کہ جو کتاب ہم اپنے حبیب ﷺ پر بواسطہ رسول امین یعنی جبریل نازل کر رہے ہیں وہ اسی طریق پر نازل ہوتی رہے گی۔ یہود کے اقتراحِ بے جا پر اس طریق تنزیل کو بدل نہیں دیں گے۔ ہاں ہم زمانہ اخیر میں مسیح ابن مریم کو ان کی سرکوبی اور تذلیل کے لئے پھر نازل کریں گے۔ یہ تو جواب اول کی تقریر ختم ہوئی۔ حاصل یہ کہ یہود کے ایسے جا مقترحات سے دل تنگ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ان کی عادت متوارثہ ہے۔

جواب ثانی یہ تعلیم فرمایا:

انّا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح و النّبیّین من بعدہ (نساء: ۱۶۳)

(بے شک ہم نے تیری طرف ٹھیک اسی طرح وحی کی ہے جس طرح نوحؑ کی طرف اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف کی تھی)

یہ طریق جواب احسن الخطابات میں سے ہے۔

☆ و انّہ لعلم للسّاعۃ

چوتھی آیت سورہ زخرف کی آیت نمبر ۶۱ و انّہ لعلم للسّاعۃ ہے جس سے حضرت عیسی روح اللہ کی رفع اور نزول اور حیات الی الآن ہر سہ امور ثابت ہیں۔ اس آیت کا معنی ہے: حضرت عیسیٰؑ کا نزول علامات قیامت میں سے ہے)

(اکمل صاحب ہمارے اس ترجمہ پر چند سوالات کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

کیوں جناب! یہ عیسی (ضمیر کے مرجع میں اختلاف ہے) اور پھر اس کا نزول کہاں سے نکالا؟ اور پھر علم بمعنی علامات کونسی سی لغات میں دیکھا؟ اور ساعت کے معنی عذاب کی گھڑی بھی موافق محاورہ قرآن مجید ہو سکتے ہیں، یقیناً قیامت کیونکر ہوئے؟ ص ۴۴۔۴۵۔

جوابات: اس آیت سے پیشتر اور بعد، حضرت عیسیٰؑ کا ذکر صریح الفاظ میں موجود ہے۔ دیکھئے و لمّا ضرب ابن مریم مثلاً (الی قولہ) و لمّا جاء عیسی با لبیّینات۔ الآیۃ۔ اور قابل لحاظ وہ اختلاف ہوتا ہے جو ناشی از دلیل ہو اور اس میں فیصلہ کی قوی دلیل نہ ہو۔ ورنہ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں آپ وجود باری تعالی اور نبوت محمدیہ ﷺ سے بھی انکار نہ کر دیں کہ ان میں بھی اختلاف ہے۔ محققین نے اس ضمیر کے مرجع کی نسبت صاف فیصلہ کر دیا ہے کہ سوائے عیسیٰؑ کے سب مرجع ضعیف اور بعید

ہیں کیونکہ سابقاً و لاحقاً انہی کا ذکر ہے اور نزول، حدیث ابن مسعودؓ سے لیا ہے۔ اور یہاں علم بمعنی علامت لسان العرب میں مرقوم ہے۔

دیکھئے ہرسہ امور بالا کی نسبت علامہ ابن منظور افریقی فرماتے ہیں:

و فی التّنزیل صفة عیسیٰؑ و انّه لعلم للسّاعة وھی قرأة اکثرالقراء وقرأ بعضھم وانّه لعلم للسّاعة المعنی ان ظھور عیسی و نزوله الی الارض علامة تدلّ علی اقتراب السّاعة (لسان العرب۔ج ۱۵ص ۳۱۴)۔

اوراسی طرح تفسیر ابن کثیر میں مسطور ہے:

و انّ عیسی لعلم للسّاعة ای شرط من اشراطھا تعلم به فسمّی الشرط الدّال علی الشیء علماً لحصول العلم به و قرأ ابن عباس لعلم و ھو العلامة

اور ایک دوسری حدیث میں جو حضرت حذیفہؓ سے تفسیر ابن جریر میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰؑ کے نزول کو آیات قیامت میں گنایا ہے۔ ہاں! آپ نے یہ خوب کہا کہ:

چونکہ ساعة بمعنی عذاب کی گھڑی بھی قرآن میں وارد ہے اسلئے اس کے معنی یقیناً قیامت نہیں لے سکتے ..۔

جناب والا! جب مرزا قادیانی نے اس مقام کی نسبت ساعة کے معنی میں یہ حجت نکالی تھی تو ہمیں اس وقت سوجھا تھا کہ یہ انکار قیامت کی پیش بندی ہے کیونکہ جب قاعدہ یہ ٹھہرا کہ جس لفظ مفرد سے چند ایک معنی مراد لئے جائیں تو کوئی معنی بھی کسی مقام پر یقینی نہیں ہوسکتا تو جہاں جہاں قیامت مراد ہوگی وہاں وہاں پر آپ کہہ سکیں گے کہ چونکہ ساعة کے معنی عذاب کی گھڑی بھی ہیں اسلئے یقیناً قیامت کیونکر ہوئے؟ العیاذ باللہ۔ جب ایمان کمزور ہوجاتا ہے تو حجت باز طبیعت کوئی نہ کوئی وجہ تراش لیتی ہے)

ابن مسعود سے سنن ابن ماجہ میں موقوفاً اور مسند امام احمد میں مرفوعاً مروی ہے کہ:

عن عبد اللّٰه بن مسعود قال لمّا کان لیلة اسری برسول اللّٰه ﷺ لقی ابراھیم و موسی و عیسی فتذاکروا السّاعة فبدؤا بابراھیم فسألوه عنھا فلم یکن عنده منھا علم۔ ثم سألوا موسی فلم یکن عنده منھا علم۔ فردّ الحدیث الی عیسی بن مریم فقال قد عھد الیّ فیما دون وجبتھا فا ما و جبتھا فلا یعلما الّا اللّٰه فذکر خروج

الدّجّال قال فانزل فاقتله (الحدیث واللفظ لابن ماجہ ص ۳۰۹ باب فتنۃ الدجال و خروج عیسی بن مریم) (جس رات رسول اللہ ﷺ کو معراج ہوئی، آپ حضرات ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ سے ملے تو قیامت کے متعلق تذکرہ ہوا۔ اور حضرت ابراہیمؑ سے سوال شروع ہوا تو ان کو قیامت کا کوئی علم نہ تھا (کہ کب ہوگی) پھر موسیٰؑ سے سوال ہوا، تو ان کو بھی اس کا کوئی علم نہ تھا پس حضرت عیسیٰؑ کی نوبت آئی تو آپؑ نے کہا کہ قیامت کے وقوع کا علم تو سوائے خدا کے کسی کو نہیں، لیکن خدا نے مجھ سے قیامت کے نزدیک کا عہد کیا ہوا ہے۔ پس آپ نے دجال کا ذکر کیا اور کہا میں نازل ہوں گا اور اس کو قتل کروں گا)

(مرزا قادیانی نے ازالہ اوہام میں فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دیگر انبیاء کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ سے بھی ملاقات کی۔ پس جس طرح دیگر انبیاء فوت ہو کر آسمان پر ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بھی ہیں۔ اس کا مفصل جواب شہادت القرآن حصہ دوم میں دے دیا گیا ہے۔ مختصراً یہ کہ ملاقات کی تین صورتیں ہیں: دونوں طرف سے جسمانی؛ دونوں طرف سے روحانی؛ ایک طرف سے روحانی دوسری طرف سے جسمانی۔ جیسا کہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم میں ہے کہ دو قبروں میں آپ ﷺ نے عذاب ہوتے دیکھا۔ اس وقت صحابہ کے ساتھ آپ کی ملاقات ہر دو جانب سے جسمانی تھی اور اموات کے ساتھ آپ کی طرف سے جسمانی اور ان کی طرف سے عالم برزخ کی۔ اسی طرح شب معراج میں حضرت عیسیٰؑ سے آپکی ملاقات ہر دو جانب سے جسمانی تھی، اور دیگر انبیاء سے آپ کی طرف سے جسمانی اور ان کی طرف سے عالم برزخی)

اس آیت کی تفسیر میں نزول عیسیٰ کا قرب قیامت کی علامت ہونا حضرات ابن عباسؓ، ابو مالکؒ، عوفؒ، مجاہدؒ، قتادہؒ، سدیؒ، ضحاکؒ اور ابن زیدؒ سے مروی ہے۔ (ابن جریر) چنانچہ ضحاک کے الفاظ یہ ہیں:

خروج عیسی بن مریم و نزوله من السّماء قبل یوم القیامة (ابن جریر۔ سورہ زخرف) یعنی قیامت سے پیشتر عیسیٰؑ کا آسمان سے نازل ہونا قیامت کی علامت ہے۔

جب اس آیت اور حدیث سے پیشتر حضرت عیسیٰؑ کا نزول ثابت ہوگیا تو چونکہ نزول مستلزم صعود ہے اذ لا یمکن و لا یتصور نزول البشر من السّماء الّا بعد صعوده الیها یعنی کیونکہ کسی بشر کا آسمان سے نازل ہونا ممکن و متصور نہیں مگر بعد اس کے کہ وہ اس سے پیشتر آسمان پر چڑھا ہو۔ اس لیے یہ آیت مثبت صعود (رفع) بھی ہے اور چونکہ زمان ماقبل النزول میں حیات بھی ضروری ہے اس لئے یہ آیت مثبت حیات بھی ہے۔

☆ و من المقرّبين

پانچویں آیت جس سے حضرت عیسیٰؑ کا رفع الی السّماء ثابت ہے آیت و من المقرّبین (آل عمران : ۴۴) ہے ۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ صفت مقرب قرآن میں تین مواقع پر وارد ہے ۔ اول اسی آیت میں مسیح کی شان میں ۔ دوم، فرشتوں کیلئے آخر سورہ نساء میں ذکر رفع مسیح کے تھوڑا آگے فرمایا : لن یّستنکف المسیح ان یّکو ن عبداً للّٰہ ولا الملائکۃ المقرّبون (نساء : ۱۷۲) (نہ تو مسیح خدا کا بندہ بننے کو عار سمجھتا ہے اور نہ ملائکہ مقربین)۔ سوم، جنتیوں کیلئے سورہ واقعہ میں فرمایا : او لئک المقرّبون فی جنّت النّعیم (واقعہ ۱۱۔۱۲) (نعمت کے باغوں میں وہی مقرب ہوں گے) ان ہر سہ مقامات میں قرب جسمی ، حسّی ، سماوی ملحوظ ہے نہ فقط رتبی ۔

(اکمل قادیانی اس پر فرماتے ہیں : قرب جسمی ، حسّی ، سماوی کہاں سے نکالا ؟

جواب : جناب والا ! فرشتے اپنے اجسام سے آسمان پر ہیں ۔ اور جنتی بھی اپنے اجسام سے جنت میں ہوں گے اور جنت آسمان پر ہے ۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بھی اپنے جسم سے آسمان پر ہیں ۔ آپ اپنے دماغ سے اکملیت کا دھواں نکال دیں تو یہ باتیں خود بخود سمجھ میں آ جائیں گی ۔ دیگر یہ کہ آپ نے شہادت القرآن کی عبارت ہی نہیں سمجھی ، وہاں تو صاف لکھا ہے ، قرب جسمی ، حسی ، ملحوظ ہے ، نہ فقط رتبی ۔ لیکن جناب نے اس لفظ ملحوظ کا لحاظ بالکل نہیں کیا ۔ اور نہ الفاظ ، فقط رتبی ، کا خیال کیا ۔ پھر یہ کہ تفہیم ناقصین کیلئے اس کے بعد معنی کنائی اور معنی حقیقی کا باہم جمع ہوسکنا بھی ذکر کر دیا گیا ۔ ورنہ محصلین جن کی نظر حمد اللہ وغیرہ معقولی کتب پر ہو ان کے لئے الفاظ ، ملحوظ ہے نہ فقط رتبی ، ہی کافی تھے ۔

اکمل صاحب نے ایک اور کمال دکھایا ہے کہ قرب سماوی پر ایک اعتراض حاشیہ میں بھی جڑ دیا چنانچہ فرماتے ہیں : اس سے مکانی ہونا اللہ کا لازم آتا ہے ۔ حاشیہ نمبر اص ۴۵ ۔ جناب ! آپ نہ تو قرآن جانیں نہ حدیث ، نہ فطرت اللہ کو سمجھ سکیں ۔ سنئے مکانی ہونا تو لازم آئے جب اسے محصور ومحاط مانا جائے اور اگر حد واحاطہ کے تصور کے بغیر فوق العرش اس کی کیفیت سے مانا جائے جو اس کی شان کے لائق ہے ، تو اس سے مکانی ہونا لازم نہیں آتا ۔ ورنہ معاذ اللہ تمام سلف صالحین کو مثبت مکان ماننا پڑے گا ۔ کسی حافظ قرآن سے پوچھئے کہ آیت ءأمنتم من فی السّماء کہاں ہے ؟ اور کسی حدیث دان سے دریافت کیجئے کہ وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک لونڈی سے پوچھا تھا این اللّٰہ یعنی خدا کہاں ہے ؟ تو اس نے کہا تھا فی السّماء ۔ یعنی آسمان میں ۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا انھا مؤمنۃ یعنی

بے شک یہ لونڈی ایماندار ہے۔ اور کسی باہوش دعا گو سے پوچھیئے کہ دعا کے وقت تمہاری توجہ اور خیال کدھر کو ہوتا ہے اور ساتھ ہی قرآن دان سے معلوم کرلیں کہ آنحضرت ﷺ تحویل قبلہ کی آرزو میں آسمان کی طرف کیوں دیکھتے رہتے تھے کہ اللہ نے فرمایا: قد نری تقلّب و جهک فی السّماء۔ اس کے بعد امام ابن تیمیہ کی عبارت ذیل پڑھیں تو آپ کو حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ خدا تعالیٰ کو اوپر ماننا جبلی وفطری ہے۔

انّ هذا الامر فطروا علیه و جبلوا علیه کما قال الشّیخ ابوجعفر الهمدانی لبعض من اخذ ینکرا الاستوا و یقول لو استوی علی العرش لقامت به الحوادث فقال ابوجعفر معناه انّ الاستواء علم بالسّمع فی قلوبنا و لو لم یرد به لو نعرفه وانت تتاوله فدعنا من هذا واخبرنا من هذه الضّرورة الّتی نجدها فی قلوبنا فانّه ما قال عارف قطّ یا اللّه الّا و قبل ان ینطق لسانه یجد فی قلبه معنی یطلب العلوّ یلتفت یمنة و یسرة فهل عندک من حیلة فی دفع هذه الضّرورة عن قلوبنا فلطلم المتکلم و قال حیر الهمدا نی۔

اوراس سے تھوڑا آگے ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

و ایضاً فمن المعلوم انّ القرآن ینطق بالعلوّ فی موا ضع کثیره جداً حتی قیل انّها ثلث مأة موضع و السّنن متوا تره عن النّبی ﷺ بمثل ذلک و کلام السّلف المنقول عنهم بالتّوا تر یقتضی اتّفا قهم علی ذلک۔ (منہاج السنہ۔ جلد ا۔ ص ۲۶۳)

و لو اردنا به لازم معناه فلا یضرّنا لانّ المعنی الحقیقی للّفظ یجمتع معه لازم معناه وهذا الرّسم هو المصطلح عند علماء البیان بالکنایة کما هو مصرّح فی کتب البلاغة و قد مرّ ذلک آ نفاً فلا فا ئدة فی ا لاعادة (اور اگر ہم اس (قرب) سے لازمی معنی بھی مراد لیں تو بھی ہمیں مضر نہیں کیونکہ لازمی معنی حقیقی معنوں کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اور اس رسم کا نام علماء بیان کی اصطلاح میں کنایہ ہے جیسا کہ کتب بلاغت میں مصرح ہے اور اس کا حوالہ ابھی گذر چکا ہے۔ پس مکرر ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں)

عیسیٰؑ کو جو بکلمہ تبعیض من المقرّ بین فرمایا تو مراد ان مقربین سے ملائکہ مقربین

ہیں، جو آیت سورہ نساء میں بالتخصیص مذکور ہیں۔ چنانچہ وہ آیت ان شاء اللہ ابھی مذکور ہوگی۔ اور یہ بات مسلّم ہے کہ فرشتوں کا مقرّ طبعی آسمان ہے۔ پس جب عیسیٰ ان میں سے ایک فرد ہوئے تو آپ کا صعود ثابت ہوگیا۔ تفاسیر معتبرہ مثل کبیر، ابی السعود، مدارک، خازن، بیضاوی، سراج منیر، کشاف اور فیضی میں اس آیت کے ذیل میں رفع الی السّماء کو ذکر کیا ہے چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے:

وکونه من المقرّبین رفع الی السّماء و صحبته للملائکتة (مقربین میں سے ہونے کے معنی ہیں آپ کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا اور فرشتوں کے ساتھ رہنا)۔

اور تفسیر سواطع الالہام میں ہے:

لصعوده مصاعد السّماء و ادراکه مدارک الملک (کیونکہ آپ آسمان پر اٹھائے گئے اور آپ فرشتوں کے مقام پر پہنچے)

☆ لن یّستنکف المسیح

چھٹی آیت مثبت رفع عیسیٰ یہ ہے:

لن یّستنکف المسیح ان یّکون عبداً للّٰه ولا الملائکة المقرّبون (نساء: ۱۷۳)۔ (نہ تو مسیح خدا کا بندہ ہونے کو عار جانتا ہے اور ملائکہ مقربین)

وجہ استدلال یہ ہے کہ بنائے شرک نصاریٰ تین امر ہیں اور انہیں کے سبب نصاریٰ کو وہم الوہیت مسیح پیدا ہوا۔ اول: ولادت مسیح بلا پدر۔ دوم: ظہور معجزات عجیبہ۔ سوم: رفع الی السماء۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ہر سہ امور یا تو صحیح ہیں یا نہیں۔ اگر صحیح نہیں تو قرآن شریف میں حسماً لمادّة شرک النّصاری (نصاریٰ کے شرک کا مادہ نابود کرنے کیلئے) ان سب کا ابطال و تردید چاہیے اور اگر صحیح ہیں تو پھر یہ ثابت کرنا چاہیے کہ یہ امور مقتضی الوہیت نہیں ہوسکتے۔ ناقد ممارس کتاب اللہ پر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان امور کو باطل نہیں کہا بلکہ ان کو ثابت رکھ کر یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ امور مقتضی الوہیت نہیں ہوسکتے

(مطلب بالکل صاف ہے کہ اگر یہ تینوں امر نفس الامر میں خدا کے نزدیک غلط تھے، تو چاہیے تھا کہ خدا صاف فرما دیتا کہ یہ امر غلط ہیں، افتراء ہیں۔ لیکن خدا نے بجائے ابطال و تردید کے ان کو ثابت کر دکھایا اور نصاریٰ کی تردید اس طرح کہ یہ باتیں مثبت الوہیت نہیں ہوسکتیں۔ اکمل صاحب ایسے صاف

بیان کو بھی نہیں سمجھ سکے چنانچہ فرماتے ہیں:

رفع جسمانی کا تو ضرور ابطال ہونا چاہیے کیونکہ یہی سب سے بڑا بھاری ثبوت ہے نصاری کے پاس الوہیت مسیح کا۔ صفحہ ۴۶۔

جناب من! قرآن نے رفع جسمانی کا ابطال نہیں کیا بلکہ نصاری نے جو اسے وجہ الوہیت بنایا تھا، اس کا ابطال ولا الملائکة المقربون سے کیا جیسا کہ اگلی سطور میں مفصل و مدلل مذکور ہے)

چنانچہ وجہ اول یعنی ولادت بلا پدر کو آدم کی پیدائش سے توڑا اور فرمایا:

انّ مثل عیسی عند اللّٰہ کمثل آدم خلقه من ترابٍ ثمّ قال له کن فیکون (آل عمران: ۵۸) (عیسی کی مثال تو خدا کے نزدیک آدم کی طرح ہے کہ اسے خدا نے مٹی سے بنایا تو پھر اسے کہا ہو جا، تو وہ ہو گیا)

اور یہ من باب تمثیل الغریب بالاغرب ہے۔

وجہ دوم یعنی ظہور خوارق کی نسبت فرمایا:

ما المسیح ابن مریم الّا رسول قد خلت من قبله الرّسل ..(مائدة :۷۵)۔ (مسیح تو صرف ایک رسول ہیں اس سے پیشتر کئی رسول ہو چکے ہیں)

اس میں ظاہر کیا کہ ظہور خوارق دیگر انبیاء کے ہاتھ پر بھی ہوا ہے۔ اس لئے یہ وجہ بھی مثبت لاہوتیت نہیں ہو سکتی۔ مثلاً موسیٰؑ کے معجزہ سے آپ کے عصا کا سانپ بن جانا، عیسیٰؑ کے معجزہ احیائے موتی سے اعجب ہے، کیونکہ میت وہ چیز ہے جو کسی وقت زندہ ہو اور پھر اس سے حیات منتزع ہو، اور لکڑی ایسی چیز ہے جس کی شان میں حیات نہیں ہے۔

وجہ سوم یعنی رفع الی السّماء کو آیت لن یّستنکف المسیح ... الآیہ سے توڑا اور ظاہر کیا کہ ملائکہ مقربین اور حاملین عرش رفع آسمانی میں حضرت روح اللہ سے ارفع ہیں۔ پس یہ بھی وجہ بھی مقتضی لاہوتیت نہیں ہو سکتی۔

بادنی تامل ظاہر ہو سکتا ہے کہ اس پچھلی آیت میں ان ہر سہ وجوہ کا جواب ہے کیونکہ ملائکہ کی پیدائش بھی بغیر اسباب کے محض کلمہ کن سے ہے اور اظہار خوارق میں بھی وہ بشر سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں اور رفع سماوی میں اکثر ان میں حضرت عیسیٰؑ سے زیادہ بلند ہیں۔ پس عیسیٰؑ کا رفع مع دیگر خوارق کے اسی ایک آیت سے بھی ثابت ہے۔ اس آیت کے ذیل میں رفع عیسی کو ذکر کرنے میں بندہ منفرد نہیں ہے بلکہ علامہ ابو السعود تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم میں

یہی لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو عبارت ذیل:

انّ مناط کفر النّصاری و رفعهم له علیه السلام عن رتبة العبودیة کما کان اختصاصه علیه السلام و امتیازه عن سائر البشر بالولادة من غیر اب و بالعلم بالمغیبات و بالرّفع علی السّماء عطف علی عدم استنکافه عن عبودیته تعالی عدم استنکاف من هو اعلی درجة منه فیما ذکر فان الملائکة مخلوقون من غیر اب و امّ و عالمون بمالا یعلمه البشر من المغیبات و مقارهم السّماوات العلی (ابی السعود۔ زیر آیت لن یستنکف ...الخ)

(نصاری کے کفر اور ان کے حضرت عیسیٰؑ کو رتبہ عبودیت سے برتر جاننے کا مناط و مدار اس وجہ سے ہے کہ آپ بلا باپ پیدا ہوئے اور (خدا کے جتانے سے بعض) مغیبات کے جاننے اور آسمان پر چڑھائے جانے میں دیگر بشروں سے ممتاز ہیں۔ اس لئے اللہ تعالی نے آپ کی اس بات پر کہ آپ کو اللہ تعالی کی عبودیت سے عار نہیں ان لوگوں (فرشتوں) کے عدم استنکاف کو عطف کیا جو ان امور مذکورہ میں حضرت عیسیٰؑ سے اعلی وارفع ہیں کیونکہ فرشتے بغیر باپ اور بغیر ماں کے پیدا شدہ ہیں اور وہ (خدا کے جتانے سے) ان مغیبات کو بھی جانتے ہیں جو انسان کے علم میں نہیں ہیں، اور بلند آسمان ان کے رہنے کی جگہ ہے)

☆ و یکلّم النّاس فی المهد و کهلا

ساتویں آیت مثبت حیات روح اللہ یہ ہے:

و یکلّم النّاس فی المهد و کهلا و من الصّا لحین (آل عمران:۴۵) (اور کلام کرے گا لوگوں سے گہوارے میں اور کہولت (کی عمر) میں بھی اور صالحین میں سے ہوگا)

وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس آیت میں حضرت مسیح کو تکلّم فی المهد اور تکلّم فی الکھولة کی بخشش سے نوازنا ذکر کیا اور یہ دونوں اعجازی امر ہیں جیسا کہ سورہ مائدہ کی آیات تذکیر انعامات سے واضح ہے:

اذ ایّد تک بروح القدس تکلّم النّاس فی المهد و کهلا (مائدہ:۱۱۰)

(جب میں نے تیری تائید روح القدس سے کی کہ تو نے لوگوں سے اپنے گھوارے میں بھی اور کہولت میں بھی کلام کیا)

جب یہود نے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت پر حضرت مریمؑ کی عصمت پر شک کیا تو حضرت عیسیٰؑ بحکم خدا اپنی ماں کی گود سے بول اٹھے:

انّی عبد اللّٰہ آ تانی الکتاب و جعلنی نبیّاً ... الخ ۔(مریم: ۳۰) (میں خدا کا بندہ ہوں خدا نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا)

پس جس طرح تکلّم فی المھد امر اعجازی اور خلاف عادت ہے اسی طرح حضرت عیسی کا تکلم فی الکھولت بھی امر خارق عادت ہے۔اگر چہ یہ بظاہر کوئی امر عجیب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ کہولت کی عمر میں سب بولنے والے کلام کیا کرتے ہیں۔پس اس معجزہ عیسویہ کی صورت یہ ہے کہ رفع آسمانی کے بعد ایک زمانہ دراز تک بغیر خوراک معتاد کے زندہ رہنا اور اسی حالت میں بغیر کسی قسم کے تغیر واستحالہ (حالت کے بدلنے) کے نازل ہونا امر خارق عادت ہے۔ ورنہ تخصیص مسیح کی کوئی وجہ نہیں۔توضیح اس کی یوں ہے کہ آسمان پر حضرت عیسیٰؑ کا مایہ زندگی بوجہ آسمان پر ہونے کے اور فرشتوں کی صحبت میں ہونے کے ذکر وعبادت ہے۔چنانچہ تفسیر رحمانی میں ہے:

(انّی متوفّیک) ای اخذ بکلیتک (و) لا ادع لک شھوۃ طعام ولا شرا ب فتحتاج الی مسا کنۃ ا لارض لانّی (را فعک الیّ) ای الی سمائی) (آل عمران)

اور زمانہ رفع ونزول کے درمیان خواہ کتنی ہی مدت مدید وہ آسمان پر رہیں ان کے جسم میں کوئی بھی تغیر واستحالہ نہیں ہوگا بلکہ جس حالت میں وہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے، اسی حالت پر نزول فرمائینگے کیونکہ آسمان محل تاثر واستحالہ نہیں جیسے جنتیوں کے اجسام میں باوجود مدت ہائے دراز دردراز کے کوئی تغیر واستحالہ نہیں ہوگا۔

(اکمل صاحب کہتے ہیں: (اللہ تعالی نے) احسان تو یاد کرائے اور اصلی نعمت جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہ دی گئی وہ نہ جتائی۔ص ۴۷۔

جواب۔ جناب والا! و کھلاً میں اسی نعمت کی طرف اشارہ ہے۔چونکہ حضرت عیسیٰؑ پر یہ نعمت (آسمان پر اٹھا لینا) گزری ہوئی ہے اس لئے وہ تو اسی اشارہ سے سب کچھ سمجھ جائیں گے الفقیہ تکفیہ الا شارہ۔لیکن قادیانی اصحاب کچھ بھی نہیں سمجھیں گے و السّفیہ لا تفیدہ العبارۃ کیونکہ

وہ انکار کے درپے ہیں فما کانوا لیؤمنوا بما کذبوا من قبل ذلک کذلک یطبع اللّٰہ علی قلوب الکافرین۔ اعراف: ۱۰۱۔ مگر یہ لوگ نہ تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے ہوں معجزے دیکھ کر ان پر ایمان لے آئیں۔

پھر اکمل صاحب تکلّم فی الکھولۃ کی نسبت فرماتے ہیں:

اور تکلم الناس سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ بعمر کہولت بھی لوگوں سے کلام کرتے رہے ہوں اور آپ (ابراہیم میر) کے اعتقاد کے موافق تو ان پر کہولت کا زمانہ آسمان پر آیا ہے وہاں کون سے انسانوں سے کلام فرماتے ہیں۔ ص ۴۷۔

جواب: ہاں جناب! ہم حضرت عیسیٰؑ کے تکلّم فی الکھولت کو تو بلا ریب و شک مانتے ہیں اور اسی امر کا یہاں بیان ہے۔ لیکن اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ دائماً پایا جائے کہ اب ان کے آسمان پر ہونے کے وقت کرنے کے لئے وہاں کئی ایک انسان بک کرا کر بھیجنے پڑیں۔ کیونکہ یہ قضیہ مطلقہ ہے اور اطلاق میں اعتبار لا دوام کا ہوتا ہے جیسا کہ جملہ کتب منطق میں مرقوم ہے اور فعلیۃ نسبت سے ضرورۃ نسبتہ یا دوام نسبتہ لازم نہیں آتا۔ بلکہ ثبوت کے لئے اس کا وجود بالفعل و فی الجملہ احد ازمنہ ثلاثہ میں کافی ہوتا (قطبی۔ سلّم۔ حمد اللہ) جس طرح کہ تکلّم فی المھد میں دوام نہیں تھا اسی طرح تکلّم فی الکھولۃ میں بھی دوام ضروری نہیں۔ پس جب زمانہ نزول میں اس کیفیت سے جو متن میں مذکور ہے اس کا تحقق و وقوع ہو جائے گا، تو پھر اس کے صدق میں کیا کلام؟ سچ سمجھئے کہ قادیانیوں کے سامنے ایسی باتیں کرنا بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔ لیجئے تفسیر ابن جریر میں ابن زید کا قول ہے قال قد کلّمھم عیسی فی المھد و سیکلّمھم اذا قتل الدّجّال و ھو یومئذ کھل (جلد ۳ ص ۱۵۹)۔

اور تفسیر معالم میں ہے قال الحسن بن الفضل (و کھلاً) بعد نزولہ من السّماء ص ۱۵۹۔ دیکھئے! اب تو معقولاً و منقولاً ہر دو طریق مطلع صاف ہو گیا۔

پھر اکمل صاحب فرماتے ہیں: مسیح کی فطرت جن حوائج کی مقتضی تھی، جب اس سے بوجہ رفع علی السّماء کے بے نیازی ہو گئی تو یہ مستلزم صمدیت والوہیت ٹھہری۔ اس سے نصاری ثبوت دے سکتے ہیں کہ ان کی فطرت میں ہی الوہیت تھی ص ۴۷۔

جواب: بندہ ءخدا! آپ الفاظ، مسیح کی فطرت، قلم سے تو لکھتے جاتے ہیں لیکن دماغ سے نہیں سمجھتے کہ کہتے کیا ہیں؟ سنیئے! فطرۃ مصدر ہے اور یہاں مسیح کی طرف مضاف ہونے سے مصدر مجہول ہے پس اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مسیح جس حالت پر مفطور ہوئے۔ پس آپ ہی کے الفاظ سے ثابت ہو گیا کہ

حضرت مسیح صمد نہیں ہیں کیونکہ صمد وہ ہے جو اپنے وجود و بقاء میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ دیگر سب اس کے محتاج ہوں۔ ملاحظہ ہو عبارت ذیل آیت اللہ الصمد کے ذیل میں:

ثمّ (بیّن) صمدیّته المقتضّیة لاستغنائه الذّاتی عمّا سواہ و افتقار المخلوقات الیه فی وجودها و بقائها و سائر احوالها (ابوالسعود) یعنی پھر صاف صاف بیان کی بے نیازی جو اپنے ماسوا سے اپنے ذاتی استغنا اور تمام مخلوقات کے اپنے وجود اور اپنی بقا کے لئے اور تمام احوال میں اس کی طرف محتاج ہونے کی مقتضی ہے۔

دیگر یہ کہ اگر حضرت عیسیٰؑ اب آسمان پر بحکم اللہ تعالی بعض حوائج بشریہ (کھانا پینا) سے بے نیاز ہیں تو اس سے بھی خدا نہیں بن سکتے کیونکہ موجب الوہیت وہ بے نیازی ہے جو ذاتی ہو اور جو خدا کی عطا سے ہو وہ موجب الوہیت نہیں، جیسے معجزات جو حقیقت میں خدا کے افعال ہیں لیکن خدا کے حکم سے نبی برحق کے ہاتھ پر ان کا ظہور ہوتا ہے۔ دیگر یہ کہ کانا یا کلا ن میں لفظ ماضی ذکر کیا جس میں اس امر پر دلالت ہو سکتی ہے کہ زمان گذشتہ میں وہ کھانا کھایا کرتے تھے لیکن اب نہیں کھاتے۔ پس کھانے سے استغنا تو قرآن شریف سے ثابت ہوا۔ آپ اس کا انکار کس طرح کر سکتے ہیں)

☆ فلمّا توفّیتنی

آٹھویں آیت مثبت حیات و رفع نزول حضرت روح اللہ یہ ہے:

و کنت علیهم شهداً مّا دمت فیهم فلمّا توفّیتنی کنت انت الرّقیب علیهم و انت علی کلّ شیء شهید (مائدہ: ۱۱۷) (اور میں ان پر شاہد رہا جب تک میں ان میں رہا۔ جب تو نے مجھے اٹھالیا تو، تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہر شئے پر شاہد ہے)

آیت انّی متوفّیک و رافعک الیّ اور بل رّفعه اللّٰه الیه کی تفسیر میں امور مندرجہ بہ بسط محقق ہو چکے ہیں:

اول یہ کہ توفّی کا مدلول (معنی) وضعی موت نہیں ہے۔ اس کے معنی ہیں اخذ الشّیء وافیاً یعنی کسی چیز کا بتمامہ لے لینا۔

دوم یہ کہ چونکہ اس اخذ و قبض کے انواع متعدد ہیں اس لئے تعیین یک نوع کیلئے وجود قرینہ ضروری ہے۔

سوم یہ کہ آیت را فعک الیّ اور بل رفعہ اللّٰہ الیہ، رفع الی السّماء کے لئے نصوص قطعیہ ہیں کیونکہ رفع الی اللّٰہ اور رفع الی السّماء متساوق فی المعنی ہیں جیسا کہ آیت الیہ یصعد الکلم الطّیّب و العمل الصّا لح یر فعہ (فاطر:۱۰) سے ثابت ہو چکا ہے۔اور مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں بل رّفعہ اللّٰہ الیہ کی توضیح کے ضمن میں الیہ سے الی السّماء مراد لی ہے۔پس آیات را فعک الیّ اور بل رّفعہ اللّٰہ الیہ مسیح کی توفی سے رفع آسمانی مراد لینے کیلئے قرائن قویہ ہیں لہذا نظر بر آیات مثبتہ رفع فلمّا توفّیتنی سے مراد فلمّا رفعتنی الی السّماء ہوگی نہ کچھ اور۔

جملہ تفاسیر معتبرہ میں توفّیتنی سے مراد رفعتنی لکھا ہے۔سالک شاہراہ یقین کیلئے اس بیان میں کفایت ہے مگر متعسف کجرو پر اتمام حجت کیلئے مزید توضیح حصہ دوم میں کی جائے گی۔

(اکمل صاحب غلط گوئی میں خاص کمال رکھتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں: فلمّا توفّیتنی کی تحقیق کو کسی اگلے حصے پر ٹالا ہے۔ص ۴۷۔

جواب: بندہ خدا کبھی تو درست لکھا کرو تحقیق تو ساری پوری پوری کر کے یہاں اس کا خلاصہ بھی کر دیا گیا کہ کم علم لوگوں کو پچھلا پڑھا ہوا یاد آ جائے۔اگلے حصے پر تو صرف مزید توضیح چھوری گئی تھی نہ کہ تحقیق۔دیگر یہ کہ دوسرا حصہ بھی آپ کی تصنیف سے کئی سال پیشتر قادیان میں پہنچ چکا تھا، ذرا تکلیف کر کے اٹھا کر اسے بھی مطالعہ فر کر دیکھا ہوتا کہ اس میں کیا مزید توضیح کی گئی ہے۔پھر دونوں حصوں کی توضیح کا مقابلہ کر کے نظر کی ہوتی کہ پہلے حصے میں امر مقصود (رفع عیسوی) کے متعلق کیا کسر باقی چھوڑی گئی ہے۔

اکمل صاحب کی یہ ستم طریفی دیکھئے کہ عجب ناز و ادا سے لکھتے ہیں: کسی اگلے حصے پر،۔

جناب! یہ ،کسی، تنکیر کا کلمہ کیسا؟ جناب مرزا صاحب آنجہانی کی وفات سے پیشتر ڈھائی سال اور آپ (اکمل) کی تصنیف سے سوا تین سال پیشتر دوسرا حصہ قادیان میں پہنچ چکا تھا اور ملک میں شائع ہو چکا تھا۔اس پر بھی آپ کلمہ تنکیر ،کسی، فرما رہے ہیں۔گویا آپ کو اس کا نہ علم ہے نہ علم کی ضرورت ہے۔

دیگر یہ کہ لکھتے ہیں: ٹالا ہے،۔

جناب! جس کے پاس قرآن و حدیث صحیح اور قواعد زبان عرب ہوں وہ ٹالے کیوں؟ ٹالے تو وہ جسے ان ہرسہ سے واسطہ نہ ہو یا ان کا علم نہ ہو)

مرزا قادیانی کا یہ مذہب ہے کہ مسیح نے معاذ اللّٰہ اہانت صلیب برداشت کرنے کے بعد (جو وجاہت کے منافی ہے) کشمیر کی طرف ہجرت کی اور وہاں ۸۷ سال زندہ رہ کر فوت ہو

گئے۔ یہ سراسر باطل اور دروغ ہے کیونکہ کلمہ فلمّا توفّیتنی، سوال الٰہی أأنت قلت للنّاس .. الآیة، کے جواب میں واقع ہے۔ پس اس جگہ توفّی سے مراد موت نہیں ہوسکتی کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کو اہل کشمیر نے الٰہ نہیں ٹھہرایا بلکہ اہل شام اور اس کے قرب و جوار کے اشخاص نے۔

پس اہل شام جنہوں نے حضرت عیسی کو معبود بنایا تھا، ان کی خبر بموجب قول مرزا، حضرت عیسی کو بوجہ ھجرت الی الکشمیر آپ کی وفات سے ۸۷ سال پیشتر منقطع ہو چکی ہے (عدم اطلاع کا ذکر مرزا صاحب کے قول کے مطابق ذکر کیا گیا چنانچہ شہادت القرآن حصہ دوم میں بھی بنابر عدم اطلاع کا عذر کیا گیا، ورنہ ہماری تحقیق میں اس سے مراد اظہار برأت ہے چنانچہ شہادۃ القرآن حصہ دوم میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے) اور اس ۸۷ سال کی حیات مزعومہ مرزا صاحب میں عیسی کو اہل شام کے تغیر عقائد کی کوئی خبر نہیں کہ پیچھے انہوں نے کیا بنالیا۔ پس سوال أأنت قلت للنّاس کے جواب میں عذر موت صحیح نہیں ہے بلکہ عذر خروج الی الکشمیر چاہیے۔

جب بدیں صورت ایک پیغمبر برحق تعلیم کردہ حضرت حق جلّ وعلا کے جواب میں قدح واقع ہوتی ہے تو بالضرور معلوم ہوا کہ یہاں توفّی سے مراد موت نہیں اور چونکہ حضرت عیسی کا مرفوع الی السّماء ہو کر اقوال نصاری سے بے خبر ہو جانا جواب باصواب ہے

(اکمل صاحب فرماتے ہیں، یہ نہیں بتایا کہ عذر موت کن وجوہات سے باطل ہے۔ص ۴۸۔

جواب: جناب بتا تو دیا۔ لیکن گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمہ آفتاب راچہ گناہ

پھر اکمل صاحب سوال کرتے ہیں کہ جب وہ دنیا میں آئیں گے تو یہ لاعلمی کیسی؟ ص ۴۸۔

جواب: یہ سوال تو میں نے حصہ دوم میں از خود کر کے اس کا کافی ووافی جواب دے دیا ہے جو اکمل صاحب کی تصنیف سے سوا تین سال پیشتر قادیان پہنچ چکا تھا۔ لیکن وہ اس سے عشوہ نمائی کریں تو کسی کا کیا قصور؟ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے لئے نصاری وغیرہ کے اقوال وافعال پر مطلع ہونے کے دو مواقع ہیں۔ اول آسمان پر اٹھائے جانے سے پیشتر تبلیغ رسالے کے وقت۔ دوم، آسمان سے نازل ہونے کے بعد۔ اور یہ مسلّم ہے کہ نصاری کے اعتقاد ان دونوں زمانوں کے درمیان یعنی زمانہ رفع میں بگڑے۔ سو آپ کا قول وکنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم۔ ان دونوں زمانوں پر شامل ہے۔ چنانچہ آیت نزول میں فرمایا: ویوم القیامة یکون علیھم شھیداً (نساء: ۱۵۹)۔ فلمّا توفّیتنی کنت انت الرّقیب علیھم سے زمانہ مرفوعین مراد ہے جو دونوں زمانوں کے درمیان ہے (جمعاً بین الا دلّة) اور حضرت عیسیٰؑ کی مراد اس سے اظہار برأت ہے۔ چنانچہ شہادت القرآن حصہ دوم میں

تصریح کردی گئی ہے)

اور یہ ثابت بھی ہو چکا ہے کہ عیسیٰ کی توفّی بالرّفع الی السّماء ہوئی ہے، تو اس لئے توفّیتنی کے معنی رفعتنی الی السّماء ہیں نہ کچھ اور۔ چنانچہ سواطع الالہام میں ہے:

(فلمّا توفّیتنی) اراد اعلاء ہ مصاعد السّماء خدا تعالی نے اس سے آسمان کی بلندیوں پر اٹھا لینا مراد رکھا ہے۔

اور تفسیر کبیر اور خازن میں ہے:

(فلمّا توفّیتنی) یعنی فلمّا رفعتنی الی السّماء یعنی جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا۔ اسی طرح دیگر تفاسیر میں بھی ہے۔

☆ و جعلنی مبارکاً اینما کنت

نویں آیت مثبت رفع الی السماء یہ ہے:

و جعلنی مبارکاً اینما کنت (مریم:۳۱) (اور خدا نے مجھ کو برکت والا بنایا جہاں کہیں میں ہوں)

وجہ استدلال یہ ہے کہ برکت خیر کثیر اور علو کو کہتے ہیں جیسے آیت لفتحنا علیھم برکاتٍ من السّماء و الارض (اعراف:۹۶) میں برکت سے مراد خیر کثیر اور زیادت نعمت ہے اور آیات صفات مثل فتبارک اللّٰہ ربّ العالمین (اعراف) اور فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین (مومنون) اور تبارک الّذی بیدہ الملک (ملک) اور تبارک الّذی نزّل الفرقان (فرقان) اور بورک من فی النّار (نمل) میں مراد علو ہے۔ اور واضح ہو کہ حضرت عیسیٰ میں یہ ہر دو امر باحسن وجہ پائے جاتے ہیں۔ خیر کثیر۔ مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے اور نزول مائدہ کی دعا کے قبول ہونے سے ظاہر ہے۔ (قرآن مجید)

اور وہ برکات و خیرات جو آپ کے نزول پر ہوں گی مثلاً دشمنی و بغض اور حسد کا دور ہو جانا اور مال کا کثرت سے ہو جانا اور لوگوں میں دنیا کی نسبت عاقبت کی طرف رغبت کا زیادہ ہونا اور پھلوں اور دودھ کا معمول سے بہت زیاہ ہو جانا اور شیر اور بکری کا امن سے باہم چرنا وغیرہ ذلک (صحیح مسلم و دیگر کتب حدیث)

اورمعنی علوّ آیت بل رفعه اللّٰه میں مصرح ہے وہ بھی آپ کو حاصل ہے۔ پس جعلنی مبارکاً اینما کنت احوال ثلاثہ یعنی قبل رفع اور زمان رفع (عہد مرفوعیت) اور بعد نزول کے ہرسہ سے عا کی ہے اسی لئے اینما کنت فرمایا جس کا مفاد اتساع ہے۔ اس آیت کے ذیل میں رفع الی السّماء کی تصریح تفسیر کبیر اور تفسیر سراج منیر میں موجود ہے۔

(بورک من فی النار میں اگر من سے مراد ذات سبحانہ ہو جیسا کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے تو برکت سے مراد علو ہوگا اور اگر موسیٰ یا ملائکہ ہوں تو دوسرے معنی یعنی خیر کثیر مراد ہیں۔ اکمل صاحب اس پر کہتے ہیں کہ بورک من فی النّار کے آگے ومن حولها بھی آیا ہے۔ مدارک میں لکھا ہے و من حول مکانها ای موسی۔ تو کیا موسیٰ بھی آسمان پر چڑھے تھے۔ص ۴۸۔

جواب: موسیٰ تو آسمان پر نہیں چڑھے لیکن آپ سمجھ نہیں سکے۔ اگلی سطروں میں صاف لکھا ہے کہ معنی ثانی یعنی علو، بل رّفعه اللّٰه الیه میں مصرح ہے۔

پھر اکمل صاحب فرماتے ہیں: اگر خیر کثیر سے مراد کوڑھیوں کا ہی چنگا کرنا ہے تو آسمان پر کون سے مردوں کو زندہ کر رہے ہیں اور کون سے اندھوں کو آنکھیں دے رہے ہیں؟ ص ۴۸۔

جواب: بندہ خدا! قضیہ مطلقہ میں اعتبار لا دوام ہوتا ہے جیسا کہ حواشی سابقہ میں گزر چکا۔ اور اس کا ثبوت بالفعل و فی الجملہ احد ازمنہ ثلاثہ میں کافی ہوتا ہے۔ نبی صادق عیسیٰ تبلیغ رسالت کے وقت دلیل صداقت میں یہ امر واقعات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اصدق القائلین اپنے کلام میں سے نقل کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی واقعات گذشتہ کی صورت میں بطور امتنان حضرت عیسیٰؑ کو جتائے گا۔ پس اس کے ثبوت میں کیا شک رہا؟ لیکن چونکہ مرزا صاحب قادیانی ان معجزات کے قائل نہ تھے وہ انہیں مسمریزم اور عمل الترب جانتے تھے۔ ازالہ اوہام حصہ اول۔ اس لئے آپ ان کی تصدیق نہیں کر سکتے و من یّتبدّل الکفر بالایمان فقد ضلّ سواء السّبیل۔ اور سنیئے جناب مرزا صاحب نے بھی ان معجزات عیسویہ سے بنا بر علم و تحقیق انکار نہیں کیا بلکہ ایک مشکل سے بچنے کے لئے حیلہ نکالا ہے۔ چنانچہ وہ اس کی سرخی اس مضمون کی باندھتے ہیں کہ مسیح بن مریم نے مردوں کو زندہ کیا، کوڑھیوں کو چنگا کیا، اس کے مقابلے میں مثیل مسیح نے کیا کیا؟ شروع ازالہ اوہام۔ پھر اس کے ضمن میں ان معجزات کا انکار کیا ہے۔ پس مرزا صاحب کا یہ انکار اس شعر کا مصداق ہے

زاہد نہ داشت تاب وصال پری رخان کنجے گرفت وخوف خدارا بہانہ ساخت

ہاں یہ بھی سن لیجئے کہ جناب مرزا صاحب ان معجزات کی نسبت یہ رائے بھی رکھتے تھے:

اگر میں ان عملیات کو مکروہ و قابل نفرت نہ سمجھتا تو ان اعجوبہ نمائیوں میں مسیح بن مریم سے کم نہ رہتا۔ ازالہ اوہام۔ ملخصاً۔

پھر بھلا آپ ان معجزات کی حقیقت پر کس طرح ایمان رکھ سکتے ہیں

ما مریداں روبسوئے کعبہ چوں آریم چوں روبسوئے خانۂ خمار دارد پیر ما)

(پھر اکمل صاحب نہایت شوخی سے لکھتے ہیں:

و جعلنی مبارکاً میں آسمان کا رفع کس طرح ثابت ہو جب کہ آپ ہی کے ہم خیالوں کی طرف سے آواز آ رہی ہے۔ آپ عمر بھر میں نصاب کے مالک نہیں ہوئے۔ پس دنیاوی برکات کا حصہ مال اولاد کے سوا اور کیا ہے اور یہاں اولاد تو درکنار، خیر سے آپ کی عورت ہی کوئی نہ تھی۔ نہ صاحب نصاب، نہ رہنے کو مکان۔ ص ۴۸۔

جواب: ۔ا۔ جناب رفع آسمان سے انکار سے ان امور کا کیا تعلق؟

۲۔ جناب والا! ہمارے ہم خیال یہ امور اس طریق پر بیان نہیں کرتے۔ یہ طریق قادیانیوں ہی کو مبارک ہو۔ از خدا خواہیم توفیق ادب۔ بے ادب محروم ماند از فضل رب۔ اور جو اس طریق پر بیان کرے وہ ہمارا ہم خیال نہیں۔

۳۔ نبی صادق کے مناسب حال تقلیل یا ترک لذائذ اور زہد و درویشی ہے۔ اکمل صاحب کو زہد و درویشی منجملہ مصائب و نقائص نظر آئے ہیں کیونکہ ان کے نبی و رسول قادیان کے ہاں لذائذ کا استعمال بکثرت تھا۔ لیکن اہل اللہ کیلئے زہد و درویشی صرف مناسب حال ہی نہیں بلکہ ان کو ان سے اکتساب فضائل میں بہت مدد ملتی ہے اور سلوک الی اللہ میں سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور وہ ما سوائے اللہ کے شغل سے چھوٹے رہتے ہیں فتفکر فانہ لطیف جدّاً پس اگر یہ اسباب دنیا حضرت عیسیٰؑ کے پاس نہ تھے تو اس میں آپ کی منقبت ہے، نہ کہ منقصت۔

۴۔ اہل اللہ اور انبیاء اللہ کے مبارک ہونے کی یہ صورت نہیں ہوتی کہ خود ان کے پاس عطاء دنیوی کے انبار لگے رہیں بلکہ ان کی برکت کا اثر لوگوں پر پڑتا ہے اور بعض تفاسیر سے جو آپ نے مبارک کے معنی نفّاعاً للخیر نقل کئے ہیں اس کے یہی معنی ہیں۔ لیکن آپ اس کو سمجھتے نہیں۔ حدیث میں ہے: خیر النّاس من یّنفع النّاس۔ مشکوۃ۔

۵۔ نصاب کے مالک تو آنحضرت ﷺ بھی نہیں ہوئے۔ اب سنائیے کیا ارشاد ہے۔ فرعون نے بھی موسیٰؑ پر یہی طعن کیا تھا کہ وہ مالدار نہیں فلولا القی علیہ اسورۃ مّن ذھب۔ (زخرف)

اور آنحضرت ﷺ پر بھی مکہ کے مشرکوں نے یہی اعتراض کیا تھا۔ زخرف۔ فرقان۔ بنی اسرائیل۔ ہود۔ یہی حال چال قادیانیوں کا ہے۔

پھر اکمل صاحب فرماتے ہیں:

یہ لفظ برکت حضرت عیسیٰؑ ہی سے خاص نہیں دیکھو حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم کے لئے و بارکنا علیہ و علی اسحاق یعنی دونوں نبی مبارک تھے، کیا یہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے؟

پھر فرماتے ہیں حضرت! یہ لفظ تو اکثر مقامات کے بارے میں بھی آیا ہے الارض الّتی بارکنا فیہا .. الخ۔ ص ۴۸۔

جواب: ہاں حضرت! لفظ برکت حضرت عیسیٰؑ سے خاص نہیں بلکہ بل رّفعہ اللّٰہ الیہ تو ان سے خاص ہے۔ آپ شہادۃ القرآن کے اس مقام کو مطلقاً نہیں سمجھے جناب میں نے تو بالتصریح لکھ دیا تھا کہ معنی ثانی یعنی علوّ آیت بل رّفعہ اللّٰہ الیہ میں مصرح ہے۔ اس پر بھی آپ نہ سمجھیں تو کوئی کیا کرے .. اچھا ایک دفعہ اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں جائیں۔ سنئے شہادت القرآن کے اس مقام کا حل یوں ہے کہ برکت کے دو معنی ہیں: خیر کثیر اور علو۔ یہ دونوں باتیں حضرت عیسی کو حاصل تھیں۔ خیر کثیر کی تفصیل میں قرآن و حدیث میں فلاں فلاں امور مذکور ہیں۔ اور علوّ کا ذکر آیت بل رّفعہ اللّٰہ الیہ میں سے ہے۔ گویا یہ سب مقامات قرآنیہ و حدیثیہ آیت جعلنی مبارکاً کے اجمال کی تفصیل ہیں۔ پس اس کی تفسیر قرآن و حدیث میں مذکور ہے اس کی رو سے یہ مراد لی گئی۔ اور چونکہ یہ سب باتیں تین حالات میں پوری ہوئی ہیں اور ان کے مواقع مختلف ہیں اس لئے اینما کنت جو مفید اتساع ہے، فرمایا گیا۔ اب سنایئے اب بھی سمجھے یا نہیں؟ اور چونکہ حضرت ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کے لئے قرآن میں علوّ کی یہ صورت مذکور نہیں اس لئے ان کی برکت کی بھی یہ صورت نہیں ہوگی۔

مولانا میرؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رفع الی السّماء کے ذکر کی تصریح کے لئے تفسیر کبیر اور تفسیر سراج منیر کے نام لکھے ہیں اس پر بھی اکمل صاحب فرماتے ہیں:

برکت میں علوّ اور علوّ بھی جسمانی کا ثابت کرنا ایجاد بندہ سے کم نہیں۔ ص ۴۸۔

جواب: میں نے تو دو تفسیروں کے نام لکھ دیئے تھے۔ پھر ایجاد بندہ کے الزام کے کیا معنی؟)

دلیل کی دوسری قسم مثبتہ حیات مسیح

دوسری قسم دلیل کی جس سے ہر سہ امور یعنی صعود الی السّماء اور حیات الی الآن اور نزول فی آخرالزّمان ثابت ہیں، احادیث مرفوعہ صحیحہ صریحی ہیں جو بموجب آیات مندرجہ ذیل واجب القبول ہیں:

۱۔ و ما کان لبشرٍ ان یّکلمه اللّٰه الّا وحیاً او من وّراء حجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنه ما یشاء ۔انّه علیّ حکیم (شوری:۵۱) (اور کوئی بشر اس لائق نہیں کہ خدا اس سے (بالمشافہ) ہم کلام ہو۔مگر وحی کے طور پر (ہم کلام ہوتا ہے) یا از پس پردہ۔یا وہ کوئی فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے حکم سے جو کچھ کہ وہ (خدا) چاہتا ہے وحی کرتا ہے بے شک وہ (اللہ) بڑا عالی ذات اور حکمت والا ہے)

اس آیت میں نبی برحق کے پاس فرشتے اور آواز غیبی کے سوا بھی وحی (پیغام الٰہی) پہنچنے کا ذکر ہے جو الہام قلبی کی صورت میں ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کوئی امر جو اسے بتانا منظور ہو نبی برحق کے دل پر القاء کر دیتا ہے۔

۲۔ و ما ینطق عن الهوی ان هو الّا وحی یّوحی ۔(النجم: ۴) (اور یہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، جو کچھ بھی بولتا ہے وہ وحی ہوتی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے)

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے دینی نطق کو وحی کہا گیا ہے۔

۳۔ و ما آتاکم الرّسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا و اتّقوا اللّٰه انّ اللّٰه شدید العقاب (حشر: ۷) (اور جو کچھ تم کو ہمارا رسول دے وہ لے لو، اور جس سے روکے اس سے باز رہو۔اور خدا سے ڈرو۔بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے)

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی خلاف ورزی کو موجب عذاب گردانا ہے۔

۴۔ ثمّ انّ علینا بیانه (القیامہ:۱۹) (پھر اس کا بیان وتفسیر بھی ہمارا ہی ذمہ ہے)

اس آیت میں فرمایا کہ ہم اپنے رسول کو اپنے کلام کی تفسیر بھی خود ہی سمجھائیں گے۔

۵۔ و ما انزلنا علیک الکتاب الّا لتبیّن لهم الّذی اختلفوا فیه (نحل:

۱۴) (اور ہم نے تم پر کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ تم دیگر لوگوں کو وہ باتیں واضح کر کے سمجھا دو، جن میں انہوں نے اختلاف کیا ہے)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اختلاف کے وقت حق اس طرف ہوگا جس طرف رسول اللہ ﷺ کا بیان ہوگا۔

۶۔ وانزلنا الیک الذّکر لتبیّن للنّاس ما نزّل الیھم ولعلّھم یتفکّرون (نحل:۴۴) (اور ہم نے تمہاری طرف یہ نصیحت نامہ اس لئے نازل کیا کہ تم لوگوں کو وہ (حکم) جوان کے لئے اتارا گیا خوب واضح کر کے سمجھا دو)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ حدیث نبوی آیت قرآنی کی تفسیر ہوتی ہے اور مراد الٰہی کی مبین۔ پس اگر کوئی شخص کسی آیت قرآنی کی ایسی تفسیر کرے جو کسی حدیث نبوی کے خلاف ہو تو اس کی وہ تفسیر غلط اور ناقابل اعتبار ہوگی۔

پس ان آیات کی رو سے احادیث ذیل میں اس امر کا فیصلہ ہے کہ نازل ہونے والا مسیح وہ ہے جو ابن مریم رسول اللہ ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے اور یہ کہ وہ آسمان سے نازل ہوگا اور نزول کے کئی سال بعد فوت ہوگا اور مدینہ میں داخل حجرہ نبویہ علی صاحبھا السلام والتحیۃ مدفون ہوگا۔

حدیث اول: عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللّٰہ و الّذی نفسی بیدہ لیوشکنّ ان یّنزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصّلیب و یقتل الخنزیر ویضع الحرب و یفیض المال حتّی لا یقبلہ احد حتّی تکون السّجدۃ الوا حدۃ خیراً من الدّنیا وما فیھا ثمّ یقول ابو ھریرہ و اقرؤا ان شئتم: وان من اھل الکتا ب الّا لیومننّ بہ قبل موتہ و یوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا (صحیح بخاری باب نزول عیسیٰ) (ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم عنقریب ابن مریم تم میں اتریں حاکم عادل ہو کر پھر وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کرا دیں گے اور جہاد موقوف کر دیں گے۔ اور مال اتنا فراواں ہو جائے گا کہ کوئی شخص قبول نہ کرے گا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ ساری دنیا کی نعمتوں سے بہتر ہوگا۔ پھر ابو ہریرہؓ نے کہا تم اس کی تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو کہ: ہر ایک اہل کتاب حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پہلے ان پر ایمان لائے گا....)

اس حدیث اور اس کے بعد کی احادیث کا جس قدر تعلق مسئلہ نزول مسیح سے ہے اسے ہم

کسی اور رسالہ کے لئے چھوڑتے ہیں۔ یہاں پر صرف حیات و رفع سماوی کا اثبات مقصود ہے اس لئے صرف انہی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سو واضح ہو کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے جو اس حدیث کی تصدیق میں یہ آیت پڑھی اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے نزدیک اس حدیث میں اس مسیح کے نزول کی خبر ہے جس کا ذکر آیت وان من اهل الكتاب .. الخ میں ہے اور یہ مسلّم فریقین ہے کہ اس آیت میں حضرت عیسیٰؑ بن مریم نبی اللہ کا ذکر ہے۔ پس اس حدیث میں بھی اسی عیسی بن مریم نبی اللہ کے نازل ہونے کی خبر ثابت ہوئی۔ اور چونکہ زمان قبل النزول میں حیات ضروری ہے اس لئے ثابت ہو گیا کہ حضرت عیسیٰؑ اس وقت تک زندہ ہیں و هذا هو المقصود

دیگر یہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے نزدیک اس آیت میں قبل موته کی ضمیر حضرت عیسیٰؑ کے لئے ہے چنانچہ امام نووی شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

ففيه دلالة ظاهرة على مذهب ابى هريره فى الآية انّ الضّمير فى موته يعود على عيسى (ص ۸۷ ج ۱۔ باب نزول عیسی) (اس میں حضرت ابو ہریرہؓ کے مذہب کی صریح دلیل ہے کہ اس آیت میں موته کی ضمیر عیسیٰؑ کی طرف جاتی ہے)

اسی طرح حافظ ابن حجر، فتح الباری میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

و هذا مصير من ابى هريرة الى ان الضمير فى قوله ليؤمننّ به و كذلك فى قوله قبل موته يعود على عيسى اى ليومننّ بعيسى قبل موت عيسى و بهذا جزم ابن عباس فيما رواه ابن جرير من طريق سعيد بن جبير عنه باسناد صحيح و من طريق ابى رجاء عن الحسن قال قبل موت عيسى و اللّه انّه ا لآن الحىّ و لكن اذا نزل آمنوا به اجمعون (فتح الباری طبع دہلی جز ۱۲ ص ۲۸۱) (اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کا مذہب یہ کہ قول الٰہی ليؤمننّ به میں اور اسی طرح قول الٰہی قبل موته میں ضمیر (ہ) حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھرتی ہے۔ پس معنی اس آیت کے یہ ہوئے کہ (سب اہل کتاب) حضرت عیسیٰؑ پر حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پیشتر ایمان لے آئیں گے اور اسی بات پر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے جزم کیا ہے مطابق اس کے جو امام ابن جریر نے آپ سے بطریق سعید بن جبیر باسناد صحیح روایت کیا ہے اور نیز بطریق ابی رجاء حضرت حسن بصری

سے روایت کیا کہ انہوں نے (اس کے متعلق) کہا کہ حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پہلے (ایمان لے آئیں گے) خدا کی قسم آپ اس وقت بالضرور زندہ ہیں۔ جب آپ نازل ہوں گے تو سب (اہل کتاب) آپ پر ایمان لے آئیں گے)

چونکہ حضرت ابو ہریرہؓ اقرأو ان شئتم جمع کے صیغوں سے کہتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مجمع عام میں پکار کر یہ آیت پڑھا کرتے تھے اور کسی روایت میں مذکور نہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے کسی نے بھی انکار کیا ہو۔ اس لئے سب جماعت صحابہ وتابعین کا یہی مذہب سمجھا جائے گا کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھرتی ہے اور یہ کہ وہ زندہ ہیں۔ اور زمانہ اخیر میں نازل ہوں گے اور یہ بھی اجماع سکوتی کی ایک صورت ہے۔

۲۔ اگرچہ ابو ہریرہؓ کے اس آیت پڑھنے سے صاف کھل جاتا ہے کہ اس حدیث میں جس مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے وہ وہی مسیح ہے جس کا ذکر ان من اهل الکتاب ... الخ میں ہے لیکن ہم اس کے علاوہ ایک اور حدیث بھی ذکر کرتے ہیں جس سے علاوہ حیات مسیح کے ثبوت کے یہ بھی ظاہر ہوجاتا ہے کہ آنیوالا مسیح وہی نبی اللہ ہے جو عیسی بن مریم ہے نہ کہ ان کا کوئی مثیل۔

دوسری حدیث: عن ابی هریرہ عن النّبیّ ﷺ قال لیس بینی و بینه یعنی عیسی نبیّ و انّه نازل فاذا رأیتموہ فاعرفوہ رجل مربوع الی الحمرۃ و البیاض بین محصّرتین کان رأسه یقطر وان لم یصبه بلل فیقاتل النّاس علی الاسلام فیدق الصّلیب و یقتل الخنزیر ویضع الجزیة و یهلک اللّه فی زمانه الملل کلّها الّا الاسلام و یهلک المسیح الدجّال فیمکث فی الارض اربعین سنة ثم یتوفّی فصلی علیه المسلمون (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳۸) (حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرے اور عیسی کے درمیان کوئی نبی نہیں اور بتحقیق وہی اترنے والے ہیں۔ پس جب تم ان کو دیکھو تو (یوں) پہچان لینا کہ ان کا چہرہ سرخی سفیدی لئے ہوگا درمیان دو رنگ دار چادروں کے، ان کا سر (چمک سے) قطرے گراتا معلوم ہوگا اگرچہ اسے تری نہ پہنچی ہو۔ پھر وہ اسلام کی حمایت میں لوگوں سے قتال کریں گے۔ پس صلیب کو پاش پاش کردیں گے اور خنزیروں کو قتل کروادیں گے اور جزیہ موقوف کردیں گے اور اللہ تعالی ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا سب مذاہب (باطلہ) کو تباہ کردے گا اور آپ دجال کو قتل کریں گے پھر چالیس

سال تک زمین پر رہیں گے۔ پھر فوت ہوں گے اور مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آنے والا مسیح وہی نبی اللہ ہے جس کے بعد آنحضرت ﷺ نبی ہوئے ہیں اور یہ بھی مصرح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نازل ہونے کے بعد فوت ہوں گے۔

یہ حدیث مسند امام احمد میں موجود ہے اور اس کے سب راوی ثقہ اور مقبول ہیں۔ اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی اسناد کو صحیح لکھا ہے۔

تیسری حدیث: عن عبد اللّٰہ بن عمرو (بن العاص) قال قال رسول اللّٰہ ینزل عیسی بن مریم الی الارض فیتزوج و یولد له و یمکث خمساً و اربعین سنة ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا و عیسی بن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر (رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء، (مشکوۃ باب نزول عیسی بن مریم۔ ص۴۷۲)

(عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عیسی بن مریم زمین پر اتریں گے۔ پس نکاح کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی اور ۴۵ سال تک رہیں گے۔ پھر فوت ہوں گے اور میرے پاس میرے مقبرے میں دفن ہوں گے پھر میں اور عیسی بن مریم ایک ہی مقبرے سے اٹھیں گے ابو بکر اور عمر کے درمیان)

(اس حدیث میں میعاد ۴۵ سال اور حدیث نمبر ۲ میں ۴۰ سال اور بعض دیگر میں کم مذکور ہے اس اختلاف کی وجہ اختلافات لحاظات و اضافات ہے حضرت مسیح کے نزول پر بہت سے واقعات عظیمہ واقع ہوں گے پس کسی واقعہ کے بعد مدت کتنی ہوگی اور کسی کے بعد کتنی۔ هذا دقیق فخذ به)

(اس جگہ قبر بمعنی مقبرہ ہے۔ یعنی مصدر بمعنی اسم ظرف، مرقاۃ۔ اشعۃ اللمعات۔ اور مصدر کا اپنے مشتقات کے معنوں میں آنا مسلّم کل ہے جیسے زید عدل۔ اور قاموس میں نہر کے معنی لکھے ہیں مجری الماء یعنی پانی جاری ہونے کی جگہ یعنی مصدر بمعنی اسم ظرف)

(روضہ اطہر میں قبور ثلاثہ، آنحضرت ﷺ کی اور حضرت ابوبکر اور عمر کی قبروں کے درمیان ایک قبر کی جگہ خالی پڑی ہے اور مشکوۃ شریف میں حضرت ابو مودود مدنی تابعی سے مروی ہے کہ روضہ اطہر میں ایک قبر کی جگہ باقی پڑی ہے (جہاں حضرت مسیح دفن ہوں گے)

اس حدیث میں صاف طور پر مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰؑ زمین پر نازل ہونیکے بعد فوت ہوں گے اور آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر میں مدفون ہوں گے۔

اس حدیث میں ایسا نہایت لطیف نکتہ بھی ہے جس سے بلا ریب ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسی ابھی تک فوت نہیں ہوئے۔ وہ یہ کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا فید فن معی یعنی حضرت ابن مریم فوت ہونے کے بعد میرے پاس (میرے پہلو میں) دفن کئے جائیں گے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت عیسیؑ کی وفات آنحضرت ﷺ کی وفات سے متاخر ہو گی کیونکہ مقام لحوق پر ملحق یا لاحق ملحق بہ سے متاخر ہوتا ہے۔ یعنی پیچھے سے ملنے والا پہلے سے متاخر ہوتا ہے۔ پس جب زمانہ نبی کریم ﷺ تک حضرت عیسیؑ کی وفات واقع نہیں ہوئی اور آپ کی وفات کے بعد بھی ابھی تک نہیں ہوئی تو اب ہم اس حدیث کے برخلاف کس کے کہنے سے مان لیں کہ وہ (مسیح) آنحضرت ﷺ سے پہلے فوت ہو چکے تشکّر و خذ به فانّه لطیف جداً

(اس حدیث کی صحت پر مرزا قادیانی کے بھی دستخط ہیں۔ وہ اس طرح کہ مرزا صاحب نے کہیں دیکھ لیا یا سن لیا کہ اس حدیث میں عیسیؑ کے نکاح اور ان کے ہاں اولاد ہونے کا بھی ذکر ہے۔ ادھر مرزا صاحب نے محمدی بیگم کے متعلق الہام شائع کر رکھا تھا کہ میرے نکاح میں آئے گی جس کے انتظار میں دن رات باچشم گریاں و دل بریاں گذرتے تھے۔ اور تحصیل مطلب کے لئے کئی قسم کے اندرونی اور بیرونی ڈورے بھی ڈال رکھے تھے۔ آپ موقع شناس تو تھے ہی، جھٹ لکھ مارا کہ اس پیش گوئی یا نکاح کی تصدیق خود آنحضرت ﷺ نے بھی کر دی ہوئی ہے، اور اس نکاح کو مسیح موعود کی صداقت کی علامت قرار دیا۔ حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۳۔ شہادۃ القرآن مصنفہ مرزا۔

اگرچہ زندگی بھر مرزا صاحب کی یہ آرزو بر نہ آئی اور محمدی بیگم کا نکاح مرزا صاحب کی وفات سے سالہا پیشتر دوسرے شخص سے ہو گیا جسے مرزا صاحب نے اپنے حق میں ایک تلوار قرار دیا تھا۔ لیکن اس پیش گوئی سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب نے اس حدیث کی صحت پر مہر لگا دی کیونکہ مرزا صاحب نے اس حدیث کو اپنی پیش گوئی کی تصدیق کے لئے بطور دلیل گذارا۔ اور مستدل مقام احتجاج میں وہ دلیل پیش کیا کرتا ہے جو اس کے نزدیک صحیح ہو۔ پس یہ حدیث مرزا صاحب کے نزدیک صحیح ٹھہری۔ اسلئے مولوی غلام رسول آف راجیکی مبلغ قادیانی نے اپنی کتاب تنقید میں اگرچہ اس حدیث کی تاویلات فاسدہ سے زمین و آسمان کے قلابے ملانے چاہے ہیں لیکن اس کی صحت کو کان دبا کر تسلیم کر گئے)

چوتھی حدیث: عن ابی هریره قال قال رسول اللّٰه ﷺ کیف انتم اذا نزل ابن مریم من السّماء فیکم و اما مکم منکم (کتاب الاسماء والصفات للامام بیہقی ص ۲۰۳) (حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کیسے (اچھے

حال میں) ہو گے جب تم میں عیسیٰؑ بن مریم آسمان سے اتریں گے اور اس وقت تمہارا امام تم ہی میں سے ایک ہو گا) ۔

اس حدیث میں آسمان سے نازل ہونے کی تصریح خود آنحضرت ﷺ کے الفاظ طیبہ میں موجود ہے۔

پانچویں حدیث: عن ابن عباس فی حدیث طویل فعند ذلک ینزل اخی عیسی بن مریم من السّماء (مختصر کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد) (ایک لمبی حدیث میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ یہ باتیں واقع ہونگی تو اس وقت میرا بھائی عیسی بن مریم آسمان سے نازل ہو گا)

اس حدیث میں بھی آسمان سے نازل ہونے کی صراحت ہے ۔

(اکمل قادیانی کا ان احادیث پر آ کر بالکل دم ٹوٹ گیا اور انکے متعلق غلط یا صحیح روایۃً یا درایۃً کوئی بھی اعتراض نہ لکھ سکے ۔ اس نیم تسلیم پر ہم انکو مبارک باد کہتے ہیں ۔ تاہم تعجب وافسوس کے قابل مرزا صاحب کی دلیری ہے کہ بلا دیکھے بھالے اور علم حدیث پڑھے بغیر اپنی کتاب چشمہ معرفت میں نہایت بے خوف ہو کر لکھتے ہیں کہ کسی ضعیف حدیث میں بھی مذکور نہیں کہ حضرت عیسی آسمان سے نازل ہوں ۔ ملخصاً

مولوی غلام رسول قادیانی کی جرأت قابل ستائش ہے کہ اصالۃً تو اس حدیث نمبر ۴ کا انکار نہیں کر سکے لیکن اس کو صحیح ماننے سے انکار کر دیا حالانکہ بحیثیت ایک احمدی ہونے کے مرزا صاحب کی تحریر کے خلاف وہ صحت کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ مرزا صاحب سلب کلی کر رہے ہیں یعنی صحیح وضعیف ہر طرح کی ایسی حدیث سے انکار کر رہے ہیں جس میں حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے اترنا مذکور ہو ۔ اور غلام رسول ان کے برخلاف سلب جزئی کرتے ہیں جس سے طرف مقابل میں ایجاب جزئی پایا جاتا ہے ۔ یعنی صرف صحیح حدیث میں وارد ہونے کا انکار کرتے ہیں اور ضعیف حدیث کا انکار نہیں کرتے ۔ لیکن یہ حدیث نمبر ۴ جو امام بیہقی کی روایت سے ہے وہ ایسی ہے جس میں غلام رسول کا بھی مطالبہ پورا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ بالکل صحیح ہے کیونکہ بیہقی نے اسے بطریق امام بخاری روایت کیا ہے اور امام بخاری سے اوپر وہی راوی ہیں جو صحیح بخاری میں ہیں ۔ غلام رسول اس حدیث کی صحت میں یہ عذر کرتے ہیں کہ بیہقی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: رواہ البخاری ، حالانکہ صحیح بخاری کے کسی نسخہ میں من السّماء کے الفاظ موجود نہیں

سو اس کا جواب یہ ہے کہ مولوی غلام رسول نے علم حدیث کسی ماہر استاد حدیث سے نہیں پڑھا حقیقت الامر یہ ہے کہ امام بیہقی نے اس حدیث کو بالاستقلال اپنی روایت سے ذکر کیا ہے اور وہ فن روایت

کے مستقل صاحب روایت ہیں۔ امام بخاری تک پہنچ کر اوپر کے سب شیوخ وہی ہیں جو امام بخاری کے ہیں گو امام بخاری کی روایت میں من السّماء کے الفاظ نہ ہوں لیکن امام بیہقی کی روایت میں موجود ہیں اور محدثین کے نزدیک حافظ وثقہ راوی کی زیادت مسلّم ومقبول ہے۔ چونکہ امام بیہقی کے سب شیوخ ضابط ثقہ ہیں اس لئے ان کی روایت میں من السّماء کی تصریح، جو بخاری سے زائد ہے، وہ مقبول ومسلّم ہوئی۔

اور امام بخاری کی طرف اس روایت کو اس لئے منسوب کیا کہ اصل اس کی صحیح بخاری میں بھی موجود ہے اور امام بخاری کے بعد کے محدثین کا دستور رہا ہے کہ وہ کسی ایسی روایت کو توثیق وتصحیح کے لئے جس کا اصل مضمون صحیح بخاری میں موجود ہو، کہہ دیا کرتے ہیں اصله فی البخاری۔ یا اسی طرح کے اور الفاظ۔ اگرچہ الفاظ میں کمی بیشی ہو۔

دیگر یہ کہ بعض احادیث میں تطابق معنوی طور پر دیا جاتا ہے اور مضمون مشترک کے لحاظ سے حوالہ کسی ایک کتاب کا دے دیا جاتا ہے، حالانکہ الفاظ میں کمی بیشی یا تقدیم وتاخر ہوتا ہے۔ اگر مولوی غلام رسول، کتاب مشکوۃ المصابیح بھی کسی ماہر محدث سے پڑھتے تو اس کی قریباً ہر فصل اول میں ان کو کئی ایک احادیث ایسی ملتیں جن میں حوالہ متفق علیہ ہے لیکن الفاظ ان میں سے ایک کے ہیں۔ اسی طرح کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم جو صحیح بخاری میں ہیں اور الفاظ کیف انتم اذا نزل ابن مریم من السّماء فیکم جو امام بیہقی کے ہیں، ان میں از روئے معنی کوئی فرق نہیں اور مضمون مشترک دونوں میں ایک ہی ہے۔ دور نہ جایئے خاتمۃ الحفاظ حضرت حافظ ابن حجر فتح الباری میں باب نزول عیسی بن مریم کی شرح میں وہ حدیث جو ہم نے متن میں نمبر۲ پر بروایت امام ابوداؤد لکھی ہے، بروایت احمد وابی داؤد نقل کرتے ہیں، اور حدیث کو جن الفاظ میں نقل کرتے ہیں وہ الفاظ امام احمد کی روایت میں موجود ہیں، اور ابوداؤد کی روایت میں پورے نہیں ہیں۔

امام احمدؒ کی روایت میں مضمون زیادہ ہے اور امام ابوداؤد کی روایت میں مختصر ہے۔ لیکن حافظ صاحب حوالہ دونوں کتابوں کا دیتے ہیں۔ اسی طرح امام بیہقی کی روایت میں الفاظ زیادہ ہیں اور امام بخاری کی روایت مختصر ہے پس امام بیہقی نے اصل مضمون کے لحاظ سے اپنی روایت کے بعد امام بخاری کی روایت کا بھی حوالہ دے دیا کہ اس کی تصحیح وتوثیق میں کسی جاننے والے کو کلام نہ رہے۔ اور کوئی محدثین کے طریق روایت کو نہ جانتا ہو اور وہ انکار کردے تو بلا سے)

دلیل کی تیسری قسم: اجماع امت

کسی مسئلے کے اثبات کے لئے دلیل کی تیسری قسم اجماع امت ہے اور ذیل کی آیت اور حدیث میں اس کی شہادت موجود ہے:

کنتم خیر امةٍ اخرجت للنّاس (آل عمران: ۱۰۹) (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے (نمونہ) بنائے گئے ہو)

لا تجتمع امتی علی الضّلا لة (مشکوۃ) (میری امت گمراہی پر اجماع نہیں کرے گی یعنی جس امر پر میری امت کا اجماع ہوگا وہ امر ضلالت نہیں ہوگا)

حجیت اجماع کے لئے ضروری ہے کہ وہ اجماعی امر قرآن وحدیث سے ثابت ہو چنانچہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

فانّهم اتّفقوا علی القول بالاجماع الّذی مستنده الکتاب و السنّة او الاستنباط من احد هما) حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصرج اص ۱۲۰) (علمائے (اہل سنت) کا اس اجماع پر اتفاق ہے جس کی سند (اصالۃً) قرآن وحدیث میں موجود ہو۔ یا ان دونوں میں سے کسی ایک سے مستنبط ہو)

ہم سابقاً نہایت تفصیل سے آیات قرآنیہ اور احادیث مرفوعہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ اٹھائے گئے اور آپ قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہوں گے اور چونکہ جمیع صحابہ اور جمیع آئمہ اہل بیت اور جمیع آئمہ اہل سنت حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے قائل ہیں۔ اور کوئی بھی ان میں کا نزول مثالی و بروزی کا قائل نہیں۔ اس لئے یہ عقیدہ قطعاً حق اور پسندیدہ خدا اور رسول ﷺ ہے اور اس میں کسی طرح کی گمراہی کا شائبہ نہیں۔ چنانچہ تفسیر وجیز میں ہے:

الاجماع علی انه حیّ فی السّماء ینزل و یقتل الدجّال و یؤیّد الدّین (حاشیہ ص ۳ جامع البیان متعلق آیت یا عیسی انّی متوفّیک) (اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ ہیں جو نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور دین کی مدد کریں گے)

اور نواب صدیق حسنؒ، امام شوکانیؒ سے نقل کرتے ہیں:

فھذہ تسعة و عشرون حدیثاً تنضم الیھا احادیث ا خر ذکر فیھا نزول عیسی منھا ما ھو مذکور فی احادیث الدّجال و منھا ما ھو مذکور فی ا حادیث المنتظر و تنضم الی ذلک ایضاً الآثار الواردة عن الصّحابة فلھا حکم الرّفع اذ لا مجال للاجتھاد فی ذلک ۔ و جمیع ما سقناہ با لغ حدّ التّواتر کما لا یخفی علی من لّه فضل اطلا ع فتقرر بجمیع ما سقناہ فی ھذا ان الاحادیث الواردة فی المھدی المنتظر متواترة و الاحادیث الواردة فی الدّجال متواترة و الاحادیث الواردة فی نزول المسیح متوا ترة و فی ھذا المقدار کفایة لمن لّه ھدا یة (حجج الکرا مه ص ۔۴۳۲)

(پس یہ ۲۹ حدیثیں ہیں جن کے ساتھ دیگر حدیثیں بھی جن میں نزول عیسیٰؑ کا ذکر ہے ملائی جاسکتی ہیں ان میں سے بعض احادیث دجال میں اور بعض احادیث مہدی منتظر میں مذکور ہیں اور اسی طرح وہ آثار بھی ضم کئے جاسکتے ہیں جو صحابہ سے مروی ہیں وہ بھی حکماً مرفوع ہیں کیونکہ اس امر میں اجتہاد کا دخل نہیں (بلکہ صرف آنحضرت ﷺ سے سننے پر موقوف ہے) اور جو کچھ ہم نے بترتیب بیان کیا وہ حد تواتر کو پہنچ چکا ہے جیسا کہ اس شخص پر جسے روایات پر کافی عبور ہے، مخفی نہیں۔ پس اس سے جو ہم نے بیان کیا مقرر و ثابت ہو گیا کہ جو احادیث امام مہدی منتظر کے بارے میں وارد ہیں وہ بھی متوتر ہیں۔ اور جو احادیث نزول عیسی میں وارد ہیں وہ بھی متواتر ہیں اور اس مقدار میں اس شخص کے لئے جسے (خدا کے فضل سے) ہدایت حاصل ہے کفایت ہے)۔

اسی طرح مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی حاشیہ خیالی میں فرماتے ہیں:

اور شارح التفتازانی نے صرف حضرت عیسیٰؑ کے ذکر پر اکتفا کی کہ ان کی حیات اور ان کا زمین پر نازل ہونا اور پھر زمین پر آپ کا رہنا صحیح حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے اس بارے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ گیا۔ اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں، (حاشیہ خیالی ۔ص ۴۵۲)

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ حیات مسیح کا مسئلہ بموجب آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ ﷺ و اجماع امت محمدیہ ثابت ہے اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جو کچھ اس کے برخلاف و

فات مسیح کے متعلق لکھا ہے وہ محض شبہات ومغالطات ہیں جو قواعد علمیہ کے بھی برخلاف ہیں ۔

(اکمل قادیانی لکھتے ہیں: ہم اجماع امت کے قائل ہیں چنانچہ صحابہ کرام نے سب سے پہلے وفات مسیح پر ہی اجماع کیا تھا۔ ص ۶۹۔

جواب: یہ محض کذب وافتراء ہے ایک صحابی سے بھی وفات مسیح قبل النزول منقول نہیں اس کی کچھ حقیقت سابقاً اس حصہ شہادت القرآن میں اور کچھ حصہ دوم میں قد خلت من قبله الرسل کے تحت مذکور ہے)

(مولوی محمد علی لاہوری اپنی کتاب ،عیسویت کا آخری سہارا، میں سلسلہ ذکر میں فرماتے ہیں:

مجمع البحار میں لفظ حکم کی بحث میں نقل کیا ہے قال مالک مات۔ یعنی حضرت امام مالک قائل تھے کہ حضرت عیسیٰؑ مر گئے۔ اور بہت سے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ تھوڑی دیر کیلئے حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے تھے۔ مثلاً ایک قول یہ ہے کہ تین گھنٹے آپ مرے رہے۔ اور ایک قول ہے کہ تین دن تک مرے رہے اور یہ سب اقوال تفاسیر میں موجود ہیں۔ ص ۹۔

جواب: ہم مولوی محمد علی کی زحمت ورق گردانی کی قدر کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ علوم عربیہ سے ناواقف ہیں اور تقلید مرزا کی آفت ان پر سوار ہے، اس لئے وہ صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ اس تحریر میں، جو انہوں نے تفاسیر کے حوالے سے لکھی ہے، کئی ایک دھوکے دیئے یا بوجہ کم علمی کے کھائے۔ سو پہلے ہم ان اقوال کی حقیقت واضح کرتے ہیں اس کے بعد امام مالکؒ کے قول کی حقیقت سمجھنی آسان ہو جائیگی۔

قولہ: بہت سے لوگ...

اقول: یہ محض دھوکہ ہے۔ ان بہت سے لوگوں میں دس بیس کے نام تو گنائے ہوتے۔

قولہ: ایک قول ہے کہ تین گھنٹے.... اور برصفحہ دیگر

اقول: اول تو یہ کہ اس روایت کے راویوں میں سے ایک راوی کا نام معلوم نہیں (ابن جریر)۔ پس یہ روایت درجہ صحت سے گر گئی۔ ثانیاً یہ کہ اخیر میں یہ بھی مذکور ہے ثمّ احیاه ثمّ رفعه الیه۔ خازن، معالم، یعنی پھر خدا تعالی نے حضرت عیسیٰؑ کو زندہ کیا پھر اپنی طرف اوپر اٹھا لیا۔ مولوی صاحب نے یہ عبارت نقل کیوں نہیں کی؟ اس لئے کہ یہ اپنے مطلب کے خلاف ہے۔

قولہ: ایک قول ہے کہ سات گھنٹے...الخ

اقول: اس روایت کے نقل کرنے میں تو مولوی محمد علی نے یہودیوں کے بھی کان کتر دیئے۔ اور فنا فی المرزا ہونے کا پورا ثبوت دے دیا کیونکہ تفاسیر میں تو صاف لکھا ہے کہ یہ قول نصاری کا ہے۔ پس اس

نسبت کو چھوڑ دینا اور کسی مسلمان امام کا قول جتانا سخت دھوکہ ہے۔ دوم یہ کہ اسکے آگے بھی صاف لکھا ہے ثمّ احیاہ و رفعه الیه، خازن و معالم۔ یعنی پھر خدا نے آپ کو زندہ کیا اور اپنی طرف اوپر کو اٹھا لیا۔

اس تفصیل سے صاف معلوم ہو گیا کہ آئمہ اہل سنت کی طرف یہ نسبت کرنا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں، ضعیف ہے اور اس میں بھی زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر ہے جو مرزا صاحب اور ان کی امت کے دعوے اور عقیدے کے بالکل خلاف ہے کیونکہ جب تک آئمہ اہل سنت سے نزول عیسیٰؑ کا انکار ثابت نہ ہو، تب تک مرزا صاحب کو ان روایتوں سے کچھ بھی فائدہ نہیں۔ یہی حال امام مالکؒ کی طرف منسوب کرنے کا ہے کہ اس میں کوئی سند نہیں۔ و من ادّعی فعلیه الاتیان اور نہ ان سے نزول عیسیٰؑ کا انکار مروی ہے۔ اسی طرح علمائے مالکیہ سے بھی کوئی بھی حیات سماوی اور نزول عیسیٰ کا منکر نہیں)

شہادۃ القرآن حصہ دوم

مولانا میرؒ فرماتے ہیں کہ شہادۃ القرآن کے اس حصہ میں ان تیس آیتوں سے کئے جانے والے استدلال کا جواب ہے جو مرزا صاحب نے اپنے رسالہ ازالہ اوہام میں حضرت عیسیٰؑ کی وفات قبل النزول کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ اس حصہ کے لکھنے کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ پہلے حصہ میں اپنا عقیدہ حیات و رفع عیسیٰؑ کو قرآن شریف سے ثابت کیا گیا ہے اور چونکہ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں بہت زور سے کہا ہے کہ قرآن کریم سے حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت ہے اور اس سے قرآن کے مضامین میں اختلاف و تعارض پایا جاتا ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ اپنے عقیدہ کی تائید کیلئے مخالف کے دلائل کو توڑا جائے اور ضعیف بلکہ باطل اور غلط ثابت کیا جائے۔

مرزا صاحب نے اپنے ازالہ اوہام تقطیع خورد جلد ۲ کے صفحہ ۵۹۸ سے صفحہ ۶۲۷ تک وہ تیس آیتیں ذکر کی ہیں جن سے ان کا مقصود بر خلاف مراد الٰہی حضرت عیسیٰؑ کی موت قبل النزول ثابت کرنے کا ہے۔ سو واضح ہو کہ وہ بیان کردہ آیات تین قسم کی ہیں۔ اول وہ آیات جن میں خاص حضرت عیسیٰؑ کا ذکر ہے۔ دوم: وہ آیات جو دیگر انبیاء کی وفات پر دلالت کرتی ہیں اور مرزا صاحب نے اس خیال سے کہ مسیح بھی ایک پیغمبر تھے، ان آیتوں سے آپ کی وفات ثابت کرنی چاہی ہے۔ سوم: وہ آیتیں جن میں نہ تو حضرت مسیح کی وفات کا خاص طور پر ذکر ہے، اور نہ ضمنِ عموم میں، بلکہ

مرزا صاحب نے اپنی اختراع سے ان سے تمسک کیا ہے۔

ان سب کا جواب حسب ترتیب تقسیم بیان کیا جاتا ہے، ناظرین دونوں کو بغور ملاحظہ کریں اور انصاف کریں کہ موافق کتاب اللہ و مطابق بیان رسول اللہ ﷺ کس کی دلیل ہے اور قرآن شریف کی صحیح مراد کو کون پہنچا ہے۔ فاقول بحول اللّٰہ و قوّتہ

جواب آیات قسم اول پیش کردہ قادیانی

قسم اول سے پہلی آیت :

یا عیسی انّی متوفّیک و رافعک الیّ و مطھّرک من الّذین کفروا وجاعل الّذین اتّبعوک فوق الّذین کفروا الی یوم القیامۃ (آل عمران ۵۳۔۵۴) (ترجمہ مرزا صاحب مندرجہ ازالہ اوہام: یعنی اے عیسیٰؑ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور پھر عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والا اور کافروں کی تہمتوں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر قیامت تک غلبہ دینے والا ہوں)

مرزا صاحب کا یہ ترجمہ اور اس سے عیسیٰؑ کی موت قبل النزول پر استدلال از روئے آیات قرآن ولغت عرب کئی وجوہ سے باطل ہے۔

وجہ اول : آیت انّی متوفّیک کے متعلق حصہ اول شہادۃ القرآن میں کافی تحریر ہو چکی ہے جس میں بدلائل ثابت کیا گیا ہے کہ توفّی کا اصل وفا ہے اور اس کے اصلی اور وضعی معنی اخذ الشّیء وافیاً یعنی کسی چیز کو پورا پورا پکڑ لینا ہیں اور رفع یعنی اوپر کو اٹھا لینا اور نیند اور موت اور تعداد اور وصولی قرض سب اسکی انواع ہیں۔ اور یہ امر مسلّم ہے کہ مختلف انواع میں سے ایک نوع معین کرنے کیلئے قرینے کا ہونا ضروری ہے۔ پس جہاں توفّی کے ساتھ موت اور اسکے لوازمات کا ذکر ہوگا اس جگہ توفّی سے مراد موت ہوگی، اور جہاں نیند اور اس کے مقتضیات مذکور ہونگے وہاں نیند مراد ہوگی۔ قل یتوفّاکم ملک الموت الّذی وکّل بکمّ (الم سجدہ:۱۱) یعنی اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ تم کو ملک الموت جو تم پر مقرر کیا ہوا ہے پورا پورا پکڑ لے گا۔ نیز اللّٰہ یتوفّی الانفس حین موتھا و الّتی لم تمت فی منامھا (زمر: ۴۲) یعنی اللہ ہی جانوں کو ان کی موت کے

وقت قبض کرتا ہے اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا۔ ان کو ان کی نیند میں (قبض کرتا ہے) ۔ اور نیز آیت و ھو الّذی یتوفّاکم با للّیل (انعام:۶۰) یعنی اللہ تم کو رات کے وقت قبض کر لیتا ہے ۔ اور نیز شعر: فلمّا توفّاہ رسول الکری .. الخ ۔ یعنی جب اس کو نیند کے ایلچی نے پورا پورا پکڑ لیا ۔

ان مثالوں میں ملک الموت اور موت توفّی سے موت مراد لینے کے قرینے ہیں ۔ اور منام اور لیل اور کری (نیند) اس سے نیند مراد لینے کے ۔ اسی طرح اس آیت مذکورہ زیر بحث میں اگر توفّی کے متصل موت کا ذکر ہے تو اس سے مراد موت ہوگی اور اگر نیند کا ذکر ہے تو پھر نیند مراد ہوگی ۔ اور اگر رفع بمعنی اوپر اٹھانے کا ذکر ہے تو پھر اس توفّی سے مراد رفع یعنی اوپر کو اٹھانا ہوگا ۔ پس چونکہ اس آیت میں توفّی کے ساتھ سوائے رفع کے ذکر کے اور کچھ مذکور نہیں لہذا اس جگہ توفّی سے سوائے رفع کے اور کچھ مراد نہیں ہوسکتی جیسا کہ حصہ اول میں بحوالہ تفسیر کبیر گذر چکا ہے:

قولہ انّی متوفّیک یدلّ علی انّی متوفّیک حصول التوفّی و ھو جنس تحتہ انواع بعضھا بالموت و بعضھا بالاصعاد الی السّماء فلمّا قال بعدہ و را فعک الیّ کان تعیناً للنّوع و لم یکن تکراراً (کبیر۔ ج ۲) اللہ کا قول انّی متوفّیک صرف توفّی کے حاصل ہونے پر دلالت کرتا ہے اور توفّی جنس ہے جسکی کئی انواع ہیں، بعض موت کے ساتھ اور بعض آسمان پر اٹھائے جانے سے ۔ پس جب اسکے بعد را فعک الیّ آیا تو یہ تعیین نوع کیلئے قرینہ ہوا، تکرار نہ ہوا

مفسرین کا اس امر پر اتفاق اور اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کی دلیل ہے ۔

اس جگہ انواع توفّی (رفع ، موت ، نیند) میں سے توفّی کو خواہ کسی نوع میں معین کریں رفع جسمی ہی ثابت رہے گا ۔ تفصیل اس اجمال کی اس طرح ہے کہ اگر توفّی کو نوع موت میں معین کریں تو بموجب مذہب ابن عباسؓ آیت میں تقدیم و تاخیر ہوگی جیسے کہ حصہ اول میں درمنثور سے گزر چکا ہے کہ ابن عباسؓ را فعک ثمّ متوفّیک فی آخرالزّمان فرماتے ہیں کہ: میں پہلے تجھے اوپر اٹھالوں گا پھر بعد مدت کے (دنیا میں نازل کر کے) آخر زمانے میں ماروں گا ۔

اور نیز تفسیر معالم میں ضحاکؒ شاگرد ابن عباسؓ سے اس کی تصریح موجود ہے کہ

انّ فی الآیۃ تقدیماً وتاخیراً معناہ انّی رافعک الیّ ومطھّرک من الّذین کفروا و متوفّیک بعد انزالک من السّماء (معالم) (اس آیت میں

تقدیم وتاخیر ہے اور معنی اس کے یہ ہیں کہ میں تجھ کو اپنی طرف اوپر اٹھاؤں گا اور کفار سے تجھے صاف بچالوں گا اور پھر آسمان سے اتارنے کے بعد ماروں گا)

اور اگر اس آیت میں توفّی کو اس کی دوسری نوع نیند میں معین کیا جائے تو بھی اس سے عیسیٰؑ کی موت قبل النزول ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ پھر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اے عیسیٰ! میں تجھے سلا دونگا (اور اس نیند کی حالت میں) تجھ کو اپنی طرف اوپر اٹھالوں گا جیسا کہ تفسیر خازن، ابن کثیر، درمنثور، فتح البیان، معالم، کبیر وغیرہ میں ہے کہ

(الثّانی) المراد با لتّوفّی النّوم و منه قوله اللّه یتوفّی الانفس حین موتها والّتی لم تمت فی منامها فجعل النوم وفاۃ کان عیسی قد نام فرفعه اللّه و هو نائم لئلا یلحقه خوف (خازن) (اس آیت کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ توفّی سے مراد نیند ہے جیسا کہ اس آیت اللّه یتوفّی الا نفس .. الآیة میں مستعمل ہے (پس اس سے یہ مراد ہوئی) کہ عیسیٰؑ سو گئے تھے اور پھر اللہ نے آپ کو سوتے ہوئے اوپر اٹھایا تاکہ آپ کو خوف لاحق نہ ہو)

اور اگر اس آیت میں توفّی سے اس کی تیسری نوع رفع مراد لی جائے جو بالکل حق اور مطابق واقع ہے اور جو جمہور مفسرین کا قول ہے تو اس سے رفع جسمی بالکل ظاہر ہے۔

غرض اس جگہ توفّی کو اس کی انواع رفع، نیند، موت میں سے جو قرآن مجید میں آچکی ہیں، جس نوع میں معین کیا جائے حضرت عیسیٰؑ کا رفع جسمی ثابت ہی رہتا ہے اور اس امر پر علمائے سلف وخلف مفسرین، محدثین وفقہاء مجتہدین سب کا اتفاق واجماع ہے۔

دوسری وجہ ۔ مرزا صاحب نے اس آیت میں واؤ کا ترجمہ ، پھر ، کیا ہے۔اس میں انہوں نے لغت، بلاغت، نحو واصول ، جملہ علوم کا خلاف کیا ہے۔ خواہ دیدہ دانستہ خواہ غلطی وسہو سے ۔اسکی تفصیل حصہ اول میں گزرچکی ہے ۔خلاصہ مطلب یہ کہ واؤ صرف عطف مطلق جمع کیلئے موضوع ہے، اس میں ترتیب نہیں ہوتی۔چنانچہ کافیہ میں ہے الواؤ للجمع المطلق لا ترتیب فیها یعنی واؤ مطلق جمع کیلئے ہے اس میں ترتیب نہیں ہوتی، اور اسی طرح دیگر کتب نحو میں ہے

امام فخرالدین رازیؒ نے اس آیت کے ذیل میں اس امر کی تصریح کی ہے:

انّ الواو فی قوله انّی متوفّیک و را فعک الیّ (لا تفید التّرتیب فالآیة تدلّ علی انّه تعالی یفعل به هذه الافعال فاما کیف یفعل و

متی یفعل فالامر فیه موقوف علی الدّلیل و قد ثبت بالدّلیل انّه حیّ و ورد الخبرعن النّبیّ ﷺ انّه سینزل و یقتل الدّجّال ثمّ انّه تعالی یتوفّاہ بعد ذلک (تفسیر کبیر ج ۲) (واؤ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی، یہ آیت صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالی، عیسیٰؑ کے ساتھ یہ یہ معاملات کریگا۔ مگر یہ بات کہ کس طرح کریگا اور کب کریگا؟ سو یہ دلیل پر موقوف ہے اور بے شک یہ بات دلیل سے ثابت ہے کہ عیسیٰؑ زندہ ہیں اور اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے حدیث بھی آچکی ہے کہ آپؑ ضرور اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور پھر اسکے بعد اللہ آپ کو فوت کرے گا)

تیسری وجہ: مرزا صاحب نے اس آیت میں رافعک الیّ کا ترجمہ، عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، کیا ہے اور اس سے عزت کی موت مراد لی ہے۔ یہ بھی ان کی سخت غلطی ہے۔ اول اس لئے کہ اس آیت کے معنی میں عزت کا لفظ از خود بڑھا دیا ہے حالانکہ قرآن میں اس کیلئے کوئی لفظ نہیں ہے۔ اور اگر مفہوم رفع سے سمجھ کر لکھا ہے تو بھی اس سے موت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ رفع جسمی اور اعزاز میں مخالفت نہیں، بلکہ یکجا جمع ہو سکتے ہیں جیسے آیت و رفع ابویه علی العرش میں ہے۔ یعنی حضرت یوسفؑ نے اپنے والدین کو (عزت کے ساتھ) تخت کے اوپر بٹھایا پس اس آیت کے یہ معنی ہونگے کہ اللہ تعالی نے حضرت عیسیٰؑ کو عزت کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیا۔

دیگر یہ کہ: عزت کے ساتھ اٹھا لینا، سے موت مراد لینی تو لغت کی کسی کتاب سے ثابت نہیں۔ نہ محاورہ زبان اس کی تائید کرتا ہے اور نہ قرآن میں اس کی شہادت ہے۔ یہ صرف مرزا صاحب کی اپنی من گھڑت بات ہے۔ حصہ اول میں اس آیت کی تفسیر میں اسکی تفصیل گذر چکی ہے۔

چوتھی وجہ: مرزا صاحب نے مطھّرک من الّذین کفروا سے تہمت سے پاک کرنا مراد بتائی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی برأت تو بے شک مسلّم و ثابت ہے مگر اس آیت میں اس تطہیر سے مراد یہ نہیں، بلکہ کفار کے مکروں سے پیغمبر برحق کو محفوظ و پاک رکھنا مراد ہے۔ اس کی تفصیل بھی حصہ اول میں اس آیت کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

اس بیان و تفصیل سے ثابت و روشن ہو گیا کہ مرزا نے اس آیت کے جو معنی کئے تھے اور جو مراد بتائی تھی، وہ باطل و غلط ہے۔ پس اس آیت سے عیسیٰؑ کی وفات قبل النزول ثابت نہ ہوئی۔

قسم اول سے دوسری آیت:

و کنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم فلمّا توفّیتنی کنت انت الرّقیب علیھم و انت علی کلّ شیء شھید (مائدہ:۱۱۷)

حصہ اول میں آیت انّی متوفّیک و رافعک الیّ اور آیت بل رّفعہ اللّٰہ الیہ کی تفسیر میں امور مندرجہ ذیل بڑے بسط اور تفصیل سے محقق طور پر بیان ہو چکے ہیں:

۱۔ توفّی کے حقیقی اور وضعی معنی موت نہیں بلکہ اس کے معنی اخذ الشّیء وافیاً یعنی کسی چیز کو پورا پورا قبض کر لینا اور لے لینا ہیں۔

۲۔ چونکہ اس پورا پورا لینے کی کئی کیفیتیں اور نوعیں ہیں اس لئے توفّی کو ایک نوع میں معین کرنے کے لئے قرینہ کا ہونا ضروری ہے۔

۳۔ آیات رافعک الیّ اور بل رّفعہ اللّٰہ الیہ قطعی طور پر عیسیٰؑ کے رفع جسمی پر دلالت کرتی ہیں اور نیز یہ کہ رفع الی اللّٰہ اور رفع الی السّماء کے ایک ہی معنی ہیں۔ جیسا کہ آیت الیہ یصعد الکلم الطّیّب و العمل الصّالح یرفعہ (فاطر:۱۰) سے ثابت ہے۔

پس قرآن شریف میں جو توفّی حضرت عیسیٰؑ کے حق میں وارد ہے اس کو اس کی نوع رفع میں معین کرنے کے لئے رافعک الیّ اور بل رّفعہ اللّٰہ صریح قرینے ہیں۔ پس جب ثابت ہو چکا کہ حضرت عیسیٰؑ کی توفّی رفع آسمانی سے ہوئی تو اب آیت زیر بحث یعنی فلمّا توفّیتنی ...میں بھی توفّی سے مراد رفع آسمانی ہی ہے، نہ کچھ اور کیونکہ یہ اسی قاعدہ انّی متوفّیک و رافعک الیّ کے تحقق و وقوع کی حکایت ہے۔

منصف مزاج ہوشمندوں کے لئے تو اتنا بیان ہی کافی ہے مگر کمزور طبیعت کو سمجھانے اور کجرو مخالف پر حجت پوری کرنے کے لئے اس کی خوب بسط سے تفصیل کی جاتی ہے۔ سو واضح ہو کہ مرزا صاحب کا یہ قول ہے کہ حضرت مسیح نے (معاذ اللہ، اہانتِ) صلیب کے بعد (جو وجاہت کے بالکل منافی ہے) کشمیر کی طرف ہجرت کی اور یہاں ۸۷ سال زندہ رہ کر فوت ہوئے اور شہر سری نگر کے محلّہ خان یار میں دفن کئے گئے۔ جہاں ابھی تک ان کی قبر شہزادہ یوز آسف کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔ اس بیان سے مرزا صاحب نے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑا مارا، اور اپنے برخلاف حجت پوری کرائی۔ اس اجمال کا بیان اس طرح ہے کہ کلمہ فلمّا توفّیتنی، سوال الٰہی أأنت قلت

للنّا س کے جواب میں واقع ہے۔ پس اس جگہ توفّی سے مراد موت نہیں لے سکتے کیونکہ آپ کو اہل کشمیر نے خدا اور خدا کا بیٹا قرار نہیں دیا بلکہ اہل شام اور اس کے قرب و جوار کے لوگوں نے۔ پس بموجب قول مرزا صاحب اہل شام (جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کے سوائے معبود جانا) کی خبر حضرت عیسیٰؑ سے آپ کی وفات سے ۸۷ سال سال پیشتر منقطع ہو چکی تھی اور اس عرصہ ۸۷ سال کی حیات (مزعومہ مرزا صاحب) میں آپ کو اہل شام کے عقائد باطلہ کی کوئی خبر نہیں کہ پیچھے انہوں نے کیا بنالیا۔ پس سوال أأنت قلت للنّاس کے جواب میں عذر موت صحیح نہیں بلکہ ہجرت کشمیر کا عذر کرنا چاہیے۔ جب اس صورت میں ایک خدا ے سکھائے ہوئے پیغمبر برحق کے جواب میں قدح و ضعف واقع ہے، تو بالضرور معلوم ہوا کہ اس جگہ توفّی سے مراد موت نہیں۔ اور چونکہ حضرت مسیح کا بوجہ آسمان پر اٹھائے جانے کے نصاری کے باطل اعتقادوں سے بے خبر ہو جانا ایک صحیح عذر اور باصواب جواب ہے، اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ عیسی کی توفّی آسمان پر اٹھائے جانے سے ہوئی تو اب توفّیتنی کے معنی رفعتنی ہوں گے یعنی آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اے الٰہی! جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھالیا تو اس عرصہ مرفوعیت میں مجھے ان کے عقاید کی کچھ خبر نہیں تھی۔ جملہ تفاسیر معتبرہ میں اس مقام پر توفّیتنی سے مراد رفعتنی لکھا ہے۔ اس سے کسی کو خلاف نہیں۔ ہم بہت خوشی سے قبول کریں گے اگر مرزا صاحب کسی صحابی سے توفّیتنی سے سوائے رفعتنی کے کچھ اور مراد نقل کر کے دکھائیں گے۔ اب ذیل میں چند معتبر تفاسیر کی عبارتیں نقل کی جاتی ہیں جن میں توفّیتنی کے معنی جو اس آیت میں ہے، رفعتنی لکھے ہیں:

۱۔ (فلمّا توفّیتنی) بالرّفع الی السّماء کما فی قوله تعالی انّی متوفّیک و رافعک الیّ فان التّوفی اخذ الشّیء وافیاً والموت نوع منه قال تعالی یتوفّی الانفس حین موتها و الّتی لم تمت فی منامها۔ (تفسیر علامہ ابی السعود)

یہی عبارت تفسیر بیضاوی و سراج منیر میں ہے

۲۔ (فلمّا توفّیتنی) بالرّفع الی السّماء و التّوفی اخذ الشیء وافیاً (جامع البیان)

۳۔ (فلمّا توفّیتنی) اراد اعلامه مساعد السّماء (تفسیر فیضی)

۴۔ (فلمّا توفّیتنی)۔ یعنی فلمّا رفعتنی الی السّماء فالمراد به وفاة

الرفع لا الموت۔(تفسیر خازن)

۵۔فلمّا توفّیتنی و المراد منه وفاة الرّفع الی السّماء من قوله تعالی انّی متوفّیک و رافعک الیّ۔(تفسیر کبیر)۔

۶۔(فلمّا توفّیتنی) قبضتنی و رفعتنی۔(معالم)

ان سب عبارات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں توفّی سے مراد آسمان کی طرف اٹھالینا ہے، موت نہیں کیونکہ توفّی کے معنی کسی چیز کو پورا پورا لے لینا ہے۔اور موت اس کی نوع ہے اور چونکہ آیت انّی متوفّیک و رافعک الیّ سے ثابت ہو چکا ہے کہ عیسیٰؑ کی توفّی سے مراد ان کا آسمان پر اٹھایا جانا ہے تو اب اس آیت کے معنی بھی وہی ہوں گے۔اگر یہ سوال کیا جائے کہ:

جب عیسیٰؑ بموجب عقیدہ اہل سنت دوسری دفعہ نزول فرما ہونگے تو نصاری کے افتراؤں اور برے اعتقادوں سے باخبر ہو جائیں گے۔اور اہل سنت کے نزدیک یہ سوال و جواب بھی قیامت کو ہوں گے، تو پھر اس صورت میں قول کنت علیهم شهیداً ما دمت فیهم سے عدم اطلاع کا عذر صحیح نہیں۔لہذا ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیح دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے، اور نیز یہ کہ یہ سوال و جواب قیامت کو نہیں ہوگا، بلکہ عالم برزخ میں ہو چکا ہے اور عیسیٰؑ اپنی وفات کا اقرار کر چکے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے لئے نصاری وغیرہ بندوں کے اقوال و افعال پر مطلع ہونے کے دو موقع ہیں اور دونوں قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔اول، آسمان پر اٹھائے جانے سے پیشتر تبلیغ رسالت کے وقت۔دوم، آسمان سے نازل ہونے کے بعد۔اور یہ امر ظاہر و مسلّم ہے کہ نصاری کے اعتقاد ان دونوں زمانوں کے درمیانی مدت میں بگڑے ہوئے ہیں۔سو آپ کا قول و کنت علیهم شهیداً ما دمت فیهم۔(یاالٰہی جب تک میں ان میں رہا انکے اقوال و افعال کو دیکھتا رہا)۔ان دونوں زمانوں پر شامل ہے۔اور فلمّا توفّیتنی کنت انت الرّقیب علیهم (جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھالیا تو پھر تو ہی ان کا نگہبان رہا)(یعنی اس عرصہ کی بابت مجھے کچھ علم نہیں) سے درمیانی زمانہ (یعنی پہلی اور دوسری بار کی درمیانی مدت رفع میں) نصاری کے اقوال و افعال سے واقف نہ ہونے کا اظہار مقصود ہے۔حضرت عیسیٰؑ کی حیات اور نزول ثانی اور اسکے بعد قیامت کو یہود و نصاری پر آپ کی شہادت کے لئے یہ آیت قرآن میں موجود ہے: و ان من اهل الکتاب

الّا لیؤمننّ به قبل موته و یوم القیامة یکون علیهم شهیداً (نساء :۱۵۹) (اور اہل کتاب میں سے کوئی نہیں ہوگا مگر حضرت عیسیٰؑ پر آپ کی موت سے پیشتر ایمان لے آئے گا۔ اور آپ قیامت کے دن ان پر شاہد ہوں گے)

صحیح بخاری باب نزول عیسی بن مریم میں اسی آیت کو دلیل نزول ثانی ذکر کیا گیا ہے چنانچہ حدیث ہے:

عن ابی هریره قال قال رسول اللّه ﷺ و الّذی نفسی بیده لیوشکنّ ان یّنزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصّلیب و یقتل الخنزیر و یضع الجزیة و یفیض المال حتّی لا یقبله احد حتی تکون السّجدة الواحدة خیراً من الدّنیا وما فیها ثمّ یقول ابو هریره فا قرؤ ان شئتم و ان من اهل الکتاب الّا لیؤمننّ به قبل موته و یوم القیامة یکون علیهم شهیداً (بخاری ج ۲) (ابو ہریرہؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھے قسم ہے اللہ کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ وقت قریب آتا ہے کہ عیسی بن مریم تم میں ضرور ضرور اتریں گے۔ فیصلہ کرنے والے ہو کر منصف ہو کر۔ پس صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیروں کو قتل کرائیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے اور مال و دولت اس کثرت سے ہو جائے گی کہ اس کو کوئی قبول بھی نہ کرے گا حتی کہ ایک سجدہ دنیا کی سب چیزوں سے بہتر خیال کیا جائے گا پھر ابو ہریرہؓ کہتے ہیں اگر تم چاہو تو (اس حدیث کی تصدیق کیلئے) یہ آیت پڑھ لو و ان من اهل الکتاب الّا لیؤمننّ به قبل موته)

(یہاں مولانا محمد ابراہیم میرؒ نے طویل حاشیہ رقم فرمایا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:

ناظرین نے ملاحظہ فرما لیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے جو حدیث روایت کی ہے اس کے مضمون کی تصدیق کے لئے وہی آیت قرآنی پیش کرتے ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوا کہ مسیح موعود وہی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے نہ کہ کوئی دیگر مثیل۔ پس چونکہ اس آیت میں عیسی نبی اللہ کا ذکر ہے اس لئے مرزا صاحب مسیح موعود نہیں ہو سکتے۔

مرزا صاحب، حضرت ابو ہریرہؓ کے اس استدلال کے قبول کرنے میں دو عذر پیش کرتے ہیں۔ اول یہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا فہم ہے اور صحابی کا فہم حجت نہیں ہوتا۔ دوم یہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ و ان شئتم کہتے ہیں اور کلمہ ان شرطیہ شک کے لئے ہوتا ہے۔ عذر اول کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کا

اس حدیث کی تصدیق کیلئے اس آیت کو پیش کرنا دو حال سے خالی نہیں ۔ یا تو آنحضرت ﷺ سے سن کر کہا ہے اور یا اپنے فہم واجتہاد سے ۔ پہلی صورت میں تو مرزا صاحب کو انکار کی مجال نہیں ۔ ہاں دوسری صورت میں وہ کچھ گنجائش سمجھتے ہیں، سواس کا بیان یہ ہے کہ قرآن میں سے حدیث نبوی کا ماخذ بیان کرنا اور ان میں آپس میں تطبیق و توفیق دینا ایک موہوبی اور خداداد ملکہ ہے جو عارفان کتاب اللہ و واقفان حدیث رسول اللہ ﷺ سے مخفی نہیں اور علم دینی کا کمال اور طبیعت کی ذہانت الٰہی وصف سے ہے چنانچہ ابن قیم جواسی مذاق کے ہیں اپنی کتاب زادالمعاد میں فرماتے ہیں:

وكان الصحابة احرص شيءٍ على استنباط احاديث رسول اللّٰه ﷺ من القرآن و من الزم نفسه ذلك و قرع بابه و وجه قلبه اليه و اعتنى به بفطرة سليمة و قلبٍ زكيٍّ رأى السنة كلها تفصيلاً للقرآن و تبييناً لّدلالته و بياناً لمراد اللّٰه منه وهذا اعلى مراتب العلم فمن ظفر به فليحمد اللّٰه و من فاته فلا يلومنّ الّا نفسه و همّته و عجزه (زاد المعاد ۔ج ۲ ص ۱۷۵) اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اس امر کے بہت حریص تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا قرآن سے استنباط کیا کریں اور جو کوئی اس کو لازم پکڑے اور اس کا دروازہ کھٹکھٹائے اور اپنے دل کو اس طرف متوجہ کرے اور فطرت سلیمہ اور پاکیزہ دل کو اس کی تلاش میں لگائے تو جان لے کہ سنت نبویہ ساری کی ساری قرآن کی تفصیل ہے۔ اور اسکے معنی اور مرادوں کا بیان ہے یہ امر علم کے مراتب میں سے اعلیٰ مرتبہ کا ہے پس جو اس سے کامیاب ہو اسے چاہیے کہ خدا کا شکر کرے ۔ اور جسے ہاتھ نہ لگے وہ اپنے نفس اور ہمت اور کمزوری کے سوائے کسی اور کو ملامت نہ کرے

واقفان حدیث نبوی پر مخفی نہیں کہ آنحضرت ﷺ بسا اوقات کوئی مسئلہ بیان فرما کر اسکے موافق قرآن کی آیت پڑھ دیا کرتے تھے ۔ اسی طرح صحابہ کی بھی عادت تھی کہ اس حدیث کو مع اس آیت کے حوالہ کے روایت کر دیا کرتے تھے اور یہ بات چنداں نظر کی محتاج نہیں کیونکہ یہ امر کہ نبی ﷺ کسی مسئلہ کی تصدیق کیلئے آیت قرآنی پڑھا کرتے تھے تب ہی معلوم ہوا کہ جب صحابہ نے ویسی حدیث کی روایت کی ۔

اسی طرح ماہرین حدیث پر یہ بھی پوشیدہ نہیں کہ حضرت ابو ہریرہ جس طرح روایت کی رو سے سب سے اول نمبر پر ہیں اسی طرح اس وصف یعنی تصدیق حدیث کیلئے آیت کے بیان کرنے میں بھی آپ ایک خاص مذاق رکھتے تھے ۔ آپ کی روایات میں اکثر جگہ قرآن کی آیت سے استدلال کرنا پایا جاتا ہے ۔

کسی جگہ تو اس آیت کا حوالہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کسی جگہ آیت کے حوالہ پر بس کرتے ہیں اور اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ ان دونوں طریقوں پر غور وفکر کرنے سے ایک سوچنے والا ہوش مند آدمی نکال سکتا ہے کہ جس طرح حضرت ابو ہریرہؓ حدیث کو خاص پیغمبر ﷺ سے بالمشافہ روایت کرتے ہیں اسی طرح روایت کا حوالہ بھی نبی ﷺ کی زبان مبارک سے روایت کرتے ہیں ، چاہے کی اس تصریح کر دیں چاہے نہ کریں۔ کیونکہ غیر مصرح بھی اسی کے قریب ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے سن کر ایسا کہا کیونکہ صحابہ بغیر نبی ﷺ سے سننے کے کچھ بات اپنی طرف سے کرنے سے بہت پرہیز کیا کرتے تھے جیسا کہ کتب حدیث کے مطالعہ کرنے والوں پر واضح ہے۔ خصوصاً ایسے امور میں جن میں رائے محض اور اجتہاد وقیاس کو دخل نہیں۔ مثلاً پیش گوئی وغیرہ ، ان میں تو صحابی کا قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس اس حدیث نزول عیسی بن مریم کی تصدیق کیلئے ابو ہریرہ کا آیت قرآن و ان من اھل الکتاب سے استدلال کرنا علاوہ بہت باریک نکتہ ہونے کے نبی پاک ﷺ کے ارشاد سے باہر نہیں

اب ذیل میں چند احادیث بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ تصدیق حدیث کیلئے آیت قرآنی کا حوالہ دینا حضرت ابو ہریرہؓ کے خاص مذاق میں تھا اور نیز یہ کہ ابو ہریرہؓ کسی حدیث میں اس حوالہ آیت کو نبی ﷺ کی منسوب کر دیتے ہیں اور کبھی صرف حوالے ہی پر اکتفا کرتے ہیں :

حدیث اول: عن ابی ھر یرہ قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول لا تقوم السّاعة حتّی تطلع الشّمس من مغربھا فاذا طلعت وراھا النّاس امن من علیھا فذلک حین لا ینفع نفساً ایمانھا لم تکن آمنت من قبل او کسبت فی ایمانھا خیرا (مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۱) ابو ہریرہؓ سے روایت کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک آفتاب مغرب سے نہ چڑھے۔ پس جب چڑھے گا اور لوگ اس کو دیکھ لیں گے تو سب لوگ ایمان لائیں گے پس وہ وقت ہوگا کہ کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا۔ جو پہلے ایمان نہ لایا تھا یا جس نے اپنے ایمان میں نیکی نہ کی تھی۔

حدیث دوم: عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ما من مولود یولد الّا نخسہ الشیطان فیستھل صارخاً من نخسة الشّیطان الّا ابن مریم و امّہ ثمّ قال ابو ھر یرہ اقرأو ان شئتم انّی اعیذ ھا بک و ذریتھا من الشّیطان الرّ جیم (مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے

کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو کوئی پیدا ہوتا ہے، شیطان پیدائش کے وقت اس کو ایذا دیتا ہے پس وہ چیختا ہے مگر ابن مریم اور اس کی ماں کو شیطان یہ ایذا نہیں دے سکا۔ پھر ابو ہریرہؓ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو انّی اعیذ ھا بک .. الآیۃ۔

حدیث سوم: عن ابی ھریرہ انّ رسول اللّٰہ قال تفضل الصّلوۃ فی الجمیع عن صلوۃ الرّجل وحدہ خمساً و عشرین و یجتمع ملائکۃ اللّیل و ملائکۃ النّھار فی صلوۃ الفجر ثم یقول ابو ھریرہ اقرأو ان شئتم و قرآن الفجر انّ قرآن الفجر کان مشھوداً (مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا باجماعت نماز اکیلے شخص کی نماز سے ۲۵ درجے بڑھ کر ہے اور فجر کی نماز میں دن اور رات کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں۔ پھر ابو ہریرہ کہتے ہیں اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو و قرآن الفجر ... الخ۔

حدیث چہارم: فی حدیث طویل رواہ ابوھریرہ عن النّبی ﷺ انّہ سئل عن الحمر فقال ما انزل اللّٰہ علیّ فیھا الّا الآیۃ الفاذّۃ الجامعۃ من یّعمل مثقال ذرۃٍ خیراً یّرہ و من یّعمل مثقال ذرۃٍ شراً یّرہ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳) ابو ہریرہؓ سے روائت ہے کہ نبی ﷺ سے گدھے کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا مجھ پر اس بارے میں کوئی خاص حکم نازل نہیں ہوا۔ مگر یہی ایک جامع آیت فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیراً ..الخ۔

حدیث پنجم: عن ابی ھریرہ عن النّبیّ ﷺ قال انّ اللّٰہ خلق الخلق حتی اذا فرغ من خلقہ قالت الرحم ھذا مقام العائذ بک من القطعیۃ قال نعم اما ترضین ان اصل من وصلک و اقطع من قطعک فقالت بلی یا ربّ قال فھو لکِ۔ قال رسول اللّٰہ ﷺ فاقرأوا ان شئتم فھل عسیتم ان تولّیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم (بخاری۔ کتاب الادب باب من وصلہ اللہ) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (مثالی طور پر) فرمایا کہ جب اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا تو رحم (رشتے داروں کے ساتھ پیوند رکھنے کا علاقہ) نے کہا کہ الٰہی میں تیرے ساتھ رشتہ قطع کرنے والوں سے پناہ مانگنے والا حاضر ہوں۔ اللہ نے فرمایا تو اس پر راضی نہیں کہ میں اپنی رضا اس پر رکھوں جو تیرے

پیوند کو قائم رکھے، اور جو تجھے قطع کرے، میں بھی اس سے قطع کروں؟ کہاں ہاں اے میرے رب۔فرمایا پس یہ ہو چکا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر چاہو تو آیت قرآنی پڑھ لو فھل عسیتم ان تولّیتم ... الآیة۔

ناظرین! خود غور فرمالیں کہ ان احادیث سے وہ سب اہم امور جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں، ثابت ہوتے ہیں یا نہیں؟

باقی رہا دوسرا عذر یعنی ان شرطیہ شک کیلئے آتا ہے لہذا یہ استدلال شکی ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت ابو ہریرہؓ کے کلمہ ان شئتم کہنے سے اس استدلال کو شک کی طرف نسبت کر سکتے ہیں تو یہی کلمہ ان شئتم اسی طرح تصدیق حدیث کے لئے آیت قرآنی کا حوالہ دیتے وقت خاص رسول اللہ ﷺ سے بھی منقول ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے پانچویں حدیث میں صلہ رحم میں گزر چکا ہے۔ پس اس نظر سے تو معاذ اللہ، رسول اللہ ﷺ ناطق بالوحی کے استدلال کو بھی شک کی طرف نسبت کر سکنا منع نہ ہوگا۔ و ھل ھذا جرأة عظیمة و فریّة فخمیة۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے موقع پر کلمہ ان شئتم اس بات کیلئے نہیں ہوتا کہ متکلم کو اپنے کلام کی تصدیق میں شک و تردد ہے بلکہ مخاطبین کے حال کی نسبت یہ خیال کر کے کہ وہ زیادہ علم اور دلیل کے طالب ہیں ان کے مزید اطمینان کیلئے آیت قرآنی کو پیش کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے سوال میں ولکن لّیطمئنّ قلبی۔ یعنی یا الٰہی اس لئے نہیں پوچھتا کہ مجھے مردوں کے زندہ ہو جانے میں کچھ شک ہے۔ نہیں زیادہ اطمینان اور تسلی دل کیلئے پوچھتا ہوں۔

جو لوگ علوم میں گہری نگاہ رکھتے ہیں اور مذاق صحیح اور فطرت سلیم والے ہیں وہ اس مسئلہ کو خوب پہچانتے ہیں اور اس سے لطف اٹھاتے ہیں لیکن جن لوگوں کی سلامتی اپنے حال پر نہیں رہی اور کجروی اور تعصب سے ان کا مذاق صحیح جاتا رہا ہے، ان کی سمجھ میں نہ آنے سے یہ بات غلط نہیں ہو سکتی۔)

اس آیت میں و ان من اھل الکتاب کو نزول عیسی سے بدیں وجہ تعلق ہے کہ آیت و کنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم (میں ان کے اعمال و اقوال کو دیکھتا سنتا رہا جب تک ان کے بیچ رہا) سے صاف ثابت ہے کہ شاہد کا اس جماعت میں ہونا ضروری ہے جس پر اس نے شہادت دینی ہو۔ پس جب آیت و ان من اھل الکتاب الّا لیؤمننّ بہ قبل موتہ و یوم القیامة علیھم شھیداً (یعنی نہیں ہوگا کوئی اہل کتاب میں سے مگر ایمان لے آئے گا عیسیٰ پر پیشتر عیسی کی موت کے اور عیسیٰ قیامت کے دن ان پر شاہد ہوں گے) سے ان اہل کتاب پر جو زمانہ اخیر میں ہوں گے اور عیسیٰ پر سچا ایمان لے آئیں گے بروز قیامت عیسیٰ کی شہادت سے تو ثابت ہے،

تو معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ اخیر زمانہ کے لوگوں میں آئیں گے۔

اب اس سوال کی دوسری شق یعنی اللہ کے حضرت عیسیٰؑ کو سوال أأنت قلت للنّاس قیامت کے روز کہنے کی مزید تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

مثال اول ۔ اذ اور اذا دو کلمے ظروف زمانیہ میں سے ہیں اذ ماضی کے لئے آتا ہے اور کبھی بمعنی مستقبل بھی مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ اذا مستقبل کے لئے اور کبھی ماضی کے لئے بھی آتا ہے۔ چنانچہ مغنی میں بحث اذا میں لکھا ہے:

احدھما ان تجیء للماضی کما تجیء اذ للمستقبل۔

مثال اذا بمعنی اذ آیت و اذا رأوا تجارةً او لھو ن انفضّوا الیھا و ترکوک قائماً (جمعہ:۱۱) (اور جس وقت انہوں نے تجارت یا کھیل کا سامان دیکھا تو اس کی طرف اٹھ گئے اور تجھے کھڑے چھوڑ دیا)

اور نیز آیت حتّی اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت و ضاقت علیھم انفسھم (توبہ:۱۱۸) (حتی کہ جس وقت زمین ان پر باوجود فراخ ہونے کے تنگ ہوگئی، اور ان کی جانیں بھی ان کو گراں معلوم ہوئیں)۔

مثال اذ بمعنی اذا یعنی مستقبل، آیت فسوف یعلمون اذ الاغلال فی اعناقھم (مومن: ۷۰) (پس یہ لوگ اس وقت ضرور جان لیں گے جب ان کی گردنوں میں طوق پڑیں گے) کیونکہ سوف جو خاص استقبال کے لئے موضوع ہے قرینہ موجود ہے۔

مثال دوم: (از مفصل زمخشری)

اذ ما دخلت علی الرّسول فقل له
حقّا علیک اذا اطمأنّ المجلس

کیونکہ صیغہ امر اس بات کا قرینہ موجود ہے کہ اذ بمعنی اذا ہے۔

مثال سوم:

ثمّ جزاک اللّه عنّی اذ جزی
جنّات عدنٍ فی السما وات العلی

(جب خدا جزا دینے لگے تو تجھ کو میری طرف سے اونچے آسمانوں میں جنتیں عطا کرے)۔

اس جگہ اذ بمعنی اذا مستعمل ہوا ہے بقرینہ جنات عدن کیونکہ یہ سب قیامت کو ہوگا۔ اور

قیامت زمان مستقبل میں ہوگی نہ کہ ماضی میں ہوچکی ہے (تفسیر خازن وقسطلانی شرح صحیح بخاری)

اسی طرح قرآن و حدیث و کتب ادب میں اس کی بہت مثالیں ہیں کہ اذ بمعنی اذا مستعمل ہوتا ہے اور اذا بمعنی اذ۔ کتب نحو بھی اس کی تائید سے بھری پڑی ہیں۔ طالب تفصیل شرح ملا جامی، رضی شرح کافیہ، تکملہ عبدالحکیم سیالکوٹی۔

وجہ دوم: مضمون آیت و اذ قال اللّٰہ یا عیسی ابن مریم أأنت قلت للنّاس اتّخذونی و امّی الٰھین من دون اللّٰہ عطف ہے مضمون آیت اذ قال اللّٰہ یا عیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیک .. الآیۃ پر اور اس سے پہلے جہاں سے یہ ذکر شروع ہوتا ہے، یہ ہے

یوم یجمع اللّٰہ الرّسل فیقول ما ذا اجبتم قالوا لا علم لنا انّک انت علّام الغیوب (مائدۃ:۱۰۹) (جس دن اللہ کل رسولوں کو جمع کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ لوگوں نے تم کو کیسے قبول کیا اور کیا کچھ کہا تو وہ کہیں گے کہ الٰہی (ہم کو لوگوں کی نیتوں کی حقیقت اور ان کے دلوں کے رازوں کا) کوئی علم نہیں۔ ہر بات کی حقیقت و راز سے واقف ہونا تیرا ہی خاصہ ہے)

پھر اللہ تعالی، حضرت عیسیٰؑ کو خاص طور پر خطاب کر کے کہے گا کہ مریم کے بیٹے عیسیٰؑ میری وہ خاص نعمتیں یاد کر جو میں نے تجھ پر اور تیری والدہ پر انعام کیں۔ اس کے بعد اللہ نے وہ سب نعمتں ذکر کی ہیں۔ اور نعمتوں کے ذکر کے بعد اصل مقصود کا بیان فرمایا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰؑ! کیا لوگوں کو تو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود مقرر کرلو۔ (مائدہ:۱۱۶)

اب یوم یجمع اللّٰہ الرّسل سے تو صاف معلوم ہوگیا کہ یہ سارا معاملہ اس دن ہوگا جس دن اللہ کل رسولوں کو جمع کرے گا اور وہ دن سوائے قیامت کے کون سا دن ہوسکتا ہے۔ اس کے نظائر قرآن شریف میں بکثرت ہیں مثلاً:

فلنسئلنّ الّذین ارسل الیھم و لنسئلنّ المرسلین (اعراف:۶)
(جن لوگوں کی طرف ہم نے رسول بھیجے ہیں ان کو اور خود رسولوں کو بھی ہم ضرور پوچھیں گے)

اور یوم ندعوا کل اناسٍ بامامھم (بنی اسرائیل:۷۱) (جس دن ہم لوگوں کو ان کے امام، نبی وقت، سمیت بلائیں گے)۔

اور یوم یحشرھم وما یعبدون من دون اللّٰہ فیقول أأنتم اضللتم

عبادی هئولاء ان هم ضلّوا السّبیل (فرقان : ۱۷) (جس دن اللہ ان مشرکین کو اور جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں، ان سب کو جمع کرے گا، تو ان سے کہے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود گمراہ ہو گئے تھے)

اور و یوم یحشرهم جمیعاً ثمّ یقول للملائکة هئولاء ایّا کم کانوا یعبدون (سبا: ۴۰) (جس دن اللہ ان مشرکین کو جمع کرے گا تو فرشتوں سے مخاطب ہو کر کہے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟)

یہ سب آیتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ جو لوگ اللہ کے سوا معبود بنائے گئے ہیں، ان کو یہ سوال قیامت کو پوچھا جائے گا۔ اور اس دن پیغمبروں کو بھی تبلیغ اور لوگوں کی قبولیت کی بابت پوچھا جائے گا تو چونکہ حضرت عیسیٰؑ بھی پیغمبر برحق ہیں اور نیز اللہ تعالی کے سوا معبود بھی مانے گئے ہیں، اس لئے ان کو یہ سوال بروز قیامت ہوگا نہ کہ اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ دیگر یہ کہ اس سارے مذکور کے بعد هذا یوم ینفع الصّادقین صدقهم (مائدہ: ۱۱۹) موجود ہے یعنی یہ وہ دن ہے جس دن صادقوں کو ان کا صدق نفع پہنائے گا۔ اور یہ بھی قیامت ہی کا روز ہے۔

لوگوں اور رسولوں سے یہ سوال کرنے کی حکمت یہ ہے کہ رسولِ وقت کے سامنے اس کی امت پر تبلیغ رسالت ثابت کر کے ان پر حجت پوری کی جائے تا کہ عذاب میں گرفتار ہونے کی صورت میں کوئی عذر نہ کر سکیں۔ ورنہ خدا تعالی بطور استفہام سوال کرنے سے پاک ہے۔ پس اسی طرح نصاری کے سامنے عیسیٰؑ کو یہ سوال کرنا کہ: کیا تو نے ان کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کے سوائے معبود مان لو؟ اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ عیسیٰؑ ان کے رو برو تبلیغ رسالت اور تعلیم توحید کی شہادت دیں۔ اور نصاری مشرکین پر الزام قائم ہو کر حجت پوری کی جائے۔ پس ضروری ہے کہ عیسیٰؑ اور ان کی امت دونوں حاضر ہوں اور یہ حاضری اور سوال و جواب قیامت سے پہلے نہیں ہو سکتے۔ کیا (معاذ اللہ) رسول برحق حضرت مسیح بری از الزام کو شرمندہ کرنا مقصود ہے کہ ان کی امت کی غیر حاضری میں عالم برزخ میں سوال کیا جائے۔ پس ان سب اگلے اور پچھلے قرائن اور دلائل سے صاف روشن ہو گیا کہ یہ سوال قیامت کو ہوگا اور سب سے بڑھ کر آیت سورہ نسا و یوم القیامة یکون علیهم شهیداً (عیسیٰؑ قیامت کے دن ان، اہل کتاب، پر شاہد ہوں)، تصریح روز قیامت میں ایسی عیاں ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ اس سے زیادہ صراحت کیا ہو کہ اللہ تعالی یوم القیامة لفظ فرما دے۔ سبحان ربّنا۔ ربّنا آمنّا

وجہ سوم: اس سوال کے قیامت کو ہونے کی صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت اذ قال اللّٰہ یا عیسی أأنت قلت للنّاس میں قال بمعنی یقول ہے یعنی بمعنی مستقبل ہے۔ اور جمہور مفسرین نے بھی اس امر کو تحقیق کیا ہے مثلاً تفسیر خازن، تفسیر سراج منیر وغیرہ اور شارحین صحیح بخاری مثلاً ابن حجر اور علامہ قسطلانی اور علامہ عینی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے بلکہ حافظ عمادالدین ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں ایک مرفوع حدیث بھی لکھی ہے کہ

قال رسول اللّٰہ ﷺ اذا کان یوم القیامة دعی بالانبیاء و اممھم ثمّ یدعی یا عیسی ابن مریم فیذکرہ اللّٰہ نعمته علیه فیقرّ بھا فیقول یا عیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیک و علی والدتک.. الآیة۔ ثمّ یقول أأنت قلت للنّاس اتّخذونی و امّی الھین من دون اللّٰہ فینکر ان یّکون قال ذلک (الحدیث)۔ (ابن کثیر) (جب قیامت کا دن ہوگا کل نبیوں کو بلایا جائے گا۔ پھر خاص طور پر عیسی کو پکارا جائے گا۔ پس اللہ وہ نعمتیں جو اس نے ان پر کی ہیں، ان کو یاد کرائے گا اور عیسیٰ ان سب کا اقرار کریں گے۔ اللہ تعالی کہے گا: اے عیسی ابن مریم میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں مریم پر انعام کیں۔ پھر اللہ تعالی فرمائے گا کہ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کے سوا دو معبود مان لو؟ پس عیسی اس بات کے کہنے سے انکار کریں گے)

پس جب خود اللہ قرآن میں یوم القیامۃ کی تصریح کردے اور اس کا رسول بھی فرمادے اور علماء بھی اس کی تحقیق کریں، اور کتب نحو اور آیات قرآنی اور محاورات زبان بھی اذ کے معنی مستقبل ہونے کی شہادت دیں، تو اب اس کا انکار سوائے ضلالت کے اور کیا ہوسکتا ہے؟

سوال: اگر کوئی یہ سوال کرے کہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ روز قیامت کے ذکر میں فرماتے ہیں:

یؤخذ برجالٍ من اصحابی ذات الیمین و ذات الشّمال فاقول اصحابی۔ فیقال انّھم لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم منذ فارقتھم فاقول کما قال العبد الصّالح عیسی ابن مریم و کنت علیھم شھیداً مّا دمت فیھم فلمّا توفّیتنی کنت انت الرّقیب علیھم۔ الآیة (بخاری)

(لوگوں کو دائیں بائیں سے پکڑا جائے گا تو میں کہوں گا، ہیں؟ یہ تو میری امت کے لوگ

ہیں۔تو مجھے کہا جائیگا کہ نہیں یہ وہ ہیں کہ جب سے تو ان سے جدا ہوا (یعنی فوت ہوا) یہ دین سے برگشتہ ہوکر (موت تک) مرتد ہی رہے۔تو میں کہوں گا جس طرح کہا ہوگا عبد صالح عیسی ابن مریم نے کہ الٰہی میں تو ان پر شاہد اس وقت تک رہا جب تک میں ان کے بیچ میں موجود رہا، جب تو نے مجھے بھر لیا تو صرف تو ہی ان پر نگہبان تھا)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰؑ سے یہ سوال و جواب ہو چکا ہوا ہے کیونکہ الفاظ حدیث یہ ہیں فا قول کما قال اور قال فعل ماضی ہے۔اور نیز اس حدیث سے یہ حاصل ہوا کہ عیسیٰؑ کی توفی موت سے ہوئی کیونکہ جو الفاظ یعنی فلمّا توفیتنی عیسی سے منقول ہیں وہی نبی ﷺ کہیں گے۔اور معلوم ہے کہ نبی ﷺ کی توفّی موت سے ہوئی۔ هذا تقرير السّوا ل۔

جواب :اس سوال کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔اول یہ کہ الفاظ فاقول کما قال میں قال کو بلفظ ماضی ذکر کرنا بنا بر حکایت ہے اس قول سے جو قرآن شریف میں مذکور ہے۔پس معنی یہ ہوں گے کہ: کہوں گا میں جس طرح کہ عیسی کی نسبت قرآن میں کہا گیا ہے کہ وہ یہ کہیں گے۔

دیگر یہ کہ صحیح بخاری ہی سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس جگہ قال بمعنی یقول یعنی ماضی بمعنی مستقبل ہے پس معنی یہ ہوں گے : پس میں کہوں گا جس طرح کہے گا عبد صالح عیسی۔

دیگر یہ کہ جب صحیح بخاری سے ثابت ہو چکا کہ اس جگہ ماضی بمعنی مستقبل ہے تو قیامت کو رسول اللہ ﷺ کا قول عیسی کے قول سے پہلے ہوگا یا پیچھے۔اگر پہلے ہوگا تو یہ معنی ہوں گے :،کہوں گا میں جس طرح کہے گا عیسیٰؑ ۔ اور اگر پیچھے ہوگا تو معنی یہ ہوں گے: کہوں گا میں جس طرح کہا ہوگا عیسیٰؑ نے ۔ ، پس اس صورت میں حضرت عیسیٰؑ کا قول بہ نسبت نبی ﷺ کے قول کے قیامت ہی کو زمانہ ماضی میں ہو چکا ہوگا۔پس قال کو ماضی کے صیغے سے ذکر کرنے سے اس قول کا قیامت سے پیشتر واقع ہونا ثابت نہ ہوا۔

دیگر لفظ ماضی کو مستقبل کے معنی میں لینا خلاف قاعدہ نہیں بلکہ یہ تو زبان کا ایک عام قاعدہ ہے کہ جو امر ضرور واقع ہو جانا ہو اس کو صیغہ ماضی سے بیان کرتے ہیں۔گویا اس کو دوسرے کی نظر میں ہوا ہوا جتانا مقصود ہوتا ہے۔اس کی مثالیں قرآن اور دیگر کتابوں میں بکثرت ہیں اور نحویوں کے نزدیک اس مسئلہ کا نام نفخ في الصّور ہے یعنی جس طرح نفِخ في الصّور میں نفِخ فعل ماضی ہے اور معنی اس کے ینفخ فعل مستقبل کے ہیں۔ یہ لفظ جو فعل ماضی سے مستعمل ہوا ہے ایسا ہی ہے۔

مستقبل کو بہ سبب تحقق و وقوع کے لفظ ماضی سے تعبیر کرنا زبان عربی ہی کا خاصہ نہیں بلکہ ہر زبان میں یہ محاورہ عام پایا جاتا ہے جیسے ہماری اپنی ہندی زبان میں جب کوئی کسی کو بلاتا ہے تو دوسرا شخص ان لفظوں سے جواب دیتا ہے ۔ جی آیا جی۔ حالانکہ وہ ابھی اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں ہوتا۔اسی طرح جب کوئی کسی کو کسی کام پر بھیجے اور سخت تاکید سے کہے کہ جلدی جانا اور شتاب واپس آنا، تو اس کی تسلی کے لئے اور اپنی مستعدی اور شتابی ظاہر کرنے کے لئے اس کو یہ کہا جاتا ہے: بس جی! یہ گیا اور وہ آیا۔ حالانکہ وہ اس کے روبرو ہی یہ سب کچھ کہہ سن رہا ہوتا ہے۔ یہ صرف اس لئے ہوتا ہے تاکہ مخاطب کو اس امر کا ضرور ضرور واقع ہو جانا متیقن ہو جائے۔پس آیت اذ قال اللّٰہ میں بھی صیغہ ماضی کا ذکر کرنا اسی قبیل سے ہے۔

اس جگہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے ازالہ اوہام جو کچھ فلمّا توفّیتنی میں لکھا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ اذ جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو اس کے معنی ماضی کے ہوتے ہیں۔ اگر ان کی یہی مراد ہے تو ظاہر ہے کہ مرزا صاحب علم نحو میں پختہ نہیں ہیں۔صرف سادے طور پر چند مسائل جانتے ہیں اور اس علم کی باریکیوں سے واقف نہیں ہیں۔ثبوت اس کا یہ ہے کہ اذ کے مدخول علیہ کی ماضویت کی کوئی خصوصیت نہیں خواہ اس کا مدخول علیہ صیغہ ماضی ہو، خواہ صیغہ مضارع۔ یہ لفظ بحسب الوضع معنی ماضی میں ہوتا ہے جیسے اذ یقول المنافقون و الّذین فی قلوبھم مرض (احزاب:۱۲) اور کبھی مصروف عن المعنی الوضعی ہوکر بمعنی اذ مستعمل ہوتا ہے جیسے کہ اذا موضوع ہے مستقبل کے لئے اور کبھی بمعنی ماضی مستعمل ہوتا ہے (اس کی مثالیں پہلے بیان ہو چکی پس اب طول دینے کا فائدہ نہیں)

اگر کہا جائے کہ تمہارے اس بیان سے معلوم ہوا کہ اگر اذا مضارع بھی آئے تب بھی اس کے معنی ماضی ہوتے ہیں تو اگر اذ قال اللّٰہ یا عیسی میں قال کو بمعنی یقول کہیں تو پھر بھی وہ مضارع ماضی کے معنی میں ہوسکتا ہے ،تو اس کا جواب دو وجہ سے ہے ۔اول یہ کہ اذ مضارع کے لفظ پر داخل ہوکر اس کو ماضی کے معنی میں کر دیتا ہے نہ مضارع کے معنی پر داخل ہوکر۔اسی لئے تقریر میں صیغہ مضارع کہا گیا ہے اور یہاں آیت میں تو قال لفظ مضارع نہیں بلکہ ماضی بمعنی مضارع ہے اور اس قال کو مضارع کے معنی میں ہونے کی وجہیں پہلے گذر چکی ہیں۔

دوم یہ کہ صحیح بخاری میں اس امر کی بابت لکھا ہے کہ یہ اذ صلہ یعنی زائد ہے ۔غرض کسی طرح لو، اس قول کا وقوع قیامت ہی کو ہوگا۔

باقی رہی سوال کی شق ثانی یعنی ہر دو پیغمبروں کے لئے لفظ توفّی کا آنا اور اس پر لفظ کما کا داخل ہونا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ کلمہ کما کے ماقبل و مابعد کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ہر طرح اور ہر وصف اور ہر حکم میں ایک جیسے ہوں بلکہ بسا اوقات ان کی کیفیتوں میں بہت مغائرت ہوتی ہے مثلاً آیت کما بدأنا اوّل خلقٍ نعیدہ (انبیاء:۱۰۴) (جس طرح ہم نے پہلی دفعہ پیدا کرلیا تھا اسی طرح پھر دوسری دفعہ بھی پیدا کرلیں گے) جو اسی حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اس پہلی دفعہ کی پیدائش اور قیامت کی پیدائش کو کلمہ کما (جس طرح) سے ذکر کیا، تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلے گا کہ پہلی دفعہ ماں کے پیٹ سے باپ کے نطفے سے پیدا ہوئے تھے، تو پھر قیامت کو بھی اسی طرح پیدا ہوں گے۔ معاذ اللہ۔ پہلی اور پچھلی پیدائش کی مماثلت صرف اس امر میں جتلائی گئی ہے کہ یہ دونوں باتیں اللہ تعالی کی قدرت میں داخل ہیں جس طرح پہلی دفعہ کی پیدائش کو تم دیکھ چکے ہو اسی طرح دوسری دفعہ موت کے بعد زندہ کرنا بھی اس خالق علیم کی قدرت سے باہر نہیں۔ بلکہ اس میں داخل ہے۔ اسی طرح فاقول کما قال العبد الصّالح میں جو لفظ کما مذکور ہے، وہ تو صرف اس بات کے اظہار کیلئے ہے کہ جس طرح عیسیٰؑ شرک کی تعلیم سے برأت حاصل کرینگے اسی طرح میں بھی برأت حاصل کرونگا اور اسکے نظائر قرآن وحدیث اور کتب ادب میں بکثرت ہیں

اگر کہا جائے کہ ہم نے مان لیا کہ کلمہ کما کے ماقبل و مابعد کا ہر طرح سے ایک دوسرے کا مماثل و مشارک ہونا ضروری نہیں، مگر جب کہ دونوں پیغمبروں کے لئے ایک ہی لفظ توفّی آیا ہے تو اب ہم کس دلیل سے رسول اللہ ﷺ کی توفّی کو تو موت کہیں اور حضرت عیسی کی توفّی کو رفع آسمانی سے تعبیر کریں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شہادۃ القرآن کے حصہ اول میں بہت تفصیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ توفّی جنس ہے اور موت اور رفع وغیرہ اس کی انواع ہیں۔ پس جس لفظ کے مفہوم میں کئی معنی ہوں اس کو ایک معنی میں معین کرنے کیلئے قرائن اور حالات مخصوصہ اور دلائل خارجیہ پر نظر کرنی پڑتی ہے جیسے کہ اسی آیت فلمّا توفّیتنی سے پیشتر تعلم ما فی نفسی و لا اعلم ما فی نفسک (مائدہ:۱۱۶) (یا اللہ! میرے نفس میں جو کچھ ہے تو اسے خوب جانتا ہے لیکن جو کچھ تیرے نفس میں ہے میں اسے ہرگز نہیں جانتا) میں عیسیٰؑ اور اللہ پاک کیلئے ایک ہی لفظ نفس وارد ہوا ہے۔ تو کیا اس سے یہ لازم آیا کہ معاذ اللہ! عیسیٰؑ کا نفس، اور پاک و بے مثل نفسِ الٰہی ایک جیسے ہیں۔ معاذ اللّٰہ تعالی عن ذلک علوّا کبیراً۔ اسی طرح گو ایک ہی لفظ (توفّی) دونوں پیغمبروں کے لئے مستعمل ہے مگر ہر دو کے حالات مخصوصہ جو دلائل خارجیہ سے

ثابت ہیں، ان پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی توفّی رفع آسمانی سے ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی توفّی، موت سے ہوئی۔

عیسیٰؑ کی توفّی بالرّفع ہونے کے دلائل شہادۃ القرآن حصہ اول میں بہ بسط مذکور ہو چکے ہیں جیسے آیت انّی متوفّیک و رافعک الیّ ۔ اور بل رّفعه اللّٰه الیه (طالب تفصیل حصہ اول کا مطالعہ کرے) اور رسول اللہ ﷺ کی توفی بالموت کی دلیل حدیث صحیح بخاری جو باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مرضہ میں موجود ہے، اور نیز دیگر احادیث مثلاً نبی ﷺ کے غسل اور کفن اور جنازے کی۔

پس آیت فلمّا توفّیتنی سے بھی مرزا صاحب کی مراد کے موافق حضرت عیسیٰؑ کی موت ثابت نہ ہوئی، بلکہ اس کے خلاف رفع آسمانی ثابت ہوا۔ فالحمد للّٰه ۔

قسم اول سے تیسری آیت

بل رّفعه اللّٰه الیه ہے۔ یہ آیت حضرت عیسیٰؑ کے رفع آسمانی کیلئے نص قطعی ہے اور اس کی پوری تفصیل حصہ اول میں ہو چکی ہے۔ اور اس کے متعلق مرزا صاحب کے سب خیالات کو عقلی اور نقلی طریق سے غلط ثابت کر دکھایا ہے۔ اس کے جواب میں اگر مرزائی صاحبان مدتوں سر دھنتے رہیں اور زمانوں کوشش کرتے رہیں، تو بھی کبھی کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مرزا صاحب کے طریق استدلال پر تعجب آتا ہے کہ کیسی دلیری اور بے باکی سے آیت بل رفعه اللّٰه الیه کو حضرت عیسیٰؑ کی موت کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں حالانکہ اس آیت سے حضرت عیسیٰؑ کی موت ثابت کرنا ایسا ہے جیسے بعض عیسائیوں نے قرآن سے حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت ثابت کرنی چاہی ہے۔ جب ہم اس آیت کے متعلق مرزا صاحب کی تقریر پڑھتے ہیں تو ہمیں بے اختیار ہنسی آتی ہے اور خیال آتا ہے کہ مرزا صاحب کی حالت دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو آپ علوم عربیہ سے ناواقف ہیں یا جان بوجھ کر ان علوم کا خلاف کرتے ہیں۔ دوسری صورت پر ظن غالب ہے کیونکہ بالفرض اگر خود ناواقف بھی ہوں تو بھی متبحر علماء کے اتنی مدت تک مفید کتابیں تصنیف کرنے سے ایک کم علم انصاف پسند بھی صحیح مراد سے واقف ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ مرزا صاحب ہوں جو معارف قرآنیہ کے سب سے بڑے مدعی ہیں۔

مرزا صاحب نے اس آیت سے موت ثابت کرنے کے لئے جو طریق اختیار کیا ہے وہ

غلط اور ضعیف ہونے کے علاوہ خود ان کے مقصود کے بھی خلاف ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ اس رفع سے مراد وہ موت ہے جو عزت کے ساتھ ہو اور جیسا کہ دوسری آیت اس پر دلالت کرتی ہے و رفعناه مكاناً علياً۔

پھر تحریر فرماتے ہیں:

لہذا یہ امر ثابت ہے کہ رفع سے مراد اس جگہ موت ہے۔ مگر ایسی موت جو عزت کے ساتھ ہو جیسا کہ مقربین کے لئے ہوتی ہے کہ بعد موت ان کی روحیں علیین تک پہنچائی جاتی ہیں۔ في مقعد صدقٍ عند مليكٍ مقتدر۔ انتہی۔

مرزا صاحب کا اصل مقصود یہ ہے کہ اس آیت بل رّفعه اللّٰه اليه سے حضرت عیسیٰؑ کی رفع آسمانی ثابت نہ ہو۔ اسی لئے کئی دفعہ کہا کرتے ہیں کہ جسم عنصری کے اٹھائے جانے کی کوئی دلیل نہیں اور نہ آسمان کی تصریح ہے۔ تو پھر ضرور رفع روحانی اور عزت کی موت مراد لی جائیگی

ازالہ اوہام کی جو عبارت اوپر نقل کی گئی ہے اس سے اس امر کا فیصلہ آسانی سے ہو سکتا ہے کہ رفع کے معنی اٹھانا اور الیه کے معنی آسمان کی طرف مرزا صاحب کے نزدیک مسلّم ہیں کیونکہ آپ جب ارواح کے اٹھائے جانے کے قائل ہیں تو اس صورت میں رفع کے حقیقی معنی اٹھانا ثابت ہیں اور چونکہ ارواح کا اٹھایا جانا آسمان کی طرف ہوتا ہے جیسا کہ آپ بھی اسے علیّین کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اس لئے آیت بل رّفعه اللّٰه اليه میں آسمان کی طرف حقیقی طور پر اٹھایا جانا آپ کے نزدیک مسلّم ٹھہرا۔ اب تنازع صرف اس امر میں رہا کہ کیا چیز اٹھائی گئی؟ آیا خود مسیح مع جسم اٹھائے گئے یا صرف آپ کی روح؟ سو اس کا صاف بیان اس طرح ہے کہ اللہ نے فرمایا:

و قولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول اللّٰه و ما قتلوه و ما صلبوه (نساء: ۱۵۷) (کہ یہودیوں پر ان کے اس قول کے سبب لعنت پڑی کہ وہ کہتے تھے کہ ہم نے ضرور ضرور مسیح ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا اور انہوں نے اس کو نہ تو قتل کیا اور نہ صلیب پر کھینچا)

اور ظاہر ہے کہ قتل کرنے اور صلیب پر کھینچنے کے قابل جسم ہوتا ہے، نہ کہ روح۔ پس یہود کا دعوی قتل مسیح کے جسم کی نسبت ہوا۔ اور اللہ نے بھی قتل اور صلب کی نفی جسم مسیح کی نسبت کی۔ پس چونکہ سب منسوب ضمیریں جو و ما قتلوه وما صلبوه اور وما قتلوه يقيناً بل رّفعه اللّٰه اليه میں پائی جاتی ہیں ان سب کا مرجع المسيح ہے، اس لئے ضرور ضرور مسیح کے جسم کا

اٹھایا جانا ماننا پڑے گا کیونکہ جس چیز کی نسبت یہود دعوی کرتے تھے کہ ہم نے اس کو قتل کر دیا اسی کی نسبت تردید کے طور پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالی نے اسے آسمان پر اٹھالیا اور چونکہ ان کا دعوی جسم کے قتل وصلب کی نسبت تھا اسلیئے اللہ نے بھی جسم ہی کو ان کی گزند سے بچانے کیلیئے اٹھایا جیسا کہ فرمایا ومطھّرک من الّذین کفروا(آل عمران: ۵۵) (میں تجھ کو کفار سے پاک رکھوں گا)

اس مقام پر مرزا صاحب کا آیت و رفعناہ مکا ناً علیّاً کو پیش کرنا بالکل بے محل ہے اور اس سے ان کا مقصود بالکل حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ رفع کے معنی عزت کی موت ، نہ تو بشہادت لغت ثابت ہے اور نہ یہ لفظ عرف عام اور عرف شرع میں ان معنوں میں پایا گیا ہے۔ اور نہ یہ کسی فن کی اصطلاح ہے، تو پھر مرزا صاحب کس قاعدے سے اس سے عزت کی موت مراد لیتے ہیں۔ لغت میں رفع کے معنی ہیں ، برداشتن۔ یعنی اوپر اٹھانا۔ اور اس کی ضد ہے وضع اور خفض یعنی نیچے رکھنا جیسا کہ صراح اور نیز مصباح میں لکھا ہے اور اس کی تحقیق شھادۃ القرآن حصہ اول میں بالتفصیل گزر چکی ہے۔ باقی رہی حضرت ادریسؑ کے رفع کی صورت۔ سو قرآن نے انہی لفظوں میں اس کا بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ اس سے مراد رفعت منزلت ہے کیونکہ جب رفع کے ساتھ کوئی لفظ جو بلندی رتبہ پر دلالت کرے، مذکور ہو تو اس کے مجازی معنی بلندی درجہ کے، لئے جاتے ہیں جیسے کہ آیت و رفعنا بعضھم فوق بعضٍ درجات اور اس جیسی دیگر آیات سے ظاہر ہے۔ پس چونکہ اس کے آگے ہی مکا ناً علیّاً کی تصریح مذکور ہے اسلیئے اس کے معنی اس قرینے سے یہ ہوں گے کہ عزت دی ہم نے اس کو بلند رتبے پر۔

اس بیان سے دو امر برخلاف مقصود مرزا صاحب ثابت ہوئے۔ اول یہ کہ رفع کے معنی عزت کی موت نہیں ہوتے۔ دوم یہ کہ رفع سے مراد بلندی رتبہ تب لئے جاتے ہیں جب اس کے ساتھ کوئی قرینہ پایا جائے ورنہ نہیں۔

مرزا صاحب نے مقربین کی ارواح کے علیین تک اٹھائے جانے میں یہ آیت پیش کی ہے فی مقعد صدقٍ عند ملیکٍ مقتدر۔ مرزا صاحب کا یہ استدلال بھی ٹھیک نہیں کیونکہ اس سے پیشتر یہ ہے:

انّ المتّقین فی جنّاتٍ وّ نھر فی مقعد صدقٍ عند ملیکٍ مقتند۔ (قمر: ۵۴۔۵۵) (پرہیزگار لوگ باغوں اور نہروں میں ہوں گے اقتدار والے بادشاہ کے پاس صداقت کے گھر میں)۔

پس پہلی آیت کے ساتھ ملانے سے واضح ہوگیا کہ اس میں پرہیزگاروں کے لئے جنت میں داخل ہونے کی بشارت ہے اور یہ سب کچھ بروز قیامت ہوگا۔ پس مرزا صاحب کا اس آیت سے یہ استدلال کرنا کہ موت کے وقت پرہیزگاروں کی روحیں علیین پر پہنچائی جاتی ہیں، صحیح نہ ہوا کیونکہ اس آیت میں اس امر کا ہرگز ذکر نہیں۔

قسم اول سے چوتھی آیت

و ان من اهل الكتاب الّا ليؤمننّ به قبل موته و يوم القيامة يكون عليهم شهيداً۔ (نساء:۱۵۹)

مرزا صاحب نے برخلاف مراد الٰہی اس آیت سے بھی عیسیٰؑ کی موت قبل النزول ثابت کرنی چاہی ہے حالانکہ یہ آیت حضرت عیسیٰؑ کی حیات کیلئے قطعی الدلالۃ آیت ہے۔ اور نیز آپ کے نزول کی صاف شہادت دیتی ہے جیسا کہ عنقریب ثابت کیا جائے گا انشاء اللہ۔ مرزا صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے؛

اور کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو ہمارے اس بیان مذکورہ بالا پر جو ہم نے اہل کتاب کے خیالات کی نسبت ظاہر کیا ہے ایمان نہ رکھتا ہو قبل اس کے جو وہ اس حقیقت پر ایمان لائے کہ مسیح اپنی طبعی موت سے مرگیا (ازالہ اوہام۔ جلد ا۔ ص ۱۸۸ تقطیع کلاں)

ناظرین! پیشتر اس کے کہ ہم اس آیت کی صحیح تفسیر ذکر کریں اور آپ کو ثابت کر دکھائیں کہ مرزا صاحب کا استدلال بالکل غلط بلکہ باطل ہے (کیونکہ اس میں تو مرزا صاحب کی مراد کے خلاف عیسیٰؑ کی زندگی کا بیان ہے اور نیز ان کے دعوی مسیحیت کے خلاف عیسی کے نزول کا ذکر ہے)، ہم آپ کی باانصاف توجہ اس ترجمہ کی طرف پھیرنا چاہتے ہیں جو ہم نے ازالہ اوہام تقطیع کلاں صفحہ ۱۸۷۔۱۸۸ جلد اول میں سے اوپر نقل کیا ہے۔ مرزا نے نہ تو قواعد و محاورات زبان کا خیال کیا ہے اور نہ قرآن شریف کے الفاظ کا لحاظ کیا ہے، بلکہ اپنے خیال کے پیرو ہو کر جو کچھ جی میں آیا کہہ دیا ہے۔ اگر خواہش نفسانی یہ نہیں تو پھر کس چیز کا نام ہے اللہ اکبر! اگر قرآن کا ترجمہ اسی طرح کرنا درست قرار دیا جائے کہ ایک امر کو پہلے اپنے جی میں ٹھان لیں اور پھر الفاظ کو موڑ توڑ کر اس کے مطابق کرنے کی کوشش کریں، تو پھر شائد کسی الٹی سے الٹی اور باطل سے باطل بات کو بھی ثابت کر لینا مشکل نہیں ہوگا۔ مخاطب و سامع کیلئے ضروری ہے کہ اپنے خیال کو متکلم کے الفاظ کے

تابع رکھے، نہ یہ کہ متکلم کے الفاظ کو اپنے خیال کے پیچھے پیچھے جدھر چاہے کھینچ لے جائے۔ ترجمہ کرنے کا صحیح طریق یہی ہے کہ پہلے مفردات کے معانی پر غور کیا جائے اور پھر ان کی باہمی ترکیب و تعلق کو زیر نظر رکھ کر مراد کو سمجھا جائے۔ مرزا صاحب اس طریق کے بالکل خلاف چلتے ہیں تب ہی رفع اور حیات اور نزول کے ثابت کرنے والی آیات سے موت سمجھتے ہیں۔

جہاں تک میں نے مرزا صاحب اور آپ کی پارٹی کی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے اور جہاں تک مجھے ان کی پارٹی کے بعض مولویوں سے بحث کرنے کا اتفاق ہوا ہے، میں نے دیکھا ہے کہ ان کی جماعت میں ابھی تک تین آیتوں کے ترجمہ کا فیصلہ نہیں ہوا۔ ہمیشہ ان کے ترجمہ میں تنسیخ و ترمیم ہوتی رہتی ہے جس سے دفع الوقتی کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے اور بات کسی ٹھکانے نہیں لگتی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان آیتوں میں مرزا صاحب کے مذہب اور دعوی کی تردید صاف طور پر مصرح ہے۔ پس ان کو ہمیشہ اس بات کی فکر لگی رہتی ہے کہ ان آیتوں کے مطالب کو پھیر پھار کر ایسے طریق سے بیان کیا کہ اپنے اوپر حجت پوری نہ ہو اور چونکہ جو معنی وہ کرتے ہیں وہ بلحاظ قواعد مقررہ کسی صورت سے ٹھیک نہیں بیٹھتے اس لئے ہر وقت ان کے رد و بدل کی نسبت ان کی طبیعت میں تردد رہتا ہے اور ہمیشہ گرگٹ کی طرح نئے رنگ بدلتے ہیں۔

اول ان تین آیتوں میں سے و لکن شبّہ لھم، دوم یہی آیت و ان مّن اھل الکتاب، سوم، سورہ زخرف کی آیت و انّہ لعلم للسّاعۃ

حصہ اول شہادت القرآن میں گذر چکا ہے کہ آیت و ان من من اھل الکتاب الّا لیؤمنن بہ قبل موتہ و یوم القیامۃ یکون علیھم شھیداً کے صحیح معنی یہی ہیں کہ آئندہ زمانہ میں ایک ایسا وقت آنے والا ہے جس میں سب اہل کتاب حضرت عیسیٰ پر ضرور آپ کے مرنے سے پہلے ایمان لے آئیں گے اور آپ ان پر قیامت کے دن شاہد ہوں گے۔

موافق محاورہ زبان عرب وقواعد علم نحو اس آیت کے صحیح معنی یہی ہیں اور جتنے معنی اس کے سوا ہیں وہ سب غلط ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ لیؤمننّ میں نون ثقیلہ لام تاکید کے ساتھ آیا ہے اور جملہ کتب نحو، کیا متن اور کیا شروح، سب میں بالاتفاق مذکور ہے کہ نون تاکید مضارع کو خاص استقبال کے لئے کر دیتا ہے اور ماضی اور حال کے لئے نہیں آتا۔ اس مسئلہ میں کسی امام لغت ونحو کو خلاف نہیں۔ نہ کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی یا کلام عرب میں اس کے خلاف نون تاکید کا استعمال پایا گیا ہے۔ چنانچہ امام ابن ہشام نحوی، مغنی اللبیب میں فرماتے ہیں:

و امّا المضارع ان کان حالاً لم یؤکّد بهما و ان کان مستقبلاً اکّد بهما وجوباً نحو قوله تا للّه لاکیدنّ اصنا مکم (مغنی جلد۲ ص۲۲)

یعنی مضارع کا صیغہ (جو حال و استقبال دونوں کیلئے آتا ہے) جب حال کے معنی میں ظاہر ہو تو نون تاکید ثقیلہ وخفیفہ اس پر نہیں آ سکتے۔ اور اگر مستقبل کے معنی میں ہو، تو پھر نون کے ساتھ اسکی تاکید ہوتی ہے جب کوئی کلمہ قسم کا آیا ہو۔

اسی طرح علامہ رضی شرح کافیہ میں تحریر کرتے ہیں:

و امّا فی المستقبل الّذی هو خبر محض فلا یدخل الّا بعد ان یّدخل علی اوّل الفعل ما یدلّ علی التوکید ایضاً کـ لام القسم

یعنی جو مستقبل صرف خبری ہی ہو، اس پر نون تاکید کا نہیں آتا، مگر اس وقت جب کہ فعل کے پہلے کوئی ایسا کلمہ ہو جو تاکید پر دلالت کرے جیسے لام قسم۔

اسی طرح اس قاعدہ کی نسبت مفصل زمخشری اور کافیہ ابن حاجب اور الفیہ ابن مالک اور شرح ملا جامی اور تکملہ مولانا عبدالحکیم وغیرہ جملہ کتب نحو میں ایسا ہی مذکور ہے۔

مرزا صاحب نے اس آیت کے جو معنی کئے ہیں وہ تو اوپر بیان ہو چکے ہیں اور ناظرین معلوم کر چکے ہیں کہ وہ علاوہ قواعد زبان عرب کی رو سے غلط ہونے کے الفاظ قرآن سے بھی کس قدر دور اور نرالے ہیں۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے متعلق مولوی محمد احسن امروہی اور مولوی مبارک علی سیالکوٹی نے جو گل کھلائے ہیں اور قواعد نحویہ کی جو رعایت رکھی ہے، اس کو بیان کیا جائے تا کہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ مرزائی پارٹی اس آیت کے ترجمے میں کیسی حیران وسرگردان ہے۔

مولوی مبارک علی سیالکوٹی قادیانی اپنے رسالہ القول الجمیل میں صفحہ ۲۸ میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں:

> اور ان اہل کتاب میں سے ہر ایک شخص کیلئے ضروری ہے کہ اس بات کو اپنے جانے کے پیشتر ہی تسلیم کرے (کہ مسیح کی ہڈی نہیں توڑی گئی اس لئے وہ صلیب پر نہیں مرا) ورنہ یہ تو آخر کو ہونا ہی ہے کہ مسیح جس کی نسبت یہ وہم وگمان بھرے ہوئے اعتقادیات اہل کتاب نے تسلیم کر رکھے ہیں ان کا حال بتلا دے گا۔ اور ان کے برخلاف قیامت کے دن اظہار دے گا۔ اس وقت سب اپنی غلطی سے واقف ہو جائیں گے۔،

ناظرین! علاوہ اس امر کے کہ مولوی صاحب کا یہ ترجمہ قرآن شریف کے الفاظ اور قواعد زبان سے کس قدر اجنبی ہے، آپ اپنی توجہ اس طرف مبذول فرمائیں کہ یہ ترجمہ مرزا صاحب کے اپنے ترجمہ سے کیسا صاف نرالا ہے۔ یہ عجیب امر ہے کہ رسول قادیانی کچھ ترجمہ کرتا ہے اور اس کے امتی کچھ اور ہی راگنی گاتے ہیں۔ ان کا آپس ہی میں اتفاق نہیں تو ہم کس کی مانیں؟ یہ ظاہر ہے کہ مولوی صاحب نے اس مقام پر لیؤمنن کے معنی صیغہ امر کے کئے ہیں کیونکہ انہوں نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے: ضروری ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے،۔

جہاں تک ہمیں تجربہ ہے مولوی صاحب ہمارے بیان سے تو ضرور چڑیں گے اور بوجہ مخالفت کے سیدھے کو بھی ٹیڑھا جانیں گے اور اپنی غلطی کا ہرگز اعتراف نہ کریں گے، اسلئے ناظرین میں سے کوئی صاحب ان سے پوچھیں کہ مولوی صاحب! آپ نے کس قاعدے سے پہچانا کہ لیؤمنن صیغہ امر غائب موکد بنون تاکید ہے؟ سچ ہے کہ جان بوجھ کر حق کے خلاف چلنے اور تعصب سے باطل کی پیروی کرنے سے علم و عقل دونوں جاتے رہتے ہیں۔ مولوی صاحب! یہ امر کا صیغہ نہیں۔ آپ صرف میر وغیرہ ابتدائی کتابوں کا مطالعہ کریں کہ امر کا لام مکسور ہوتا ہے اور آیت میں تو مفتوح ہے۔

اسی طرح فاضل امروہی نے اور ہی گل کھلایا اور اپنی فضیلت کی پگڑی کو داغ لگایا ہے۔ چنانچہ مباحثہ دہلی کے متعلق آپ بعنوان بحث لام تاکید با نون تاکید لکھتے ہیں (دیکھو الحق سیالکوٹ ج ۱ نمبر ۸ ص ۱۲۱):

> ازہری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ لام تاکید کا حال کے واسطے آتا ہے۔ اب تسلیم کیا کہ فقط نون تاکید صرف استقبال کے واسطے ہے لیکن جب کسی صیغہ میں لام تاکید بھی موجود ہو جو حال کے واسطے آتا ہے اور نون تاکید بھی ہو چنانچہ ما نحن فیه میں ہے، تو وہاں خالص استقبال بالضرور ہونے کی کیا وجہ۔ اس کی کوئی دلیل مولوی صاحب (یعنی فاضل بے نظیر مولانا محمد بشیر سہسوانی جن سے دہلی میں مرزا صاحب کا مباحثہ ہوا تھا۔ اور مرزا صاحب اسی نون ثقیلہ کے بوجھ سے ایسے گھبرائے کہ برخلاف شرائط مقررہ بحث کو ناتمام چھوڑ کر بھاگ آئے تھے۔ ابراہیم میر) نے نحو سے ارشاد نہیں فرمائی اور تقریب دلیل محض ناتمام رہی۔ یہ مانا کہ صرف نون تاکید استقبال کے واسطے نحو میں لکھا ہے۔ امر، نہی، استفہام، تمنی، عرض، وغیرہ ان میں صرف نون تاکید ہوتا ہے بغیر لام تاکید کے۔ پس ان صیغوں میں صرف استقبال

ضرور مراد ہوسکتا ہے لیکن جس صیغہ میں لام تاکید بھی ہو اور نون تاکید بھی، اس میں خالص ہونے استقبال کی کیا دلیل ہے۔انتہی۔

فاضل امروہی صاحب کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ن ثقیلہ کا مضارع کو استقبال کے معنوں میں کر دینا تو مسلّم ہے مگر چونکہ لام تاکید کا حال کے واسطے آتا ہے اور لیؤمننّ پر لام تاکید اور نون تاکید ہر دو آئے ہیں، اس لئے اس صیغہ کو حال اور استقبال دونوں کیلئے سمجھنا چاہیے، نہ کہ خالص استقبال کے لئے۔

جب علم نحو کے ابتدائی مسائل میں مولوی محمد احسن امروہی جیسے جید علماء کو ایسا التباس و اشتباہ واقع ہو، جو علوم رسمیہ میں خود مرزا صاحب اور مولوی حکیم نورالدین سے کئی درجے زیادہ لائق ہیں، تو ہم اس پارٹی کی لیاقت علمی اور عقل و دانش کے کیسے قائل ہوں۔ بھلا مولوی مبارک علی کی نسبت تو یہ گمان بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ناواقفی کی وجہ سے لیؤمننّ کو امر کا صیغہ سمجھ لیا ہے مگر مولوی محمد احسن کی فضیلت میں ایسا گمان تو بہت بعید ہے۔ان کو اس لام قسم اور لام حال میں کیوں اشتباہ ہوا؟ آخر ماننا پڑے گا کہ فاضل امروہی نے جان بوجھ کو خلق خدا کو مغالطہ میں ڈالنا چاہا ہے۔ لیجئے ہم فاضل امروہی کو ایک ایسی بات یاد کراتے ہیں جو وہ بوجہ پیری کے بھول گئے ہیں۔

امروہی صاحب! لیؤمننّ میں لام بمعنی حال نہیں ہے بلکہ یہ لام قسم کا ہے۔ اور استقبال خبری پر نون تاکید آنے کے لئے اس سے پہلے کوئی ایسا کلمہ ضروری ہے جو قسم پر دلالت کرے۔ کیونکہ جو استقبال محض خبر ہو، اس پر نون تاکید بغیر اس کے نہیں آسکتا کہ اس سے اول میں ایسا کلمہ ہو جو تاکید پر دلالت کرے، اور جو لام حال کیلئے آتا ہے اس کے ساتھ نون تاکید نہیں آسکتا کیونکہ نون تاکید استقبال کیلئے آتا ہے اور حال کی تاکید نہیں ہوسکتی چنانچہ اس کی مفصل بحث شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی میں اس طرح ہے کہ:

و اعلم انّ الاصل فی نون التّا کید ان تلحق بآخر فعل مستقبل فیه معنی الطّلب الامر و النّهی و الاستفهام و التمنی و العرض نحو اضر بن زید او لا تضربن و هل تضربنه و لیتک تضربن مثقلة و مخففة و اختص بما فیه معنی الطّلب لانّ و ضعه للتّاکید والتاکید انّما یلیق بما یطلب حتی یوجد ویحصل فیفتنم هو بوجدان المطلوب ولا یلیق بالخبر المحض لانّه قد وجد و حصل

فلا يناسبه التّاكيد و اختصّ بالمستقبل لانّ الطّلب انّما يتعلق بما لم يحصل بعد ليحصل و هو المستقبل بخلاف الحال و الماضى لحصولهما والمستقبل الّذى هو خبر محض لا تلحق نون التّا كيد بآخره الّا بعد ان يّد خل على اوّل الفعل ما يدلّ على التّاكيد كـ لام القسم وان لم يكن فيه معنى الطّلب لانّ الغالب انّ المتكلّم يقسم على مطلوبه (نون تاکید کے متعلق اصل قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل مستقبل میں طلب کے معنی پائے جائیں اس کے آخر میں آئے ۔ مثلاً امر، نہی ، استفہام ، تمنی ، عرض ۔ اور یہ طلب کے معنی والے فعل سے اس لئے مختص ہے کہ اس کی وضع تاکید کے لئے ہے اور تاکید اس کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے جس میں طلب پائی جائے تاکہ وہ حاصل اور موجود ہو ۔ اور محض خبر کے مناسب نہیں کیونکہ وہ حاصل و موجود ہوتی ہے اور مستقبل کے ساتھ اس لئے مختص ہے کہ طلب اس کے متعلق ہوتی ہے جو ابھی حاصل نہ ہو اور یہ بات مستقبل میں پائی جاتی ہے، برخلاف حال اور ماضی کے کہ وہ دونوں حاصل ہوتے ہیں ۔ اور جو مستقبل محض خبر ہو اس کے آخر نون تاکید نہیں آتا مگر اس صورت میں کہ فعل کے پہلے کوئی ایسا کلمہ ہو جو تاکید پر دلالت کرے، جیسے لام قسم اگر چہ اس میں طلب کے معنی نہ پائے جائیں کیونکہ غالباً متکلم ایسے امر پر قسم کھاتا ہے جو مطلوب ہو)

فاضل امروہی اس عبارت پر غور کریں گے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ لیؤمنن میں لام قسم کا ہے نہ کہ بمعنی حال (دیکھو تفسیر بیضاوی وغیرہ) پس آپ کا اسے حال اور استقبال دونوں کے لئے سمجھنا ٹھیک نہیں ہے ۔

پس ہم تشریح اور بسط کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ نون تاکید (ثقیلہ یا خفیفہ) مضارع کو خاص استقبال کیلئے کر دیتا ہے اور نیز یہ کہ لیؤمننّ میں لام قسم کا ہے جس کا ہونا استقبال خبری پر نون تاکید داخل ہونے کیلئے ضروری ہے ۔ پس آیت و ان من اهل الكتاب الّا ليؤمننّ به قبل موته کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ نہیں ہوگا اہل کتاب میں سے کوئی مگر البتہ ایمان لائے گا ساتھ حضرت عیسیٰؑ کے پہلے مرنے حضرت عیسیٰؑ کے ۔ ، اور حاصل ترجمہ یہ ہے کہ آئندہ زمانہ میں ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ سب اہل کتاب اس میں حضرت عیسیٰؑ پر حضرت عیسیٰؑ کے مرنے سے پہلے ایمان لے آئیں گے ۔ پس چونکہ ابھی تک اہل کتاب یہود و نصاری کا اتفاق حضرت عیسیٰؑ

پر ایمان لے آنے کے بارے میں نہیں پایا گیا اس لئے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ ابھی تک زندہ ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ کی موت اہل کتاب کے ایمانی اتفاق کے بعد ہونی ہے، اور جب کہ اب تک وہ ایمان میں متفق نہیں ہوئے تو آپ کی موت بھی واقع نہیں ہوئی۔

اس آیت کے جو معنی ہم نے بیان کئے ہیں، محاورہ زبان عرب اور قواعد نحو اور محاورہ کتاب وسنت کی رو سے یہی ایک صحیح ہیں، اور اس کے سوائے جس قدر احتمالات ہیں وہ سب غلط اور باطل ہیں کیونکہ کسی معنی کی بنا پر لیؤمنن" کا لفظ خاص استقبال کے لئے باقی نہیں رہتا۔

اگر جناب مرزا صاحب یا فاضل امروہی ایک آیت یا ایک حدیث یا کوئی کلام عرب عرباء کا ایسا پیش کریں جس میں نون تاکید حال یا ماضی کے لئے یقینی طور پر آیا ہو، یا علم نحو کی کسی معتبر کتاب کی کوئی عبارت جس میں امر مذکور کی تصریح ہو، تو میں اس مقدمہ نون کو جس کی رو سے اوپر ترجمہ کیا گیا ہے، غیر صحیح تسلیم کرلوں گا۔

واضح ہو کہ اس آیت و ان من اهل الکتاب میں موته کی ضمیر کی بابت دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف پھرتی ہے جیسا کہ اوپر مفصل گزر چکا۔ دوم یہ کہ کتابی کی طرف پھرتی ہے۔ پھر اس کے معنی اس طرح ہوں گے: نہیں کوئی اہل کتاب میں سے مگر البتہ ایمان لاتا ہے حضرت عیسیٰ پر اپنے مرنے سے پیشتر۔ یعنی جان کندن کے وقت۔ اس تقدیر پر لیؤمنن" کا خالص استقبال کیلئے رہنا صاف ظاہر ہے کیونکہ اہل کتاب اس آیت کے نزول سے پہلے بھی مرتے تھے اور اس کے نزول کے وقت بھی۔ پس یہ کتابی کی طرف ضمیر کو پھیرنا ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ مفسرین کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ یہ ضمیر کتابی کی طرف پھرتی ہے اور نیز یہ ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی احتمال کے ذکر سے اس احتمال کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ دوم یہ کہ جب ثابت ہو چکا کہ کتابی کی طرف ضمیر پھرنے کی صورت میں لیؤمنن" خالص استقبال کیلئے نہیں رہتا، اور یہ امر قواعد نحو یہ اور محاورہ زبان عرب کے بالکل خلاف ہے تو اب اس قول کو ضعیف ماننے میں کیا تامل ہے؟ سوم یہ کہ جن لوگوں نے اس ضمیر کو کتابی کی طرف مانا ہے انہوں نے اس کے عیسیٰ کی طرف پھرنے سے انکار نہیں کیا اور نہ حیات ونزول عیسی سے انکار کیا ہے، بلکہ پھر بھی وہ اسی آیت سے حیات ونزول عیسیٰ کے قائل ہیں۔ دیکھو شروح بخاری فتح الباری وعمدۃ القاری وغیرہما۔

پس اس سے مرزا صاحب کا مقصود حاصل نہیں ہوسکتا ۔ باقی رہی روایت حضرت ابن عباسؓ ،سووہ ضعیف ہے، اور بروایت صحیح ان سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھرتی ہے چنانچہ فتح الباری میں اس ضمیر کے حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھرنے کے ذکر کے بعد لکھا ہے :

و بھذا جزم ابن عباس فیما رواہ ابن جریر عن طریق سعید بن جبیر عنہ باسناد صحیح ومن طریق ابی رجاء عن الحسن قال قبل موت عیسی و اللّٰہ انّہ الآن لحیّ و لکن اذا نزل امنوا بہ اجمعون و نقلہ عن اکثر اھل العلم و رجحہ ابن جریر و غیرہ (فتح الباری ۔ کتاب بدء الخلق باب نزول عیسی ۔

(کہ ابن عباسؓ نے اسی پر جزم کیا ہے جیسا کہ علامہ ابن جریر نے سعید بن جبیر کے طریق سے ان سے روایت کیا ہے ۔اور نیز ابورجاء کے طریق سے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے ، کہا عیسیٰ کی موت سے پہلے ۔خدا کی قسم اب تک وہ زندہ ہیں، لیکن جس وقت نازل ہوں گے اس وقت سب اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے اور اس بات کو اکثر اہل علم سے نقل کیا ہے اور اسی کو ابن جریر وغیرہ مفسرین نے ترجیح دی ہے)

صحیح بخاری کی دیگر شروح مثلاً عمدۃ القاری اور ارشاد الساری وغیرھما میں بھی یہی لکھا ہے اور اسی امر کو ترجیح دی ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف پھرتی ہے چنانچہ شرح قسطلانی میں ہے :

ای وان مّن اھل الکتاب احد الّا لیؤمنن بعیسی قبل موت عیسی و ھم اھل الکتاب الّذین یکونون فی زمانہ فتکون الملّۃ وا حدۃ وھی ملّۃ الاسلام و بھذا جزم ابن عباس فیما رواہ ابن جریر من طریق سعید بن جبیر عنہ باسناد صحیح (ارشادالساری) (کوئی اہل کتاب میں سے نہ ہوگا مگر البتہ ایمان لے آئے گا ساتھ عیسیٰؑ کے عیسیٰؑ کی موت سے پہلے اور یہ وہ اہل کتاب ہوں گے جو آپ کے زمان نزول میں موجود ہوں گے ۔پس صرف ایک ہی مذہب یعنی مذہب اسلام باقی رہ جائے گا اور اس پر ابن عباسؓ نے جزم کیا ہے جیسا کہ ابن جریر نے سعید بن جبیر کے طریق سے ان سے باسناد صحیح روایت کیا ہے)

محقق مفسرین وشارحین حدیث ہر زمانے میں حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو یعنی کتابی کی طرف ضمیر کے پھرنے والی روایت کو ضعیف کہتے چلے آئے ہیں اور ابن عباسؓ سے

اسی امر کو صحیح و ثابت قرار دیتے چلے آئے ہیں کہ اس ضمیر کا مرجع عیسیٰؑ ہیں اور بس۔

دیگر یہ کہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اس آیت کی تفسیر کی گئی ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسی کی طرف پھرتی ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ پس جب ابو ہریرہؓ اس آیت کو نزول عیسیٰؑ کی حدیث کی تصدیق کیلئے سب صحابہ کے سامنے پڑھتے ہیں اور ان کو باآواز بلند پکار کر کہتے ہیں فاقرأو ان شئتم اور کوئی صحابی ان کے اس استدلال کا انکار نہیں کرتا اور نہ ان کے خلاف قائم ہو کر اس ضمیر کو کتابی کی طرف پھیرنے کیلئے کہتا ہے تو اب ثابت ہو گیا کہ صحابہ میں اس ضمیر کا حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھرنا بلا نکیر مانا گیا ہے اور اس پر ان کا اجماع و اتفاق ہے۔ کیا مرزا صاحب یا مولوی محمد احسن امروہی کہیں سے بسند صحیح ثابت کر سکتے ہیں کہ کسی صحابی نے حضرت ابو ہریرہؓ کے اس استدلال کی تردید یا ان سے خلاف کیا؟ ہرگز نہیں، اور کبھی نہیں۔

اس آیت کے معنی جو ہم نے مضبوط دلائل سے ثابت کر دکھلائے ہیں مرزا صاحب نے اپنے ازالہ اوہام میں ان کے متعلق چار اعتراض کئے ہیں۔ ان سب کے جواب کیلئے نون ثقیلہ کا قاعدہ جو جمیع آئمہ علم نحو کا اتفاقی و اجماعی ہے اور اوپر بیان ہو چکا ہے، کافی ہے۔ لہذا تطویل کی ضرورت نہیں۔ اگر مرزا صاحب کے لئے اتنی تحریر کافی نہ ہوئی اور انہوں نے اس کتاب کا جواب لکھا تو انشاء اللہ جواب الجواب میں زیادہ تفصیل کے ساتھ ان کا منہ بالکل بند کر دیا جائے۔

بیان مذکورہ سے ثابت ہو گیا کہ آیت و ان مّن اهل الکتاب الّا لیؤمننّ به قبل موته میں عیسیٰؑ کی موت قبل النزول کا واقع ہونا مذکور نہیں، بلکہ برخلاف اس کے آپ کے زندہ ہونے کا صاف ثبوت ہے۔ اب اس لطیف نکتہ کا بیان کیا جاتا ہے جس کی رو سے ابو ہریرہؓ نے علاوہ قبل موته کی ضمیر کے اس آیت کو حضرت عیسیٰؑ کے نزول کی حدیث کی تصدیق کیلئے سب صحابہ کے سامنے پیش کیا اور ان میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہ کیا۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے سورہ مائدہ کے اخیر میں فرمایا کہ قیامت کو جب حضرت عیسیٰؑ کو سوال ہو گا کہ کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدائے واحد کے سوا معبود بنا لو؟ تو عیسیٰؑ اپنی برأت کیلئے عرض کریں گے کہ یا الہی میں نے تو ان کو وہی کچھ کہا تھا جو تو نے مجھے حکم کیا و کنت علیهم شهیداً ما دمت فیهم (مائدہ: ۱۱۷) (اور میں تو ان پر تب تک ہی شاہد رہا جب تک میں ان کے بیچ میں رہا) اس سے معلوم ہوا کہ شاہد کا مشہود علیھم کی جماعت میں ہونا ضروری ہے۔

اب اس آیت و ان مّن اهل الکتاب میں دیکھیں کہ اللہ تعالی ان اہل کتاب کی

نسبت جو عیسیٰ کے زمان نزول میں ان پر ایمان لائیں گے، فرماتا ہے:

و ان مّن اھل الکتاب الّا لیؤمننّ بہ قبل موتہ ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیداً (نساء:۱۵۹)

عیسیٰ قیامت کے دن ان پر شاہد ہوں۔ پس جب عیسیٰ اس اخیر زمانے کے اہل کتاب پر شہادت دیں گے، تو پہلی آیت کو مدنظر رکھ کر ثابت ہوا کہ آپ اخیر زمانہ کے لوگوں میں نزول فرما کر ہوں گے۔ تمّ و الحمد للّٰہ علی حسن توفیقہ

حضرت عیسیٰ کی اس شہادت سے مرزا صاحب کا اعتراض بھی دور ہو گیا کہ اگر عیسیٰ زمان اخیر میں نازل ہوں گے تو اہل کتاب کے عقاید سے خبردار ہو جائیں گے، پھر جناب باری میں کیوں نہ کہہ دیں گے کہ الٰہی جب میں پھر دنیا میں گیا تھا تو اب کو ایسا ایسا سمجھا دیا تھا۔

ناظرین! آپ تھوڑا سا غور کریں گے تو آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ یوم القیامۃ یکون علیھم شھیداً میں اسی شہادت کی خبر ہے۔ پس مرزا صاحب کا اعتراض بالکل دور ہو گیا۔

قسم اول سے پانچویں آیت

ما المسیح ابن مریم الّا رسول۔ قد خلت من قبلہ الرّسل و امّہ صدّیقۃ کانا یاکلان الطّعام (مائدہ:۷۵)۔

مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

مسیح صرف ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے نبی فوت ہو چکے ہیں اور ماں اس کی صدیقہ ہے۔ جب وہ دونوں زندہ تھے تو طعام کھایا کرتے تھے۔

اس کے بعد آگے پھر لکھتے ہیں:

یہ آیت بھی صریح نص حضرت مسیح کی موت پر ہے کیونکہ اس آیت میں بتصریح بیان کیا گیا ہے کہ اب حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ مریم طعام نہیں کھاتے۔ ہاں کسی زمانہ میں کھایا کرتے تھے جیسا کہ کانا کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے جو حال کو چھوڑ کر گذشتہ زمانہ کی خبر دیتا ہے اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مریم طعام کھانے سے اسی وجہ سے روکی گئی کہ وہ فوت ہو گئی اور چونکہ کانا کے لفظ میں جو تثنیہ کا صیغہ ہے حضرت عیسیٰ بھی حضرت مریم کے ساتھ شامل

ہیں اور دونوں ایک ہی حکم کے نیچے داخل ہیں، لہذا حضرت مریم کی موت کے ساتھ ان کی موت بھی ماننی پڑی کیونکہ آیت موصوفہ بالا میں ہرگز یہ بیان نہیں کیا گیا کہ حضرت مریم تو بوجہ موت طعام کھانے سے روکی گئی لیکن حضرت ابن مریم کسی اور وجہ سے۔

پیشتر اس کے کہ ہم مرزا صاحب کے استدلال کو غلط ثابت کریں اور اس آیت کی صحیح تفسیر و مراد بتائیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی عبارت منقولہ میں سے علمی اغلاط اور مغالطے ظاہر کریں جس سے معلوم ہو جائے کہ مرزا صاحب اپنی مطلب براری کیلئے قرآن شریف کے الفاظ اور سیاق وسباق آیت کا ہرگز لحاظ نہیں کرتے، اور نہ دیگر علوم کو جو قرآن شریف کی صحیح مراد کو سمجھنے کیلئے وضع کئے گئے ہیں، زیر نظر رکھتے ہیں۔

جناب مرزا صاحب! کانا یاکلان الطّعام کا ترجمہ آپ نے یہ کیا ہے:

جب وہ دونوں زندہ تھے تو طعام کھایا کرتے تھے۔

حضرت! قرآن سے ایسی دل لگی نہیں چاہیے۔ جب وہ دونوں زندہ تھے، کس لفظ کے معنی ہیں؟ قرآن کی آیت کا ترجمہ تو ذرا ہوش اور خدا کے خوف سے کیا کرو۔ تعجب ہے کہ آپ اس آیت کو موت کے ثبوت کیلئے نص صریح اور تصریح کہتے ہیں۔ کیا علم اصول میں نص اور صریح کی یہی تعریف ہے کہ اس میں مقصود کا ذکر تک نہ ہو۔ مرزا صاحب! یہ کیسا معاملہ ہے؟ کیا آپ علم اصول سے ناواقف ہیں یا عمداً لوگوں کو غلط بیانی سے ایسا کہہ دیتے ہیں؟ فاضل امروہی صاحب! آپ نے تو علم اصول پڑھا ہوا ہے، برائے خدا آپ ہی بتائیں کہ یہ آیت حضرت عیسی کی موت کیلئے نص صریح ہے۔ و لا تکتموا الشّھادۃ ومن یکتمھا فانّہ آثم قلبہ (شہادت مت چھپاؤ اور جو کوئی شہادت چھپائے گا۔ پس ضرور ضرور اس کا دل گنہگار ہوگا)

مرزا صاحب! اگر یہ آیت موت پر نص صریح ہوتی تو کیا تیرہ سو برس تک امت کے علماء اور امام اس سے بے خبر رہتے؟ اگر مفہوم کا نام نص صریح ہے تو پھر آپ مفہوم کس کو قرار دیں گے اور جہاں سچ مچ تصریح ہوگی، اس کا نام کیا رکھیں گے؟

اب ہم اس آیت کا اصل مطلب بیان کرتے ہیں اور ثابت کر دیتے ہیں کہ مرزا صاحب قرآن کو سمجھنے سے کوسوں دور ہیں۔ قرآن، منظوم اور مربوط کلام ہے اس کا کلمہ کلمہ اور آیت آیت ایک دوسرے کے ساتھ عجیب طور سے وابستہ ہے۔ لہذا ضرور ہے کہ اس سے پہلے کی آیات پر نظر کریں تا کہ ظاہر ہو کہ اس سے مقصود خداوندی کیا ہے۔ سو یہ مضمون یہاں سے شروع ہوتا ہے:

لقد کفر الّذین قالوا انّ اللّٰہ ثالث ثلاثۃ وما من الہ الّا الہ واحد و ان لم ینتھوا عما یقولون لیمسّنّ الّذین کفروا منھم عذاب الیم افلا یتوبون الی اللّٰہ و یستغفرونہ واللّٰہ غفور رحیم ۔ما المسیح ابن مریم الّا رسول قد خلت من قبلہ الرّسل و امّہ صدّیقۃ کانا یاکلان الطّعام انظر کیف نبیّن لھم الآیات ثم انظر انّی یؤفکون مائدہ:۷۳۔۷۵

(بے شک جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالی تین میں سے تیسرا ہے، انہوں نے یہ کفر کا کلمہ کہا اور معبود تو سوائے ایک معبود کے اور کوئی نہیں ۔اور اگر یہ لوگ اس قول سے باز نہ آئے تو ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب پہنچے گا ۔کیا (یہ لوگ اصرار کرتے ہیں) پس اللہ کی طرف لوٹ کر نہیں آتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے حالانکہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔مسیح ابن مریم تو صرف رسول ہیں، ان سے پیشتر کئی رسول گذر چکے ہیں اور ان کی ماں صدیقہ ہے ۔وہ تو کھانا کھایا کرتے تھے ۔(اے پیغمبر) دیکھو ہم ان کے لئے کیسی واضح طور پر آیتیں بیان کرتے ہیں پھر دیکھو یہ لوگ کدھر کو بھٹکے جاتے ہیں)

ناظرین! آپ کے ذہن نشین ہوگیا ہوگا کہ آیات سے مقصود خداوندی صرف اثبات توحید اور ابطال الوہیت مسیح ہے، نہ کچھ اور ۔اثبات توحید اور تردید تثلیث کیلئے اللہ نے فرمایا ما من الہ الّا الہ واحد یعنی الہ تو صرف ایک ہی ہے ۔کیونکہ الہ اس کو کہتے ہیں جسے غایت کمال حاصل ہو اور ظاہر ہے کہ غایت درجے کا کمال صرف ایک ہی ذات میں ہوسکتا ہے، متعدد میں نہیں ہوسکتا ۔پس توحید ثابت ہوگئی ۔اور تثلیث باطل اور مسیح کی الوہیت کے ابطال میں فرمایا ما المسیح ابن مریم الّا رسول قد خلت من قبلہ الرّسل وامّہ صدّیقۃ کانا یاکلان الطّعام یعنی مسیح ابن مریم تو صرف رسول ہے (خدا نہیں ہے) اس سے پیشتر کئی رسول گذر چکے ہیں ۔اور اس کی ماں صدیقہ تھی ۔وہ تو دونوں کھانا کھایا کرتے تھے ۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے علاوہ اس بات کے کہ عیسیٰؑ ایک عورت سے پیدا ہوئے ہیں، اس بات سے ان کی الوہیت کا رد کیا کہ وہ کھانا کھایا کرتے تھے ۔کھانے سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ بدن کی پرورش ہوتی رہے تاکہ کچھ مدت تک بقا حاصل ہو ۔پس جب مسیح اور انکی والدہ اپنے بقا میں کھانے کے محتاج تھے تو پھر انکو معبود ماننا بالکل باطل ہے کیونکہ خدا تو کسی چیز کا محتاج نہیں اور نہ معبود برحق کیلئے کسی چیز کا محتاج ہونا جائز ہے کیونکہ پھر یہ نہیں کہہ سکتے کہ غایت کمال حاصل ہے ۔پس مسیح اور ان کی والدہ الہ نہیں ہوسکتے

اس آیت میں اللہ نے حضرت عیسیٰؑ اور آپ کی والدہ صدیقہؑ کے متعلق باوجود ان کے

بہت سی اشیاء کے محتاج ہونے کے صرف ایک امر احتیاج طعام کا ذکر کیا ہے ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مقصود صرف احتیاج ثابت کرنے کا ہے، نہ حاجتوں کے گننے کا ۔ اثبات مدعا کیلئے بطور مثال صرف ایک امر کا بیان کافی ہوتا ہے لہذا سب کے ذکر کی ضرورت نہیں ۔ ناظرین! اس بیان سے آپ یہ بھی سمجھ جائینگے کہ اس ذکرِ احتیاج کو زندگی یا موت سے کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ اس کا ذکر خواہ محتاج کی زندگی میں کیا جائے خواہ اس کی موت کے بعد، مقصود ہر دو حالت میں یکساں حاصل ہے ۔ پس مرزا صاحب کا اس آیت کو عیسیٰ کی موت کے لئے نص صریح کہنا عجیب قسم کی بے سمجھی ہے ۔

اس آیت میں حضرت مریمؑ کا ذکر بھی اس لئے کیا کہ عیسائیوں کے بعض فرقوں کے نزدیک حضرت مریم بھی خدائی کے رتبے تک پہنچائی جاتی ہیں، جیسا کہ اسی سورت میں وارد ہے أأنت قلت للنّاس اتّخذونی و امّی الهین من دون اللّٰہ ۔یعنی اے عیسیٰ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوائے مجھے اور میری ماں کو معبود جانو؟ (مائدہ:۱۱۶)

پس اس مقام پر حضرت مریمؑ کی الوہیت کی تردید کا بھی ساتھ ہی ذکر کیا تا کہ تثلیث کا اچھی طرح ابطال ہو جائے اور توحید ثابت ہو جائے کیونکہ اوپر اللہ نے ذکر کیا کہ جن لوگوں نے خدا کو تینوں میں سے تیسرا خدا مانا ہے وہ کفر پر ہیں ۔ اور اس کے بعد عیسیٰ اور مریم کی الوہیت کی تردید کی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض نصاری کے نزدیک تثلیث کے ارکان یہ ہیں ۔ اللہ تعالی ۔ عیسی ۔ اور مریم ۔ اور جب ثابت ہو گیا کہ عیسی اور مریم بوجہ محتاج ہونے کے الٰہ نہیں ہو سکتے تو بس صرف ایک اللہ ہی باقی رہا جو سچا معبود ہے اور خدائی کے لائق ہے ۔ کیا ہی خوب کہا گیا ہے

خدایا جہانِ پادشاہی تراست　　　　زما خدمت آید خدائی تراست

واضح ہو کہ اللہ تعالی نے اس آیت میں حضرت عیسیٰ کے لئے مرتبہ رسالت بیان کیا اور حضرت مریمؑ کے لئے مرتبہ صدیقیت کا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نصاری کو حضرت عیسیٰ اور مریمؑ کی نسبت الوہیت کا خیال و وہم ان کے معجزات و کرامات پر نظر کرنے سے ہوا ہے سو اللہ تعالی نے اس کی تردید اس طرح کی کہ اظہار معجزات و کرامات سے انسان مرتبہ رسالت سے بڑھ نہیں سکتا ۔ پس حضرت عیسیٰ جو اپنے معجزات کی رو سے منجملہ دیگر رسولوں کے ایک رسول ہیں اور حضرت مریمؑ بوجہ کرامات صدیقہ ہیں، خدا کس طرح بن گئے ۔ اسی لئے اللہ تعالی نے قد خلت من قبلہ الرّسل فرمایا یعنی اس سے پیشتر کئی رسول گذر چکے ۔ اس ذکر سے یہی مقصود ہے کہ جس طرح دیگر پیغمبروں کو خاص خاص معجزات عطا کئے گئے اور وہ ان کے سبب سے خدا نہیں بن گئے بلکہ رسول ہی

رہے، اسی طرح مسیح بھی بوجہ ظہور معجزات خدا نہیں بن سکتے بلکہ صرف رسول ہی ہو سکتے ہیں۔ دیکھو موسیٰؑ کو جو معجزے عطا کئے گئے وہ حضرت عیسیٰؑ کو نہیں دیئے گئے۔ مثلاً عصا کا سانپ بن جانا اور ید بیضا وغیرہ۔ حالانکہ موسیٰؑ کا باذن الٰہی عصا کا سانپ بنا دینا حضرت عیسیٰؑ کے باذن الٰہی مردے کو زندہ کر دینے سے زیادہ عجیب ہے۔ ان دلائل کے ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا کہ انظر کیف نبیّن لھم الآیات ثمّ انظر انّی یؤفکون (اے پیغمبر) دیکھو ہم کس طرح صاف صاف توحید کے دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھو یہ لوگ راہ راست سے کدھر بھٹکے جاتے ہیں اور باطل پر ضد اور اصرار کرتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے۔

پس ناظرین! اصل مقصود اور صحیح مراد اس آیت کی یہ ہے جو بیان کی گئی ہے۔ نہ اس میں عیسیٰؑ کی موت کا ذکر ہے اور نہ کچھ اور مذکور ہے۔ مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے جو ہم نے کی ہے۔ باقی رہا مرزا صاحب کا یہ استدلال کہ:

> کانا ماضی کا صیغہ ہے اور نیز تثنیہ کا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں زمان گذشتہ میں کھانا کھایا کرتے تھے اور اب نہیں کھاتے۔ اور جس طرح بوجہ موت کے حضرت مریم کھانے سے روکی گئی ہیں، اسی طرح موت ہی سے حضرت عیسی بھی روکے گئے ہیں۔

سو یہ استدلال نہایت ہی ضعیف اور مضحکہ اطفال ہے۔ علماء کے نزدیک مرزا صاحب ایسے ہی استدلالات کی وجہ سے ہلکے شمار کئے گئے ہیں۔ اول اس لئے کہ کسی امر کے کسی زمانے میں مذکور ہونے سے دوسرے زمانے میں اس کی نفی لازم نہیں آتی، بلکہ قاعدہ یہی ہے کہ جس امر کو جس زمان میں ثابت کیا گیا ہے یا اسکی نفی کی گئی ہے اسے اس زمانے کے متعلق ویسا ہی جانیں اور باقی زمانوں کیلئے اسکی نسبت دلائل خارجی پر نظر کریں۔ انکی رو سے جیسا ثابت ہو ویسا اعتقاد رکھیں۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے کھانے کی نسبت زمان ماضی کا صیغہ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نصاریٰ لوگ اب عیسیٰؑ کو ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد کھانے کا محتاج نہیں جانتے لیکن یہ مانتے ہیں کہ زمین پر ہونے کے ایام میں کھاتے تھے۔ پس اگر زمان حال کو بھی ساتھ شامل کیا جاتا تو ان پر حجت پوری نہیں ہوسکتی تھی، لہذا زمان حال کو ترک کر کے زمان ماضی کا ذکر کیا۔ اور اس زمان ماضی میں حضرت مریم کو بھی اس لئے ذکر کیا کہ وہ بھی اس کھانے کی احتیاج میں ان کی شریک تھی۔ پس ایک ہی لفظ اور ایک ہی امر سے دونوں کی الوہیت کے وہم کو دور کر دیا۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ کا زمان حال میں کھانا، سو اس سے اس آیت میں بحث ہی نہیں اور نہ

اس کے ذکر کی ضرورت ہے ۔ باقی رہا مرزا صاحب کا یہ لکھنا کہ جس طرح یعنی موت سے حضرت مریم کھانے سے روکی گئی ہیں اسی طرح موت سے حضرت عیسیٰ بھی روکے گئے ہیں ۔سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بھی مرزا صاحب کی علونظری کی وجہ سے ہے ۔مرزا صاحب ! آیت میں کانا یا کلان وارد ہوا ہے اور آپ ان کے نہ کھا سکنے کی کیفیت کو ایک نہج پر لانے کا استدلال کرتے ہیں ۔عقل تو یہ کہتی ہے کہ کانا یا کلان جس میں ان دونوں کی مشارکت وصفِ کھانا میں صاف مذکور ہے اس میں بھی ایک کیفیت پر ہونا ضروری نہیں کیونکہ تثنیہ کے صیغے سے صرف اتنی مراد ہوتی ہے کہ اس حکم میں فاعل کے ساتھ ایک اور بھی شریک ہے اور اس حکم میں ان دونوں کی کیفیت اور حیثیت خارجی دلائل کے ثبوت پر موقوف ہوتی ہے ۔اس کی نظائر قرآن وحدیث اور ہر زبان کے روزمرہ میں بکثرت ہیں ۔مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ کل زید اور بکر میرے پاس دونوں آئے تھے لیکن آج نہیں آئے، تو کیا اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ جو وجہ زید کے آج نہ آنے کی ہے، وہی بکر کے نہ آنے کی بھی ہے؟ ہرگز نہیں ۔ایسا استدلال مرزا صاحب کی نازک خیالی کہو تو، اور علوم رسمیہ سے ناواقفی کہو تو، بہرصورت من گھڑت ہے۔عقل سلیم اور قواعد مقررہ اس کا انکار کرتے ہیں ۔

حاصل کلام یہ کہ اول تو ضرور نہیں کہ ہم تسلیم کرلیں کہ عیسیٰؑ آسمان پر کھانا نہیں کھاتے، کیونکہ یہ کہہ سکتے کہ ان کو جنت سے کھانا پہنچتا ہے ۔اور اگر مان بھی لیں کہ حضرت عیسیٰؑ اب کھانا نہیں کھاتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اب بوجہ آسمانی رہائش کے اور صحبت ملائکہ کے ان کا مایہ حیات ذکر وعبادت الٰہی ہے، نہ طعام اہل دنیا ۔پس حضرت مریم کا کھانے سے باز رہنا دوسرے سبب سے ہے اور حضرت عیسیٰؑ کا کھانے سے باز رہنا دوسرے سبب سے ۔ پس حضرت عیسیٰؑ کے کھانے سے باز رہنے سے آپ کی موت کا نتیجہ ضروری نہیں کیونکہ کھانے سے باز رہنے کی صورت اور وجہ صرف موت ہی نہیں، بلکہ انبیاء اور اکابر اولیاء کرام کے لئے ذکر وعبادت الٰہی بھی طعام کا فائدہ دے کر ان کے لئے مایہ حیات بن جاتی ہے جیسے نبی ﷺ وصال کے روزوں میں کچھ نہ کھاتے تھے، اور پھر توانا بھی رہتے تھے ۔ چنانچہ اسی کی نسبت فرمایا ابیت عند ربّی فھو یطعمنی و یسقینی ۔یعنی میں رات کو اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں وہی مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے ۔

اس بیان سے مرزا صاحب کا وہ وہم بھی دور ہوگیا جو ان کو آیت و ما جعلنا ھم جسداً لا یأکلون الطّعام میں پڑا ہے۔ تمّ و اللّٰہ الموفق

قسم اول سے چھٹی آیت:

و اوصانی بالصّلوۃ و الزّکوۃ ما دمت حیّاً (مریم:۳۱) یعنی حضرت عیسیٰؑ کہتے ہیں کہ مجھے خدا نے نماز اور روزہ کا حکم کیا ہے، جب تک میں زندہ رہوں۔

مرزا صاحب کو اس آیت کے متعلق دو وہم ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کو زندگی بھر تک نماز اور زکوۃ کا حکم ہو رہا ہے اور جب وہ آسمان پر زندہ ہیں تو اس حکم کی تعمیل کس طرح کرتے ہیں۔ دوم یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کو انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کا حکم ہے اور اگر وہ آخری زمانہ میں نازل ہو کر اس امت میں داخل ہوں گے تو آپ کو مسلمانوں کے مطابق نماز پڑھنی پڑے گی۔ اور نتیجہ ان ہر دو وہموں سے یہ نکالتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہوئے ہیں کیونکہ پھر ہر دو اعتراض مذکور میں سے کوئی بھی عائد نہیں ہوتا۔

ہم ذیل میں ان دونوں وہموں کو دور کر کے اس آیت کی صحیح تفسیر بیان کرتے ہیں جس سے ناظرین کو علاوہ مرزا صاحب کے استدلال کے ضعیف بلکہ غلط ہونے کے اس امر کا بھی علم ہو جائے گا کہ مرزا صاحب اسرار شریعت سے ناواقف تھے ورنہ ان کو ایسے وہم پیش نہ آتے۔

پہلے وہم کا ازالہ کئی طریق پر ہے۔ اول یہ کہ ان احکام شریعہ کے مکلّف وہ لوگ ہیں جو زمین پر آباد ہیں، نہ وہ جو آسمان پر ہیں۔ کیا فرشتے بھی ان ہی احکام کے اسی طرح مکلّف ہیں، جس طرح ہم ہیں؟

دوم یہ کہ آسمان پر عبادت کا ہو سکنا کیوں بعید نظر آتا ہے۔ کیا آسمان میں جائے عبادت نہیں؟ اور شب و روز فرشتے تسبیح و ذکر الٰہی میں مشغول نہیں رہتے؟ اسی طرح اگر عیسیٰؑ بھی ان فرشتوں کی جماعت میں عبادت کریں تو کیا تعجب ہے؟

سوم یہ کہ اس آیت میں زکوۃ سے مراد صدقہ مفروضہ نہیں، بلکہ طہارت و صلاحیت مراد ہے جیسے کہ اس سے پیشتر حضرت یحیٰؑ کے ذکر میں فرمایا و حناناً من لّدنّا و زکوۃ یعنی ہم نے یحیٰؑ کو اپنے پاس سے نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی۔ اس جگہ تو قطعاً زکوۃ سے صدقہ مفروضہ مراد نہیں ہے۔ اور نیز چونکہ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اس سے پیشتر بشارت دی گئی تھی لاھب لک غلاماً زکیاً حضرت جبریل نے حضرت مریم کو کہا کہ میں تیرے پاس اس لئے آیا ہوں ہوں تا کہ تجھے ایک لڑکا عطا ہونے کی بشارت سنا کر اس بخشش کیلئے ایک نوع کا سبب بن سکوں۔ اس

لئے اگر اس آیت و اوصانی بالصّلوۃ و الزّکوۃ ما دمت حیّاً کے یہ معنی کئے جائیں کہ اللہ نے مجھے حکم کیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں، نماز ادا کرتا رہوں اور پاکیزہ رہوں۔تو بالکل لغت اورقرآن کے مطابق ہوں گے، بلکہ اس صورت میں تو قرآن ہی سے اس کا ثبوت ہے، پھر جائے انکار ہی کیا ہے؟ اگر کہا جائے کہ قرآن میں جہاں کہیں نماز کے ساتھ زکوۃ کا ذکر آیا ہے، اس جگہ زکوۃ سے مراد یہی صدقہ مفروضہ ہوتا ہے نہ کہ لغوی معنی یعنی پاکیزگی۔تو اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔اول یہ کہ یہ استدلال استقرائی ہے اور استقرا ظنی دلیل ہوتی ہے، یقینی نہیں ہوتی۔پس اس سے اتنا تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ بے شک قرآن شریف میں اکثر جگہ ایسا ہی وارد ہے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس نماز کے ساتھ زکوۃ کا ذکر آئے اس جگہ خواہ مخواہ صدقہ مفروضہ ہی مراد لیا جائے کیونکہ لغت اور عقل اس کی شہادت نہیں دیتے۔دوم یہ کہ معترض کے قاعدے کو تسلیم کر کے بھی اس جگہ زکوۃ سے طہارت مراد لینی خلاف محاورہ قرآن شریف نہیں ہے کیونکہ قرآن میں نماز کے ساتھ کسی جگہ ایسی عبادت کا ذکر کیا گیا ہے جو اس کے سوائے ہے جیسے صدقہ مفروضہ اور کسی جگہ ایسی عبادت کا ذکر کیا گیا ہے جو اس کی جزو اور اس کی جنس سے ہے۔مثلاً آیت فصل لربّک وانحر میں اگر نحر سے مراد قربانی لی جائے تو یہ پہلی صورت یعنی نماز کے علاوہ زکوۃ کی طرح مالی عبادت ہے۔اور اگر اس سے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا یا رکوع کے وقت رفع یدین کرنا مراد لیا جائے (جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے) تو یہ دوسری صورت یعنی نماز کے افعال میں سے ایک فعل ہے۔پس جس طرح اس آیت میں نماز کے ساتھ اس کے بعض امروں کا ذکر مستحسن ہے اسی طرح عیسیٰؑ کے حکم کے متعلق بھی نماز کے ساتھ طہارت وصلاحیت کا ذکر ممنوع نہیں کیونکہ طہارت و پاکیزگی نماز کے لئے ضروری اور شرط ہے۔

اور زکوۃ کے دوسرے معنی یعنی صلاحیت تو نماز کے ساتھ بہت ہی چسپاں ہیں کیونکہ صلاحیت اور صلوۃ میں عموم وخصوص کی نسبت ہے۔

اس آیت میں زکوۃ سے مراد جو طہارت وصلاحیت بتائی گئی ہے اس کو تاویل نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ زکوۃ کے لغوی معنی یہی ہیں جیسا کہ

قال صاحب القاموس و الزّکوۃ صفوۃ الشیء و اما اخرجنہ من مالک لتطھرہ بہ و قال صاحب المصباح زکا الرّجل یزکوا اذا صلح و قال اللّٰہ صدقۃ تطھّرھم و تزکیھم بھا فضم التزکیۃ

بالتطهیر وقال صاحب الصّراح زکوۃ ۔(تزکیۃ زکوۃ دادن و پاکیزہ کردن وستودن خود را وزکوۃ از کسے گرفتن قولہ تعالی تزکیھم ای تطھّرھم ۔انتھی ما فی الصّراح)۔

(قاموس میں ہے کہ زکوۃ کسی شئے کے صاف کرنے اور اس شئے کو کہتے ہیں جو پاک صاف کی گئی ہو ۔اور جو کچھ مال میں سے پاکیزگی کیلئے نکالا جائے ۔اور مصباح میں ہے کہ زکا الرجل کے معنی یہ ہیں کہ وہ مرد صلاحیت والا ہوگیا۔اور فرمایا اللہ نے کہ اے پیغمبران سے صدقہ لو جس ے تم ان کو پاک صاف کرو ۔اور صراح میں ہے کہ تزکیہ کے معنی زکوۃ دینا اور پاک کرنا اور اپنے آپ کو سراہنا اور کسی سے زکوۃ لینا ہیں جیسے کہ قرآن میں ہے تزکیھم یعنی ان کو پاک کرے)

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ لغت میں زکوۃ کے معنی پاکیزگی اور صفائی کے ہیں اور شریعت محمدیہ میں جو اس سے ایک مخصوص مالی عبادت مراد رکھی گئی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عبادت طہارت و پاکیزگی کا سبب بنتی ہے یعنی بخل اور مال کی محبت سے دل پاک وصاف ہوجاتا ہے ۔اور یہ امر مسلّم ہے کہ لغوی اور منقولی مضمون میں مناسبت ضرور ہوتی ہے ۔پس بیان بالا سے واضح ہوگیا کہ واوصانی بالصّلوہ والزّکوۃ میں زکوۃ سے طہارت وصلاحیت مراد لینی لغت اور قرآن کے بالکل مطابق بلکہ مؤید بالقرآن ہے

اس اعتراض کا تیسرا جواب جو بہت معقول اور محکم ہے یہ ہے کہ اگر اس آیت زیر بحث میں زکوۃ سے صدقہ مفروضہ ہی مراد لیں تو بھی اس سے مرزا صاحب کی مراد کے موافق عیسیؑ کی وفات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ علم اصول کا مسلّمہ عقیدہ ہے کہ امر کی تعمیل اس وقت واجب ہوتی ہے جب اس کی شرائط پائی جائیں۔اور شرطیں موجود نہ ہونے کی صورت میں واجب نہیں ہوتا ۔اور یہ بھی مسلّم ہے کہ زکوۃ کے وجوب کیلئے نصاب(یعنی اتنا اور ایسا مال جو وجوب کی حد تک پہنچ جائے) شرط ہے ۔پس جب عیسیؑ آسمان پر مالک نصاب نہیں تو ان پر زکوۃ بھی واجب نہیں ۔غور و فکر کو کام میں لایئے اور انصاف کیجئے کہ عیسیؑ پیدا ہونے کے ساتھ ہی باذن الٰہی اس امر کو ظاہر کر رہے ہیں کہ مجھے اللہ نے زندگی تک نماز پڑھنے اور زکوۃ کا حکم دیا ہے ۔کیا آپ پر اس وقت بھی نماز اور زکوۃ فرض تھے؟ کیونکہ بچپن بھی تو زندگی میں داخل ہے ۔پس جس طرح آپ عیسیؑ پر بچپن میں اس حکم کی تعمیل واجب نہیں جانتے اسی طرح آسمان پر بھی اس حکم کی تعمیل ان پر واجب نہیں۔

باقی رہا مرزا صاحب کا یہ وہم کہ عیسیٰؑ کو انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کا حکم ہے اور اگر وہ آخری زمانے میں نازل ہوں گے تو اس امت میں داخل ہوں گے تو آپ کو مسلمانوں کے مطابق نماز پڑھنی ہوگی۔ سو اس کا ازالہ اس طرح ہے کہ مرزا صاحب جب تک انجیلی اور قرآنی نماز میں فرق ثابت نہ کرلیں تب تک ان کو اس اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ قرآن میں شریعت محمدیہ کی نماز کے ارکان قیام رکوع اور سجود بتائے گئے ہیں اور یہی ارکان حضرت مریمؑ کی نماز کے بتائے گئے ہیں جیسا کہ (آل عمران: ۴۳ میں) فرمایا:

یا مریم اقنتی لربّک و اسجدی و ارکعی مع الرّاکعین (اے مریم! اپنے پروردگار کے لئے قیام کر اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے)

پس قرآن سے تو پہلی امتوں کی نماز اور ہماری امت کی نماز میں کوئی فرق ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں مرزا صاحب اگر اپنے الہام سے فرمادیں تو یہ دیگر امر ہے۔

دوم یہ کہ اگر بالفرض انجیلی نماز اور قرآنی نماز میں کسی نوع کا فرق بھی ہو تو کوئی ڈر نہیں کیونکہ دین کی اصل توحید ہے اور عبادت اس کا ایک عملی نشان ہے۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ ہر نبی کے زمانہ میں اس کی ایک ہی کیفیت پائی جائے بلکہ جس کیفیت سے خدا چاہے اپنی عبادت کے لئے حکم دے۔ پس اگر عیسیٰؑ نزول کے بعد انجیلی کیفیت عبادت کو بوجہ اس کے منسوخ ہو جانے کے ترک کردیں اور شریعت محمدی کی کیفیت سے نماز ادا کریں تو اس میں کیا جائے اعتراض ہے؟ اس کی نسبت تو اللہ نے شریعت موسیٰؑ اور شریعت عیسویؑ کے ذکر کے بعد فرمادیا ہے کہ

لکلّ جعلنا منکم شرعةً و منهاجاً ولوشاء اللّه لجعلکم امةً واحدةً ولکن لّیبلوکم فیما آتاکم فاستبقوا الخیرات (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ طریقہ اور شریعت مقرر کی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک شریعت پر جمع کردیتا مگر (اس میں ایک حکمت ہے) کہ تم کو ہر زمانہ میں اپنی فرمودہ شریعت کی تعمیل کی بابت آزمائے۔ پس تم نیکیوں میں بڑھو) (مائدہ: ۴۸)

اس آیت سے دو مفید امر ثابت ہوتے ہیں جن کا ذکر اس مقام پر چھوڑنا گویا ناظرین کو موقع پر بڑے بھاری فائدے سے محروم کرنا ہے۔ اول نسخ کی حقیقت کہ کس امر میں واقع ہوتا ہے۔ دوم نسخ کی حکمت کہ کیوں کیا گیا۔

نسخ اصول دین میں نہیں ہوتا اور نہ ہوسکتا۔ ہاں دستور العمل ضابطے اور قانون اور

عبادت کی کیفیت میں ہر زمانے کے لوگوں کے لئے ان کی حالت کے مناسب اگر تبدیلی کی جائے تو اس کی کوئی قباحت نہیں، بلکہ عین حکمت ہے۔ نسخ میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ سچے مطیع دوسروں سے متمیز ہو جاتے ہیں اور فرمان برداری کے عادی، حیلے بہانے کرنے والوں سے الگ ہو پڑتے ہیں۔ عبادات کی کیفیتوں میں فرق ہونے سے کوئی بھی قباحت لازم نہیں آتی کیونکہ جب خود عبادت کئی انواع پر ہے، تو اس کی انواع کی کیفیت میں فرق میں کیا اعتراض ہے۔ یہ ایک بہت باریک راز ہے جس سے مرزا صاحب بے خبر معلوم ہوتے ہیں ورنہ ایسا اعتراض نہ کرتے۔ پس اس آیت سے مرزا صاحب کی مراد کے موافق مسیح کی وفات ثابت نہ ہوسکی اور نہ ان کے نزول کے انکار کی کوئی وجہ نکل سکی کیونکہ اس کی بنا صرف انہی دو وہموں پر تھی جن کا ازالہ ہو چکا ہے۔

قسم اول سے ساتویں آیت:

والسّلام علیّ یوم ولدتّ ویوم اموت ویوم ابعث حیّاً (مریم:۳۳)

یعنی حضرت مسیح کہتے کہ، میں جس دن پیدا ہوا ہوں اس دن بھی مجھ پر سلام ہے اور جس دن مروں گا اس دن بھی، اور جس دن میں پھر زندہ کھڑا کیا جاؤں گا اس دن بھی)

اس آیت کے متعلق مرزا صاحب لکھتے ہیں:

اس آیت میں واقعات عظیمہ جو حضرت مسیح کے وجود سے متعلق تھے صرف تین بیان کئے گئے ہیں، حالانکہ اگر رفع اور نزول واقعات صحیحہ میں سے ہیں تو ان کا بیان بھی ضروری تھا۔ کیا نعوذ باللہ، رفع اور نزول حضرت مسیح کا مورد اور محل سلام الٰہی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ سو اس جگہ پر خدا تعالیٰ کا اس رفع اور نزول کو ترک کرنا، جو مسیح ابن مریم کی نسبت مسلمانوں کے دلوں میں بسا ہوا ہے، صاف اس بات پر دلیل ہے کہ وہ خیال ہیچ اور خلاف واقعہ ہے، بلکہ وہ رفع یوم اموت میں داخل ہے اور نزول سراسر باطل ہے۔

مرزا صاحب کے اس وہم کا ازالہ دو طریق سے ہے۔ اول یہ کہ سب عقلاء کے نزدیک مسلّم ہے اور معقولات میں مصرح ہے کہ کسی امر کے مذکور نہ ہونے سے اس کے وقوع کی نفی نہیں کرسکتے اور قرآن وحدیث میں بلکہ ہر شخص کے روزمرہ میں اس کی مثالیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ یہ آپ کی نئی منطق ہے کہ کسی امر کے مذکور نہ ہونے سے اسکے عدم وقوع کا نتیجہ نکالتے ہیں۔ (حالانکہ براہین ص ۵۴۵ میں لکھ چکے ہیں کہ عدم علم سے عدم شیء لازم نہیں آتا۔ ابوالوفاء ثناء اللہ)

ہاں اگر قرآن میں رفع کا ذکر مطلقاً کہیں بھی نہ ہوتا تو بھی آپ کہہ سکتے تھے، مگر جب دوسرے مقام پر اس کی تصریح موجود ہے، تو اس سے کیوں انکار کیا جاتا ۔ تصریح کو چھوڑ کر خلاف عقل ونقل خود ساختہ قاعدے سے تمسک کرنا ھوی اور تفسیر بالرائے نہیں تو پھر تفسیر بالرائے اور خواہش کی تابعداری کسے کہیں گے؟ دیکھئے اللہ نے عیسیٰؑ اور مریمؑ ہی کے ذکر میں فرمایا کانا یاکلان الطّعام یعنی وہ دونوں کھانے کے محتاج تھے ، تو صرف طعام کی احتیاج کے مذکور ہونے اور کسی دیگر احتیاج کے مذکور نہ ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ وہ کسی اور چیز پانی وغیرہ کے محتاج نہ تھے ۔ مرزا صاحب کے قاعدہ کے مطابق تو یہاں احتیاج کی جمیع جزئیات اور جملہ انواع شمار کردینی چاہییں کیونکہ اس جگہ ان کے محتاج ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

دوم : یہ کہ آیات انّی متوفّیک و رافعک الیّ مسیح کے رفع جسمانی کو ثابت کررہی ہیں اور آیت وان مّن اھل الکتاب...انکے نزول کی شہادت دے رہی ہے تو اب دوسرے مقام پر اسکے مذکور نہ ہونے سے کیا حرج لازم آیا؟ اور تصریحات کے مقابلہ میں مرزا کو اس عدم ذکر سے انکار کا حق کس طرح حاصل ہوا؟ ثبوت رفع جسمانی کیلئے دیکھو شہادت القرآن کا حصہ اول اور ثبوت نزول کیلئے دیکھو حصہ دوم بذیل آیت و ان مّن اھل الکتاب .. الآیہ ۔

سوم : یہ کہ آیت زیر بحث سے پیشتر رفع کا ذکر موجود ہے جو مرزا صاحب کو قرآن میں تدبر نہ کرنے وجہ سے معلوم نہیں ہوسکا ۔ چنانچہ فرمایا و جعلنی مبارکاً اینما کنت ۔ یعنی عیسیٰ کہتے ہیں کہ اللہ نے مجھے مبارک کیا ہے جہاں کہیں میں ہوں ۔ اس آیت کی تفسیر حصہ اول میں گذر چکی ہے کہ لغت میں برکت کے معنی خیر کثیر یعنی بہت سی بھلائی اور علو یعنی بلندی ہے جیسا کہ آیات ذیل سے بھی ثابت ہے:

لفتحنا علیھم برکاتٍ مّن السّماء والارض (۷:۹۶) یعنی ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں ۔

اور فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین

اور فتبارک اللّٰہ ربّ العالمین

اور تبارک الّذی بیدہ الملک میں برکت سے مراد علو اور بلندی ہے۔

برکت کے یہ دونوں معنی عیسیٰؑ میں باحسن وجہ پائے جاتے ہیں ۔ خیر کثیر تو مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے اور نزول مائدہ یعنی آسمان سے تیار

کھانے اترنے کی دعا کے قبول سے ظاہر ہے اور وہ برکات وخیرات جو آپ کے نزول پر ہوں گی مثلاً دشمنی اور بغض اور حسد کا دور ہو جانا اور مال کا کثرت سے ہو جانا اور پھلوں اور دودھ کا معمول سے زیادہ ہو جانا (جو صحیح مسلم میں وارد ہے) صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اور دوسرے معنی یعنی بلندی آیت بل رفعه اللّٰه اليه میں بالتصریح مذکور ہے۔ پس جعلنی مبارکاً اینما کنت میں ہر سہ اقوال قبل رفع اور زمان رفع اور بعد نزول مذکور ہیں۔ اسی لئے اینما کنت جس کے معنوں میں بہت وسعت ہے، فرمایا۔ میں اس آیت سے رفع آسمانی ثابت کرنے میں اکیلا نہیں ہوں اور نہ یہ کوئی تفسیر نئی ہے بلکہ مفسرین برابر لکھتے چلے آئے ہیں۔ دیکھو تفسیر کبیر و تفسیر سراج منیر۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ اس آیت سے عیسیٰ کے رفع اور نزول سے انکار کرنا محض جہالت ہے چہ جائیکہ اس کو دلائل وفات میں پیش کیا جائے۔

اس مقام پر عیسیٰؑ کی بعض برکتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور چونکہ مرزا صاحب بھی مدعی مسیحیت ہیں اس لئے مناسب کہ آپ کے ظہور پر جو کچھ، برکتیں، ظاہر ہوئیں ان کا بھی کچھ ذکر کیا جائے تاکہ ایک سوچنے والے کے لئے دونوں میں مباینت بلکہ ضدیت کی نسبت ظاہر ہو۔

۱۔ عیسیٰؑ کی برکتوں میں دشمنی، حسد اور بغض کا دور ہو جانا جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے و لتذهبنّ الشهناء و التّباغض و التّحاسد (مسلم، مشکوۃ باب نزول عیسی)۔

مرزا صاحب کی شامتیں یہ ہیں۔ ہندوستان کے عام باشندوں خصوصاً مسلمانوں میں دشمنی، حسد اور بغض کی آگ لگ جانا اور ایسی عداوت کا پیدا ہو جانا جس سے ایک دوسرے سے جدائی اور قطع تعلق بلکہ قطع رحم نتائج نکل رہے ہوں۔

۲۔ عیسیٰؑ کی برکتوں میں مال کا کثرت سے ہو جانا، حتی کہ زکوۃ کے قبول کرنے والے نہیں ملیں (بخاری و مسلم) و يفيض المال حتى لا يقبله احد۔ (مشکوۃ باب نزول عیسی)۔

مرزا صاحب کی شامت: مسلمانوں کا سخت محتاجی اور فقر کی حالت میں ہونا، اگر ایک شخص خیرات کا دروازہ کھولے تو اس کثرت سے فقراء کا جمع ہو جانا کہ اسے دروازہ بند کرنا پڑے اور بعض کا افلاس کے مارے بے دینی کی طرف مائل ہو جانا۔

۳۔ عیسیٰؑ کی برکتوں میں، دلوں میں آخرت کی تیاری کی فکر اور دنیا سے بے رغبتی کا پیدا ہو جانا (مسلم) حتّى تكون السّجدة الواحدة خيراً مّن الدّنيا و ما فيها (مشکوۃ)

مرزا صاحب کی شامت سے لالچ اور طمع نفسانی کا بڑھ جانا، حتی کہ حلال وحرام میں

تمیز نہ رہنا، رشوت ستانی اور خیانت اور غبن کا کثرت سے وقوع میں آنا اور بعض کا لالچ کے مارے بے دینی اختیار کر لینا، عاقبت کو بھلا دینا اور دنیوی فائدوں کو پیش نظر رکھنا۔

۴۔ حضرت عیسیٰؑ کی برکت سے کثرت سے بارش کا ہونا اور دودھ اور پھلوں کا معمول سے زیادہ ہونا اور جو امر عام خلق اللہ کے حق میں مضر ہوں ان کا رک جانا۔

مرزا صاحب کی شامت سے خشک سالی اور ہر جنس کی گرانی، اور آئے دن نئی بیماریاں اور وبائیں اور طاعون اور زلزلے اور بہت سی مصیبتیں، دنیا میں عام طور پر بدامنی کا ہونا۔

جواب آیات قسم دوم پیش کردہ قادیانی

قسم اول کی سب آیتوں کا بیان ہو چکا اب قسم دوم کی آیتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ قسم دوم میں وہ آیتیں ہیں جو مرزا صاحب کے خیال میں عموماً دیگر انبیاء کی وفات پر دلالت کرتی ہیں لیکن اس نظر سے کہ مسیح بھی ایک نبی ہیں لہذا وہ ان آیتوں کے حکم میں داخل ہیں۔ ایسی سب آیتوں کے جواب کے لئے تمہیدی طور پر علم اصول کے دو قاعدے بیان کرنے ضروری ہیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ مرزا صاحب قواعد علم اصول سے کس قدر دور چلتے ہیں اور اپنی مطلب براری کے لئے اس علم کو کیسے بھلا دیتے ہیں۔

پہلا قاعدہ یہ ہے کہ ایک امر صراحت کے ساتھ منطوق عبارت سے ثابت ہو، تو اس کے خلاف کسی عبارت میں سے بطور اشارہ یا دلالت استدلال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مقابلے کے وقت منطوق کا اعتبار مفہوم پر مقدم ہوتا ہے۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ کوئی امر کسی خاص دلیل سے ثابت ہو تو اس کے خلاف عام دلیل سے تمسک کرنا جائز نہیں۔

یہ دونوں قاعدے نہایت معقول ہیں اور علم اصول کی کتابوں میں ان کی تصریح موجود ہے۔ پس ان کے متعلق زیادہ تفصیل اور نقلِ عبارت کی ضرورت نہیں۔

قسم دوم سے پہلی آیت :

و ما محمّد الّا رسول قد خلت من قبله الرّسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم (آل عمران:۱۴۴) (یعنی محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں۔ان سے پیشتر کئی رسول ہو چکے ہیں۔پس اگر یہ فوت ہو جائیں، یا مارے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر لوٹ جاؤ گے)

اس آیت سے مرزا صاحب نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ جب محمد ﷺ سے پہلے رسول سب کے سب فوت ہو چکے ہیں تو بس مسیح بھی ان میں آ گئے۔

اس آیت کے جواب کے لئے چار امروں کی تحقیق ضروری ہے۔اول تحقیق لغت لفظ خلت کہ لغت میں اس کے کیا معنی ہیں۔دوم من قبله بترکیب کیا واقع ہوا ہے۔سوم الرّسل کا الف لام کیا ہے۔چہارم، اگر ان ہرسہ امور کو مرزا صاحب کی مراد کے موافق تسلیم کر لیں تو کیا اس آیت سے حضرت مسیح کی وفات بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

لفظ خلت مشتق ہے خلو سے اور موضوع مکان کی صفت کے لئے ، اور مراد اس سے جگہ خالی کرنا ہے۔چنانچہ لسان العرب میں ہے :

(خلا) خلا المکان و الشّیء یخلوا خلوّا و خلاء و اخلی اذا لم یکن فیه احد ولا شیء فیه و هو خال۔

اسی طرح قاموس اور صراح میں بھی ہے۔اور قرآن شریف میں بھی نقل مکان کے لئے آیا ہے۔جیسے و اذا خلوا الی شیاطینهم۔(یعنی جس وقت یہ منافق اپنے بڑے شیطانوں یعنی رئیسوں کے پاس جاتے ہیں)۔اور اسی طرح اس آیت زیر بحث سے تھوڑا سا پیشتر ہے و اذا خلوا عضّوا علیکم الانامل من الغیظ (آل عمران:۱۱۹)(یعنی منافق لوگ جس وقت تم سے الگ ہوتے ہیں تو تم پر غیظ وغضب کے مارے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں)۔اور اسی طرح یہ آیت فخلّوا سبیلهم۔(یعنی مشرک لوگ جب ایمان لے آئیں اور احکام اسلامی کے پابند ہو جائیں ،تو اس کا راستہ خالی کر دو ، یعنی ان سے تعرض نہ کرو)۔

ان سب آیات میں معنی ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ جانا ہے، جیسے انتقال مکانی

کہتے ہیں۔ دوسرے معنی لفظ خلو کے جو زمانے کے متعلق ہوتے ہیں، گذرنا ہیں جیسے آیت بما اسلفتم فی الایّام الخالیۃ (یعنی جو کچھ تم نے ایام گذشتہ میں کیا اس کے عوض میں جنت کی نعمتوں میں رہو)۔ اور ہر ذی علم سمجھ سکتا ہے کہ، گذرنا، زمانے کی صفت بالذات ہوا کرتی ہے۔ اور جن چیزوں پر زمانہ گذرتا ہے۔ یہ معنی یعنی گذرنا بعلاقہ ظرفیت ومظروفیت ان چیزوں کی صفت بھی ہوسکتا ہے۔ مگر بالذات نہیں بلکہ بالعرض۔ پس بہر تقدیر آیت زیر بحث کے معنی یہ ہوں گے کہ، جگہ خالی کر گئے اور گزر چکے ہیں پیشتر اس کے کئی رسول،۔ اور یہ معنی زندوں اور مردوں (اموات) ہر دو پر آسکتے ہیں کیونکہ جگہ خالی کرنے اور گذرنے کی کیفیت صرف موت ہی میں منحصر نہیں بلکہ یہ لفظ خلو مردوں (اموات) کے حق میں انتقال بالموت کے معنوں میں معین ہوگا اور زندوں کے حق میں جگہ تبدیل کرنے کے معنوں میں۔ جس طرح ہم کہا کرتے ہیں کہ: اس شہر میں ایسے حاکم کئی ہوگزرے ہیں۔، پس جس طرح یہ جملہ خواہ وہ حاکم مرگیا ہو، خواہ وہاں سے تبدیل ہوکر دوسری جگہ چلا گیا ہو، ہر دو حال میں صحیح المعنی رہتا ہے۔ اسی طرح آیت قد خلت من قبلہ الرّسل میں حضرت عیسیٰؑ کے حق میں بدلالت آیت بل رفعہ اللّٰہ الیہ وغیرہ دوسرے معنی یعنی جگہ تبدیل کرنے میں معین ہوگا۔

خلو کے معنی مرنا اور معدوم ہونا نہیں کیونکہ پھر آیات سنّۃ اللّٰہ الّتی قد خلت من قبل اور آیت ولن تجد لسنّۃ اللّٰہ تبدیلا میں تناقض واقع ہوگا کیونکہ بموجب مذہب مرزا صاحب پہلی آیت کا مفاد یہ ہے کہ سنت اللہ معدوم ہوچکی ہے اور دوسری آیت کا یہ کہ سنت الٰہی تبدیل بھی نہیں ہوسکتی۔ یعنی اسے ہمیشہ کے لئے اپنے حال پر بقا حاصل ہے۔ پس خلت سے موت اور عدم مراد سمجھنا بالکل باطل ہیں۔

امر دوم یعنی من قبلہ کو مرزا صاحب اور مولوی محمد احسن امروہی نے الرّسل کی صفت بنایا ہے۔ چنانچہ اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ: جو پیغمبر محمد ﷺ سے پیشتر تھے وہ مرگئے۔، یہ ان کی صریح غلطی ہے اور علم نحو سے ناآشنا ہونے یا دیدہ دانستہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کی صاف شہادت ہے کیونکہ آیت میں من قبلہ لفظ الرّسل پر مقدم ہے اور مبتدی بھی جانتے ہیں کہ موصوف صفت سے پہلے ہوتا ہے۔ پس مرکب من قبلہ لفظ الرّسل کی صفت نہیں ہوسکتا بلکہ محل ظرف میں واقع ہے اور متعلق ہے فعل خلت کے کیونکہ ظرف کے لئے ضروری ہے کہ کسی فعل کے متعلق ہو۔ پس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ: اس سے پیشتر کئی رسول گذر چکے،۔

امر سوم ، یعنی الرّسل کے الف لام کی تحقیق اس طرح ہے کہ مرزا صاحب اور مولوی محمد احسن امروہی اس الف لا م کو استغراقی قرار دیتے ہیں اور اس بنا پر اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ، چونکہ آنحضرت ﷺ سے پیشتر کے سب رسول فوت ہو چکے ہیں ، ۔

فاضل امروہی اور مرزا صاحب کے اس قیاس کی بنا غلط مقدمات پر ہے ۔اور اس الف لام کو استغراقی قرار دینے میں انہوں نے سخت غلطی کھائی ہے اور الرّسل کی صفت نہیں ہے ۔ پس یہی ترکیب اس الف لام کے استغراقی نہ ہونے کے لئے کافی حجت ہے کیونکہ اگر من قبلہ کو خلت کے متعلق ظرف ٹھہرائیں، جو بالکل درست ہے،اور الرسل کے الف لا م کو استغراقی مانیں جو بالکل غلط ہے،تو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اندریں صورت پہلے قضیہ ما محمّد الّا رسول کے خلاف رسول اللہ ﷺ جماعت مرسلین سے خارج ہوں گے ، کیونکہ پھر تو اس آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ جتنے اشخاص صفت رسالت سے موصوف تھے وہ محمد ﷺ سے پیشتر فوت ہو چکے ہیں ۔ پس آپ ﷺ معاذ اللہ، رسول برحق ثابت نہ ہوں گے ۔ اور ظاہر ہے کہ جس معنی سے قرآن کی آیات میں تعارض واقع ہو، خصوصاً کسی نبی برحق کی رسالت کا انکار لازم آتا ہو، وہ معنی بالکل باطل ہیں ۔ دیگر یہ کہ یہی الفاظ قد خلت من قبلہ الرسل سورہ مائدہ میں حضرت عیسیٰؑ کے حق میں در بارہ نفی الوہیت وارد ہوئے ہیں ۔ پس اگر جہالت سے الف لا م کو استغراقی مانا جائے تو لابد تسلیم کرنا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت کے نزول کے وقت فوت ہو گئے تھے،اور یہ باکل باطل ہے ۔ یا معا ذ اللہ انکار نبوت محمدی وعیسوی لازم آئے گا جیسا کہ پہلے گذر چکا کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ سب رسول حضرت عیسیٰؑ سے پیشتر فوت ہو گئے ہیں حالانکہ جناب رسول اللہ ﷺ حضرت مسیح کی رفع کے کئی زمانے بعد پیدا ہوئے اور شرف نبوت سے ممتاز ہوئے اور اس آیت کے نزول کے وقت زندہ موجود تھے کیونکہ یہ آیت آپ ﷺ ہی پر اتری ۔ یہ ایک دقیق نکتہ ہے ،اس کا ادراک کسی علم نحو کے مذاق سے خالی اردوخوان کا کام نہیں ۔

اس تقریر کے جواب میں جلدی کر کے من قبلہ کو الرّسل کی صفت نہ کہہ دینا چاہیے، کیونکہ اس کا ابطال ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں ۔

دوسری وجہ: جس سے الرّسل کے الف لا م کو استغراقی کہنا غلط ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اس آیت و ما محمّد الّا رسول قد خلت من قبلہ الرّسل کا شان نزول یہ ہے کہ آن سرور ﷺ کی نسبت جنگ احد میں غلط خبر اڑ گئی کہ شہید ہوئے ۔ اور بعض لوگوں نے نبوت اور

موت میں منافات سمجھی اور ارتداد کا راستہ اختیار کرنے لگے۔ اللہ نے ان کے خیال کو باطل ثابت کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی اور ظاہر کردیا کہ نبوت اور موت میں منافات نہیں کیونکہ جس طرح بعض دیگر رسولوں کے حق میں ان کے مرجانے سے ان کی نبوت میں کوئی قدح واقع نہیں ہوتی، اسی طرح اگر آنحضرت ﷺ بھی طبعی موت سے فوت ہوجائیں، یا میدان جنگ میں شہید ہو جائیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ آپ ﷺ نبی برحق نہیں۔ پس چونکہ اس آیت سے اللہ تعالی کا مقصود یہ ہے کہ نبوت اور موت میں منافات نہیں اس لئے استغراق افراد یعنی سب رسولوں کو فوت شدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں صرف ایک رسول یا چند رسولوں کی موت کے ذکر سے مقصود حاصل ہوسکتا ہے۔ پس الرّسل کا الف لام استغراق کا نہیں ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے پیشتر کئی رسول ہو چکے ہیں۔ اور الف لام جنسی ہے کیونکہ اسم پر الف لام داخل ہوکر ہمیشہ استغراق کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ تین معانی میں سے کسی معنی میں سے ہوتا ہے عہد استغراق اور تعریف جنس جیسا کہ علم نحو کا مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے الرّسل کا الف لام عہدی اس لئے نہیں کہ اس سے اوپر ان رسولوں کا ذکر نہیں ہے اور اس کے استغراقی نہ ہونے کیلئے من قبلہ اور شان نزول کا مانع ہونا بیان ہو چکا ہے۔ پس بقاعدہ تردید و دوران جنسی ہوا اور یہی ہماری مراد ہے۔

(معقولی طور پر اس کا بیان اس طرح ہے کہ مشککین کا قول سالبہ کلیہ ہے کہ کوئی نبی مر نہیں سکتا اور خدا تعالی کو اس کی تردید منظور ہے۔ اور معلوم ہے کہ سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے نہ کہ موجبہ کلیہ۔ پس الف لام الرّسل کا استغراق کیلئے نہ ہوا بلکہ تعریف جنس کیلئے ہوا۔ اور چونکہ الرّسل کلی ہے اور اس پر کوئی کلمہ حاصر نہیں اس لئے قد خلت من قبلہ الرّسل قضیہ مہملہ ہوا۔ اور معلوم ہے کہ مہملہ قوت جزئیہ میں ہوتا ہے۔ لہذا آیت کے معنی ہوئے: تحقیق گذر چکے ہیں، پیشتر اس کے کئی رسول ۔، قادیانی خلافت سے پہلے مولوی حکیم نورالدین نے بھی اس آیت کا ترجمہ اپنی کتاب فصل الخطاب میں یہی کیا ہے جو ہم نے کیا ہے۔ پس الف لام کے استغراقی نہ ہونے کے سبب سب رسول فوت شدہ ثابت نہ ہوئے بلکہ بعض رسول۔ لہذا یہ آیت حضرت عیسیٰؑ کی وفات قبل النزول کی دلیل نہ ہوسکی)

اگر یہ کہا جائے کہ الف لام جمع کے صیغے پر جب کبھی آتا ہے تو مفید استغراق ہی ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر ثابت کردیا ہے کہ الف لام ہمیشہ استغراقی نہ ہونے کے لئے آیت و لقد آتنیا موسی الکتاب و قفّینا من بعدہ بالرّسل کو غور سے پڑھنا چاہیے کہ یہی لفظ الرّسل بصیغہ جمع باالف و لام موجود ہے اور یہاں استغراق افراد قطعاً باطل ہے کیونکہ اس آیت

کے یہ معنی ہیں کہ موسیٰ کو ہم نے کتاب دی اور اس کے پیچھے اس کے آئین پر کئی رسول بھیجے۔ نہ یہ کہ سب رسول حضرت موسیٰؑ کے بعد بھیجے گئے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ حضرت موسیٰؑ سب سے پہلے رسول نہیں ہیں بلکہ کئی رسول آپ سے پہلے ہوئے ہیں اور کئی آپ کے بعد۔ پس ہر دو آیت میں الرّسل سے مراد کئی پیغمبر ہیں، نہ کہ سارے۔ فافھم۔

اسی طرح قرآن شریف میں کئی مقام پر جمع کا لفظ الف لام کے ساتھ آیا ہے اور وہاں استغراق افراد مراد نہیں بلکہ کثرت کے معنی ہیں جیسے اذ جاء تھم الرّسل (حم سجدہ) اور وقد خلت من قبلھم المثلات میں خلت اور من قبلھم اور المثلات صیغہ جمع باالف لام سب کچھ موجود ہے اور مرزا صاحب قادیانی اور فاضل محمد احسن امروہی کی تحقیق ان سب کے خلاف ہے (کیونکہ سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے)۔

اس آیت کے متعلق مرزا صاحب نے ایک اور گل کھلایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ اگر نبی کیلئے ہمیشہ زندہ رہنا ضروری ہے تو کوئی ایسا نبی پہلے نبیوں میں سے پیش کرو جو آج تک زندہ موجود ہے اور ظاہر ہے کہ اگر مسیح ابن مریم زندہ ہے تو پھر دلیل جو خدا تعالیٰ نے پیش کی، صحیح نہیں ہوگی۔

مرزا صاحب! یہ نئی منطق کہاں سے پڑھی؟ کیا الہام سے تو نہیں سیکھی؟ آپ ہر علم دینی و دنیوی میں تجدید کرتے ہیں، خواہ اسے جانیں یا نہ جانیں۔ ایسی منطق سے تو آپ نے معلم اول (ارسطو) اور معلم ثانی (ابونصر فارابی) اور بوعلی سینا کو بھی مات کر دیا۔

حضرت! واقعہ اور لوگوں کو زیر نظر رکھ کر آیت کی صحیح مراد یہ ہے کہ میدان جنگ میں نبی ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر بعض لوگوں نے نبوت اور موت میں منافات کا گمان کر کے ارتداد کی راہ اختیار کرنی چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ان کے زعم کی تردید میں نازل کی۔ پس اس کا ماحصل یہ ہوا کہ اگر رسالت اور موت میں منافات ہوتی تو کوئی رسول بھی نہ مرتا۔ کیونکہ جب یہ مقصود ہے کہ وصف رسالت اور موت میں منافات کے گمان کو دور کیا جائے تو خواہ ایک رسول فوت شدہ کو بطور نظیر پیش کریں خواہ زیادہ کو، بہر دو صورت مقصود حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ پس آپ کا یہ وہم، کہ اگر مسیح ابن مریم زندہ ہے تو پھر دلیل صحیح نہ ہوگی، باطل ہے، اس لئے کہ جب کئی رسول فوت ہو جائیں اور ایک زندہ رہے تو اس کا زندہ رہنا دوسرے کی زندگی کیلئے علت موجبہ نہیں ہو سکتا، اور نہ وصف رسالت اور موت میں منافات ہو سکنے کی وجہ بن سکتا ہے۔ بلکہ اس سے تو

منافات کا ابطال صاف ظاہر ہے کیونکہ اگر منافات ہوتی تو کوئی شخص بھی جو وصف رسالت سے موصوف ہو، نہ مرتا۔ حالانکہ ایسے کئی شخص جو اس صفت سے موصوف ہیں مر چکے ہیں (کیونکہ منافات ہونے کی صورت میں سلب کلی ضروری ہے اور جب معلوم ہو چکا کہ بعض فوت ہو چکے ہیں تو کلیت ٹوٹ گئی اور منافات کا دعوی باطل ہو گیا اور سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہونیکے یہی معنی ہیں)

اس بیان سے یہ بھی واضح ہوا کہ قضیہ قد خلت من قبله الرّسل کلیہ نہیں بلکہ مہملہ ہے جو جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس امروہی صاحب نے جو منطقی طور پر اس آیت سے حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت کرنی چاہی ہے وہ بالکل غلط ہے (دیکھو رقیمۃ الوداد نمبر سوم صفحہ ۳۰۔ جو رسالہ دافع البلاء مصنفہ مرزا، مطبوعہ سیالکوٹ کے ساتھ شامل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ہاں بپاس خاطر طلبہ و مدرس صاحب کے قیاس منطقی ہم یہاں لکھے دیتے ہیں۔ سو واضح خاطر عاطر ناظرین ہو کہ ہم نے نہایت بسط کے ساتھ شمس بازغہ میں شکل اول بدیہی الانتاج سے حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت کر دی مگر یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ صرف دو تین سطروں میں شکل اول کو لکھ دیتے ہیں عیسی بن مریم کان نبیّاً من النّاس الّذین کانوا قبل نبیّنا و مات النّاس الّذین کانوا قبله کلّهم حتّی الانبیاء فعیسی ابن مریم ایضاً مات مقدمہ صغری تو اس کا مسلّم فریقین ہے اور مقدمہ و ما محمّد الّا رسول قد خلت من قبلهم الرّسل سے بھی ثابت ہو چکا) کیونکہ شکل اول کے انتاج کے لئے کلیت کبری شرط ہے جیسا کہ کتب منطق میں مصرح ہے و شرط انتاجه ایجاب الصّغری و کلیة الکبری۔ پس جب شکل اول کی رو سے قیاس کے صحیح ہونے کی ایک شرط موجود نہ ہوئی، تو قیاس صحیح نہ ہوا قد خلت من قبله الرّسل کے کلیہ نہ ہونے کی وجوہ اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ الرّسل میں الف لام استغراقی نہیں کیونکہ من قبله جو خلت سے متعلق ہے، اس کا انکار کرتا ہے۔ نیز یہی آیت حضرت مسیح کے حق میں وارد ہے قد خلت من قبله الرّسل۔ نیز بل رفعه اللّه الیه اس کی مخصص موجود ہے۔ نیز شان نزول اور زاعمین کے زعم پر نظر رکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ قضیہ قد خلت من قبله الرّسل موجبہ جزئیہ ہے۔

پہلے تین امروں کی تحقیق بخوبی ہو چکی ہے جس سے صاف ثابت ہو گیا کہ قد خلت من قبله الرّسل کے یہ معنی نہیں کہ جو پیغمبر، رسول اکرم ﷺ سے پیشتر تھے وہ سب مر گئے ہیں، بلکہ اس کے معنی جو لغت عرب اور قواعد نحو اور علم منطق کے لحاظ سے صحیح ہیں، یہ ہیں کہ، تحقیق گذر چکے پیشتر اس کے کئی رسول۔

اب امر چہارم کی تحقیق کی جاتی ہے کہ اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کے معنی مرزا کی غلط تحقیق کے موافق ہیں تو بھی اس سے مرزا صاحب کی مراد یعنی حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ پھر بھی یہ آیت وفات مسیح کے بارے میں عام رہے گی، خاص نہ ہوگی۔ لیکن آیات الٰہی متوفّیک و رافعک الیّ اور بل رّفعه اللّٰه ، و ان مّن اهل الکتاب الّا لیؤ منّن به قبل موته (جن کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے) آپکی رفع آسمانی اور نزول بار ثانی کیلئے خاص دلائل اور نصوص قطعیہ ہیں جن کے مقابلے میں مرزا صاحب کا استدلال، جو اس آیت زیر بحث کے عموم سے کیا گیا ہے، مفید مطلب نہیں کیونکہ ہم اس آیت کے شروع میں دوسرے قاعدے میں بیان کر آئے ہیں کہ دلیل خاص کے مقابلے میں اسکے خلاف عام دلیل سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً سورہ دہر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا انّا خلقنا الانسان من نطفة امشاج (دہر:۲) یعنی ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔ اور چونکہ آدم بھی انسان ہیں اس لئے بموجب محمد احسن امروہی صاحب کی منطق کے آدم کی پیدائش بھی مادہ نطفہ سے ثابت ہوئی (جو بالکل باطل ہے) کیونکہ بروئے شکل اول اس کا قیاس اس طرح ہے: آدم انسان ہے اور سب انسان نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں، پس آدم بھی نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔

اس وہم کا ازالہ اس طرح ہے کہ آدم کی پیدائش دوسرے مقام پر دلیل خاص سے ثابت ہے کہ مادہ مٹی سے ہوئی۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش نفخ روح القدس سے ہوئی۔ پس آدم اور حوا، اور عیسی، جن کی پیدائش کی کیفیت خاص دلیل سے اور طرح پر ثابت ہے، اس آیت سورہ دہر سے مستثنی رکھے جائینگے اور ان کے علاوہ دوسرے انسانوں پر اس آیت کا حکم لگایا جائے گا کہ وہ مادہ منی سے پیدا ہوئے۔ اس بیان سے مرزا صاحب اور فاضل امروہی انکار نہیں کر سکتے۔ پس اسی طرح جب دوسرے مقام پر حیات عیسیٰؑ خاص دلیل سے ثابت ہے تو عیسیٰؑ اس آیت قد خلت من قبله الرّسل کے عموم سے باہر رہیں گے۔ پس آپ کی وفات ثابت نہ ہوسکی اور مرزا صاحب کی مراد پوری نہ ہوئی۔

اس آیت کے متعلق مرزا صاحب اور مولوی محمد احسن امروہی ایک اور مغالطہ دیا کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف پر یہی آیت پڑھ کر آپ کی وفات ثابت کی اور لوگوں کے دلوں سے شبہ دور کیا جو یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ فوت نہیں ہوئے۔ اس وہم کے ازالہ کیلئے بیان بالا کافی ہے۔ مگر نیا سوال ہونے اور عام لوگوں کی تسلی کیلئے اس کو کچھ تفصیل

سے لکھتے ہیں کہ جو وہم بعض لوگوں کو جنگ احد کے دن پڑا تھا (کہ رسول کو مرنا نہیں چاہیے) اسی طرح کا وہم بعض کو آنحضرت ﷺ کی وفات پر ہوا کہ آپ وفات نہیں پا سکتے۔ خواہ نبی ﷺ کی وفات کا واقعہ عظیمہ کے سبب طبیعت پر سخت صدمہ گذرنا اس کا موجب ہوا ہو یا کچھ اور۔ غرض وہم یہی تھا کہ آنحضرت ﷺ پر موت نہیں آسکتی۔ پس ابوبکرؓ کا اس وہم کو دور کرنے کیلئے اس آیت کو پڑھنا اسی طرح کا ہوا جیسے خدا نے نازل کی تھی۔ اور معلوم ہو چکا ہے کہ اس سے مراد خداوندی صرف یہی ہے کہ رسالت اور موت میں منافات نہیں ہے۔ پس جس طرح اس آیت سے عیسیٰؑ کی وفات ہرگز ثابت نہیں ہوتی اسی طرح خطبہ صدیقی سے بھی نبی ﷺ کیلئے موت کا آسکنا ثابت ہوا، نہ کہ عیسیٰؑ کی وفات، جسے مقصود سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ ہاں امکان ثابت ہوسکتا ہے مگر وقوع نہیں۔

دوم یہ کہ اسی آیت میں آگے افان مات او قتل موجود ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی نظر آنحضرت ﷺ کی موت کے ممکن ہونے کیلئے ان مات پر ہے کہ اللہ تعالی آپ کے حق میں موت کو ممکن فرماتا ہے۔ اس وجہ کی تائید دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابوبکرؓ نے اسی وقت حاضرین کو پڑھ کر سنائی تھی۔ وہ آیت یہ ہے انک میّت وانّھم میّتون۔ (زمر:۳۰)

دیکھو اس آیت میں اللہ تعالی نے آنحضرت ﷺ پر میّت کا لفظ فرمایا ہے۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا استدلال افان مات سے ہے، نہ کہ قد خلت من قبلہ الرّسل سے کہ وفات مسیح کیلئے ضعیف اور غلط طور پر بھی مفید ہو سکے۔

سوم یہ کہ دجال کا خروج اور عیسیٰؑ کا نزول ایک طرح سے آپس میں ایسے لازم وملزوم ہیں کہ ایک کا ماننے والا ضرور دوسرے کا مصدق ہے۔ پس جب ابوبکرؓ، دجال کے خروج کی حدیث کے راوی ہیں تو آپ نزول عیسیٰؑ سے کب غافل ہیں۔ دیکھو ابن ماجہ باب خروج الدجال۔

چہارم یہ کہ حضرت ابوبکر کی غرض ان آیات کے پڑھنے سے اس وہم کا ازالہ ہے کہ آنحضرت ﷺ فوت نہیں ہوسکتے۔ پس چونکہ وصف نبوت وموت میں منافات کے ہونے کو علی سبیل الحکایت باطل کرنا مقصود بالذات ہے، پس خطبہ صدیقی اس امر پر تو بعبارۃ النص دلالت کرتا ہے لیکن یہ امر کہ سب انبیاء مرچکے ہیں، نہ تو خطبہ صدیقی کا مفاد ہے اور نہ اس پر مخاطبین کے مزعوم کی تردید موقوف ہے۔ (کیونکہ سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے نہ کلیہ) پس اس سے وفات مسیح پر اجماع صحابہ کا دعوی کرنا خلاف روایت بلکہ درائت بھی ہے کیونکہ بخاری میں

ابو ہریرہؓ کی روایت بالتصریح بتارہی ہے کہ وہ سب صحابہ کے درمیان و ان من اھل الکتاب الّا لیؤمننّ بہ قبل موتہ میں موتہ کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ کو قرار دیکر آپ کا نزول ثابت کر رہے ہیں اور اس تصریح نزول کے موقع پر کوئی صحابی نہ تو نفس مضمون یعنی نزول حضرت مسیح سے انکار کرتا ہے اور نہ ابو ہریرہ کے ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ کو قرار دینے کو غلط کہتا ہے، اور نہ آپ کے استدلال کو ضعیف قرار دیتا ہے۔ پس اجماع حیات ونزول عیسیٰؑ پر ہوا نہ کہ وفات پر۔ قطع نظر اس سے کہ یہ روایت صحیح بخاری حضرت عیسیٰؑ کے حیات ونزول پر اجماع صحابہ کو ثابت کر رہی ہے، ابو ہریرہؓ کا اس آیت کا حیات ونزول عیسیٰؑ کے بارے میں حدیث کی تصدیق کیلئے پڑھنا کم سے کم مولوی محمد احسن کے خیالی اجماع کے توڑنے کیلئے تو کافی ہے۔

قسم دوم سے دوسری آیت

تلک امّۃ قد خلت لھا ما کسبت و لکم ما کسبتم و لاتسئلون عمّا کانوا یعملون (پارہ اول)

اس آیت کا ترجمہ مرزا صاحب اس طرح کرتے ہیں:

اس وقت سے جتنے پیغمبر پہلے ہوئے ہیں، یہ ایک گروہ تھا جو فوت ہوگیا۔ ان کے اعمال ان کے لئے تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ اور ان کے کاموں سے تم نہیں پوچھے جاؤ گے۔

ہم ذکر کر آئے ہیں کہ مرزا صاحب قرآن شریف کے ترجمے میں الفاظ کی رعایت بالکل نہیں رکھتے اور سلسلہ عبارت اور ماقبل و مابعد کو بالکل بھلا دیتے ہیں اور الفاظ قرآن کو موڑ توڑ کر اپنے ٹھانے ہوئے مطلب کے پیچھے لے جاتے ہیں۔ زبان کے قواعد پر نظر اور اصول ترجمہ سے واقفیت رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ ترجمہ کرنے کا یہ طریقہ بالکل غلط ہے اور تفسیر بالرائے اور اتباع ھوی یعنی اپنے خیال ورائے سے تفسیر کرنا اور اپنی خواہش کی پیروی کرنا اسی کو کہتے ہیں۔ ناظرین انصاف سے قرآن مجید کے الفاظ اور مرزا صاحب کے ترجمہ پر نظر کریں تو ان کو ہماری تصدیق کرنی پڑے گی۔

جناب مرزا صاحب! اس وقت سے جتنے پیغمبر پہلے ہوئے، کس عبارت کا ترجمہ ہے اور قرآن میں اس کیلئے کون سے الفاظ ہیں؟ آپ ترجمہ میں اور پھر قرآن کے ترجمہ میں ایسی صریح

بے دلیل زیادتیاں کرتے ہیں اور ذرا نہیں جھجکتے۔ کیا دنیا میں آپ کے سوائے کوئی دوسرا شخص عربی زبان نہیں سمجھتا کہ آپ ایسے دھوکے سے مطلب براری چاہتے ہیں۔

خلت کے معنی مرزا صاحب نے اس جگہ بھی ، فوت ہوگئے ہیں ، کئے ہیں۔ اس کی تحقیق پہلی آیت میں گزر چکی ہے اس مقام پر مرزا صاحب سے صرف اتنا پوچھا جاتا ہے کہ خلو کے معنی موت کس زبان کا محاورہ ہے؟ اور کون سی کتاب اس کی شاہد ہے؟

اس آیت کو عیسیٰؑ کی موت وغیرہ سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ عموماً اور نہ خصوصاً کیونکہ لفظ تلک (یہ) جو اس آیت کے شروع میں ہے اس کا اشارہ ان کی طرف ہے جو اس سے پیشتر مذکور ہیں اور وہ حضرت ابراہیم اور انکے بیٹے اور یعقوبؑ اور ان کے بیٹے ہیں اور بس۔

اس آیت کی صحیح تفسیر اس طرح ہے کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ حضرت یعقوبؑ وصیت کر گئے تھے کہ یہودیت نہ چھوڑنا۔ اور نیز اس بات پر بڑا فخر کرتے تھے کہ ہم پیغمبروں کی اولاد میں سے ہیں، ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔ خدا نے ان کے ان دونوں وہموں کو دور کرنے کیلئے پہلے تو فرمایا کہ ابراہیمؑ اور یعقوبؑ نے تو اپنے اپنے بیٹوں کو اسلام کی وصیت کی تھی۔ خاص کر یعقوبؑ نے اپنی موت کے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا تھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا ہم اسی ایک معبود کی عبادت کریں گے جس کی عبادت آپ اور آپ کا باپ اسحاق اور چچا اسماعیل اور دادا، ابراہیم کرتے رہے اور ہم اسی کے فرمان بردار رہیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہود کے دوسرے وہم کو دور کرنے کیلئے فرمایا کہ ان لوگوں (یعنی ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ) کے اعمال ان کیلئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ آیت کا صحیح مطلب یہ ہے جو بیان کیا گیا ہے اور مرزا صاحب کچھ اور کا اور ہی مطلب لے اڑتے ہیں اور اپنی رائے سے قرآن کے مطالب بگاڑ بگاڑ کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ناظرین! قرآن میں سے یہ مقام نکال کر شروع مضمون سے اخیر تک مطالعہ کریں اور انصاف سے حق کی داد دیں۔

اگر خلت کی رو سے اس آیت کو کسی کی موت سے کچھ تعلق ہے بھی تو اول، چونکہ عیسیٰ تلک کے مشار الیھم میں داخل نہیں ہیں، اسلئے اسے انکی وفات کی دلیل گردانا بالکل باطل ہے۔

دوم، یہی آیت اس سے آگے پارے کے اخیر پر بھی آئی ہے اور اس سے پہلے تلک کے مشار الیھم حضرات ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور انکے بیٹے ہیں اور عیسیٰؑ ان میں داخل نہیں۔ اس سے پیشتر حضرت ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد اور موسیٰؑ اور

عیسیٰؑ کا ذکر ہے اور وہاں خلت یا موت وغیرہ کا کوئی ذکر تک نہیں۔ پس جس جس مقام پر اللہ نے خلت کا لفظ فرمایا ہے وہاں عیسیٰؑ کا ذکر نہیں اور جہاں ان کا ذکر ہے وہاں لفظ خلت نہیں ۔پس یہ آیت عیسیٰؑ کی موت پر دلیل نہ ہوئی۔

سوم، یہ کہ اگر کسی طرح سے عیسیٰؑ کو اس آیت کے عموم میں داخل بھی سمجھ لیں تو پھر بھی یہ آیت عام رہے گی۔

پس بموجب قاعدہ دوم یہ دلیل و ان من اھل الکتاب الآیۃ ...اور اس جیسی دیگر آیتیں جو عیسیٰؑ کی زندگی پر شاہد ناطق ہیں، ان کے مقابلہ میں ہرگز قابل قبول نہیں کیونکہ دلیل خاص کے مقابلہ میں دلیل عام کا اعتبار نہیں ہوتا۔

قسم دوم سے تیسری آیت

وماجعلنا لبشرٍ مّن قبلک الخلد افأن متّ فھم الخالدون (انبیاء:۳۴)

اس آیت کا بیان مرزا صاحب اس طرح کرتے ہیں:

ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو زندہ اور ایک حالت پر رہنے والا نہیں بنایا۔ پس کیا اگر تو مر گیا تو یہ لوگ باقی رہ جائیں گے۔

اس آیت کو حضرت مسیح کی موت سے کوئی بھی تعلق نہیں کیونکہ اس میں ہمیشہ رہنے کی نفی ہے اور ہم عیسیٰؑ کے ہمیشہ زندہ رہنے کے قائل نہیں بلکہ بموجب حدیث صحیح اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ بعد نازل ہونے دنیا میں آباد رہ کر فوت ہوں گے اور مدینہ طیبہ میں آنحضرت ﷺ کے پہلو میں دفن ہوں گے۔ قادیانی کی مماثلت کی تردید اور حضرت عیسیٰؑ کے نزول کی تائید میں یہ حدیث کافی ہے۔ پس عیسیٰؑ کی موت قبل النزول ثابت نہ ہوئی۔

جواب آیات قسم سوم پیش کردہ قادیانی

تیسری قسم کی وہ آیتیں ہیں جن کو حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں ہے، نہ عموماً اور نہ خصوصاً، اور نہ علم اصول کی رو سے ان سے اس امر پر استدلال جائز ہے بلکہ صرف مرزا صاحب کی اپنی اختراع ہے۔ ان سب کی تردید کے لئے صرف وہی دو قاعدے جو ہم نے پہلے بیان کئے ہیں کافی ہیں کہ جب کوئی امر خاص اور صریح دلائل سے ثابت ہو جائے تو ان کے مقابلہ میں ان کے خلاف عام دلائل اور قیاسی ڈھکو سلے نہیں چل سکتے، کیونکہ پھر متکلم کی تصریح کا کوئی فائدہ و اعتبار نہیں رہتا۔ مگر ناظرین کی تفہیم کے لئے ان آیات کو بھی ایک ایک کر کے بیان کرتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ مرزا صاحب کے استدلال کس قدر ضعیف ہیں۔

تیسری قسم سے پہلی آیت

و لکم فی الارض مستقرّ وّ متاع الی حین (بقرہ: ۳۶)۔

مرزا صاحب اس آیت کا بیان اس طرح فرماتے ہیں:

تم اپنے جسم خاکی کے ساتھ زمین پر ہی رہو گے یہاں تک کہ اپنے تمتع کے دن پورے کر کے مر جاؤ گے۔ یہ آیت جسم خاکی کو آسمان پر لے جانے سے روکتی ہے کیونکہ لکم جو اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے اس بات پر بصراحت دلالت کر رہا ہے کہ جسم خاکی آسمان پر نہیں جا سکتا، بلکہ زمین سے ہی نکلا اور زمین میں ہی رہے گا اور زمین میں ہی داخل ہوگا۔

اس بیان سے ہر ذی علم مرزا صاحب کی قوت استدلال کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ کس قدر بڑھی ہوئی ہے۔ استدلال کی صحت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ قرآن و حدیث کی تصریح کے خلاف نہ ہو، مگر مرزا صاحب اس امر کی ہرگز پرواہ نہیں کرتے اور اپنی بے تکی ہانکے جاتے ہیں۔

مرزا صاحب! بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے مستقر طبعی زمین ہی بنائی ہے اور اسی میں وہ دفن کئے جاتے ہیں اور اسی سے قیامت کو اٹھائے جائیں گے۔ مگر اس سے وفات مسیح پر

استدلال ٹھیک نہیں کیونکہ اصلی اور طبعی طور پر کسی جگہ کا جائے رہائش ہونا امر دیگر ہے اور عاضی طور پر کچھ مدت کیلئے کسی اور جگہ کا جائے رہائش ہونا امر دیگر ہے۔ مثلاً ملائکہ کا طبعی اور اصلی مستقر آسمان ہیں مگر باوجود اس کے وہ زمین پر آمدورفت رکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر عیسیٰؑ بھی عارضی طور پر کچھ عرصہ تک کرہ زمین سے باہر دوسرے کرّے میں رہیں تو کوئی جائے تعجب نہیں۔

اس کے علاوہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر اٹھایا جانا بھی ان کے مادہ طبعی وفطرتی کے سبب سے ہے کیونکہ آپ کی پیدائش عام اسباب معتادہ کے خلاف نفخ روح القدس سے ہوئی ہے۔ علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عیسیٰؑ کو پیدائشی طور پر ملائکہ سے مشابہت تھی۔ پس عیسیٰؑ کا آسمان پر اٹھایا جانا اور اس آیت کے حکم سے خارج ہونا ان کے اپنے مادہ فطرتی کے لحاظ سے ہے جو دوسرے انسانوں کو حاصل نہیں ہے۔

مرزا صاحب اس آیت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ لکم اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے۔ بے شک لکم اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے مگر یہ تو آپ کے مدعا کے خلاف ہے، آپ نے اسے کیوں معرض دلیل میں پیش کیا۔ اسی کو قواعد سے ناواقفی کہا کرتے ہیں کہ اپنے مطلب کے خلاف دلیل بیان کی جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ مرزا صاحب کو کہنا یہ چاہیے تھا کہ اس جگہ فی الارض ظرفِ مقدم ہے اور یہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔

اس کے جواب میں اول تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر فی الارض کی تقدیم سے آپ حصر کا فائدہ اٹھا کر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ صرف زمین ہی آدمی کیلئے جائے قرار ہے اور اس کے سوائے اور کوئی جگہ نہیں تو اسی طرح لکم بھی مقدم واقع ہے جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ زمین صرف انسانوں ہی کیلئے جائے قرار ہے، کسی دیگر حیوان کیلئے نہیں۔ حالانکہ یہ صریح غلط ہے۔ ناظرین انصاف کریں کہ لکم کی تخصیص مرزا صاحب کو مفید ہوئی یا مضر؟ حقیقت الامر اس طرح ہے کہ جو حصر، فی الارض سے حاصل ہوتا ہے، جو بہ نسبت استقرار اصلی کے ہے اور تخصیص لکم سے حاصل ہوئی ہے وہ اس بنا پر ہے کہ آدم اور ان کی اولاد باذن الٰہی زمینی اشیاء میں خلیفے اور متصرف ہیں۔ لہذا ان کو زمین کی آبادی میں ایک ایسی خصوصیت حاصل ہے جو دوسرے حیوانوں کو نہیں۔ اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا اوروں کا نہ کیا۔ علاوہ اس کے یہ کہ روئے سخن بھی انہی کی طرف ہے اور علم معقول پر نظر رکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ ایسی صورت میں جہاں جعل تکوینی پایا جائے اس کا مجعول الیہ لازم نہیں ہوتا بلکہ عارض ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

و جعلنا الّليل لبا ساً و جعلنا النّهار معا شاً (نبا۔۱۰۔۱۱) ہم نے رات کو آرام کا وقت بنایا اور دن کو معاش کمانے کا۔

و من رّحمته جعل لکم الّليل والنّهار لتسکنوا فيه و لتبتغوا من فضله و لعلّکم تشکرو ن (قصص :۷۳) اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات کو اور دن کو بنایا تا کہ تم اس میں آرام کرو۔ اور اس کا فضل تلاش کرو)

تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ دن کو آرام نہیں کر سکتے اور رات کو معاش کیلئے کام کاج نہیں کر سکتے کیونکہ روزمرہ کے معاملات اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔ اسی قرآن میں اس کی کئی مثالیں ہیں کہ کسی چیز کو اللہ نے کسی فائدہ کیلئے بنایا ہے تو وہ فائدہ اس سے مخصوص نہیں بلکہ کسی دوسری چیز سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ ہاں اصلی طور پر اور عارضی طور پر ہونے میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً اسی دن اور رات کو معاش اور آرام کا وقت بتانے میں یہی قول ٹھیک ہے کہ معاش کا اصلی وقت دن ہے مگر عارضی طور پر رات کو بھی کما سکتے ہیں۔ اور آرام اور نیند کا اصلی وقت رات ہے مگر عارضی طور پر دن کو بھی آرام و نیند کر سکتے ہیں۔ پس اسی طرح اس آیت زیر بحث میں ہے کہ رہائش کا اصلی مقام انسان کیلئے زمین ہے اور اگر اللہ تعالی کسی شخص کو عارضی طور پر کسی خاص مدت تک آسمان پر رکھے تو کیا تعجب ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ کسی شخص کا مادہ فطرتی بھی اس انعام کے قابل ہو، اور اس میں اللہ تعالی کی کئی حکمتیں بھی ہوں جیسا کہ حصہ اول میں بیان ہوئی ہیں۔ پس مرزا صاحب کا اس آیت کو وفات مسیح کے لئے پیش کرنا بالکل بے جا ہے۔

قسم سوم سے دوسری آیت

کلّ من عليها فانٍ وّ يبقى وجه ر بک ذوالجلام و الاکرا م (رحمٰن: ۲۶۔۲۷) (ہر ایک چیز جو زمین میں موجود ہے اور زمین سے نکلتی ہے وہ معرض فنا میں ہے۔ یعنی دمبدم فنا کی طرف میل کر رہی ہے)۔

اس آیت کو زیر بحث وفات مسیح سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مسیح آخر کار فوت ہوں گے، جس سے ہم کو انکار نہیں، کیونکہ ہر شئے کے قیام کیلئے اللہ تعالی نے وقت مقرر کیا ہوا ہے اسی طرح جو وقت عیسیٰؑ کی موت کا ہے آپ ضرور اسی وقت فوت ہوں گے۔ نہ اس سے آگے نہ اس سے پیچھے۔ چنانچہ یہ امر مرزا صاحب کے اپنے الفاظ، معرض فنا،

سے بھی ثابت ہے۔ اوراس کے بعد آپ کا یہ فرمانا:

فان کا لفظ اس لئے اختیار کیا اور یفنی نہیں کہا تا کہ معلوم ہو کہ فنا ایسی چیز نہیں کہ کسی آئندہ زمانہ میں ایک دفعہ واقع ہوگی، بلکہ سلسلہ فنا کا ساتھ ساتھ جاری ہے۔

فانٍ کا نکتہ نہ سمجھنے اور اپنے لکھے ہوئے، معرض فنا میں ہے،کو بھول جانے کے سبب سے ہے کیونکہ فانٍ پر کوئی شخص اعتراض کرسکتا ہے کہ جو چیز دنیا پر قائم اور موجود نظر آرہی ہیں ان کو صفت فنا کی حاصل نہیں تو پھر ان کے لئے بھی فانٍ کیوں فرمایا۔

اس اعتراض کا جواب اس طرح ہے کہ صفت کا حاصل ہونا دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک بالفعل، دوم بالقوت۔ اگرچہ سب موجودات پر بالفعل کا لفظ نہیں آسکتا مگر اس لحاظ سے کہ ہر ایک چیز سوائے معبود حقیقی کے معرض فنا میں ہے اور آخرکار فنا ہو جائے گی، سب کیلئے فانٍ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اسم فاعل اور فعل مضارع کے صیغے میں فرق کر کے جو نکتہ آپ نے بیان کیا ہے وہ اسم فاعل اور فعل مضارع کی مشابہت کو نظر انداز کر کے لکھا گیا ہے۔ اگر آپ اس طرف توجہ کریں گے تو پھر ایسے نکتے بیان نہ کریں گے۔ پس جب قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی موت کا وقت قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہونے کے بعد ہے، تو پھر قبل نزول کے اس آیت سے حضرت عیسیٰؑ کی موت پر استدلال کرنا بالکل غلط ہے۔

قسم سوم سے تیسری آیت

و منكم من يتوفّى و منكم من يّردّ الى ارذل العمر لكيلا يعلم من علم شيئا (نحل:۷۰)۔

اس آیت کا بیان مرزا صاحب یوں کرتے ہیں:

اس آیت میں خدا فرماتا ہے کہ سنت اللہ دو ہی طرح سے تم پر جاری ہے۔ بعض تم میں سے عمر طبعی سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اور بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں۔ یہاں تک کہ ارذل عمر کی طرف ردّ کئے جاتے ہیں اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ بعد علم کے نادان محض ہو جاتے ہیں

مرزا صاحب نے ترجمہ بالکل غلط کیا ہے اور قرآن کے مطلب کو بالکل بدل دیا ہے اس کا بیان آئے گا۔

قسم سوم سے چوتھی آیت

و من نّعمره ننکّسه فی الخلق (یٰس: ۲۸) ۔یعنی جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں تو اس کی پیدائش کو الٹا دیتے ہیں۔

قسم سوم سے پانچویں آیت

اللّٰہ الّذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعفٍ قوۃً ثم جعل من بعد قوۃٍ ضعفاً و شیبۃً (روم:۵۴) ۔یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے تمہیں ضعف سے پیدا کیا۔ پھر ضعف کے بعد قوت دی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور پیرانہ سالی دی۔

قسم سوم سے چھٹی آیت

انّما مثل الحیوۃ الدّنیا کماءٍ انزلناہ من السّماء فاختلط بہ نبات الارض ممّا یأکل النّاس و الانعا م .. (یونس: ۲۴) ۔ یعنی اس زندگیء دنیا کی مثال یہ ہے کہ جیسے اس پانی کی مثال ہے جس کو ہم آسمان سے اتارتے ہیں۔ پھر زمین کی روئیدگی اس سے مل جاتی ہے۔ پھر وہ روئیدگی بڑھتی اور پھولتی ہے اور آخر کار کاٹی جاتی ہے۔

قسم سوم سے ساتویں آیت :

ثمّ انکم بعد ذلک لمیّتون (مومنون :۱۵) یعنی اول رفتہ رفتہ خدا تعالیٰ نے تم کو کمال تک پہنچایا اور پھر تم اپنا کمال پورا کرنے کے بعد زوال کی طرف میل کرتے ہو یہاں تک کہ مرجاتے ہو۔

قسم سوم سے آٹھویں آیت

الم تر انّ اللّٰہ انزل من السّماء ماءً فسلکہ ینابیع فی الارض ثمّ یخرج بہ زرعاً مختلفاً الوا نہ ثم یھیج فتراہ مصفرّاً ثم یجعلہ حطاماً انّ فی ذلک لذکری لا ولی الالبا ب (زمر:۳۱)

ان آیتوں میں حضرت عیسیٰؑ کی موت کا ذکر نہ تو صراحتاً ہے اور نہ اشارۃً۔ مرزا صاحب اپنی الٹی منطق سے ان کو بھی وفات مسیح ہی کے دلائل سمجھتے ہیں ان کے طریق استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں انسان کی ترقی و کمال اور پھر تنزل و زوال کا بیان ہے ۔ پس ضرور ہے کہ عیسیٰؑ پر بھی بوجہ انسان ہونے کے یہ سب حالات گذریں۔ وہ بوڑھے بھی ہوں اور پھر بڑھاپے کے بعد فوت بھی ہوں، کیونکہ ان آیتوں میں ان کو مستثنیٰ نہیں کیا ۔ نیز فرماتے ہیں کہ بڑھاپے کی انتہاء تک پہنچ کر انسان کے حواس جاتے رہتے ہیں اور وہ عالم کے بعد نادان محض ہو جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے و منکم من یّردّ الی ار ذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئاً یعنی بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں یہاں تک کہ ارذل عمر کی طرف رد کئے جاتے ہیں اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ بعد علم کے نادان محض ہو جاتے ۔

نیز مرزا صاحب فرماتے ہیں :

> اور اگر پھر فرض کے طور پر اب تک زندہ رہنا ان کا تسلیم کرلیں تو کچھ شک نہیں کہ اتنی مدت کے گذرنے پر پیر فرتوت ہوگئے ہوں گے اور اس کام کے ہرگز لائق نہ ہوں گے کہ کوئی خدمت دینی ادا کرسکیں (ازالہ اوہام، تقطیع کلاں ۔ج ا ص ۲۶)

یہ ہے مرزا صاحب کے استدلال کا طریق جس کی بنا بالکل قیاسی ڈھکوسلوں اور آیات کو غیر محل پر استعمال کرنے پر ہے ۔اب اس کی تردید اور جواب سنیں ۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ان آیتوں میں انسان کے کمال و ترقی و تنزل و زوال کا ذکر ہے اور عیسیٰؑ کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا ۔ اسکے جواب میں اول تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم عیسیٰؑ کو ہمیشہ کیلئے موت سے بچنے والا نہیں جانتے ، بلکہ مانتے ہیں کہ آخر وقت وہ بھی فوت ہونگے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ میرے پاس دفن کئے جائینگے ۔ ہاں ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ مرزا صاحب ان آیتوں کی رو سے جب چاہیں کسی پر موت لے آئیں اور جیتے جی اس کو مردہ بنا دیں، کیونکہ خدا نے (جس کے قبضے میں موت اور زندگی ہے) ہر ایک کیلئے ایک وقت مقرر کیا ہے جس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ اور ہم کو مرزا صاحب کی تحریروں سے تجربہ ہو چکا ہے کہ جب وہ کسی خاص میعاد تک کسی کے مرنے کی خبر دیتے ہیں تو وہ اس مدت کے بعد تک زندہ رہتا ہے ۔ مثلاً مسٹر آتھم عیسائی کی موت کی نسبت آپ نے بڑے زور سے پیش گوئی کی تھی کہ وہ پانچویں ستمبر ۱۸۹۴ء تک مر جائے گا، مگر وہ اس معیاد کے بعد تک مذہب عیسائی پر لوگوں میں زندہ موجود رہا ۔ اور اسی طرح آپ نے

اپنے رقیب اور اپنی منکوحہ آسمانی کے شوہر مرزا سلطان محمد کی نسبت پیشگوئی کی تھی کہ وہ روز نکاح سے عرصہ اڑھائی سال تک مر جائے گا اور مسماۃ محمدی بیگم آپ کے پاس آئے گی کیونکہ اللہ تعالی نے اسے آپ کی زوجہ بنا دیا ہوا ہے، مگر آج (ستمبر ۱۹۲۲ء) تک وہ زندہ موجود ہے اور آپکی منکوحہ آسمانی سے اللہ تعالی نے مرزا سلطان محمد کو اولاد عطا فرمائی ہے (مرزا صاحب نے بڑی تحدی سے کہا تھا: شیخ محمد حسین کو حلفاً پوچھنا چاہیے کہ کیا یہ قصہ صحیح نہیں کہ یہ عاجز اس شادی سے پہلے جو دہلی میں،، نصرت بیگم سے ، ہوئی اتفاقاً اس کے مکان پر موجود تھا۔ اس نے سوال کیا کہ کوئی الہام مجھ کو سناؤ۔ میں نے ایک تازہ الہام جو انہیں دنوں میں ہوا تھا اور اس شادی (محمدی بیگم کی سلطان محمد کے ساتھ) اور اس کی دوسری جزو پر دلالت کرتا تھا اس کو سنایا۔ اور وہ یہ تھا کہ بکر و ثیّب یعنی مقدر یوں ہے کہ ایک بکر سے شادی ہوگی اور پھر بعدہ ایک بیوہ سے۔ میں اس الہام کو یاد رکھتا ہوں مجھے امید نہیں کہ محمد حسین نے بھلا دیا ہو۔ مجھے اس کا وہ مکان یاد ہے جہاں کرسی پر بیٹھ کر میں نے اس کو الہام سنایا تھا اور احمد بیگ کے قصہ کا ابھی نام نشان نہ تھا اور نہ ابھی اس دوسری شادی کا کچھ ذکر تھا۔ پس اگر وہ سمجھے تو سمجھ سکتا ہے کہ خدا کا نشان تھا جس کا ایک حصہ اس نے دیکھ لیا اور دوسرا حصہ جو ثیّب یعنی بیوہ کے متعلق ہے دوسرے وقت میں دیکھ لے گا۔ ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۹۸۔ یہ تحدی مرزا صاحب کے گلے میں پھنس گئی۔ بہاء)۔ ان واقعات سے ہمیں کامل یقین ہے کہ مرزا صاحب کسی کی اجل وقت سے پیشتر نہیں لا سکتے پس حضرت عیسیٰؑ کا آخر کار مرنا امر دیگر ہے اور اس وقت قبل نزول فوت شدہ ہونا امر دیگر ہے۔ پس ان آیات سے بھی آپ کی وفات زیر بحث ثابت نہ ہوئی اور مرزا صاحب کا مدعا پورا نہ ہوا۔

دوم یہ کہ صورتِ مستثنٰی کیلئے ضروری نہیں کہ اسی عبارت میں موجود ہو بلکہ سارے قرآن و حدیث میں جہاں کہیں جس امر کو کسی عام حکم سے مستثنٰی کیا گیا ہو وہ مستثنٰی ہی شمار کیا جاتا ہے خواہ عبارت کے ساتھ ہو، خواہ کسی اور جگہ پر۔ کیونکہ سارا قرآن مجید اور ساری حدیث شریف کلمةٍ واحدةٍ یعنی مثل ایک کلمہ کے ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی نظیریں بکثرت ہیں، خوف طوالت سے صرف چند ذکر کی جاتی ہیں:

اول: دوسرے پارے میں اللہ تعالی نے فرمایا و المطلّقات یتربّصن بانفسهنّ ثلاثة قروء، یعنی طلاق والی عورتیں دوسرے نکاح کے لئے تین حیض تک انتظار کریں۔ اب ظاہر ہے کہ المطلّقات جمع کا لفظ ہے اور حاملہ اور غیر حاملہ، اور شوہر دیدہ اور شوہر نادیدہ سب قسم کی مطلقہ عورتیں اس لفظ میں داخل ہیں۔ تو بس مرزا صاحب کی منطق کی رو سے ان سب کی

عدت یہی تین حیض ہونی چاہیے۔ اور یہ بالکل غلط ہے کیونکہ حاملہ اور شوہر نا دیدہ مطلقہ عورتیں اور جن کو حیض نہیں آتا، اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، اور ان کا حکم دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ غیر ممسوسہ یعنی شوہر نا دیدہ کی نسبت سورہ احزاب پارہ بائیس میں فرمایا:

یا ایّھا الذّین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلّقتموھنّ من قبل ان تمسّو ھنّ فما لکم علیھنّ من عدّۃ تعتدونھا ۔(اے مسلمانوا جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو اور پھر ان کو مجامعت سے پہلے طلاق دے دو، تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم کو گن کر پورا کرنا پڑے)۔(احزاب:۴۹)

دیکھئے اس آیت میں شوہر نا دیدہ مطلقہ کی عدت بھی مقرر نہیں کی ۔ ایک طرف سے طلاق ہو اور دوسری طرف نکاح کر لینے کا اختیار دیا ہے۔ اسی طرح سورہ طلاق میں وہ مطلقہ عورتیں جو اب بڑھاپے کی وجہ سے حیض سے مایوس ہیں اور جن کو ابھی حیض آیا ہی نہیں، اور جو حاملہ ہیں ان کی نسبت (سورہ طلاق:۴) فرمایا:

و الّئی یئسن من المحیض من نساء کم، ان ارتبتم فعدّ تھن ثلا ثۃ اشھر و الّئی لم یحضن۔ و اولات الاحمال اجلھنّ ان یّضعن حملھنّ (یعنی تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو جائیں اگر تم کو شبہ رہ گیا ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور ایسے ہی جن کو ابھی حیض نہیں آیا۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے محرمات کے بیان میں (نساء:۲۳) فرمایا:

ان تجمعوا بین الاختین (یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے)۔

اور سب محرمات کے ذکر کے بعد فرمایا و احلّ لکم ما وراء ذلکم (یعنی ان مذکورہ عورتوں کے سوائے تم پر حلال ہیں) حالانکہ صحیح بخاری میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

ان مثالوں سے صاف ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ چونکہ حضرت عیسیٰؑ کو ان آیتوں میں مستثنیٰ نہیں کیا، اسلئے ان کے حکم میں وہ بھی داخل ہیں، معقول وجہ نہیں کیونکہ آیات یا عیسی انّی متوفّیک و را فعک الیّ اور بل رّفعہ اللّٰہ الیہ ، اور وان مّن اھل الکتا ب الّا لیؤمننّ بہ قبل موتہ اور انّہ لعلم للسّاعۃ ، و تکلّم النّاس فی المھد و کھلا ، آپ کے آسمان میں اب تک زندہ موجود ہونے اور قرب قیامت میں نازل

ہونے اورتب تک بوڑھے نہ ہونے پر دلائل واضحہ ہیں جن سے کسی منصف کوانکارنہیں ہوسکتا۔ ان آیات کی تفسیر تفصیل واختصار سے پیچھے گذر چکی ہے لہذا دوبارہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ اسی طرح احادیث صحیحہ جو عیسیٰؑ کے آسمان پر نازل ہونے پر بالصراحۃ شہادت دیتی ہیں اور بعد اس کے آپ کی وفات ظاہر کرتی ہیں، اورآپ کا مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہونا بیان کرتی ہیں، آپ کو ان زیر بحث آیات کے حکم سے مستثنیٰ کررہی ہیں۔

ان آیات زیر بحث میں سے پہلی آیت یعنی و منکم من یّردّ الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئاً کا ترجمہ ایسا کیا ہے جو قواعد زبان کی رو سے غلط اوراصول اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اورمرزا صاحب نے اس میں ہردوامر کالحاظ نہیں کیا۔ مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

اور بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں یہاں تک کہ ارزل عمر کی طرف رد کئے جاتے ہیں اوراس حدتک نوبت پہنچتی ہے کہ بعد علم کے نادان محض ہوجاتے ہیں۔

یہ ترجمہ قواعد عرب کی رو سے اس لئے غلط ہے کہ مرزا صاحب نے لکیلا یعلم میں لکے کے معنی کئے ہیں: اس حدتک نوبت پہنچتی ہے،۔ حالانکہ کتب نحو میں مصرح ہے کہ کے پر جو لام داخل ہوتا ہے وہ علت کیلئے ہوتا ہے (دیکھو مغنی اللبیب)۔ پس اس آیت کے صحیح معنی یہ ہیں: بعض تم میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ارذل عمر کی طرف پھیرے جاتے ہیں تا کہ وہ بعد جاننے کے کچھ بھی نہ جانیں۔ یعنی بعض شخصوں کو اللہ اس لئے بوڑھا کرتا ہے کہ وہ اپنی جانی ہوئی باتیں بھول جائیں اورسب اشیاء میں خدا تعالی کا تصرف ظاہر ہو۔ دیکھئے امام رازی تفسیر کبیر میں سورہ نحل کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فقولہ و منکم من یّردّ الی ارذل العمر لکیلا من بعد علم شیئاً، یدلّ علی انّہ تعالی انّما ردّہ الی ارذل العمرلاجل ان یزیل عقلہ .. اللہ جو بعض انسانوں کونکمی عمرتک پہنچاتا ہے تو اسکی علت یہ ہوتی ہے کہ اسکی عقل کو زائل کردے۔

پس جب عیسیٰؑ کو اللہ نے اپنی قدرت اورحکمت کے اظہار کیلئے آسمان پر اٹھایا اور قرب قیامت تک ان کی حیات مقرر کی جیسا کہ حصہ اول میں و کان اللّٰہ عزیزاً حکیماً کی تفسیر میں گذر چکا ہے، تو مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ اگر بالفرض عیسیٰؑ اتنی مدت تک زندہ بھی رہیں، تو پیر فرتوت ہوجانے کے باعث ان کا نزول کچھ مفید نہیں ہوگا، بالکل باطل ہے کیونکہ اللہ تعالی نے

حضرت عیسیٰؑ کو اتنی لمبی عمر اس لئے نہیں دی کہ وہ اپنا علم بھول جائیں بلکہ کئی مفید امروں اور حکمتوں کیلئے دی ہے ۔ نہایت بڑھاپے کو پہنچ کر بھی علم نہ بھولنا اور عقل کا زائل نہ ہونا حضرت آدم اور حضرت نوح کے ہزار ہزار برس تک لمبی عمر پانے سے ثابت ہے اور اسی طرح رسول اللہ کے صحابہ میں سے بعض کا سوسو سال اور اس سے زیادہ تک عمر پانا اور ان کے حواس کا برابر ٹھیک رہنا اور اسی طرح مقبولان بارگاہ رب العالمین حضرات بابرکات محدثین کا بڑی بڑی لمبی عمریں پانا ، اور حدیث نبوی کی تدریس میں برابر مشغول رہنا ، واقفان سنت نبویہ پر پوشیدہ نہیں ہے ، خاص کر ہمارے زمانہ میں حضرت شیخنا وشیخ الکل ناصر سنت سید الثقلین ناشر حدیث رسول رب الخافقین سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی نور اللہ ضریحہ کا طویل عمر پانا اور آخر وقت تک حدیث نبوی ﷺ کی تعلیم کرتے رہنا چھوٹے بڑے پر ظاہر ہے ۔ ہائے افسوس ! پھر مرزا صاحب کے قلم سے کس طرح نکلا کہ اللہ تعالی نبی برحق خاص خدا تعالی کے سکھائے ہوئے پیغمبر حضرت روح اللہ عیسی بن مریم اتنی لمبی عمر پانے سے پیر فرتوت ہو کر نادان محض ہو جائیں گے اور کسی کام کے نہ رہیں گے ۔

اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ مرزا صاحب کا ترجمہ بالکل غلط ہے اور حضرت عیسیٰؑ اس آیت کے حکم سے مستثنی ہیں ۔ اب یہ امر بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کا یہ ترجمہ اصول وعقائد اسلامیہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ مرزا صاحب عمر طبعی کے قائل ہیں اور اس کے بعد موت کو ضروری جانتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب موت کو ایک عدمی امر جانتے ہیں ۔ علم عقائد پر نظر رکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ عمر طبعی کو ماننا اور اس کے بعد موت کا ضروری ہونا ، اور موت کو ایک عدمی امر جاننا ، حکمائے یونان کا مذہب ہے ، نہ کہ مسلمانوں کا ۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی نے سورہ نحل کی تفسیر میں عمر طبعی کے متعلق حکماء کا مذہب اور ان کے دلائل ذکر کئے ہیں اور پھر عقلی دلائل سے بہت تفصیل کے ساتھ ان کا ردّ لکھنے کے بعد فرمایا :

> ایک دن میں سورہ المرسلات پڑھ رہا تھا جن آیت الم نخلقکم پر پہنچا اور ویل یومئذٍ لّلمکذّبین پڑھا (یعنی قیامت کے روز جھٹلانے والوں کیلئے ویل ہوگا) تو میں نے کہا بے شک ان مکذبین سے مراد وہی لوگ ہیں جو حیوانات کے بدن کی ساخت کو طبیعت کی طرف اور رطوبت اور حرارت کے اثر کرنے کی طرف نسبت کرتے ہیں (اور کہا) اے رب العزت میں سچے اور پختہ دل سے ایمان رکھتا ہوں کہ یہ تدابیر طبیعت کے اثر سے نہیں ہیں بلکہ یہ سب کچھ تیرا فعل ہے جو خالق اور علیم اور احکم الحاکمین اور اکرم الاکرمین ہے ۔

اور اس کے بعد ثمّ یتوفّاکم کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ہم نے (اس سے اوپر) بیان کر دیا ہے کہ حکماء نے موت کا سبب جو ذکر کیا ہے وہ فاسد اور باطل ہے اور اس سے دور لازم آتا ہے اور جب ثابت ہوگیا کہ حکماء کا مذہب باطل ہے تو ظاہر ہوگیا کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے اور مقدر کرنے سے ہوتی ہے۔

میں (ابراہیم میر) کہتا ہوں امام رازی کے اس قول کی تصدیق قرآن شریف میں کئی جگہ موجود ہے جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ ملک میں الّذی خلق الموت و الحیات یعنی خدا نے موت اور زندگی کو پیدا کیا۔ (ملک:۲)۔

اس کے بعد رازی و منکم من یردّ الی ارذل العمر کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ہم نے (اوپر) بدلائل بیان کر دیا کہ انسان کے حالاتِ کمال سے نقصان اور قوت سے ضعف کی طرف انتقال کرنے کی علت (فاعلی) طبیعت نہیں ہے۔ پس قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ انسان کا حالتِ جوانی سے بوڑھا ہو جانا اور عقل کامل کے بعد پیرانہ سالی کی وجہ سے نادان ہو جانا بمقتضائے طبیعت نہیں ہے بلکہ اللہ فاعلِ مختار کے فعل سے ہے (اس کے بعد انّ اللّٰہ علیم و قدیر کی تفسیر میں فرماتے ہیں) کہ یہ بات یعنی اللہ علم والا، قدرت والا ہے، جو کچھ ہم نے بیان کیا، اس کی اصل اصول ہے کیونکہ طبیعت تو ایک جاہل چیز ہے جو مصلحت اور فساد کے وقت میں تمیز نہیں کر سکتی۔ اس لئے سب انتقالات جو انسان میں ہوتے ہیں ان کو اس کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ لیکن سب جہان کا معبود اور تدبیر کرنے والا اور سب کو پیدا کرنے والا (خدا) اپنے علم اور قدرت میں کامل ہے۔ پس اپنے کمال علم کی رو سے بہتری اور خرابی کے اندازوں کو جانتا ہے اور کمال قدرت کی رو سے بہتری عطا کرنے اور خرابی کے دور کرنے پر قادر ہے۔ پس ضرور ضرور حیوانات کی بناوٹ کو اس معبود حقیقی کی طرف منسوب کرنا چاہیے اور طبیعت کی طرف منسوب کرنا ممکن نہیں ہے۔

مرزا صاحب! دیکھئے قرآن شریف کے نکتے ایسے ہوتے ہیں جو امام رازی فرماتے ہیں نہ کہ جو آپ بیان فرماتے ہیں اور محاورات عرب اور اصول اسلام کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔

قسم سوم سے نویں آیت

و ما جعلناهم جسداً لّا یاکلون الطّعام (انبیاء:۸)۔

مرزا صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

کوئی ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا کہ زندہ تو ہو مگر کھانا نہ کھاتا ہو۔

ناظرین! خیال فرما سکتے ہیں کہ یہ ترجمہ قرآن کے الفاظ سے کس قدر اجنبی ہے۔

قسم سوم سے دسویں آیت

و ما ارسلنا من قبلک من المرسلین الّا انّهم لیاکلو ن الطّعام ویمشون فی الاسواق (فرقان:۲۰)۔یعنی ہم نے تجھ سے جس قدر رسول بھیجے ہیں وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں پھرتے تھے۔

ان دونوں آیتوں سے مرزا صاحب، حضرت مسیح کی وفات اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ انسان بغیر کھانے کے زندہ نہیں رہ سکتا اور چونکہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر کھانا نہیں مل سکتا، اس لئے وہ فوت ہو چکے ہیں۔

مرزا صاحب معارفِ قرآنی تو درکنار، مرادِ قرآنی کے سمجھنے سے بھی کئی منزلیں دور رہتے ہیں۔ نہ سمجھتے ہیں نہ سوچتے ہیں اور نہ سلسلہ کلام پر نظر کرتے ہیں۔ بس اپنی بے تکی ہانکتے ہیں ۔ان آیتوں کی صحیح مراد یہ ہے کہ کفار نے رسول اللہ ﷺ کے کھانے پینے اور بازاروں میں چلنے پر اعتراض کیا تھا کہ یہ کام منصب نبوت کے منافی ہیں جیسا کہ اللہ نے ذکر کیا:

و قالوا ما لهذا الرّسول یاکل الطّعام و یمشی فی الاسواق (فرقان: ۷) (کہتے ہیں کہ یہ رسول کیسا ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے)۔

گویا کفار نے رسول برحق کیلئے ضروری مانا ہوا تھا کہ وہ کھانے اور بازاروں میں چلنے سے پاک ہو۔ اللہ نے اس کا جواب فرمایا کہ اے پیغمبر! ہم نے تجھ سے پیشتر جس کسی کو اپنا رسول کر کے بھیجا ہے، ان میں بھی یہ باتیں پائی جاتی تھیں۔ جب وہ باوجود ان باتوں کے رسول تسلیم کئے جاتے ہیں تو اگر تم میں بھی یہ اوصاف پائے گئے ہیں، تو انکار کی کیا وجہ ہے؟

دوسرا جواب یہ دیا:

و ما جعلنا هم جسداً لّا یاکلو ن الطّعام یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو بے جان دھڑ نہیں بنایا کہ ان کے لئے نہ کھانا ضروری ہو۔

جس کا ترجمہ مرزا صاحب یوں کرتے ہیں:

کوئی ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا کہ زندہ تو ہو مگر کھانا نہ کھاتا ہو۔

دیکھئے یہ ترجمہ الفاظ و مراد قرآنی سے کس قدر اجنبی ہے۔ علاوہ بریں اس طرف خیال فرمایئے کہ ان آیتوں کو اور اس مضمون کو حضرت مسیح کی موت قبل النزول سے کیا تعلق و نسبت ہے؟

آیئے مرزا صاحب! ہم آپ کو ایک نکتہ بتاتے ہیں، اگر خود نہ سمجھ سکیں تو فاضل امروہی کو پاس بٹھا کر سمجھ لیں کہ و ما جعلنا ھم جسداً لا یاکلون الطّعام میں جملہ لا یا کلون الطّعام صفت ہے جسداً کی اور جسد اور جسم آپس میں ہم معنی ہیں اور دلیل انکے ہم معنی ہونے کی یہ ہے کہ دونوں کے فا کلمہ اور لام میں جیم اور سین ہے۔ پس اس آیت سے یہ حاصل ہوا کہ اللہ نے جسد محض (بے جان دھڑ) سے بالضرورت طعام سے فائدہ مند ہونے کی نفی کی ہے اور اس کیلئے نہ کھانا ضروری قرار دیا ہے۔ لیکن زندہ جسد سو اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ کھائے، اور نہ یہ ضروری ہے کہ نہ کھائے، کیونکہ لغت میں جسد انسانوں اور فرشتوں اور جنوں سب کے جسم کیلئے ہے جیسا کہ قاموس میں ہے الجسد محرکۃ جسم الانسان و الجنّ و الملائکۃ اور معلوم ہے کہ فرشتے فطرۃً طعام وغیرہ حاجات بشریہ کے محتاج نہیں ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ اس آیت میں یہ ہرگز ملحوظ نہیں کہ ہر زندہ چیز کیلئے کھانا ضروری ہے۔ ہاں یہ ضرور ملحوظ ہے کہ ہر بے جان جسم کیلئے ضروری ہے کہ وہ نہ کھائے۔ سو اس کو حضرت مسیح کی وفات سے کچھ تعلق نہیں۔

پس جب آسمان پر فرشتے بغیر طعام کے زندہ ہیں تو حضرت مسیح بھی جو پیدائش کے لحاظ سے فرشتوں کے مشابہ ہیں اور اسی مشابہت کی وجہ سے آسمان پر اٹھائے گئے ہیں بغیر طعام کے زندہ رہ سکتے ہیں۔

مرزا کا یہ ترجمہ کہ کوئی ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا کہ زندہ تو ہو مگر کھانا نہ کھاتا ہو، علاوہ اس کے قرآن کے الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے، اپنے مضمون کے لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ فرشتے اجسام ہی ہیں اور زندہ بھی ہیں اور ان پر جسد کا لفظ بولا بھی جاتا ہے اور پھر وہ کھانا نہیں کھاتے۔

اس آیت پر اور زیادہ بھی لکھ سکتے ہیں مگر اتنا بیان کافی معلوم ہوتا ہے۔

قسم سوم سے گیارھویں آیت

و الّذین یدعون من دون اللّٰہ لا یخلقون شیئاً وھم یخلقون ۔ اموا ت غیر ا حیاء وما یشعرون ایّان یبعثون (نحل:۲۰۔۲۱) ۔یعنی جولوگ بغیر اللہ کے پرستش کئے جاتے اور پکارے جاتے ہیں، وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ آپ پیدا شدہ ہیں ۔مر چکے ہیں، زندہ بھی تو نہیں، اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے ۔

مرزا صاحب اس آیت سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ جو کوئی اللہ کے سوائے پرستش کیا جاتا ہے ان سب کو اللہ مردہ کہتا ہے اور چونکہ عیسائی، حضرت عیسی کو خدا مانتے ہیں اس لئے ثابت ہوا کہ وہ بھی فوت شدہ ہیں۔

مرزا صاحب نے نہ تو آیت کا ترجمہ ٹھیک کیا ہے اور نہ اس کی مراد صحیح کو پہنچے ہیں۔ جناب مرزا صاحب! بغیر اللہ کے، میں ب کس قسم کی ہے؟ اور اس کے کیا معنی ہیں؟ آیا آپ غیر اللہ اور بغیر اللہ میں فرق نہیں جانتے؟

اس آیت کو مرزائی پارٹی مسیح کی وفات کیلئے جلالی آیت کہا کرتی ہے (دیکھو الدلیل الصریح از مبارک علی سیالکوٹی بر حاشیہ صفحہ اخیر) مگر جس طرح سے مرزا صاحب محاورات عربیہ کے سمجھنے سے قاصر ہیں، اسی طرح ان کے مرید بھی اس کمال سے بے بہرہ ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت بتوں کے حق میں ہے۔ان کی نسبت اللہ فرماتا ہے کہ کفار مکہ، اللہ تعالی کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ بے جان ہیں۔ کیونکہ سورت نحل (جس کی یہ آیت ہے) مکی ہے۔لہذا یہ آیت کفار مکہ کی تردید کیلئے نازل ہوئی نہ کہ عیسائیوں اور یہودیوں کی تردید کیلئے۔ اس پر مرزائیوں کی طرف سے یہ جواب ہوا کرتا ہے کہ آیت میں الّذین کا لفظ ہے جو ذوی العقول کیلئے آیا کرتا ہے۔ پس اس میں عیسائیوں اور یہودیوں کی تردید ہے جن کے معبود ذوی العقول اشیاء میں سے ہیں، یعنی حضرت عیسیؑ اور حضرت عزیرؑ۔ ہم کہتے ہیں الّذین کا ذوی العقول سے مخصوص ہونا کسی کتاب علم نحو یا لغت میں تو نہیں لکھا۔ اور زبان عربی میں الّذی اور اس کی مؤنث الّتی کا استعمال جاندار، وغیر جاندار، ذوی العقول وغیر ذوی العقول دونوں طرح کی اشیاء پر آیا ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات ذیل:

پہلی آیت: ثمّ آتنیا موسی الکتاب تماماً علی الّذی احسن و تفصیلاً لّکلّ شیء (انعام:۱۵۴) ((پھر (سنا ان کو کہ) دی ہم نے موسی کو کتاب پوری کر کے

ایسے طریق سے جو بہت خوبصورت ہے اور تفصیل ہر شئے کی)

اس آیت میں احسن کی نسبت مفسرین کے دو قول ہیں ۔ اول یہ کہ یہ اس جگہ صیغہ ماضی معلوم از باب افعال ہے ۔ دوم یہ کہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے ۔ پس احسن کو صیغہ ماضی جاننے سے الّذی ذی عقل کیلئے ہوگا اور اسکے اسم تفضیل ہونے پر اس کا غیر عاقل کیلئے ہونا صاف ظاہر ہے مغنی اللبیب باب الموصول ص ۱۳۷ جلد دوم میں اس آیت کی نسبت لکھا ہے ویکون احسن حینئذٍ اسم تفضیل لا فعلا ماضیاً وفتحته اعراب لابناء و ھی علامة الجر

دوسری آیت و لا تقربوا مال الیتیم الّا بالّتی ھی احسن (انعام:۱۵۲۔ بنی اسرائیل:۳۴) (یعنی یتیم کے مال کے نزدیک نہ جاؤ مگر ایسے طریق سے جو بہتر ہو)

تیسری آیت ولا تؤتوا السّفھاء اموا لکم الّتی جعل اللّٰہ لکم قیاماً (نساء :۵) (اپنے وہ مال جو اللہ نے تمہارے لئے گذران کا سبب بنائے ہیں بے عقلوں کو نہ پکڑا دو)

اسی طرح الّذی کا غیر ذوی العقول کے لئے بھی مستعمل ہونا شعرا کے کلام سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ متنبّی کہتا ہے:

والّذی تنبت البلاد سرور و الّذی تمطر السّحاب مدا م

(اب جو کچھ شہروں کی زمین میں اگے گا، وہ شراب ہی ہوگا اور وہ جو کچھ بادل برسا رہے ہیں وہ بھی شراب ہی ہوگا)

اسی طرح دیوان ابی العتاھیہ میں ہے:

الھی لا تعذبنی فا نّی مقرّ بالّذی قد کان منّی

(اے اللہ مجھے عذاب نہ کر، کیونکہ جو کچھ مجھ سے ہو چکا ہے، میں اس کا اقرار کرتا ہوں)

اسی طرح رضی شرح قافیہ باب موصول بیان ذوالطائیہ میں ہے:

فانّ الماء ماء ابی و جدّی و بِئری ذو حضرت و ذو طویت

(کیونکہ وہ پانی تو میرے باپ دادا کا ہے، اور کنواں بھی میرا ہے جو میں نے کھودا اور سنوارا تھا)

اس شعر میں بنی طے کی لغت پر ذو بمعنی الّذی ہے اور غیر جاندار کیلئے مستعمل ہوا ہے۔

اس بیان سے ظاہر ہوگیا کہ آیت زیر بحث میں الّذین سے کفار مکہ کے بت مراد لینے محاورہ عرب کے خلاف نہیں ۔ اگر کہا جائے کہ من دون اللّٰہ عام ہے، چاہے جاندار ہو، چاہے بے جان، سب کیلئے بولا جاتا ہے ۔ پس اس میں کفار مکہ کے بت بھی شامل ہیں اور ان کے سوائے اور بھی مثلاً حضرت مسیح اور عزیزؑ اور دیگر باطل معبود جو کسی قوم نے ٹھہرایا ہو ۔ کیونکہ اس آیت میں دو

لفظ اموات اور غیر احیاء فرمائے گئے ہیں۔ یعنی جو جاندار اللہ کے سوائے معبود مانے گئے ہیں ان کیلئے تو اموات فرمایا، پس اس میں حضرت مسیح اور حضرت عزیر اور دیگر جاندار آ گئے، اور غیر احیاء میں بے جان معبود بت وغیرہ آ گئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک کلمہ من دون اللّٰہ عام ہے، جاندار اور بے جان دونوں پر بولا جاتا۔ اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ کے سوا ہر قسم کے باطل معبودوں کی تردید ہے لیکن اس آیت کی رو سے یہ کہنا کہ وہ سب جاندار و ذوی العقول معبود جن کو لوگ اللہ کے سوائے پکارتے ہیں، اس آیت کے نزول کے وقت مردہ تھے، یا فی الحال مرے ہوئے ہیں، ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اس آیت کے نزول کے وقت کفار مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے جیسا کہ قرآن میں یہ مضمون کئی مقامات میں مذکور ہے۔ حالانکہ فرشتے جن کو کفار پکارتے تھے، اس آیت زیر بحث کے نزول کے وقت زندہ تھے اور اب تک زندہ ہیں۔ پس اگر اس آیت کی رو سے جملہ معبودانِ باطلہ فی الحال مردہ ثابت ہوتے ہیں تو فرشتوں کی نسبت کیا جواب ہوگا؟ جیسا کہ پارہ ۱۴ رکوع ۱۳، اور نیز پارہ ۲۵ رکوع ۷، اور نیز پارہ ۲۳ رکوع ۹، اور پارہ ۲۷ رکوع ۴ میں مذکور ہے کہ کفار مکہ فرشتوں کو خدا تعالی کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔

دیگر یہ کہ اگر کوئی شخص یا قوم اس وقت کسی زندہ شخص کو معبود قرار دے لے تو اس کو اس آیت کی رو سے جیتے جی کس طرح مردہ تسلیم کر سکتے ہیں۔ پس آیت اپنے مطلب میں غیر کافی رہے گی جس سے قرآن شریف پاک ہے۔

اموات کے متعلق اصل نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کے سوا ان سب معبودوں پر جو اس وقت مردہ ہیں اور جو اس وقت زندہ ہیں، دونوں پر صادق آ سکتا ہے۔ فوت شدوں پر اس طرح کہ وہ موت چکھے ہوئے ہیں اور مردہ خدائی کے لائق نہیں۔ اور جو زندہ ہیں ان پر اس طرح کہ جو آخر کار مر جائے گا وہ بھی خدائی کے لائق نہیں کیونکہ جو اپنی بقا اور زندگی پر قادر نہیں وہ کس طرح معبود ہو سکتا ہے۔ دیکھئے قرآن شریف میں زندوں پر بھی میّت کا لفظ آیا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ان سب کو انجام کار موت چکھنی ہوگی جیسا کہ فرمایا اللہ سبحانہ نے سورہ زمر میں:

انک میّت و انّھم میّتون (زمر:۳۱) (تو بھی میت ہے اور یہ بھی میت ہیں)

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو میّت کہا گیا حالانکہ آپ ﷺ اس آیت کے نزول کے وقت صفحہ دنیا پر موجود تھے اور اسی طرح آپ کے مخالفین کفار کو بھی میّت کہا گیا حالانکہ وہ بھی

زندہ موجود تھے۔ پس زندوں پر بھی اس لحاظ سے میّت کا لفظ بولنا جائز ہے کہ وہ سب انجام کار اپنے مقررہ وقت پر مرجائیں گے۔ پس اسی طرح حضرت مسیح اس آیت زیر بحث کے حکم میں اس لحاظ سے داخل ہیں کہ وہ بھی آخر کار مرجائیں گے جیسا کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے، نہ اس لحاظ سے کہ وہ اس وقت یا اس آیت کے نزول کے وقت مرچکے تھے۔ حاشا وکلا۔ قرآن شریف کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے۔ اس آیت کو حضرت مسیح کی زندگی وموت ہر دو سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ لفظ میّت کا اطلاق جیسا کہ ہم نے قرآن شریف سے ثابت کر دکھایا ہے مردوں اور زندوں دونوں پر جائز ہے۔ پس اگر کسی خارجی دلیل سے حضرت عیسیٰؑ کی موت ثابت ہے تو بے شک آپ اس آیت میں اس لحاظ سے داخل ہیں کہ آپ مرچکے ہیں۔ لیکن چونکہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات قبل النزول کسی خارجی دلیل سے ثابت نہیں اس لئے آپ مرے بھی نہیں۔ اور اگر کسی خارجی دلیل سے آپ کی حیات ثابت ہے، تو بے شک آپ اس آیت میں اس لحاظ سے داخل ہو سکتے ہیں کہ آپ آخر کار مر جائیں گے اور چونکہ آپ کی زندگی قرآن وحدیث ہر دو سے ثابت ہے (جیسا کہ اس کتاب کا پہلا حصہ بلند آواز سے شہادت دے رہا ہے) اس لئے آپ ابھی مرے نہیں۔

پس مرزا صاحب کا اس آیت زیر بحث کو حضرت مسیح کی وفات کی دلیل سمجھنا عجب طرح کی الٹی منطق اور غلط استدلال ہے۔

امام فخر الدین نے اس آیت کے حکم میں فرشتوں کو بھی داخل کیا ہے اور اس کی وجہ یہی بتائی ہے کہ آخر کار وہ بھی مرجائیں گے چنانچہ فرمایا کہ:

الثّالث ان یّکون المراد بقوله و الّذین یدعون من دون اللّٰه، الملائکة وکان ناس من غیر احیاء ای غیر باقیة حیا تهم (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۱۱) (تیسرا جواب یہ ہے کہ الّذین یدعون من دون اللّٰه سے مراد فرشتے ہیں اور کفار میں سے کئی لوگ ان کی بھی پرستش کرتے تھے۔ پس اللہ نے فرمایا کہ وہ اموات ہیں یعنی موت سے ان کو بھی بچاؤ نہیں، وہ غیر احیا ہیں یعنی انکی زندگی ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے)

قسم سوم سے بارھویں آیت

اللّٰه الّذی خلقکم ثمّ رزقکم ثمّ یمیتکم ثمّ یحییکم (روم: ۴۰) (یعنی اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو رزق دیا۔ پھر تم کو مارے گا۔ پھر تم کو زندہ کرے گا)

مرزا کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ نے اپنا قانون قدرت بتلایا ہے کہ انسان کی زندگی میں صرف چار واقعات ہیں۔ پہلے وہ پیدا کیا جاتا ہے پھر تکمیل اور تربیت کیلئے روحانی اور جسمانی رزق مقسوم اسے ملتا ہے۔ پھر اس پر موت وارد ہوتی ہے پھر وہ زندہ کیا جاتا ہے اب ظاہر ہے کہ ان آیات میں کوئی ایسا کلمہ استثنائی نہیں جسکی رو سے مسیح کے واقعات خاصہ باہر رکھے گئے ہیں

قسم سوم سے تیرھویں آیت

اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروجٍ مّشیّدۃ (یعنی جس جگہ بھی تم ہو، اسی جگہ تمہیں موت پکڑے گی۔ اگرچہ تم بڑے مرتفع برجوں میں بودوباش اختیار کرو۔ (نساء:۷۸)

مرزا کہتے ہیں کہ ، چونکہ اس آیت میں حضرت مسیح کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ اس لئے مسیح مر گئے۔

ان دونوں آیتوں سے جس طریق سے مرزا صاحب نے استدلال کیا ہے اس کا تفصیلی جواب سابقاً گذر چکا ہے کہ استثنا کے لئے ضروری نہیں کہ اسی عبارت میں ہو، بلکہ قرآن میں جہاں کہیں کسی امر کی تصریح پائی جائے اور وہ کسی حکم عام کے خلاف نظر آئے تو وہ اس عام حکم سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے اور اس کی نظیریں بھی گذر چکی ہیں۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ انسان کیلئے یہ چاروں مراتب ہیں، اور اس سے عمر طبعی کے الحاد کا ستدلال کرنا، سو یہ بھی اچھی طرح سے باطل ثابت ہو چکا ہے اور اگر بالفرض یہ آیتیں کسی طرح اشارۃً یا دلالۃً حضرت مسیح کی موت پر دلالت بھی کریں، تو بھی بمقابلہ تصریحات کے جو انّی متوفّیک و رافعک الیّ اور بل رّفعہ اللّٰہ الیہ اور و ان من اھل الکتاب الّا لیؤمننّ بہ قبل موتہ میں آپ کی زندگی اور رفع آسمانی کے بارے میں موجود ہیں، کچھ مفید نہیں۔ کیونکہ دلیل خاص عام پر مقدم ہوتی ہے اور عبارت النص کے مقابلہ میں اشارۃً اور دلالۃً اعتبار نہیں ہوتا اور اسی طرح منطوق کے مقابلہ میں مفہوم کو پیش نہیں کر سکتے۔

قسم سوم سے چودھویں آیت

یا ایّتھا النّفس المطمئنّۃ ارجعی الی ربّک راضیۃً مرضیۃً فادخلی فی عبادی وادخلی جنّتی (فجر: ۲۷۔۳۰)،

مرزا صاحب اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

اے نفس بحق آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے

راضی ۔ پھر اس کے بعد میرے ان بندوں میں داخل ہو جا جو دنیا کو چھوڑ گئے ہیں اور میری بہشت کے اندر آ ۔

اور پھر اس سے حضرت عیسیٰؑ کی وفات پر اس طرح استدلال کرتے ہیں :

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انسان جب تک فوت نہ ہو جائے گذشتہ لوگوں کی جماعت میں ہر گز داخل نہیں ہو سکتا ۔ لیکن معراج کی حدیث سے جس کو بخاری نے بھی مبسوط طور پر اپنی صحیح میں لکھا ہے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت شدہ نبیوں کی جماعت میں داخل ہیں لہذا حسب دلالت صریحہ اس نص کے مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا ضروری طور پر ماننا پڑا

قسم سوم سے پندرھویں آیت

انّ الّذین سبقت لھم منّا الحسنی اولئک عنھا مبعدون لا یسمعون حسیسھا وھم فی ما اشتھت انفسھم خا لدون (انبیاء:۱۰۱۔۱۰۲)۔

مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں :

جو لوگ جنتی ہیں اور ان کا جنتی ہونا ہماری طرف سے قرار پا چکا ہے وہ دوزخ سے دور کئے گئے ہیں اور وہ بہشت کی دائمی لذت میں ہیں ۔

اور پھر مرزا صاحب کہتے ہیں :

اس آیت سے مراد حضرت عزیر اور حضرت مسیح ہیں اور ان کا بہشت میں داخل ہو جانا اس سے ثابت ہوتا ہے جس سے ان کی موت بھی بپایہ ثبوت پہنچتی ہے ۔

قسم سوم سے سولھویں آیت

انّ المتّقین فی جنّت و نھر فی مقعد صدقٍ عند ملیکٍ مّقتدر (قمر:۵۴۔۵۵)۔

مرزا صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :

یعنی متقی لوگ جو خدا تعالی سے ڈر کر ہر ایک قسم کی سرکشی کو چھوڑ دیتے ہیں وہ فوت ہونے کے بعد جنات اور نہر میں ہیں ۔ صدق کی نشست گاہ میں با اقتدار بادشاہ کے پاس ۔

فوت ہو جانے کے بعد، کے الفاظ مرزا صاحب نے از خود بڑھائے ہیں، قرآن میں

اس موقع پر ان کے لئے کوئی لفظ نہیں۔

ان تینوں آیتوں سے حضرت مسیح کی وفات پر استدلال کرنے کے جواب میں اول تو یہی کافی ہے کہ ان آیتوں میں حضرت مسیح کی وفات کا ذکر نہیں ہے، مرزا صاحب نے اپنی رائے و قیاس سے نتیجہ نکالا ہے اور ان کا یہ قیاس ان آیات کے منطوق کے خلاف ہے جو خاص طور پر حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اور نزول ثابت کررہی ہیں۔ لہذا یہ استدلال درست نہیں۔ لیکن تفصیلی جواب یہ ہے کہ بہشت میں داخل ہونا روز قیامت کو ہوگا نہ کہ مرنے کے ساتھ ہی۔ اگر یہ درست ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی بہشت میں دخول ہو جاتا ہے تو پھر قیامت کس لئے ہے؟ پس یہ آیتیں مرزا کو کسی طرح بھی مفید نہیں کیونکہ اللہ کے علم میں جو لوگ جنتی ہیں ضرور نہیں کہ وہ اس وقت بھی مردہ ہوں

مرزا صاحب نے پہلی آیت کے ساتھ حدیث معراج کو ملا کر جو استدلال کیا ہے، وہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ اول تو مرزا صاحب معراج جسمانی کے منکر ہیں جیسا کہ وہ اپنے ازالہ اوہام میں لکھتے ہیں: سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا۔

دیگر یہ کہ مرزا صاحب نے معراج کی سب حدیثوں پر نظر نہیں کی۔ اگر کرتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ بعض حدیثوں میں آنحضرت ﷺ حضرت عیسیٰؑ کی اپنی زبان مبارک سے نزول ثانی کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے موقوفاً اور مسند امام احمد میں مرفوعاً صحیح سند سے مروی ہے:

عن عبد اللّٰه بن مسعود قال لما كان ليلة اسرى برسول لقى ابرا هيم و موسى و عيسى فتذاكروا السّاعة فبدؤا با براهيم و سألوه عنها فلم يكن عنده منها علم ثم سألوا موسى فلم يكن عنده منها علم فردّ الحد يث الى عيسى ابن مر يم فقال قد عهد الىّ فيما دون و جبتها فا ما و جبتها فلا يعلمها الّا اللّٰه فذ كر خرو ج الدّ جّال قال فانزل فاقتله ۔ ابن ما جه باب فتنة الدجال و خروج عيسى و خروج يا جوج ما جوج) (جس رات رسول اللہ ﷺ کو معراج کرایا گیا اس رات آپ نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے ملاقات کی تو ان سب میں قیامت کی بابت ذکر چلا۔ سب سے پہلے ابراہیمؑ سے پوچھا گیا۔ آپ کو قیامت کے وقوع کی بابت کوئی خبر نہ تھی۔ پھر موسیٰؑ سے پوچھا گیا انہیں بھی کچھ معلوم نہ تھا۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کی باری آئی تو

آپ نے کہا کہ ہاں قیامت کے نزدیک اللہ کا مجھ سے عہد ہے لیکن قیامت کے واقع ہونے کا وقت سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں ۔ پھر آپ نے دجال کا ذکر کیا اور کہا پھر میں نازل ہوں گا اور اس کو قتل کروں گا)

اس حدیث سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ عیسیٰؑ ، جناب رسول اللہ ﷺ سے اپنے قرب قیامت میں نازل ہونے کی بابت ذکر کر رہے ہیں ۔ مرزا صاحب چاہے کیسے استدلال پیش کریں اور نصوص کو چاہے کیسے بعید احتمال سے رد کریں، اس حدیث کی تصریح کے مقابلہ میں ان کے مفید مطلب کوئی بات بن نہیں پڑتی ۔

اگر کہا جائے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرات ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ تینوں سے ملاقات کی تو بہر حال تینوں کو ایک حال میں ماننا پڑے گا خواہ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کو عیسیٰؑ کی طرح زندہ مانو ، خواہ عیسیٰؑ کو ان کی طرح فوت شدہ تسلیم کرو ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ملاقات تین طرح پر ہوتی ہے ۔ اول ہر دو جانب سے بدنی ملاقات و مصاحبت ہو ۔ دوم یہ کہ ہر دو جانب سے روحانی ہو ۔ سوم یہ کہ ایک طرف سے روحانی اور دوسری طرف سے بدنی ۔ سو معراج کی رات میں رسول اللہ ﷺ پر یہ تینوں کیفیتیں پوری کی گئیں تاکہ آپ کو ہر طرح کا کمال حاصل ہو ۔ حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ سے آپ کو قسم سوم کی ملاقات ہوئی یعنی آپ کی طرف سے بدنی ملاقات تھی اور ان کی طرف سے روحانی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو معراج جسم مبارک کے ساتھ کرایا گیا تھا جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے ۔ اور موسیٰؑ کی وفات قرآن و حدیث صحیح بخاری سے ثابت ہے ۔ پس ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کی طرف سے روحانی ملاقات تھی اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے جسمانی ۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی آپس میں قسم دوم کی ملاقات تھی یعنی دونوں طرف سے روحانی اور ان کے ساتھ حضرت عیسی کو نبی ﷺ کی طرح قسم سوم کی ملاقات تھی یعنی حضرت عیسیٰؑ کی رفع جسمانی قرآن شریف سے ثابت ہے (جیسا کہ اسی کتاب کا پہلا حصہ با آواز بلند قرآنی شہادت سے پکار رہا ہے) ۔ باقی رہی آنحضرت ﷺ اور حضرت عیسیٰؑ کی ملاقات سو یہ قسم اول میں سے تھی یعنی دونوں طرف سے جسمانی کیونکہ حضرت رسول اللہ اور حضرت روح اللہ دونوں کا معراج جسمانی قرآن سے ثابت ہے ۔ پس معترض کا اعتراض باطل ہوا ۔ ملاقات کی تقسیم جو اوپر کی گئی ہے ، مرزا صاحب کی طرح از خود نہیں بنائی گئی بلکہ اہل اللہ کے نزدیک مسلّم ہے ۔ اور حدیث بخاری سے ماخوذ ہے اور وہ حدیث یہ ہے :

عن ابن عباس قال مرّ النبی ﷺ بقبرین فقال انهما لیعذّ بان وما یعذّ بان فی کبیر امّا احدهما فکان لا یستتر من البول و امّا ا لآخر فکان یمشی بالنمیمة ثم اخذ جریدة رطبة فشقّها نصفین فغرز فی کلّ قبرٍ واحدة۔ قالوا یارسول اللّٰه لم فعلت؟ قال لعلّه یخفف عنهما ما لم ییبسا (بخاری۔ کتاب الوضو)

(ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گذرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان مردوں کو عذاب ہو رہا ہے اور جس گناہ کی بابت ان کو عذاب ہو رہا ہے اس سے بچنا کوئی بڑی بات نہیں۔ ایک تو پیشاب سے پرہیز نہیں کیا کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا پھرتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ایک ہری ٹہنی لی اور اس کے دو ٹکڑے کئے۔ ایک کو ایک قبر پر گاڑا اور دوسرے کو دوسری پر۔ صحابہ نے عرض کیا اے رسول اللہ ﷺ! آپ نے ایسا کس لئے کیا؟ فرمایا امید ہے کہ جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہو جائیں ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا)

یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔ پس یہ متفق علیہ ہونے کی وجہ سے اول درجہ کی صحیح حدیث ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کے ساتھ قسم اول کی ملاقات تھی یعنی ہر دو جانب سے بدنی مصاحبت تھی اور ان اموات کے ساتھ قسم سوم کی۔ یعنی آپ ﷺ کی طرف سے بدنی اور ان کی طرف سے روحانی۔

اسی طرح جنگ بدر کے مقتول کافروں کو جب گڑھے میں ڈالا گیا تو آپ ﷺ نے کنارے پر کھڑے ہو کر ان کے نام مع ولدیت کے پکار کر کہا کہ کیا اب تم کو اچھا معلوم ہوتا ہے یا نہیں، کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ ہم نے تو اپنے رب کا وعدہ سچا دیکھ لیا۔ کیا تم نے بھی وہ وعدہ جو عذاب کے بارے میں تم سے کیا جاتا تھا، سچا پا لیا یا نہیں؟ جب آپ ﷺ نے ان لاشوں سے ایسی باتیں کیں تو پاس سے حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ایسے جسموں سے باتیں کرتے ہیں جن میں روح نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے تم اس بات کو، جو میں کہتا ہوں، ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ یعنی وہ اس وقت بہ سبب صاحبِ حال ہونے کے میری بات کو بالکل حق الیقین کے مرتبے پر سنتے ہیں۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی آواز ان کو بطور معجزہ کے سنا دی۔

یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اور اس سے بھی تقسیم مذکور واضح ہے۔ پس مرزا صاحب کا

آیات زیر بحث کے ساتھ حدیث معراج کو ملا کر حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا وہم کرنا صحیح نہیں۔

قسم سوم سے سترھویں آیت

ما کان محمّد ابا احدٍ مّن رّجالکم و لکن رّسول اللّٰہ و خا تم النّبیّین

(محمد ﷺ تم سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا نبیوں کا)۔ (احزاب:۴۰)

اس آیت کے تحت مرزا صاحب قادیانی لکھتے ہیں:

یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی ﷺ کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔ پس اس سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ دنیا میں نہیں آسکتا کیونکہ مسیح ابن مریم رسول ہے اور رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو بذریعہ جبریل حاصل کرے اور ابھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا قیامت منقطع ہے۔ اس سے ضروری طور پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ مسیح ابن مریم ہرگز نہیں آئے گا اور یہ خود مستلزم اس بات کو ہے کہ وہ مر گیا۔

مرزا صاحب کا یہ استدلال حضرت مسیح کی موت اور ان کے نازل نہ ہونے کے بارے میں تو بالکل غلط ہے کیونکہ یہ استدلال محض قیاسی ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی رفع آسمانی اور زندگی اور نزول قطعی دلائل سے ثابت ہے۔ ہاں اس آیت سے مرزا صاحب کا دعوی نبوت ضرور جھوٹا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ انشاء اللہ مذکور ہوگا۔

مرزا صاحب کا اس آیت سے منشا یہ ہے کہ اگر عیسیٰؑ دوبارہ آئیں تو یا تو آپ منصب نبوت سے معزول ہو کر آئیں گے یا نبی ﷺ خاتم النبیین نہ رہیں گے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی جدید نبی منع ہے جیسا کہ آپکے بعد مرزا صاحب اور آپ کے دوسرے ہم مشربوں نے نبوت کا دعوی کیا ہے۔ اگر کوئی پچھلا نبی جس کو آپ سے پیشتر نبوت مل چکی ہو، پھر آئے تو وہ اس کی رو سے منع نہیں، جیسے کہ عیسیٰؑ کہ ان کو آپ ﷺ سے پیشتر نبوت مل چکی ہوئی ہے۔ اور جب پھر نازل ہوں گے تو ان کی نبوت وہی ہوگی جو پہلے تھی نہ کہ مرزا کی طرح نئی نبوت۔ احادیث نبویہ سے ایسا ثبوت ہے چنانچہ مسند امام احمد میں ہے کہ:

عن انس بن مالک قال قال رسول اللّٰہ انّ الرّسالۃ والنّبوّۃ قد

انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبیّ۔ (آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک رسالت اور نبوت ختم ہو چکی ہے۔ پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا نہ کوئی نبی)

مسند امام احمد میں بروایت ابی بن کعبؓ ایک اور حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص ایک حویلی تعمیر کرائے مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ جائے (جب وہ اینٹ لگے تو وہ حویلی پوری ہو) پس میں پیغمبروں میں اس آخری اینٹ کی مانند ہوں)

ان احادیث اور ان کی مانند دوسری احادیث کو زیر نظر رکھنے سے صاف کھل جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہی فرماتے ہیں کہ مجھے نبوت عطا ہونے کے بعد اب کسی اور شخص کو منصب نبوت نہیں ملے گا۔ نیز مفسرین نے اس خدشہ کو اسی طرح دور کیا ہے چنانچہ تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم میں آیت خاتم النبیین کے ذیل میں لکھا ہے کہ:

ولا یقدح فیه نزول عیسی بعده علیهما السّلام لانّ معنی کونه خاتم النّبیّین انّه لا ینبأ احد بعده و عیسی ممّن نبِیء قبله و حین ینزل اما ینزل عاملاً علی شریعة محمد ﷺ مصلّیاً الی قبلته کانّه بعض امّته (آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے میں عیسیٰؑ کے نزول سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا کیونکہ آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی اور عیسیٰؑ تو ان میں سے ہیں جو آپ سے پہلے نبی بنائے گئے ہیں۔ دیگر یہ کہ جب وہ نازل ہوں گے تو آپ ﷺ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ ﷺ ہی کے قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے گویا کہ وہ آپ ﷺ کی امت میں سے ہیں (پس اس لحاظ سے بھی کوئی حرج واقع نہیں ہوا)

اسی طرح اور تفاسیر میں ہے۔ مثلاً بیضاوی، خازن، مدارک، اور فتح البیان۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کے نزول سے آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت میں کچھ حرج ہوتا ہے تو کیا مرزا صاحب کے دعوی نبوت سے حرج نہیں ہوتا۔ اور اگر مرزا صاحب بروز (جو باطل ہے) کا عذر کر کے اس زد سے بچ سکتے ہیں تو کیا عیسیٰؑ کی طرف سے یہ عذر کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے پہلے کے نبی ہیں اور آیت میں اور حدیث میں کسی نئے نبی کی بابت نفی ہے، صحیح نہیں؟ انصاف! انصاف! انصاف!

اگر عدل وانصاف سے سوچا جائے تو جس صورت سے مرزا صاحب نے اور آپ کے متقدمین دجالوں نے نبوت کا دعوی کیا ہے، قرآن وحدیث میں اسی کی تردید ہے جیسا کہ صحیح بخاری

اور صحیح مسلم میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ میری امت میں سے قریباً تیس دجال نہ ہولیں، جن میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۔ اس حدیث کو حدیث لا نبیّ بعدی اور آیت خاتم النبیین کے ساتھ رکھ کر انصاف کریں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ مرزا صاحب کا دعوی نبوت وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ ان مدعیان نبوت کو دجال اور کذاب کہتے ہیں ۔ پس آیت زیر بحث کی رو سے آپ کا دعوی غلط نکلا ، نہ کہ عیسیٰؑ کا نزول۔

حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے انکار میں مرزا صاحب کے پاس کوئی معقول وجہ اور دلیل نہیں ۔ صرف شکوک وشبہات ہیں جن سے لوگوں کو بہکاتے اور اپنا الوسیدھا کرتے ہیں ۔ اسی طرح ایک شبہ یہ بھی ڈالا کرتے ہیں کہ جب عیسیٰؑ پھر نازل ہوں گے تو کیا ان کی نبوت چھینی جائے گی ؟ اور وہ کس شریعت پر عمل کریں گے ؟ عیسوی شریعت پر یا محمدی پر؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت چھینی نہیں جائے گی کیونکہ اہل سنت کے نزدیک نبوت ایک ایسا منصب ہے جو چھینا نہیں جاتا (دیکھو تمہید ابی الشکور سالمی) اور نہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت منسوخ ہوگی ۔ بلکہ حضرت عیسیٰؑ اسی اپنی پچھلی نبوت سے نازل ہوں گے ۔ اور شریعت محمدی پر عمل کریں گے اور اسی کے مطابق فیصلے کریں گے ۔ اس کی حکمت اور راز پہلے حصہ میں بیان ہو چکا ہے ۔ نیز یہ کہ ایک وقت میں دو نبیوں کا ہونا اور ایک امام کا ہونا اور دوسرے کا تابع ہونا، ممنوع نہیں، بلکہ قرآن سے بالتصریح ثابت ہے۔ جیسے کہ موسیٰؑ و ہارونؑ دونوں ایک وقت میں ہوئے ہیں اور دونوں نبی تھے۔ حضرت موسیٰؑ اصل صاحب شریعت اور امام تھے اور حضرت ہارونؑ آپ کے تابع اور خلیفہ تھے۔ چنانچہ فرمایا:

و لقد آتینا موسی الکتاب و جعلنا معه اخاه ھارون نبیّاً (فرقان : ۳۵) (ہم نے موسی کو کتاب دی اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو اس کا وزیر بنایا)۔

اور وقال لا خیه ھارون اخلفنی فی قومی (اعراف :۱۴۱) (جب موسی کوہ طور پر جانے لگے تو اپنے بھائی ہارون کو کہنے لگے کہ میرے بعد میری قوم میں میرا خلیفہ رہنا)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ ، حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کرتے ہیں اور قوم کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ حضرت ہارونؑ بھی نبی تھے جیسا کہ فرمایا :

و وھبنا له من رحمتنا اخاه ھارون نبیّاً (مریم :۵۳) (ہم نے موسی کو اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون نبی کر کے بخشا)

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ دونوں ایک ہی وقت میں ہوئے ہیں اور

دونوں نبی تھے۔حضرت ابراہیمؑ اصل صاحب شریعت اور امام تھے اور حضرت لوطؑ باوجود نبی ہونے کے ان کے تابع تھے۔ چنانچہ حضرت لوطؑ کی نبوت ورسالت کی نسبت فرمایا:

وانّ لوطاً لمن المرسلین (صافات:۱۳۳)

(بے شک حضرت لوط بھی رسولوں میں سے ہیں)

اور ان کے حضرت ابراہیمؑ کے تابع ہونے کی بابت فرمایا:

فامن له لوط ۔(عنکبوت:۲۶)۔(یعنی (لوط) ابراہیمؑ پر ایمان لائے)

اسی طرح حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحیٰؑ دونوں ایک وقت میں نبی تھے۔حضرت عیسیٰؑ امام تھے اور حضرت یحیٰؑ ان کے تابع، جیسے کہ اللہ تعالی نے حضرت یحیٰؑ کی صفات میں فرمایا:

مصدّقاً بکلمةٍ من اللّٰه (آل عمران:۳۹)

(یعنی حضرت یحی کلمۃ اللہ یعنی حضرت عیسی کی تصدیق کرنے والے ہوں گے)

پس اسی طرح جب عیسیٰؑ نازل ہوں گے تو اس وقت شریعت محمدی ﷺ منسوخ نہیں ہو جائے گی بلکہ اصل صاحب شریعت اور امام جناب رسول اللہ ﷺ ہی ہوں گے اور حضرت عیسیٰؑ آپ ﷺ کے خلیفہ اور وزیر اور تابع بھی ہوں گے اور نبی بھی ہوں گے۔ اسی لئے صحیح مسلم کی حدیث جو حضرت نواسؓ بن سمعان کی روایت سے ہے، اس میں آپ کو چار دفعہ نبی اللہ کہا گیا ہے۔

اگر کہا جائے کہ جو کچھ تم نے لکھا ہے وہ ایسے نبیوں کی بابت ہے جو ایک زمانے میں دنیا پر موجود تھے، مگر حضرت عیسیٰؑ کے نزول کی صورت میں یہ بات نہیں پائی جاتی کیونکہ نبی ﷺ دنیا میں تشریف نہیں رکھتے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کی صورت میں تو یہ امر بطریق اولی جائز ہے کیونکہ جب حقیقتاً دو نبی اکٹھے ہو سکتے ہیں تو زمانہ اور زندگی کے لحاظ سے یہ کیوں منع ہے۔یعنی یہ کہ ایک تو باعتبار زمان نبوت کے ہو اور دوسرا اپنی حقیقی زندگی میں موجود ہو تو کوئی حرج نہیں۔لو آپ کی تسلی کے لئے ہم یہ امر بھی قرآن سے ثابت کرتے ہیں: اللہ نے فرمایا:

و لقد آتینا موسی الکتاب و قفّینا من بعده بالرّسل (بقرہ:۸۷)

(ہم نے موسی کو کتاب دی اور اس کے بعد اس کے قدم بقدم کئی رسول بھیجے)

اسی طرح فرمایا:

انّا انزلنا التّوراة فیها هدیً وّ نور یحکم بها النّبیّون الّذین اسلموا (مائدہ:۴۴) (ہم نے توریت نازل کی اس میں ہدایت اور نور تھا۔ اسکے مطابق فیصلے کرتے

تھے، خدا کے فرمانبردار نبی)

ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ شریعت موسیٰؑ کے تابع کئی رسول مبعوث کئے گئے۔ وہ سب حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد ہوئے۔ پس حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد ان کے آئین و شریعت پر کئی نبیوں کے ہونے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عیسیٰؑ کے نازل ہو کر دنیا میں زندہ موجود ہونے میں کوئی فرق نہیں، اور رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے نازل ہونے کی حکمت وضرورت سابقاً بیان ہو چکی ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ پر نبوت ختم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی۔ نہ یہ کہ حضرت عیسیٰؑ جن کو آپ سے پیشتر نبوت مل چکی ہوئی ہے، نہیں آئیں گے۔ بلکہ اس آیت سے مرزا صاحب کی نبوت صاف جھوٹی ثابت ہوتی ہے اور ان لوگوں جیسی ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے دجال اور کذاب کہا ہے اور ان تعداد تیس کے قریب بتلائی ہے جن میں سے بہت سے گذر چکے ہیں۔

قسم سوم سے اٹھارویں آیت

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (۲۱:۷)

مرزا صاحب اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر تمہیں ان بعض امور کا علم نہ ہو جو تم میں پیدا ہوں تو اہل کتاب کی طرف رجوع کرو اور ان کی کتابوں پر نظر ڈالو تا کہ اصل حقیقت تم پر منکشف ہو جائے۔ سو جب ہم نے موافق حکم اس آیت کے اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا اور معلوم کرنا چاہا کہ کیا اگر کسی نبی گذشتہ کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہو، تو وہی آجاتا ہے یا ایسی عبارتوں کے کچھ اور معنی ہوتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اسی امر متنازعہ فیہ کا ہم شکل ایک مقدمہ حضرت مسیح ابن مریم آپ ہی فیصل کر چکے ہیں اور ان کے فیصلے کا ہمارے فیصلے کے ساتھ اتفاق ہے۔ دیکھو کتاب سلاطین وکتاب ملاکی نبی اور انجیل جو ایلیا کا دوبارہ آسمان سے اترنا کس طور سے حضرت مسیح نے بیان فرمایا ہے۔ انتہی بلفظہ

مرزا کی عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ ہم کو اہل کتاب کی کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم کرتا ہے۔ پس اس آیت کے حکم سے ہم نے بائیبل پر نظر کی تو اس میں حضرت ایلیا کا آسمان سے اترنا پایا۔ مگر اس کی صورت حضرت مسیح نے یہ بیان فرمائی کہ ایلیا کا آنا حضرت یحیٰؑ کے

آنے سے پورا ہو گیا۔ پس اسی طرح احادیث میں جو مسیح کا آسمان سے اترنا آیا ہے اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ کوئی شخص مثیل مسیح آئے گا۔ چنانچہ وہ میں آ گیا ہوں اور مسیح فوت ہو چکے ہیں۔

مرزا صاحب کا استدلال بالکل غلط ہے اور وہ آیت کے صحیح مطلب کو ہرگز نہیں سمجھے۔ اس آیت زیر بحث کی صحیح تفسیر انشاء اللہ ہم بعد میں کریں پہلے مرزا صاحب کی مراد کے موافق فرض کرکے ان کے استدلال کو غلط ثابت کرتے ہیں۔

اول، اس طرح کہ اللہ نے ہم کو اہل کتاب کی طرف رجوع کرنے کا حکم اس شرط سے کیا ہے کہ ہم کو اپنی شریعت میں وہ بات معلوم نہ ہو جیسا کہ صاف ارشاد ہے: ان کنتم لا تعلمون (یعنی اگر تم نہیں جانتے)۔ پس جب آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ﷺ سے عیسیٰؑ کی حیات حقیقی اور رفع آسمانی اور نزول عیسیٰؑ ثابت ہے اور ہمیں اس میں کوئی تردد اور بے علمی کا خدشہ نہیں تو ہم اہل کتاب کی کتابوں کی طرف کیوں رجوع کریں؟ کیا آسمانی اور حق اور محفوظ اور غیر محرف کتاب کو چھوڑ کر بندوں کی بنائی ہوئی اور محرف کتابوں کے پیچھے لگنا اتستبدلون الّذی هوادنی بالّذی هو خیر (بقرہ:۶۱) (کیا تم بہتر چیز کے بدلے ادنی چیز کو لیتے ہو؟) کا مصداق نہیں؟

دوم اس طرح کہ الیاسؑ کے آسمان پر جانے اور وہاں سے پھر اترنے کا مسئلہ قرآن وحدیث سے کہیں بھی ثابت نہیں۔ نہ حقیقۃً اور نہ مثالاً۔ پس مرزا صاحب اس پر اپنی مماثلت کی بنا نہیں رکھ سکتے۔ قرآن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت الیاسؑ کے دوبارہ آنے کی بابت کبھی کوئی پیش گوئی نہیں کی گئی۔ یہ یہودیوں کا من گھڑت عذر تھا اور نیز یہ بھی کہ یحیؑ، حضرت الیاسؑ کے مثیل نہ تھے کیونکہ اللہ نے زکریا کو یحی کی پیدائش سے پہلے ان کی تعریف ان لفظوں سے سنائی تھی:

ان اللّٰہ یبشّرک بیحی مصدّقاً بکلمۃٍ من اللّٰہ و سیّداً و حصوراً وّ نبیاً مّن الصّا لحین (آل عمران: ۳۹) (اے زکریا، اللہ تجھ کو ایسے لڑکے کی بشارت دیتا ہے جسکا نام یحی ہو گا وہ کلمۃ اللہ (عیسی) کی تصدیق کرنے والا ہو گا اور اپنی قوم کا سردار ہو گا اور عورتوں سے علیحدہ رہنے والا اور بہت پاکباز ہو گا اور صالحین انبیاء میں سے ہو گا)

پس اگر خدا تعالی کی طرف سے حضرت الیاسؑ کے نزول کی پیش گوئی ہوئی ہوتی اور اس کا پورا ہونا حضرت یحیؑ کے آنے سے ہوتا تو یہ امر حضرت زکریا کو ضرور معلوم ہوتا کیونکہ اس وقت آپ ہی بوجہ نبی ہونے کے کامل العلم تھے اور دوسرے لوگ آپ کے علم کے محتاج تھے۔ لہذا ضروری تھا کہ اللہ تعالی آپ کو حضرت یحی کی بشارت یوں سناتا کہ یہ وہ مولود مسعود ہے جو مدتوں

سے منتظر وموعود ہے۔ تا کہ حضرت زکریاؑ اپنے بیٹے سے اس پیش گوئی کے پورا ہونے سے زیادہ خوش ہوں۔مگر چونکہ اللہ نے باوجود سبب کے موجود ہونے کے اس امر کا اشارہ نہیں کیا،تو معلوم ہوا کہ نہ الیاسؑ کا نزول خدا کی طرف سے بتلایا گیا تھا اور نہ یحیؑ کا ان کا مثیل ہونا درست ہے۔

اسی طرح سورہ مریم میں حضرت یحی کی صفت میں فرمایا:

لم نجعل له من قبل سميّاً (مریم:۷) ہم نے اس سے پیشتر اسکا ہم نام بنایا ہی نہیں

سمّی کے معنی نظیر وشبیہ اور مثیل کے بھی ہیں جیسا کہ اسی سورت میں آگے آتا ہے هل تعلم له سميّاً (مریم:۶۵) (کیا تو کوئی ایسا شخص جانتا ہے جو اللہ تعالی کا نظیر ہو) پس جب اللہ نے یحیؑ سے پیشتر ان کا ہم نام ومثیل بنایا ہی نہیں تو اب مرزا صاحب ان کو حضرت الیاسؑ کا مثیل کس طرح قرار دیتے اور کس طرح اس پر اپنے دعوائے مماثلت کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔

سوم اس طرح کہ انجیل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یحیؑ نے نہ تو مثیل الیاسؑ ہونے کا دعوی کیا، اور نہ وہ تھے۔ بلکہ یہودیوں کے پوچھنے پر اس سے صاف انکار کیا جیسا کہ انجیل یوحنا باب اول آیت ۱۹ سے ۲۱ میں لکھا ہے:

اور یوحنا کی گواہی یہ تھی۔ جب کہ یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اس سے پوچھیں کہ تو کون ہے۔

اور اس نے اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔

تب انہوں نے اس سے پوچھا کہ پھر تو کون ہے؟ کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا، میں نہیں ہوں۔پس آیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا،نہیں۔

اس عبارت اور اس سے بعد کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت یحی،جن کا انجیلی نام یوحنا ہے،کاہنوں کے سوال پر اپنے مثیل الیاسؑ ہونے سے صاف انکار کرتے ہیں۔پس مرزا صاحب کا دعوی مماثلت بالکل بے بنیاد ہے۔اگر یہ عذر کیا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ نے یہودیوں کے اعتراض پر حضرت الیاسؑ کی پیشین گوئی کے پورا ہونے کی بابت حضرت یحی کا آنا پیش کیا تھا،تو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ یہ انجیل سے ثابت نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی زبان سے حضرت یحی کو پیش کیا۔دوم اگر تسلیم بھی کر لیں تو حضرت یحی کے اپنے انکار کے مقابلے میں ہو بہو مدعی سست گواہ چست کا معاملہ نظر آتا ہے، کیونکہ خود حضرت یحی اپنے آپ کو مثیل الیاس قرار دے سکتے تھے۔اگر کہا جائے کہ کیا پھر حضرت مسیح نے غلط جواب دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ

یہ معاملہ بالکل من گھڑت ہے۔

چہارم اس طرح کہ اگر بالفرض اسے تسلیم بھی کرلیں کہ حضرت الیاسؑ کی نسبت پیشینگوئی کی گئی تھی اور وہ حضرت یحیٰ کے آنے سے پوری ہوئی ،تو پھر بھی یہ ایک نظیر ہی بنے گی ، نہ کہ علت موجبہ کہ اس کی رو سے یہ ضروری قرار دیا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیشین گوئی بھی اسی رنگ میں پوری ہو۔ یہ نکتہ اہل علم پر مخفی نہیں رہ سکتا کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ دوسرا واقعہ خواہ مخواہ پہلے کی مانند ہو۔

اس سارے بیان سے واضح ہوگیا کہ مرزا صاحب نے اپنے دعوائے مماثلت کے متعلق جس امر کو بنا قرار دیا تھا وہ بالکل غلط ہے اور ان کو کسی طرح مفید نہیں۔ پس اس آیت زیر بحث سے حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت نہ ہوسکی۔

اب ہم اس آیت فا سئلوا اهل الذ كر ان كنتم لا تعلمون کا صحیح مطلب بیان کر کے ناظرین کو قرآنی نکتوں سے مسرور کرتے ہیں ۔ اس آیت اور اس کے بعد کی آیتوں کے متعلق ہم صرف وہی کچھ نقل کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں جو علی مہائمی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

(اے پیغمبر) ہم نے تو تجھ سے پیشتر جو رسول بھیجا ہے وہ (انسانوں میں سے) مرد ہی تھا اور بشریت اور رسالت میں کس طرح منافات ہوسکتی ہے۔ کیونکہ رسالت کیلئے تو آسمان سے اترنا شرط نہیں بلکہ صرف اسقدر کافی ہے کہ ہم ان کی طرف فرشتہ بھیجنے سے ان کو وحی کرتے رہے ہیں ۔ پس اگر یہ معاملہ شیطان کے نزول سے ملتبس ہو جائے تو تم اهل الذ کر کو، جو بڑے پائے کے علماء ہیں، پوچھ دیکھو اگر خود قصور نظر کے سبب اس میں فرق نہیں جان سکتے۔ اور انبیاء پر فرشتے نازل ہونے میں یہ بھی شرط نہیں کہ وہ بشریت سے بالکل باہر ہو جائیں کیونکہ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ جسد یعنی بے جان ہو۔ اور یہ باطل ہے کیونکہ ہم نے ان پیغمبروں کو پتھروں کی طرح بے جان جسم نہیں بنایا کہ کھائیں نہیں ۔ کیونکہ جمادات کو ملائکہ سے کوئی نسبت نہیں۔ پس صرف طعام ترک کے کر دینے سے ان کی مناسبت کامل نہیں ہوسکتی ، اور یا یہ صورت ہو کہ وہ پیغمبر حیات کے کمال کی رو سے ایسے ہوں کہ مریں نہیں ۔ لیکن وہ ہمیشہ رہنے والے بھی نہیں (پس کفار کا اعتراض درست نہیں) ۔ پیغمبروں کیلئے تو یہی شرط ہے کہ دلائل کی رو سے ان کی سچائی ثابت کی جائے ، سو ہم نے ایسا کر دیا۔ پھر ہم نے ان کے متعلق اپنے وعدوں کے سچا کرنے سے بھی ان کو سچا ثابت کر دیا کہ ان کے دشمنوں کو ہلاک کیا اور اس پر یہ دلیل ہے کہ ان کو ہم نے بچالیا باوجود اس کے کہ وہ بھی ان ہلاک شدوں کے بیچ میں بستے

تھے اوران کے ساتھ مومنوں کو بھی بچالیا(جنکے بچانے کے متعلق ہماری مشیت ہوا کرتی ہے)

آیت فا سئلوا اھل الذکر کے متعلق صحیح تفسیر یہی ہے جو لکھی گئی ۔ مرزا صاحب اس کا نہ صحیح مطلب سمجھے اور نہ انکا استدلال صحیح ہے ۔ بلکہ اس آیت میں مرزا صاحب کی صریح تکذیب پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالی ان وعدوں کا سچا ہونا ضروری فرما تا ہے جو پیغمبروں کے ساتھ ان کے دشمنوں کی ہلاکت کے متعلق کیے جاتے ہیں۔ اور یہ روز روشن کی طرح ظا ہر ہے کہ مرزا صاحب جب کسی کو ڈر سناتے ہیں تو وہ اس سے محفوظ رہتا ہے ۔ اور اگر تجربہ سے طاعون کے دنوں میں کچھ ہلچل مچا کر لوگوں کو اپنی طرف کرنا چاہتے ہیں تو ان کے اپنے مخلص مرید بھی اس کا شکار ہو جاتے ہیں، جس سے آپ کا جھوٹا ہونا عام لوگوں میں مشہور اور واضح ہو چکا ہے ۔ اور اسی طرح کبھی آپ زلزلہ کو دیکھ کر، کچھ اپنے تجربہ سے، اور کچھ تجربہ کار لوگوں سے سن کر دوبارہ اور سہ بارہ اعلان کر دیتے ہیں اور مریدوں کو گھروں سے باہر نکلنے کا حکم دیتے ہیں اور خود بھی باہر نکل جاتے ہیں تا کہ آپ کے ایسے فعل اور تاکیدی حکم سے دوسرے لوگوں پر کچھ اثر پڑے، مگر نہ زلزلہ آتا ہے اور نہ کچھ اور ہوتا ہے اور مفت میں آپ فضیحت اٹھاتے ہیں ۔ بلکہ اس سے لوگ آپ کی تکذیب پر مزید مضبوط ہو جاتے ہیں اور ان کا ایمان سلامت رہتا ہے۔

قسم سوم سے انیسویں آیت

ما آتا کم الرّسول فخذوہ و ما نھاکم عنه فانتھوا (حشر:۷)(رسول ﷺ جو کچھ تمہیں علم اور معرفت عطا کرے وہ لے لو اور جس سے منع کرے وہ چھوڑ دو)

اس آیت کی رو سے مرزا صاحب نے بعض احادیث نبویہ ﷺ سے استدلال کیا ہے اور اپنی الٹی منطق سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مر گئے ہیں۔

پہلی حدیث یہ ہے عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللّٰه ﷺ اعمار امّتی ما بین السّتّین الی السّبعین و اقلّھم من یجوز ذلک ۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ (مشکوۃ) یعنی اکثر عمریں میری امت کی ساٹھ سے ستر برس تک ہوں گی اور ایسے لوگ بہت کمتر ہوں گے، جو ان سے تجاوز کریں ۔

اس کے بعد مرزا صاحب فرماتے ہیں :

یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اس امت کے شمار میں ہی آ گئے ہیں پھر اتنا فرق

کیونکر ممکن ہے کہ اورلوگ تو ۷۰ برس تک مشکل سے پہنچیں اوران کا یہ حال ہو کہ دو ہزار کے قریب ان کی زندگی کے برس گذر گئے اوراب تک مرنے میں نہیں آتے ۔ بلکہ بیان کیا جاتا ہے کہ دنیا میں آکر پھر چالیس پینتالیس برس زندہ رہیں گے۔

دوسری حدیث مرزا صاحب نے یہ پیش کی ہے:

عن جابر قال سمعت النّبیّ ﷺ یقول قبل ان یموت بشھر تسئلونی عن السّاعۃ و انّما علمھا عند اللّٰہ و اقسم باللّٰہ ما علی الارض من نفسٍ مّنفوسۃ یأتی علیھا مأۃ سنۃ وھی حیّۃ ۔ رواہ مسلم

(روایت ہے جابر سے کہ کہا ، سنا میں نے پیغمبر ﷺ سے کہ وہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ کوئی ایسا زمین پر مخلوق نہیں کہ اس پر سو برس گذریں اور وہ زندہ رہے)

چونکہ مرزا صاحب جانتے ہیں کہ یہ حدیث بوجہ علی الارض کی قید کے ہمارے مفید مطلب نہیں بیٹھ سکتی اس لئے اس کے معنی بدلنے اور خلاف مراد تاویل کرنے میں انہوں نے بہت زور لگایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص زمین کی مخلوقات میں سے ہو، وہ شخص سو برس کے بعد زندہ نہیں رہے گا اورارض کی قید سے مطلب یہ ہے تا کہ آسمان کی مخلوقات اس سے باہر نکالی جائے لیکن ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم آسمان کی مخلوقات میں سے نہیں ہیں، بلکہ وہ زمین کی مخلوقات اور ما علی الارض میں داخل ہے۔

اس آیت زیر بحث اور دونوں حدیثوں کے جواب میں اول تو یہ عرض ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی رفع آسمانی اور آپ کا نزول آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے اوران آیات واحادیث میں ان کی موت کا کوئی ذکر نہیں ۔ مرزا صاحب کا اپنا نیا اجتہاد اور رائے وقیاس نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں پیش نہیں ہوسکتا۔

دیگر یہ کہ اس آیت کے ترجمے میں مرزا صاحب نے علم ومعرفت کی تخصیص کہاں سے نکالی؟ کیونکہ اگر آیت کے ماقبل پرنظر کریں تو ذکر فیئے اور غنیمت کا چلا آرہا ہے۔ پس اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ غنیمت اور فیئے میں جو کچھ تم کو رسول اللہ ﷺ دیں، اسے لے لو۔

اوراگر کلمہ ما کے ابہام اور عموم پرنظر کریں، تو ہر معاملہ میں خواہ علم کے متعلق ہو، خواہ عمل کے، خواہ کسی امر کے فیصلے کے ہو، اس آیت کا حکم لیا جائے گا۔ پس اس آیت کی رو سے تو

عیسیٰؑ کا آسمان پر ہونا اور اس سے نازل ہونا ثابت کر سکتے ہیں کیونکہ احادیث میں آپ کے آسمان سے نازل ہونے کی تصریح موجود ہے۔ لہذا یہ آیت ہمارے مفید مطلب ہوئی، نہ کہ مرزا کے۔

سوم یہ کہ ساٹھ ستر سال عمر کی حدیث سے حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت کرنی عجب طرح کی بے استادی ہے کیونکہ اول تو حدیث میں صاف کہا گیا ہے کہ بعض کی عمر اس سے زیادہ بھی ہوگی۔ اور اس زیادتی کی انتہائی حد نہیں بتائی کہ عیسیٰؑ کی عمر کو اس سے متجاوز سمجھ کر آپ کو فوت شدہ تصور کر لیں، اور عمر طبعی کی تردید پیچھے مفصل گزر چکی ہے۔ دیگر یہ کہ امتی کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ سب کچھ اپنی امت کے لوگوں کی بابت فرما رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ آپ کی امت کے لوگوں میں سے نہیں ہیں، بلکہ وہ مستقل نبی ہیں اور نزول کے وقت نبی ہی ہوں گے۔ مطلق خلافت دیگر امر ہے اور امت میں سے ہونا دیگر امر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا امت میں سے نہ ہونا حدیث صحیح مسلم سے بصراحت ثابت ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک گروہ حق پر رہے گا اور اپنے مخالفوں کے مقابلے میں غالب رہے گا، پس حضرت عیسیٰؑ نازل ہوں گے تو جو شخص اس وقت مسلمانوں کا امیر ہوگا وہ کہے گا کہ آیئے حضرت ہمیں نماز پڑھایئے۔ حضرت عیسیٰؑ جماعت کرانے سے انکار کریں گے اور کہیں گے کہ تمہارا امام تم ہی سے ہے۔ یہ فضیلت اللہ تعالی نے اسی امت کو بخشی ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ اس امت کے لوگوں میں سے نہیں ہوں گے، ورنہ (امامت نہ کرانے کا) یہ عذر ٹھیک نہیں۔ اس حدیث سے مرزا صاحب کی مماثلت کا رنگ بھی اڑ گیا کیونکہ مسیح موعود اس امت کے لوگوں میں سے نہیں۔ اور مرزا صاحب اس امت کے لوگوں میں سے تھے۔ پس اس حدیث کی رو سے حضرت عیسیٰؑ کی عمر کو کم سمجھنا سخت غلطی ہے۔ دیگر یہ کہ عیسیٰؑ کی آسمانی زندگی زمینی زندگی میں معدود نہیں جیسا کہ و کھلاً میں اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے اس امت میں سے نہ ہونے کے بارے میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے مرزا بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ بات ان کی اپنی عبارت سے ظاہر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

یہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسی بن مریم اس امت کے شمار میں ہی آ گئے ہیں۔

شمار ہی میں آجانا اور فی الحقیقت ہونے میں فرق ظاہر ہے۔ پس ہمارا مطلب ثابت ہے

دیگر یہ کہ اگر بالفرض مرزا کی اس بارے میں ساری باتیں مان بھی لیں تو بھی ان کی مراد پوری نہیں ہوسکتی کیونکہ اس حدیث کی رو سے وفات مسیح کی بنا مرزا صاحب کے قیاس ورائے پر ہے اور آپؑ

کے نزول عینی کی بنا صحیح حدیث کی تصریح سے ہے پس عیسیٰؑ اس حدیث کے حکم سے مستثنیٰ رہیں گے۔

دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں کلمہ علی الارض شہادت دے رہا ہے کہ یہ حکم ان زندہ چیزوں کے بارے میں ہے جو زمین پر موجود ہیں اور عیسیٰؑ آسمان پر ہیں اس لئے اس حدیث کے حکم میں نہیں آسکتے۔ اور مرزا صاحب کا علی الارض کے معنی زمینی مخلوق کرنا زبان عربی کے محاورات کے خلاف ہے۔ مرزا صاحب نے لکھتے وقت صحیح مسلم کی شرح پر تو نظر کر لی ہوتی تا کہ آپ کو علی الارض کے استعمال کا موقع معلوم ہو جاتا۔ مرزا صاحب خوب پہچانتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی اس لئے ادھر ادھر سے کھینچ تان کر کے حدیث کے مطلب کو بگاڑنا چاہا ہے۔ مگر اہل علم پر آپ کا دھوکہ اور مغالطہ مخفی نہیں رہتا۔

قسم سوم سے بیسویں آیت

قل سبحان ربّی هل کنت الّا بشراً رّسولاً

(یعنی کفار کہتے ہیں کہ تو آسمان پر چڑھ کر دکھلا۔ تب ہم ایمان لائیں گے۔ ان کو کہہ دے کہ میرا خدا اس سے پاک تر ہے کہ اس دار الابتلاء میں کھلے کھلے نشان دکھلاوے۔ اور میں بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوں مگر ایک آدمی)

مرزا صاحب نے اس آیت کے ترجمہ میں اپنی طرف سے زیادتی کی ہے اور قرآن مجید کے الفاظ کی پابندی نہیں کی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے آنحضرت ﷺ سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا اور انہیں صاف جواب ملا کہ یہ عادت اللہ نہیں کہ کسی جسم خاکی کو آسمان پر لے جائے۔ اب اگر جسم خاکی کے ساتھ ابن مریم کا آسمان پر جانا مان لیا جائے تو یہ جواب مذکورہ بالا سخت اعتراض کے لائق ٹھہرے گا۔ اور کلام الٰہی میں تناقض اور اختلاف لازم آئے گا لہذا قطعی اور یقینی امر یہی ہے کہ مسیح بجسدہ العنصری آسمان پر نہیں گئے بلکہ موت کے بعد آسمان پر گئے۔

اس کے بعد مرزا صاحب نے حضرت یحییٰؑ اور حضرت آدمؑ اور حضرت ادریسؑ اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یوسفؑ کا ذکر کر کے کہا ہے کہ:

جس طرح معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کو یہ نبی ملے اسی طرح عیسیٰؑ بھی ملے۔ پس جس طرح موت کے بعد یہ سب اٹھائے گئے اسی طرح عیسیٰؑ بھی موت کے بعد اٹھائے گئے ہیں۔

آنخضرت ﷺ کے معراج کی رات میں دیگر انبیاء سے ملاقات کرنے اور حضرت عیسیٰؑ سے بھی ملاقات کرنے کا بیان بالتفصیل پہلے گذر چکا ہے۔ اب اس آخری آیت زیر بحث کا جواب سنئے کہ مرزا نے اس آیت کے ماقبل پر نظر نہیں کی اور نہ اسکی صحیح تفسیر سمجھی ہے، صرف اپنی پرانی عادت یعنی خواہش نفسانی سے جس طرح چاہا، قرآن مجید کے مطلب کو بگاڑ کر اپنا مطلب پورا کرنا چاہا ہے

تفصیلی بیان اس اجمال کا یہ ہے کہ سوالات کفار جن کے جواب میں کلمہ جامعہ هل كنت الّا بشراً رّسولاً تعلیم کیا ہے، یہ ہیں:

و قالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعاً او تکون لک جنّة مّن نّخیل و عنبٍ فتفجر الانهار خلالها تفجیراً او تسقط السّماء کما زعمت علینا کسفاً او تاتی باللّٰه و الملائکة قبیلاً او یکون لک بیت من زخرفٍ او ترقی فی السّماء و لن نؤمن لرقیّک حتّی تنزل علینا کتاباً نقرؤه ۔ قل سبحان ربّی هل کنت الّا بشراً رّسولا (بنی اسرائیل: ۹۰۔۹۳) (کفار کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ تو ہمارے لئے زمین سے چشمے جاری کر دے۔ یا تیرے پاس کھجور اور انگور کا باغ ہو اور اس کے نیچے نہریں جاری ہوں، یا تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا برسا دے جیسا کہ تو کہا کرتا ہے۔ یا اللہ اور فرشتوں کو ضامن لے آئے یا تیرے لئے کوئی گھر سونے کا بنایا ہوا ہو۔ یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کو نہیں مانیں جب تک کہ وہاں سے کوئی ایسی کتاب نازل نہ کرے جسے ہم خود پڑھ لیں۔ اے پیغمبر ان کو ان کے سوالات کے جواب میں یہی کہہ دو کہ میرا رب پاک ہے (کہ کوئی اس پر زور و تحکم کرے) میں تو صرف ایک بندہ اور رسول ہوں)

ان آیات میں کفار کی ان اقتراحات کا ذکر ہے۔ اول، آنخضرت ﷺ کا اعجازی قوت سے زمین میں چشمے جاری کرنا۔ دوم۔ آپ کیلئے خرما و انگور کے باغ کا موجود ہونا۔ اور اس میں نہروں کا بہتے ہونا۔ سوم، آسمان کا ٹکڑا عذاب کیلئے گر پڑنا۔ چہارم، اللہ اور ملائکہ کی ضمانت، تصدیق یا ان کو سامنے لانا۔ پنجم آپ ﷺ کیلئے سونے کا محل ہونا۔ ششم، آپکا آسمان پر چڑھ جانا اور وہاں سے کتاب اتارنا جسے کفار پڑھ لیں۔

یہ بالکل بدیہی امر ہے کہ ان سب سوالات کے جوابات میں ایک ہی کلمہ سبحان ربّی هل کنت الّا بشراً رّسولاً تعلیم کیا ہے۔ اگر یہ جواب امر ششم یعنی آسمان پر چڑھ جانے

کے محال ہونے پر دلالت کرتا ہے تو باقی سب امور بھی مستبعد و ناممکن ماننے پڑیں گے کیونکہ جملہ سوالات کا ایک ہی جواب سکھایا ہے۔ پس واضح ہو کہ ان کل امور کا ممکن اور غیر ممتنع ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے اور ایسے خوارق کا ذوات بابرکات انبیاء سے باذن الٰہی واقع ہونا محل استبعاد نہیں کیونکہ معجزہ یعنی خرق عادت ممکن ہے۔ پہلے ہم ان سب امور کا قرآن سے ممکن ہونا ثابت کرتے ہیں اور پھر قل سبحان ربّی هل كنت الّا بشراً رّسولاً کی صحیح تفسیر بیان کرینگے اور اس کے بعد یہ ذکر کرینگے کہ باوجود ان امور کے ممکن ہونے کے پھر کفار کی طلب پوری کیوں نہ کی گئی۔

امر اول۔ یعنی پیغمبر برحق کے معجزے سے زمین میں سے چشموں کا پھوٹ پڑنا آیت فانفجرت منه اثنتا عشرة عيناً (بقرہ: ۶۰) سے ثابت ہے۔ یعنی موسیٰؑ کے معجزہ سے پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ پڑنا، اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے فوارے جاری ہو پڑنا، اور نیز حضرت اسماعیلؑ کی ایڑیوں کی ضربوں سے آب زمزم کا پیدا ہونا امر مطلوب کے ممکن ہونے کی بڑی بھاری دلیل ہے۔ اور ان ہر دو واقعات کا ذکر صحیح بخاری میں موجود ہے۔

امر دوم اور پنجم یعنی پیغمبر برحق کیلئے باغات وانہار ومحلات کے میسر ہونے کی دلیل بھی قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ فرقان میں کفار کے اس سوال کو ذکر کر کے فرمایا:

تبارک الّذی ان شاء جعل لک خيراً من ذلک جنّات تجری من تحتها الانهار و يجعل لّک قصورا (فرقان: ۱۰) (وہ اللہ بہت برکت والا ہے جو اگر چاہے تو تیرے لئے ایک چھوڑ کئی باغات ان باغوں سے بہتر مہیا کر دے کہ ان کے نیچے نہریں بھی چلتی ہوں اور تجھے ایک چھوڑ کئی محل بھی میسر کر دے)

نیز حضرت سلیمانؑ کی بادشاہی اور ان کیلئے جڑاؤ شیش محل کا میسر ہونا سورہ نمل میں مذکور ہے۔ اور اسی طرح شیاطین کا آپ کیلئے مسخر ہونا اور آپ کیلئے سمندروں میں سے بیش بہا موتی نکالنا اور طرح طرح کے مکلّف اسباب خانگی تیار کرنا سورہ انبیاء، سبا اور ص میں مذکور ہے۔

سبحان اللہ! انبیاء تو بہترین خلائق ہوتے ہیں ان کیلئے خزانہ الٰہی میں کس چیز کی کمی ہے یہ اسباب تو دیگر افراد بنی نوع بلکہ کفار کیلئے بھی اس دنیا میں میسر ہو سکتے ہیں بلکہ بعض کو حاصل ہیں چنانچہ سورہ زخرف میں فرمایا:

ولولا ان يّكون النّاس امةً وّاحدة لّجعلنا لمن يّكفر بالرّحمن لبيوتهم سقفاً من فضّةٍ ومعارج عليها يظهرون و لبيوتهم ابوا باً و سرراً

علیھا یتکئون و زخرفا (زخرف: ۳۳-۳۵) (اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ کفر ہی پر کمر باندھ لیں گے تو ہم منکرین کے گھروں کی چھتیں اور سیڑھیاں اور دروازے اور تخت اور تکیہ گاہ سب کچھ چاندی کے کر دیتے اور اسی طرح دیگر اسباب بھی کچھ سونے کا عطا کر دیتے)

اس آیت میں کفار کیلئے چاندی کی چھتیں اور سیڑھیاں اور دروازے اور تخت اور تکیہ گاہ اور دیگر اسباب طلائی میسر ہو سکنے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ ان اسباب کا حاصل کر لینا (بتوفیقہ تعالی) طاقت بشری سے خارج نہیں ہے۔ پس جب عامہ خلائق کیلئے ممکن ہوا تو انبیاء جو خواصِ دربار ایزدی ہوتے ہیں ان کے حق میں کس طرح محال ہوگا۔ خواص کا ایسے اسباب فانیہ کو محبوب نہ جاننا امر دیگر ہے اور ان کے حق میں معاذ اللہ محال و مستبعد ہونا امر دیگر ہے۔

امر سوم، یعنی آسمان سے کوئی ٹکڑا عذاب کے طور پر نازل ہونا کفار کے مقولہ کما زعمت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی ان کو اس عذاب سے ڈرایا تھا جس پر کفار نے مطالبہ کے وقت اس کا حوالہ دیا اور وہ ڈر جو ان کو سنایا تھا سورہ سبا میں مذکور ہے:

ان نشأنخسف بھم الارض او نسقط علھم کسفاً من السّماء (سبا: ۹)
(اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا آسمان سے کوئی ٹکڑا بطور عذاب نازل کر دیں)

اسی طرح سب آسمانوں اور زمین کا سقوط و زوال ممکن ہونا کئی آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

انّ اللّٰہ یمسک السّماوات والارض ان تزولا ولئن ذالتا ان امسکھما من احدٍ من بعدہ۔ (فاطر: ۴۱) (آسمان اور زمین کو صرف اللہ تعالی ہی نے تھاما ہوا ہے اور اگر وہ نہ تھامے اور وہ گرنے کو ہوں تو کوئی بھی نہ تھام سکے)

بلکہ قیامت کو یہ سب آسمان و زمین فنا کر دیئے جائیں گے اور یہ امر قرآن میں کئی جگہ مذکور ہے۔ چنانچہ تبدیل زمین و آسمان کی نسبت سورہ ابراہیم میں فرمایا:

یوم تبدّل الارض غیر الارض و السّما وات (ابراہیم: ۴۸) (جس دن زمین و آسمان نئے تبدیل کئے جائیں گے)

پس آسمان سے کوئی ٹکڑا بطور عذاب نازل ہونا بھی ناممکن و محال نہ ہوا۔

امر چہارم: یعنی اللہ اور ملائکہ کو ضامن کر کے صداقت نبوت کو ثابت کرنا، اس میں کونسا استبعاد ہے۔ قرآن اس سے بھرا پڑا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

لکنّ اللّٰه یشهد بما انزل الیک انزله بعلمه و الملائکة یشهدون و کفی با للّٰه شهیداً (نساء: ۶۶) (اللہ تعالیٰ تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اس نے اس قرآن کو تجھ پر اپنے علم سے سچ سچ نازل کیا ہے اور فرشتے بھی شہادت دیتے ہیں اور شہادت کے لئے تو اللہ ہی کافی ہے)

اور اگر قبیلاً بمعنی قبلاً سمجھیں تو بھی مستبعد نہیں کیونکہ اتیان باری بکیفیة تلیق بشانه العظیم ممتنع بالغیر ہے اور ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہوتا ہے جیسا کہ اس کتاب کے حصہ اول میں ثابت ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات:

هل ینظرون الّا ان یأتیهم اللّٰه فی ظلل مّن الغمام و الملائکة (بقرہ: ۲۱)

اور

جاء ربّک و الملک صفّاً صفّاً (فجر: ۲۲)

وغیرھا، اور احادیث نزول باری سبحانہ۔

امر ششم ۔ یعنی آسمان پر بارادہ ء الٰہیہ چڑھ سکنا عامہ بشر بلکہ کفار کے حق میں بھی ممکن ہے۔ چنانچہ سورہ حجر کے شروع میں فرمایا:

و لو فتحنا علیهم باباً مّن السّماء فظلوا فیه یعرجون لقالوا انّما سکّرت ابصارنا بل نحن قوم مّسحورون (حجر: ۱۴۔۱۵) (اور اگر ہم کفار پر آسمان کا دروازہ بھی کھول دیں اور وہ اس میں دن ہوتے چڑھ بھی جائیں تو پھر بھی کہیں گے کہ ہم پر کسی نے جادو کر دیا ہے)

پس عباد صالحین و حضرات مرسلین جو بہت اعز و اکرم ہیں، ان کے لئے کس طرح محال ہو سکتا ہے۔

اسی طرح کتاب کا لکھی ہوئی صورت میں آسمان سے اتر سکنا سورہ انعام کی آیت سے ثابت ہے، جیسا کہ فرمایا:

ولو نزّلنا علیک کتاباً فی قرطاسٍ فلمسوه بایدیهم لقال الّذین کفروا ان هذا الّا سحر مّبین (انعام: ۷) اور اگر ہم تجھ پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کریں اور یہ کفار اس کو اپنے ہاتھوں سے ٹٹول بھی لیں تو بھی کہیں گے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

الغرض یہ سب آیات صاف بتلا رہی ہیں کہ امور مسئولہ کفار ممکن و غیر ممتنع ہیں۔ تو پھر

آیت سبحان ربّی ھل کنت الّا بشرا رّسولاً سے عذر استحالہ کس طرح بجا ہے؟ اس صورت میں تو قرآن حکیم میں تعارض ہوگا و ھذا باطل۔ اگر اسی آیت کو بغور دیکھیں تو اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار معترضین کو اس امر کا علم تھا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ معراج جسمانی کے مدعی ہیں او ترقی فی السّماء کے بعد و لن نؤمن لرقیّک حتّی تنزّل علینا کتاباً نقرأہ اسی لئے کہا کہ آپ پچھلے معراج کا حوالہ نہ دے دیں۔ مزید برآں کفار کا سوال کرنا ہی اس امر پر دال ہے کہ وہ امور خارقہء عادات کا ظہور ذوات بابرکات انبیاء سے ممکن جانتے تھے اسی لئے یہ امور پیش کئے کہ اگر آپ ان ممکنات کو واقعات کر دکھائیں تو آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی رسالت کی تصدیق کریں گے۔

پھر اگر یہ سوال ہو کہ اگر سب امور مقترحہ ممکنات میں سے ہیں تو سبحان ربّی ھل کنت الّا بشرا رّسولاً کی صحیح تفسیر، جس سے یہ جواب ہر امر کے ساتھ منطبق ہو جائے، کس طرح ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی صحیح تفسیر جس کی دوسری آیات مؤید و مصدق ہیں، یہ ہے جو تفسیر ابن کثیر و سراج منیر سے نقل کی جاتی ہے:

و قولہ تعالی: سبحان ربّی ھل کنت الّا بشرا رّسولاً۔ ای سبحانہ و تعالی و تقدس ان یتقدم احد بین یدیہ فی امر من امور سلطانہ و ملکوتہ بل ھو الفعال لما یشاء ان شاء اجابکم الی ما سألتم وان شاء لم یجبکم وما انا الّا رسول الیکم ابلّغکم رسالات ربّی و انصح لکم و قد فعلت ذلک و امرکم فیما سألتم الی اللّٰہ عزّ و جلّ (ابن کثیر)

(اس آیت سبحان ربّی ... کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالی اس امر سے پاک ہے کہ کوئی شخص اس کی بادشاہی میں پیش دستی یا اس کے سامنے بڑھ کر بات کر سکے، بلکہ جس امر کو چاہتا ہے خود کرتا ہے۔ پس اگر وہ چاہے گا تو تمہارا سوال قبول کرے گا ورنہ نہیں۔ اور میں تو صرف اس کے حکم کا مطیع اور اس کا رسول ہوں۔ میرا کام صرف تبلیغ رسالت ہے جو میں کر چکا اور جو کچھ تم نے سوال کئے ہیں ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے)

اسی تفسیر سراج منیر میں بھی بوضاحت اس امر کو محقق کیا ہے:

و لما تم تعنتھم و کان لسان الحال طالباً من اللّٰہ تعالی الجواب عنہ امر اللّٰہ تعالی بجوابھم بقولہ قل ای لھٰؤلاء البعداء الا شقیاء

شبحان ربّی ای تعجباً من اقترا حا تھم تنز یھاً للّٰہ من ان یا تی ا حد یتحکم علیہ او یشارکہ ا حد فی القدرۃ و قرأ ابن کثیر...بصیغۃ الماضی والبا قون قل بصیغۃ الامر و ھل کنت الا بشراً رّسولًا کما کان من قبلی من الرّسل وکانوا لا یأتون قومھم الا بما یظھرہ اللّٰہ علی ایدیھم بما یلائم حال قومھم ولم یکن امر الآیات الیھم و لا لھم ان یتحکموا علی اللّٰہ حتّی یتخیروھا ھذا ھو الجواب المجمل و اما التّفصیل فقد ذکر فی آیات اخر کقولہ تعالی ولو نزّلنا علیک کتا باً فی قرطاسٍ فلمسوہ باید یھم و لو فتحنا علیھم با باً ۔ و نحو ذلک

(اورجس وقت کفار کی سرکشی اور کج بحثی حد کو پہنچ گئی تو آپ ﷺ کی زبان حال اللہ تعالی سے اس بات کا جواب طلب کر رہی تھی ۔ پس اللہ نے جواب سکھا یا کہ ان بدبختوں سے کہو کہ اللہ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی محض اس پر حکم وزور کر سکے یا قدرت میں اس کا شریک ہو سکے میں اپنے اختیار سے یہ امر نہیں کرسکتا کیونکہ میں تو ایک رسول ہوں اور مجھ سے پہلے جتنے رسول ہوئے تھے اپنے اختیار سے کوئی بھی معجزہ نہ دکھا تا تھا بلکہ صرف وہی جو اللہ تعالی ان کے ہاتھ پر ظاہر کرے اور ان کی قوم کے حال کے موافق ہوں ۔ اور معجزات کا دکھانا رسولوں کے اختیار میں نہیں ہوتا تھا ۔ اور نہ ان کو یہ قدرت ہوتی تھی کہ اللہ تعالی پر حکم اور زور کر کے اپنی مرضی سے معجزے طلب کریں ۔ اس آیت میں یہ جواب مجمل دیا گیا ہے اور تفصیل کے ساتھ دیگر مقامات میں مذکور ہے مثلاً آسمان سے کتاب اتارنے کا جواب سورہ انعام میں فرمایا گیا کہ اگر ہم تجھ پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کرتے اور منکر لوگ اس کو اپنے ہاتھوں سے ٹٹول بھی لیتے تو بھی یہ منکر اس کو جادو کہہ کر انکار کر دیتے ۔ اور آسمان پر چڑھنے کا جواب سورہ حجر میں فرمایا : کہ اگر ہم ان کفار کے لئے آسمان کا دروازہ بھی کھول دیں اور یہ لوگ اس پر چڑھ بھی جائیں تب بھی یہ منکر کہیں گے کہ ہم پر کسی نے جادو کر دیا ہے ۔ اور اسی طرح اور سوالات کے تفصیلی جواب دیگر آیات میں دیئے ہیں)

تفسیر سراج منیر نے تو بے شک ظلمات و وساوس وشبہات کو دور کر دیا اور قلب مومن کو منور کر دیا اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ یہ امر ممتنعات میں سے نہیں بلکہ اعراض صرف ان کے تعنت کی وجہ

سے ہے۔اور نیز یہ کہ یہ جواب مجمل سب امور مسئولہ عنھا کا جواب ہے اور ہر امر کا بالتفصیل جواب دیگر آیات میں مذکور ہے ۔ چنانچہ مثال کے طور پر دو امر صعود الی السّماء اور تنزیل کتاب کے امکان میں وہی آیتیں ذکر کیں جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور باقی امور کے جواب کی تفصیل کی طرف و نحو ذلک سے اشارہ کر دیا کہ طالب تفصیل خود قرآن میں تدبر کر کے ڈھونڈ لے۔

تفسیر کبیر میں بھی اس جواب کی اسی طرح تقریر کی ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

ان یّقال اما ان یّکون مرادکم من هذا الاقترا ح انکم طلبتم الاتیا ن من عند نفسی بهذہ الا شیاء او طلبتم من ان اطلب من اللّٰہ تعا لی اظهارها علی یدی لتدلّ علی کونی رسولا حقاً من عند اللّٰہ والاول باطل لانّی بشر والبشر لا قدرۃ له علی هذہ الاشیاء الثّانی ایضاً باطل لانّی قد اتیتکم بمعجزۃ واحدۃ وهی القرآن والدّلالة علی کونها معجزۃ فطلب هذہ المعجزات طلب لما لا حاجة الیه ولا ضرورۃ فکان مجری التعنت و التحکم و انا عبد مامور لیس لی ان اتحکم علی اللّٰہ فسقط هذا السّوال فثبت ان قوله قل سبحان ربّی هل کنت الا بشرا رّسولاً جوا ب کاف فی هذا البا ب

(اس جواب کی تقریر اس طرح ہے کہ کفار کے سوال کی دو صورتیں ہیں ۔ اول یہ کہ ان امور کو اپنے اختیار سے کر دکھاؤں ۔ دوم یہ کہ اللہ سے طلب کروں کہ وہ میری صداقت کیلئے ان امور کو ظاہر کرے ۔ پس یہ دونوں صورتیں باطل ہیں ۔ پہلی تو اس لئے کہ میں بشر ہوں اور اپنے اختیار سے ان اشیاء پر قادر نہیں ہوں ۔ اور دوسری اس وجہ سے کہ معجزہ تو میں تمہارے پاس لا چکا ہوں کیونکہ یہ قرآن میری نبوت کی تصدیق کیلئے کافی معجزہ ہے پس تمہاری معجزہ کی طلب محض تعنت اور تحکم ہے اور میں تو اللہ تعالی کا مطیع بندہ ہوں ۔ میں اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ تحکم اور زور سے کوئی امر اس سے طلب کروں ۔ پس یہ سوال کفار مردود ہے۔ اور ثابت ہو گیا کہ قل سبحان ربّی هل کنت الّا بشرا رّسولاً اس بارے میں کافی جواب ہے)

جو تقریر مفسرین سے اس جواب کے بارے میں نقل کی گئی ہے وہ بالکل حق اور مراد الٰہی کے عین مطابق ہے اور دیگر آیات اس کی تائید کرتی ہیں۔پس یہ تفسیر، تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ اصل اس سارے مضمون کا و ما کان لرسولٍ ان یّأ تی بآیة الّا باذن اللّٰہ (مومن: ۷۸)

(کوئی رسول بغیر اذن الٰہی کوئی نشان و معجزہ نہیں دکھا سکتا) ہے کیونکہ معجزہ مقدور بشر سے خارج شئے کا نام ہے اور رسول بھی بوجہ بشر ہونے کے بذات خود بالاستقلال خرق عادت پر قادر نہیں ہوتے۔

ایسے امور جن سے دیگر عاجز ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے رسول برحق کے دست مبارک پر ظاہر کرتا ہے اور وہ اس کی صداقت کے دلائل ہوتے ہیں۔ مثلاً حضرت روح اللہ اپنی رسالت کی صداقت کے بارے میں انّی اخلق لکم من الطّین .. الآیۃ اور موسیٰؑ اپنی رسالت کی تصدیق میں فرعون کے سامنے او لو جئتک بشیءٍ مبین فرماتے ہیں۔ اور فرعون اس پر طلب کرتا اور کہتا ہے فأت بہ ان کنت من الصّاد قین۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے وسیلے کچھ عجائب جو مقدورِ بشر سے خارج ہوں، ظاہر کیا کرتا ہے۔ یہ ان کے صدق پر دلیل ہوا کرتے ہیں اور ایسے عجائب کوئی رسول بغیر اذنِ الٰہی کے دکھا نہیں سکتا۔

اب قرآن کے چند مقامات ذکر کئے جاتے ہیں جن میں اسی طرح کفار نے اقتراحی آیات کا مطالبہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہی جواب تعلیم کیا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ میرا کام اتباع وحی اور تبلیغ رسالت ہے۔ معجزات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ چاہے تو دکھائے ورنہ نہ دکھائے۔ اس میں اس پر میرا کوئی تحکم وتغلب تو نہیں کہ بزور معجزہ طلب کروں چنانچہ فرمایا:

> و اذا لم تأتھم بآیۃٍ قالوا لولا اجتبیتھا قل انما اتّبع ما یوحی الیّ من رّبّی ھذا بصائر مّن رّبکم و ھدی وّ رحمۃً لقوم یؤمنون و اذا قریء القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا لعلکم ترحمون (اعراف: ۲۰۲۔۲۰۴)
>
> (جس وقت تم ان کو ان کی طلب کے موافق کوئی معجزہ نہیں دکھاتے تو یہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں از خود بنا لیتا۔ ان کو جواب دو کہ میں تو صرف وحی الٰہی کا تابع ہوں۔ یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے کافی معجزہ ہے اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت کا سبب ہے اور جب میں اس کو پڑھا کروں تو تم اس کو چپ چاپ غور سے سنا کرو کہ تم بھی مومن ہو کر رحمت میں داخل ہو جاؤ)

دیکھو اس آیت میں کیسے صاف طور پر فرما دیا کہ ان سے کہہ دو کہ میں امر الٰہی کے تابع ہوں۔ اپنی حول و قوۃ سے کچھ نہیں دکھا سکتا۔ اور منصب تبلیغ رسالت سے ہرگز سر مو تجاوز نہیں کر سکتا اور اگر تمہاری غرض طلب آیات سے طلب حق ہے اور ہدایت حاصل کرنا ہے تو تصدیق رسالت کیلئے قرآن کافی دلیل ہے۔ اسے غور سے چپ چاپ سنتے رہو امید ہے کہ تم کو ہدایت نصیب ہو جائے گی۔ اسی طرح دوسری جگہ سورہ عنکبوت میں فرمایا:

وقالوا لولا انزل علیه آیة من ربّه قل انّما الآیات عند اللّٰہ و انّما انا نذ یرمّبین او لم یکفھم انّا انزلنا علیک الکتاب یتلی علیھم انّ فی ذلک لرحمة وّ ذکری لقوم یّومنون (عنکبوت: ۵۰۔۵۱) (اور یہ کفار کہتے ہیں کہ اس پر کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں ہوا۔اے پیغمبر! تم ان سے کہہ دو کہ معجزات تو اللہ تعالی کے اختیارات میں ہیں۔میں تو ایک ڈرسنانے والا۔اے پیغمبر ﷺ ! کیا ہم نے ان پر ایسی کتاب نازل نہیں کی جو ان پر پڑھی جاتی ہے اوران کوتصدیق رسالت کے لئے اعجازی رہبری کرتی ہے۔پس وہ رسالت کا کافی ثبوت ہے اورمومنین کے لئے موجب رحمت ونصیحت ہے)

ناظرین!غورکریں کہ سورہ اعراف کی آیات اور یہ آیات کیسے بالاتفاق ایک ہی مضمون کوادا کرتی ہیں۔اور یہ جواب کچھ ہمارے رسول ﷺ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انبیائے سابقین سے بھی یہی منقول ہے۔اورانہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ہم اپنی مرضی سے بغیراذن الٰہی نشان نہیں دکھاسکتے۔چنانچہ سورہ ابراہیم میں فرمایا:

و ما کان لنا ان نأ تیکم بسلطان الّا باذن اللّٰہ (ابراہیم:۱۱)
(ہم بغیر اذن الٰہی کوئی معجزہ نہیں دکھاسکتے)۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوگیا کہ کفار کے اقتراح آیات کے جواب میں قل سبحان ربّی ھل کنت الّا بشرا رسولا کی تعلیم کرنا اس وجہ سے نہ تھا کہ یہ امورناممکن تھے بلکہ یہ تعلیم کیا گیا کہ اللہ تعالی اس امر سے پاک ہے کہ اپنی سلطنت میں کسی کی مرضی پر انتظام کرے یا کوئی شخص اس پر تحکم کرے اور حسب اقتراح اس سے آیات طلب کر۔اگر غرض ان کفار کی طلب حق ہے تو تصدیق رسالت کیلئے کافی دلائل ظاہر ہوچکے ہیں اور دلیل کافی پر زیادتی طلب کرنا تعنّت وتحکم ہوتا ہے۔پس اس سے اعراض کرنا چاہیے اورمنصب رسالت کوملحوظ رکھنا چاہیے۔مطلب اس آیت کا یہ تھا جو بیان کیا گیا۔خوش فہم لوگوں نے اور کا اور سمجھ لیا اور کہاں کی کہاں بے تکی ہانک دی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب یہ امورممکن تھے اور نبی برحق کے معجزہ سے بعید نہ تھے تو پھر کیوں ان کو پورا نہ کردکھایا تو اس کا جواب وہ ہے جواجمالاً اوپر گذر چکا،اور وہ خودقرآن شریف نے تعلیم کیا ہے کہ قرآن شریف تصدیق رسالت کے لئے کافی ثبوت ہے، اس پر غورکرو تو تمہارا مطلب ومقصود پورا ہوجائے گا۔ یہ ضرورنہیں کہ جو کچھ تم کہتے جاؤ اوراحتمالات بعیدہ سے ردکرتے جاؤ ، میں ہرروزاسے پوراکرنے کے لئے تیارہوں۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ رسول مدعی رسالت جوکچھ

پیش کرتا ہے اسے دعوائے رسالت سے مناسبت و تعلق ہے یا نہیں۔ اور وہ اثبات نبوت کیلئے کافی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو پھر اس پر زیادتی کیوں طلب کی جاتی ہے۔ معجزے سے غرض تو یہ ہے کہ تصدیق رسالت کی طرف ہدایت ہو سکے۔ پس قرآن شریف اپنے اعجاز سے تم کو ساکت و ملزم کر رہا ہے اور تصدیق رسالت کیلئے بصدائے بلند پکار رہا ہے محمّد رسول اللّٰہ۔

آیات مذکورہ سے ناظرین کے خاطر نشین ہو گیا ہو گا کہ کفار مکہ کے متعنتانہ سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تصدیق رسالت محمدی کیلئے قرآن شریف کو پیش کیا ہے۔ آپ کے مزید اطمینان کیلئے اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ سورہ بنی اسرائیل میں جن سوالات کے جواب میں سبحان ربّی ھل کنت الّا بشراً رسولاً تعلیم کیا گیا ہے ان آیتوں کے پہلے بھی قرآن مجید کے معجز اور بے مثل ہونے کو بڑے ہی پرزور دعوی اور تحدی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: اے پیغمبر ﷺ ان کو سنا دو:

قل لّئن اجتمعت الانس و الجنّ علی ان یّأتوا بمثل ھذا القرآن لا یأتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعضٍ ظھیراً و لقد صرّفنا فی ھذا القرآن للنّاس من کلّ مثل فابی اکثر النّاس الّا کفوراً ۔ و قالوا لن نّؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا ۔ او تکون لک جنّة من نخیل وعنب فتفجّر الانھار خلالھا تفجیراً ۔ او تسقط السّماء کما زعمت علینا کسفاً او تأتی باللّٰہ والملائکہ قبیلاً ۔ او یکون لک بیت مّن زخرف او ترقی فی السّماء ۔ ولن نؤمن لرقیّک حتی تنزل علینا کتابا نقرأہ۔ قل سبحان ربّی ھل کنت الّا بشراً رّسولاً (بنی اسرائیل: ۸۸۔۹۳)

(اگر تمام انسان اور جنّ جمع ہو کر اور ایک دوسرے کی امداد پر کمر باندھ کر کوشش کریں کہ اس قرآن کی نظیر بھی لاسکیں تو ہرگز نہیں لاسکیں گے۔ بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کیلئے ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں ہے مگر اکثر لوگ انکار ہی اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیری بات ہم کبھی نہ مانیں گے جب تک تو ہمارے لئے زمین سے چشمہ نہ جاری کردے یا کھجوروں اور انگوروں کے تیرے باغ ہوں پھر تو ان کے درمیان نہریں چیر چیر کر جاری کردے۔ یا جیسا تو کہتا ہے آسمان ہم پر گرا دے یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کر کھڑا کردے۔ یا تیرا

گھر سونے کا بن جائے یا تو آسمان پر چڑھ جائے۔ہم تیرے اوپر چڑھنے کو بھی باور نہ کرینگے جب تک تو اوپر سے ایک کتاب ہمارے پاس نہ لاوے جس کو ہم پڑھیں۔اے پیغمبران کو کہہ دو کہ میرا رب پاک ہے، میں تو صرف ایک بندہ اور اس کا رسول ہوں)

آیت ماقبل کو ساتھ ملانے سے صاف ظاہر ہو گیا کہ سورہ بنی اسرائیل میں بھی سورہ اعراف اور سورہ عنکبوت کی طرح طلب معجزات کے جواب میں قرآن شریف ہی پر کفایت کی گئی ہے۔ پس اس جواب سبحان ربّی هل کنت الّا بشراً رّسو لاً کو جن معنوں میں مرزا صاحب نے لیا تھا وہ ہرگز صحیح نہیں۔اس جواب کا صحیح مطلب وہی ہے جو تفسیر کبیر وغیرہ سے پیشتر گذر چکا ہے۔

تمّ و الحمد للّٰه الّذی بنعمته تتمّ الصّالحات۔

(شھادۃ القرآن مصنفہ حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم میرؒ سیالکوٹی کی مختصراً نقل مکمل ہوئی۔ بہاء)

حکم ارتداد

ماہنامہ اشاعۃ السنہ کی اکیسویں جلد میں مولانا محمد حسین بٹالوی ؒ کا ایک مقالہ بعنوان

اسلامی حکم سیاسی متعلق جہاد و قتل مرتد

شائع ہوا جس میں ان مسائل پر مرزا غلام احمد اور اس دور کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی آراء پر ریویو کیا گیا تھا۔ چونکہ اس مقالے کا تعلق رد قادیانیت کے لٹریچر اور تحریک ختم نبوت سے ہے لہذا، اسے ذیل میں مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی ؒ لکھتے ہیں:

مرزا غلام احمد اور اس کے ایک حواری نے اس قسم کے مضامین سول وملٹری گزٹ ۷ مئی ۱۹۰۷ء میں شائع کئے تھے جن میں یہ جتایا تھا کہ برٹش گورنمنٹ سے اس کی موجودہ حالت نیوٹریلٹی (عدم مداخلت مذہبی) میں مذہبی جہاد کو ناجائز جاننا خاصۃً اور صرف مرزائی پارٹی کا اعتقاد ہے جس میں مسلمان عموماً اور امیر افغانستان خصوصاً ان کے مخالف ہیں۔ اسی مخالفت کی وجہ سے اس کا ایک مرید کابل میں قتل کیا گیا ہے۔

سید محمد اڈیٹر اخبار الحق کراچی نے ان کے مضامین کو عام مسلمانوں اور خاص کر امیر افغانستان پر غیر شریفانہ حملہ قرار دے کر سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲۲ مئی (۱۹۰۷ء) میں ان کا یہ جواب دیا ہے۔ جو دو فقروں میں منقول ذیل ہے:۔

اول۔ گورنمنٹ کی موجودہ حالت نیوٹریلٹی میں اس سے مذہبی جہاد کرنا تمام فاضل مسلمانوں کے نزدیک ناجائز ہے۔ بلکہ اصول اسلام کے مخالف ہے۔ لہذا مرزا غلام احمد کا یہ الزام عام مسلمانوں پر محض اتہام ہے۔ اور خاص ہز میجسٹی امیر پر، جو برٹش گورنمنٹ کے سچے دوست ہیں، مصالح ملکی کی نظر سے بھی بے جا اور نامناسب ہے۔

دوم ۔ مرزا قادیانی کے مرید کا کابل میں قتل کیا جانا اس وجہ سے نہیں ہوا کہ مرزا، گورنمنٹ سے جہاد کو ناجائز بتاتا تھا، بلکہ وہ اس وجہ سے ہوا تھا کہ مرزا قادیانی، اسلام سے مرتد ہو کر خاتم المرسلین ﷺ اور کل انبیاء (جن میں حضرت عیسیٰؑ بھی شامل ہیں اور اعتقاد اہل اسلام میں قابل عزت و توقیر ہیں) کی توہین کرتا، اور ان کو گالیاں دے چکا تھا اور خود مدعی نبوت بن بیٹھا تھا۔ اور اس کی ان باتوں کو تسلیم کرنے کی وجہ سے اس کا وہ مرید (جو قتل کیا گیا ہے) مرتد ہو چکا تھا۔

اس کے جواب میں مرزا قادیانی نے پھر قلم اٹھایا اور سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲۸ مئی ۱۹۰۷ء میں ایک مضمون مشتہر کیا جس میں درج ذیل چار باتیں لائق بحث ونظر ہیں۔

۱۔ میں اور میرے مرید، آرتھوڈاکس (راسخ) مسلمان ہیں۔ خدا کو اور رسول کو اور قرآن کو مانتے ہیں، اس لئے ہم مرتد نہیں ہیں۔ پھر جو ہم کو اسلام سے مرتد قرار دیا گیا ہے اور ہمارے مرید کو قتل کیا گیا ہے تو اس کی وجہ بجز اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ ہم اس مہدی اور مسیح موعود کے منکر ہیں جو بزور شمشیر اسلام پھیلائیں گے۔ اور اسی بنا پر ہم جہاد کے بھی منکر ہیں جو عام مسلمانوں کے خیال میں مانا گیا ہے۔

۲۔ جو سلوک ہم سے کابل میں کیا گیا ہے یہی سلوک مکہ اور مدینہ اور تمام اسلامی سلطنتوں میں ہمارے ساتھ جائز سمجھا جاتا ہے۔ اور ہماری جانوں اور مال اور مذہب کو بجز سلطنت برٹش گورنمنٹ کسی جگہ امن نہیں ہے اس لئے جیسے ہم اس سلطنت کے خیرخواہ اور دوام قیام کے طالب ہیں، کوئی دوسرا مسلمان نہیں ہوسکتا۔

۳۔ ہم مسلمانوں کے اس مقدس مسئلہ کو کہ مہدی و مسیح آئیں گے اور بزور شمشیر اسلام پھیلائیں گے، خطرناک سمجھتے ہیں اور یہی مسائل سرحدی مسلمانوں کی تباہی کے باعث ہوتے ہیں جب جاہل لوگوں کے دلوں میں ایسے خیال جگہ پکڑ لیتے ہیں تو بجز اس کے کہ کوئی شخص مہدی ہونے کا دعوی کرے اور تلوار ہاتھ میں لے، تعصب کی آگ شعلہ زن ہو جاتی ہے۔ جاہلوں کی کثیر تعداد اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتقادات غلط ہیں، مذہب اسلام کی صادق اور روشن تعلیم کی موجودگی میں کسی جہاد کی ضرورت نہیں ہے۔ مسلمانوں میں جو دانا ہیں وہ ایسے اعتقادات کو آہستہ آہستہ چھوڑتے جاتے ہیں۔

۴۔ میں یہ نہیں کہتا کہ راسخ مسلمانوں سے جو ہمارے مخالف ہیں، وہ حکومت کے وفادار نہیں ہیں۔ وہ وفادار تو ہیں، لیکن اگر وہ ایسے اعتقادات کو چھوڑ دیں تو زیادہ بہتر ہے۔

ناظرین ! میں (محمد حسین) ان دونوں (سید محمد اور غلام احمد کے) خیالوں پر منصفانہ محاکمہ کرنا چاہتا ہوں ۔ جو کچھ سید محمد اڈیٹر الحق نے کہا ہے، سچ اور بالکل صحیح ہے۔ اس کے فقرہ اول کی صداقت پر ایک تو میرا رسالہ اقتصاد فی مسائل الجہاد شاہد عدل ہے ۔ دوسرا گواہ اس سے پیشتر کا رسالہ ڈاکٹر سرسید احمد خان بجواب رسالہ ڈاکٹر ہنٹر ہے۔ ان دونوں کے ہوتے تیسرے گواہ کی کوئی ضرورت نہیں ۔ رسالہ سرسید احمد خان امید ہے ناظرین کے ملاحظہ سے گذرا ہوگا ۔ اگر اس کی ضرورت ہو تو وہ بھی حاضر ہے ۔

اور اس کے فقرہ دوم کے پہلے حصہ کی (کہ اس کے مرید کو مرتد قرار دے کر قتل کیا گیا ہے) صداقت پر خود مضمون مرزا کا فقرہ دوم ناطق گواہ ہے ۔ رہا اس کا پچھلہ حصہ (کہ اس کو انبیاء کی توہین و دشنام دہی اور دعوی نبوت کی وجہ سے مرتد قرار دیا گیا ہے، نہ مسئلہ جہاد کی وجہ سے)، اس کی صداقت پر بھی دو گواہ ہیں ۔ ایک مرزا غلام احمد کی تصانیف جن میں اس نے نبوت کا دعوی کیا اور نبی آخرالزمان ﷺ اور حضرت مسیحؑ کی توہین کی ہے، جو اسکے اپنے الفاظ سے یہاں نقل کی جاتی ہے۔ ازالہ اوہام کے صفحہ ۵۳۳ میں وہ لکھتا ہے:

خدا تعالی نے اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا ہے اور نبی بھی ۔

اور ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۵ میں حضرت مسیح کا ذکر کر کے اس نے کہا ہے:

آپکی عقل موٹی تھی، آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کرنے کی اکثر عادت تھی، جس پر یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے، آپکو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی ۔

اور اس ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۷ میں لکھا ہے:

آپ (یعنی مسیح) کا خاندان نہایت پاک مطہر ہے ۔ تین دادیاں اور نانیاں زنا کار تھیں، کسبی عورتیں تھیں، جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ آپ کا کنجریوں کی طرف میلان، اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے ۔

اور رسالہ دافع البلاء کے صفحہ ۱۳ میں کہا ہے:

میں اسرائیلی مسیح ابن امریم سے شان میں بڑھ کر ہوں ۔

دوسرا گواہ ایک معزز عہدہ دار سطنت کابل (جو اس دربار میں، جس میں مرید مرزا پر مرتد ہونے کا حکم لگایا گیا تھا، شامل وشریک تھا) کی دستخطی تحریر ہے جو مضمون سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲۸ مئی کو پڑھ کر اس نے میرے پاس پشاور سے ارسال کی ہے ۔ اس میں وہ عہدہ دار لکھتا ہے:

میں خود اس جلسہ میں، جو مسجد شاہی کابل میں ہوا تھا، موجود تھا۔ جہاد کا ذکر مطلق نہ ہوا تھا۔ صرف ارتداد کا فتوی دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا قائل نہ تھا۔ اور مرزا (اس کے پیر) نے حضرت مسیحؑ کے حق میں دشنام و توہین کے لفظ استعمال کیئے تھے۔

میں کہتا ہوں ایسے مرتد کو جو نبیوں کو گالی دے اور انکی توہین کرے، قتل کرنے کی فلاسفی اور پولٹکل وجہ یہ ہے کہ اسکے ان افعال سے تمام اہل المذہب میں اشتعال پیدا ہو کر اس سے کشت و خون ونقض امن عامہ خلائق کے وقوع کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام میں ایسے فتنہ انداز مرتد کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ جیسے کہ دنیا کی تمام سلطنتوں میں بادشاہوں کی اہانت کرنیوالوں اور بغاوت پھیلانے والوں کو پھانسی یا عبور دریائے شور کا حکم دیا جاتا ہے۔

اس قتل کی وجہ صرف مذہبی مخالفت یا ایک جزئی حکم جہاد سے انکار نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ وجہ ہوتی تو کوئی مخالف مذہب، مسلمان بادشاہوں کی تلوار سے نہ بچتا اور ان کے ماتحت رعایا میں امن و آزادی سے نہ رہ سکتا۔ حالانکہ شروع اسلام سے اس وقت تک اسلامی سلطنتوں کے ماتحت غیر اسلامی لوگ برابر امن و آزادی سے رہتے چلے آئے ہیں امیر افغانستان ہی کی سلطنت کو دیکھو کہ اس میں ہندو، عیسائی، ارمنی وغیرہ، مسلمانوں کی طرح امن و آزادی سے عیش بسر کر رہے ہیں۔ حتی کہ ساٹھ ستّر ہندو شاہی دربار میں شرف یاب ہیں۔ اس ملک ہندوستان میں ہز میجسٹی (امیر حبیب اللہ) تشریف لائے تو اس ملک کے ہندوؤں اور عیسائیوں سے بھی اسی سلوک سے پیش آئے جیسے مسلمانوں سے پیش آئے۔ عید کے شاہی دربار دہلی میں جیسے مسلمان رؤساء مدعو و مشرف ہوئے، ویسے ہی ہندو رؤساء مدعو ہوئے۔ ہندوؤں کے معابد و مشاہد کی بھی امیر نے ایسے ہی داد دہش سے اعانت و عزت کی جس سے مسلمانوں کی مساجد و مشاہد وسکولوں اور کالجوں کی۔

(امیر حبیب اللہ والی افغانستان نے اس دورہ ہندوستان میں جامع مسجد پشاور کی مرمت کیلئے دس ہزار روپیہ، سرہند میں مجددؒ الف ثانی کے مقبرے کو ایک ہزار روپیہ اور وہاں گوردوارہ کو دوسو روپیہ دیا۔ علی گڈھ کالج کو بیس ہزار روپیہ یک مشت کے کرنسی نوٹ اور چھ ہزار روپیہ نقد پیشگی بابت سن رواں، یعنی ۱۹۰۷ء، عطا کیا۔ دہلی میں خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کے مقبرے پر ۲۲۔ اشرفیاں اور دو روپیہ نذر کئے اور سلطان بختیار اوشیؒ کے مزار پر ۲۴ اشرفیاں نذر کیں۔ جوگ مایا پر چھ سو روپیہ دیا۔ اجمیر میں خواجہ معین الدینؒ کے مزار کے دیوان کو پانچ سو روپیہ، متولی کو پانچ سو روپیہ اور پانچ سو روپیہ مدرسہ اسلامیہ اجمیر کو دیا۔ ایک

ہزار روپیہ مول چند کے مندر کو دیا۔ دہلی عید گاہ کے پیش امام کو دو ہزار کا خلعت دیا اور سید محمد امام جامع مسجد کو دو ہزار روپیہ کا خلعت عطا کیا۔ شاہی مسجد لاہور کے امام کو ایک ہزار روپیہ کا خلعت عطا کیا۔ امرتسر میں دربار صاحب کو ایک ہزار دو سو پندرہ روپیہ دیا، خدام کو متعدد عطایا عنایت کئے اور خالصہ کالج کو چھ ہزار روپیہ دیا۔ اسلامیہ کالج لاہور کو چھ ہزار روپیہ سالانہ عطیہ سابقہ کے علاوہ چھ ہزار سالانہ مزید یتیموں کی پرورش کیلئے مقرر فرمایا اور بیس ہزار روپیہ تعمیر کالج کیلئے عطا کیا۔

منقول از حصہ سوئم حیات لودی معروف بہ شوکت افغانی ص ۲۱۷ تا ۲۴۵۔ بہاء)

اور جو کچھ مرزا غلام احمد نے اپنے مضمون میں کہا ہے اس میں سے صرف فقرہ دوم تو صحیح ہے جو خیال سید محمد کا مصدق ہے اور ہمارا بھی اس پر صاد ہے کہ بے شک آپ کو بجز سلطنت برطانیہ کہیں جائے امن نہیں ہے کیونکہ آپ کے مذہبی خیالات روئے زمین کے مسلمانوں کے مخالف ہیں۔ اور باقی تینوں فقرے مضمون سے محض خلاف واقعہ اور بالکل غلط وسراسر مغالطہ ہیں۔

☆ پہلے فقرے میں جو اس نے کہا ہے کہ ہم خدا اور رسول وقرآن کو مانتے ہیں، ہم کو مرتد کہنا صرف اعتقاد آمد مسیح ومہدی سے انکار کی وجہ سے ہے، وہ بالکل سفید جھوٹ ہے۔ مرزائی پارٹی کا بظاہر خدا ورسول وقرآن کو ماننا ایسا ہے جیسا کہ اس کے تمام مخالف مسلمانوں کا سچے دل سے خدا ورسول اور قرآن کو ماننا۔ ومعہذا جیسا کہ مرزا غلام احمد ان سب مسلمانوں کو کافر ومرتد سمجھتا ہے اور اپنی پارٹی کا ان سے میل جول رکھنا، اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں رکھتا۔

(مولوی نورالدین خلیفہ قادیان کی ایک نظم مرزا قادیانی کی موت کے پونے تین ماہ بعد اخبار الحکم قادیان بابت ۱۷۔ اگست ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی تھی جس کے منقول ذیل دو شعروں میں بھی مرزا قادیانی کو نہ ماننے والے لوگوں کو کافر کہا گیا ہے:

اسم او را اسم مبارک ابن مریم می نہند   آں غلام احمدست ومیرزائے قادیاں

گر کسے آرد شکے درشان آں کافراست   جائے او باشد جہنم بیشک درریب وگمان (حیات ثنائی ص ۴۰۹)

ان دنوں اس نے کتاب حقیقۃ الوحی شائع کی ہے تو اس کے صفحہ ۱۲۸ میں ایک بڑے پکے مسلمان ڈاکٹر عبدالحکیم خان اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ کو جو خدا ورسول وقرآن کو مانتا ہے، صرف اس جھوٹے بہانہ سے کہ وہ رسول کے ماننے کو ضروری نہیں جانتا، مرتد قرار دیا ہے، جس کا جھوٹ ہونا ڈاکٹر عبدالحکیم نے اخبار وطن مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۷ء میں شائع کر دیا ہے۔ ایسا ہی اگر تمام مسلمانوں نے ان سچے اور واقعی عذرات سے کہ مرزا خود مدعی نبوت بن بیٹھا اور انبیاء کی توہین کرتا ہے، اس کو

مرتد قرار دیا تو یہ کون سی شکایت کا محل ہے۔ اور اس حکم ارتداد کو آمد مہدی و مسیح سے انکار پر مبنی کیوں ٹھہرایا گیا ہے؟ کیا مرزا کے سوائے آمد مسیح و مہدی سے منکر اور کوئی مسلمان نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو کیا اس پر حکم ارتداد لگایا گیا ہے؟ ہم بہت سے مسلمانوں کی نشان دہی کرتے ہیں جو مرزا کی مانند آمد مسیح و مہدی کے منکر ہیں۔ اور وہ راسخ مسلمانوں کے نزدیک کافر و مرتد قرار نہیں دیئے گئے بلکہ صرف بدعتی وغیر سنی قرار دیئے گئے ہیں۔

مسلمانوں کا ایک قدیم فرقہ جہمیہ اور بعض معتزلہ مسیح کی آمد سے منکر چلے آئے ہیں چنانچہ شرح صحیح مسلم کے صفحہ ۴۰۳ میں منقول ہے۔ اور معتزلہ کے انکار حیات مسیح کو (جو آمد کیلئے شرط ہے) مرزا نے بھی اپنی کتاب حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۲۰ میں نقل کیا ہے۔ پھر ان لوگوں کو کوئی راشد مسلمان اس انکار کی وجہ سے مرتد قرار نہیں دیتا۔ امام مہدی کی آمد کے متعلق احادیث سے ایک بڑے مورخ اور سنی محدث ابن خلدون نے کتاب العبر فی دیوان المبتداء و الخبر میں انکار کیا ہے۔ اس کو بھی اس انکار کے سبب کسی نے مرتد نہیں کہا۔ دور نہ جاؤ۔ اس زمانی کے معتزلہ (نیچریہ) سر سید احمد خان اور ان کے فالورز Followers نے مسیح اور مہدی دونوں کے آنے سے انکار کیا ہے۔ ان کو اس انکار کی وجہ سے مرتد نہیں سمجھا گیا۔ پھر اس انکار کی وجہ سے راشد مسلمانوں کا مرزا غلام احمد اور مرزائیوں کو مرتد قرار دینا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟

مذہبی جہاد کی نسبت کسی پڑھے لکھے راشد مسلمان کا یہ خیال نہیں کہ وہ جبراً اور بزور شمشیر اسلام پھیلانے کے لئے ہے بلکہ تمام واقف کار مسلمانوں کے نزدیک مذہبی جہاد صرف ڈی فینسو Defensive ہے۔ پھر اس سے انکار کی وجہ سے مسلمانوں کا مرزا غلام احمد کو مرتد سمجھنا کیونکر ممکن ہے

☆ فقرہ سوم میں جو مرزا نے کہا ہے وہ بھی محض غلط اور مغالطہ ہے۔ مذہبی جہاد کی نسبت جو کچھ واقف کار مسلمانوں کا خیال ہے، وہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ مسیح موعود اور امام مہدی کے آنے کے متعلق بھی واقف کار مسلمانوں کا خیال یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ بزور شمشیر اسلام پھیلانے کیلئے آئیں گے۔ مسیح ابن مریم کی نسبت صحیح بخاری کے صفحہ ۴۹۰ میں مسیح کی نسبت صاف آچکا ہے یضع الحرب (یعنی جب وہ آئیں گے، لڑائی جہاد کو موقوف کر دیں گے) جسکی وجہ یہ ہے کہ وہ صرف آسمانی نشانات و کرامات سے تمام زمین میں دین اسلام کو پھیلا دیں گے۔ تمام زمین پر کافر ایک بھی نہ رہے گا اور جب کافر کوئی نہ رہا تو پھر جہاد کس سے ہوگا۔ اور چونکہ امام مہدی کی آمد بھی اسی زمانہ میں ہوگی لہذا وہ بھی بحکم حدیث مذکور، جہاد کے ذریعہ نہیں بلکہ روحانی و آسمانی برکات

سے اسلام پھیلائیں گے۔ یہی بات مرزا صاحب نے خود مسیح موعود مہدی مسعود بن کر اپنے لئے تجویز کرلی تو پھر اگر یہی اعتقاد مسلمانوں کا واقعی اور اصلی مسیح اور مہدی کی نسبت ہو تو پھر ان کی آمد کا اعتقاد کیوں خطرناک بتایا جاتا ہے۔ بناء علیہ مسیح موعود اور مہدی کی آمد کا اعتقاد کسی خطرہ کا محل نہیں ہے۔ ہاں بجائے اس کے محل خطرہ آپ جیسے لوگوں کا دعوی مسیحائیت و مہدویت ہے جو نہ واقعی مسیح موعود ہیں اور نہ اصلی مہدی۔ اور کسی قسم کی کرامات اور آسمانی برکات اپنے ساتھ نہیں رکھتے اور پھر خود ہی مسیح موعود اور خود ہی مہدی مسعود بن بیٹھے ہیں۔

☆ چوتھے فقرہ میں جو کچھ مرزا نے کہا ہے اس میں بھی بالکل مغالطہ سے کام لیا ہے۔ راسخ مسلمان رعایا کو پہلے تو اس نے گورنمنٹ کا وفادار تسلیم کیا اور پھر اس میں بھس ملا دیا ہے کہ اگر وہ اعتقادات مہدی و مسیح کو چھوڑ دیں گے تو پورے وبہتر وفادار بنے گی ...اس کے مقابلہ میں مسلمان مرزا کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب کہ تم دافع الوساوس کے صفحہ ۶۰۱ میں صاف لکھ چکے ہو کہ:

> جب انسان خدا تعالی کا نافرمان ہو جاتا ہے تو اس کی ملک اصل مالک (خدا) کی طرف عود کرتی ہے اور پھر اس مالک حقیقی کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو بلا توسط رسل، نافرمانوں کے مالوں کو تلف کرے اور ان کی جانوں کو معرض عدم میں پہنچا دے۔ یا کسی رسول کے واسطے سے یہ تجلی قہری نازل فرماوے، ایک ہی بات ہے۔

اور تمہارے نزدیک گورنمنٹ بھی بلحاظ مذہب خدا کی نافرمان ہے۔ اسی واسطے تم نے اپنے انگریزی اشتہاروں میں گورنمنٹ کو اپنے مذہب کی طرف بلایا۔ اور عذاب اخروی سے ڈرایا ہے۔ لہذا اس عبارت میں آپ نے اس امر کو جائز رکھا ہے کہ خدا چاہے تو تمہارے ذریعہ گورنمنٹ کی جان و مال کو تلف کردے اور یہی بعینہ جہاد کا مفہوم اور اس کا لازمی نتیجہ ہے۔...

(مولانا محمد حسین کہتے ہیں کہ میرا) یہ مضمون سول اینڈ ملٹری گزٹ ۱۹ جولائی (۱۹۰۷ء) میں درج ہو کر شائع ہوا تو مرزا کی پارٹی میں کھل بلی مچ گئی اور ۲۱ جولائی کو ان کے ہیڈ کوارٹر قادیان میں ایک جنرل میٹنگ ہوئی جس میں شوروغل برپا ہوگیا۔ کوئی کہتا اس کا جواب سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شائع کیا جائے۔ اس کو یہ جواب ملا کہ سول اس کو نہیں چھاپے گا۔ کوئی کہتا اس کے جواب سے بالکل سکوت اختیار کرنا چاہیے۔ اس پر مرزا جی نے خوف زدہ ہو کر یہ اعتراض کیا کہ اس صورت میں گورنمنٹ ہم پر بدظن ہو جائے گی۔ اور آخر یہ قرار پایا کہ اسکے جواب میں ایک مستقل پمفلٹ چھپوا کر اعلی افسران گورنمنٹ کے پاس بھیج دینا چاہیے۔ اور محمد احسن امروہی یا حکیم نورالدین

کو یہ کام سپرد ہوا کہ نواب بھوپال کی تالیفات جمع کر کے ان سے آمد مہدی کے متعلق خیالات نواب کو نقل کر کے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ چونکہ راقم مضمون (محمد حسین) نے نواب صاحب کو امام و پیشوا تسلیم کیا ہوا ہے، لہذا اسکا اعتقاد بھی آمد مہدی کی نسبت وہی ہوگا جو نواب صاحب نے ظاہر کیا ہے

یہ حال تشویش اور ارادہ جواب نویسی اس پارٹی کا سن کر خاکسار نے مرزا جی کے نام اس مضمون کا خط لکھا کہ اگر اس مضمون کا جواب آپ لکھنا چاہیں تو خاکسار آپ کی مدد کرنے کو حاضر ہے۔نواب صاحب کی تالیفات سے جو کتاب مطلوب ہو، خاکسار سے مستعار طلب کریں۔اور میرا رسالہ اشاعۃ السنہ (جس میں نواب صاحب کے خیالات پر بحث ہے اور وہ اردو وانگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہو چکا ہے) قیمتاً طلب کریں۔اس خط کے روانہ ہو جانے کے بعد مرزا جی کے آرگن اڈیٹر الحکم بٹالہ آئے اور وہ خاکسار کا رسالہ جہاد اردو فارسی معہ نقل سرٹیفیکیٹس لے گئے۔دیکھئے ان کا پمفلٹ کب شائع ہوتا ہے (قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا بٹالوی مرحوم کی یہ تحریر اگست ستمبر ۱۹۰۷ء کی ہے۔بہاء)۔

(ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد ۲۱ ص ۳۴۵۔۳۵۷ مختصراً)

صحیفہ محبوبیہ

(مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ ایک کتاب موسومہ صحیفہ آصفیہ یعنی تبلیغ بحضور نظام، قادیانی مشن سے نکلی جس میں حکیم نورالدین کی طرف سے نظام دکن کی خدمت میں حوادث ارضی وسماوی عموماً اور واقع طوفان بلدہ حیدرآباد خصوصاً یاد دلاکر ممدوح کو قادیانی مشن کی تبلیغ کی گئی کہ ان واقعات حادثہ کی خبر مرزا قادیانی نے پہلے سے دی تھی اس لئے وہ مامور من اللہ اور مسیح موعود اور مہدی مسعود ہیں۔ خاکسار نے شاہ دکن کی طرف سے صحیفہ آصفیہ کا جواب لکھا تاکہ عوام پر اصل حال منکشف ہوسکے اور اس رسالہ کا نام صحیفہ محبوبیہ رکھا ہے۔ یہ رسالہ ذیل میں بعض نئے حواشی کے ساتھ ملخصاً نقل کیا جاتا ہے۔ بہاء)۔

مولانا امرتسریؒ فرماتے ہیں:

حکیم نورالدین قادیانی نے صحیفہ آصفیہ میں دو باتوں کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۔ دنیا میں بدکاری کثرت سے ہے جو ان آفات ارضی اور سماوی کی موجب ہے۔

۲۔ چونکہ مرزا صاحب قادیانی نے ان واقعات کی پیش از وقت خدا سے علم پاکر خبر دی ہے لہذا وہ ملہم ربانی اور خلیفہ سبحانی تھے۔

امر اول کی بابت تو کسی کو انکار نہیں، نہ انکار کی گنجائش ہے کہ دنیا کی آبادی میں کوئی نسبت نہیں ملتی کہ نیک اور بد کو ممتاز کر سکے۔ حدیث میں آیا ہے کہ بنی آدم میں فی ہزار، نوسوننانوے جہنمی ہوں گے اور ایک جنتی۔ زمانہ حال پر نظر کرنے سے اس حدیث کی تصدیق یوں ہوتی ہے کہ شائد زمانہ سلف کے صلحا کو ملا کر یہ نسبت ہو سکے ورنہ فی الحال تو، فی لاکھ بھی یہ نسبت پیدا نہیں ہو سکتی ہر ایک طبقے کے لوگ اپنے اپنے فرائض سے غافل ہیں۔

اور چونکہ یہ امر واقعی ہے کہ اہل دنیا اپنے فرائض سے غافل ہی نہیں بلکہ انہیں توڑ رہے ہیں اس لئے حکیم صاحب کی تحریر کے اس حصے پر کسی طرح کی تنقید کی حاجت نہیں۔ البتہ آپ کی تحریر کا دوسرا پہلو کہ مرزا صاحب کو خدا کی طرف سے غیوب پر اطلاع ہوتی تھی قابل غور ہے چنانچہ اسی پہلو پر ہم غور کریں گے۔

حکیم صاحب نے جو واقعات اور حوادث پیش کئے ہیں ان کی تحقیق تو ہم آگے چل کر

کریں گے سردست ہم حکیم صاحب کو اہل علم کا اور خود مرزا صاحب کا مسلّمہ اصول بتلاتے ہیں کہ موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہوتا ہے۔ یعنی کسی مدعی کے صدق کیلئے جملہ امور میں سچا ہونا ضروری ہے اور کذب کیلئے بعض امور بھی کافی ہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب خود بھی لکھتے ہیں:

ممکن ہے کہ ایک خواب سچی بھی ہو اور پھر بھی شیطان کی طرف سے ہو اور ممکن ہے کہ ایک الہام سچا ہو اور پھر بھی شیطان کی طرف سے ہو (حقیقت الوحی)

پس ہم چند الہام مرزا کے بطور نمونہ دکھاتے ہیں جن کی بابت ان کو خود اقرار ہے کہ ان کے صدق سے میں صادق اور ان کے کذب سے میں کاذب۔ چنانچہ آپ کے اصلی الفاظ یہ ہیں:

ماسوا اس کے بعض اور عظیم الشان نشان اس عاجز کی طرف سے معرض امتحان میں ہیں جیسا کہ منشی عبداللہ آتھم امرتسری کی نسبت پیش گوئی جس کی میعاد ۵ جون ۱۸۹۳ء سے پندرہ مہینہ تک، اور پنڈت لیکھ رام پشاوری کی موت کی نسبت پیش گوئی جس کی میعاد ۱۸۹۳ء سے چھ سال تک ہے۔ اور پھر مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کے داماد کی موت کی نسبت پیش گوئی جو پٹی ضلع لاہور کا باشندہ ہے جس کی میعاد آج کی تاریخ سے جو اکیس ستمبر ۱۸۹۳ء ہے قریباً گیارہ مہینے باقی رہ گئی ہے۔ یہ تمام امور جو انسانی طاقتوں سے بالکل بالاتر ہیں ایک صادق یا کاذب کی شناخت کے لئے کافی ہیں کیونکہ احیاء اور اماتت دونوں خدا تعالی کے اختیار میں ہیں اور جب تک کوئی شخص نہایت درجہ کا مقبول نہ ہو خدا تعالی اس کی خاطر سے کسی اس کے دشمن کو اس کی دعا سے ہلاک نہیں کرسکتا خصوصاً ایسے موقع پر کہ وہ شخص اپنے تئیں منجانب اللہ قرار دیوے اور اپنی اس کرامت کو اپنے صادق ہونے کی دلیل ٹھہراوے۔ سو پیشگوئیاں کوئی معمولی بات نہیں۔ کوئی ایسی بات نہیں جو انسان کے اختیار میں ہو بلکہ محض اللہ جل شانہ کے اختیار میں ہیں۔ سو اگر کوئی طالب حق ہے تو ان پیشگوئیوں کے وقتوں کا انتظار کرے (شہادۃ القرآن مصنفہ مرزا ص ۸۰۔۸۱)

پس ضروری ہے کہ اس اعلان کے مطابق پہلے ہم آپکی ان پیشگوئیوں کی تحقیق کریں۔

پیش گوئی بابت ڈپٹی آتھم

مرزا نے جون ۱۸۹۳ء میں بمقام امرتسر عیسائیوں سے مباحثہ کیا تھا۔ عیسائیوں کی طرف سے عبداللہ آتھم مناظر تھے۔ مباحثہ کے خاتمہ پر مرزا نے ایک پیش گوئی بالفاظ ذیل کی تھی:

آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب کہ میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں

دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب یہ پیشین گوئی ظہور میں آوے گی، بعض اندھے سوجاکھے کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے (جنگ مقدس۔ص ۱۸۸۔۱۸۹)

اس عبارت کا مدعا صاف ہے کہ فریق مقابل یعنی عبداللہ آتھم جس نے ۱۵ روز تک مرزا صاحب سے مباحثہ کیا تھا، تاریخ اظہار پیش گوئی سے ۱۵ ماہ تک مرجائے گا۔ اس مقام کے علاوہ اور بھی کئی ایک مقامات پر مرزا صاحب کو اعتراف ہے کہ آتھم والی پیش گوئی میں موت مراد تھی چنانچہ رسالہ کرامات الصادقین میں لکھتے ہیں:

فبینما انا فی فکرہ لا جل ظفر الاسلام و افحام اللیام فاذا بشّرنی ربّی بعد دعوتی بموتہ (آتھم) الی خمسۃ عشر اشھر من یوم خاتمۃ البحث (سرورق صفحہ اخیر) (یعنی آتھم کی موت ۱۵ ماہ میں ہوگی)

اور سنیئے! مرزا صاحب فرماتے ہیں:

ناظرین کو معلوم ہوگا کہ موت کی پیش گوئی اس (آتھم) کے حق میں کی گئی تھی اور اس پیش گوئی کی ۱۵ مہینے میعاد تھی۔ (تریاق القلوب۔۵۴)

اور سنئے! مرزا صاحب فرماتے ہیں:

یادرکھنا چاہیے کہ عبداللہ کی نسبت بھی موت کی پیش گوئی تھی۔ (حقیقت الوحی۔ص ۱۸۶)

یہ تینوں حوالے یکے بعد دیگرے مختلف اوقات کی شہادتیں ہیں۔ موخر الذکر سب سے آخری اقرار ہے کیونکہ جس کتاب (حقیقت الوحی) میں یہ اعتراف ہے وہ ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی تھی گویا اس بارے میں مرزا صاحب کی آخری تصنیف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا کہ مرزا صاحب آخری عمر تک اس پیش گوئی کو موت ہی کے معنی میں سمجھتے رہے تھے۔ اور بس۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مسٹر عبداللہ آتھم مقررہ مدت کے اندر مرا؟ ہرگز نہیں۔ ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء

تک میعاد تھی مگر وہ ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء کو مرا (مرزا صاحب کا رسالہ انجام آتھم صفحہ املاحظہ ہو) یعنی میعاد کے بعد ایک سال دس مہینے کچھ دن کامل زندہ رہا۔

لطیفہ: مرزا صاحب کے الہام کا کوئی شخص قائل ہو یا نہ ہو مگر حافظہ اور روایت کا تو ضرور قائل ہوگا۔ آپ کو کسی روایت کے بیان کرنے میں ذرہ جھجک نہ ہوتی تھی بلکہ روایت کو بھی ایسا ہی تصنیف کر لیا کرتے تھے جیسا کسی کتاب کو۔ لطف یہ ہے کہ خواہ وہ روایت آپ کے خلاف بلکہ آپ کے بیان کے بھی مخالف اور متناقض ہو۔ چنانچہ آتھم کی موت کی تاریخ آپ نے رسالہ انجام آتھم میں ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء بتلائی ہے جو انقضاء میعاد سے دو سال کے اندر ہے مگر رسالہ تریاق القلوب میں آتھم کی موت کی نسبت لکھتے ہیں کہ: اس (آتھم) کے رجوع کی وجہ سے دو برس سے بھی کچھ زیادہ اور مہلت اس کو دیدی۔ (صفحہ ۱۰۱)

حکیم صاحب مشہور مقولہ .... حافظہ نہ باشد، آپ نے بھی سنا ہوگا؟ اسی حکمت کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے: لو کا ن من عند غیر اللّٰہ لو جدوا فیہ اختلا فاً کثیراً۔
(قرآن خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف ہوتا)

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ ہے اصل مطلب یہ ہے کہ آتھم جو میعاد مقررہ میں نہ مرا تو مرزا صاحب نے اس کا کیا جواب دیا؟ آپ نے اس کے جواب دو طرح سے دیئے:

ا۔ آتھم کی پیش گوئی میں چونکہ یہ قید تھی کہ: بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔، آتھم نے رجوع کیا لہذا وہ میعاد کے اندر فوت نہ ہوا۔ چنانچہ مرزا صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

> بھلا تم میں سے کوئی تو ثابت کر کے دکھلا دے کہ آتھم پیش گوئی کی میعاد میں اپنی پہلی عادات پر قائم اور مستقیم رہا اور پیش گوئی کی دہشت نے اس کو مبہوت نہ کیا۔ اگر کوئی ثابت کر سکتا ہے تو کرے ہم قبول کرنے کو تیار ہیں ورنہ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ کیا یہ رجوع نہیں تھا کہ نہ صرف آتھم بدزبانی سے باز آیا بلکہ پیش گوئی کی تمام میعاد یعنی ۱۵ مہینے ڈرتا رہا اور بے قراری اور خوف کے آثار اس کے چہرہ پر ظاہر تھے اور اس کو کسی جگہ آرام نہ تھا۔ (تریاق القلوب۔ ص ۱۱)

یہ توجیہہ مرزا صاحب کی ایسی مشہور ومعروف اور پسندیدہ ہوئی کہ مرزا صاحب کی سیرت لکھنے والے معتقدین نے بھی اسی کو پسند کیا چنانچہ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی اپنی کتاب سیرت مسیح موعود میں لکھتے ہیں:

> (آتھم) پندرہ ماہ کے اندر اسلام کیخلاف ایک لفظ نہ بولا اور سراسیمگی اور دہشت کی حالت

میں شہر بشہر مارا پھرا کہ کسی طرح ملک الموت کے پنجہ سے نجات پاوے اس عرصہ میں اسے کئی دفعہ خونی فرشتے بھی نظر آئے۔اسکی قوت واہمہ نے اس پر ایسا اثر کیا کہ کہیں اس کی نظر میں بشکل اصل مجسم سانپ نمودار ہونے لگے۔کہیں خونی فرشتے حملہ کرتے ہوئے دکھائی دیئے... ایسی سراسیمگی گھبراہٹ اور خشیت کی حالت میں جو ایک قسم کا رجوع الی الحق تھا شرط الہام کے موافق اللہ تعالی نے قہری موت سے محفوظ رکھا۔(ص ۱۲۵)

ان دونوں حوالوں کا مطلب صاف اور سیدھا ہے کہ آتھم نے رجوع کیا اور اس کے رجوع کے معنی یہ ہیں کہ اس نے پیش گوئی سن کر پریشانی ظاہر کی۔ اپنے اصلی وطن (امرتسر) کو چھوڑ کر دوسرے مقامات میں جا کر ایام زندگی پورے کئے۔ وغیرہ

بہت اچھا! تو اس رجوع کا نتیجہ اس کو یہ ملنا چاہیے تھا کہ (بقول مرزا جی) ہاویہ سے بچ جاتا۔مگر ناظرین تعجب سے سنیں گے کہ جناب مرزا نے اس کو پھر بھی ہاویہ میں گرایا اور بری طرح گرایا۔ چنانچہ اس کا ثبوت مرزا صاحب کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

توجہ سے یاد رکھنا چاہیے کہ ہاویہ میں گرایا جانا جو اصل الفاظ الہام ہیں وہ عبداللہ آتھم نے اپنے ہاتھ سے پورے کئے اور جن مصائب میں اس نے اپنے تئیں ڈال لیا اور جس طرز سے مسلسل گھبراہٹوں کا سلسلہ ان کے دامن گیر ہو گیا اور ہول اور خوف نے اس کے دل کو پکڑ لیا، یہی اصل ہاویہ تھا اور سزائے موت اس کے کمال کیلئے ہے جس کا ذکر الہامی عبارت میں موجود بھی نہیں۔ بے شک یہ مصائب ایک ہاویہ تھا جس کو عبداللہ آتھم نے اپنی حالت کے موافق بھگت لیا۔(انوار الاسلام۔ص ۵)

اور سنئیے ! فرماتے ہیں:

اے حق کے طالبو! یقیناً سمجھو کہ ہاویہ میں گرنے کی پیش گوئی پوری نکلی اور اسلام کی فتح ہوئی اور عیسائیوں کو ذلت پہنچی۔ ہاں اگر مسٹر عبداللہ آتھم اپنے پر جزع فزع کا اثر نہ ہونے دیتا اور اپنے افعال سے اپنی استقامت دکھاتا اور اپنے مرکز سے جگہ جگہ بھٹکتا نہ پھرتا اور اپنے دل پر وہم اور خوف اور پریشانی غالب نہ کرتا بلکہ اپنی معمولی خوشی اور استقلال میں ان تمام دنوں کو گذارتا تو بے شک کہہ سکتے تھے کہ وہ ہاویہ میں گرنے سے دور رہا۔مگر اب تو اس کی یہ مثال ہوئی کہ قیامت دیدہ ام پیش از قیامت، اس پر وہ غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے جو اس نے اپنی تمام زندگی میں ان کی نظیر نہیں دیکھی تھی۔ پس کیا یہ سچ نہیں کہ وہ ان تمام دنوں میں درحقیقت ہاویہ میں رہا

اگر تم ایک طرف ہماری پیش گوئی کے الہامی الفاظ پڑھو اور ایک طرف اس کے مصائب کو جانچو جو اس پر وارد ہوئے تو تمہیں کچھ بھی اس بات میں شک نہیں رہیگا کہ وہ بے شک ہاویہ میں گرا، ضرور گرا۔ اور اس کے دل پر وہ رنج اور غم اور بدحواسی وارد ہوئی جس کو ہم آگ کے عذاب سے کچھ کم نہیں کہہ سکتے۔ ہاں اعلیٰ نتیجہ ہاویہ کا جو ہم نے سمجھا اور ہماری تشریحی عبارات میں درج ہے، یعنی موت، وہ ابھی تک حقیقی طور پر وارد نہیں ہوا کیونکہ اس نے عظمت اسلام کی ہیبت کو اپنے دل میں دھنسا کر الٰہی قانون کے موافق الہامی شرط سے فائدہ اٹھالیا مگر موت کے قریب قریب اس کی حالت پہونچ گئی اور وہ درد اور دکھ کے ہاویہ میں ضرور گرا اور ہاویہ میں گرنے کا لفظ اس پر صادق آ گیا۔ پس یقیناً سمجھو کہ اسلام کو فتح حاصل ہوئی اور خدا تعالیٰ کا ہاتھ بالا ہوا اور کلمہ اسلام اونچا ہوا، اور عیسائیت نیچے گری۔ فالحمد للہ علی ذلک (انوار الاسلام)

ناظرین! اہل منطق کہا کرتے ہیں ضدین یا نقیضین کا اجتماع نہیں ہوسکتا۔ یہ سن کر کسی زندہ دل شاعر نے ایک رباعی لکھی ہے

مثالے را کہ در شرطیہ گفتہ   بگو با منطقی کیں ہست مردود

رخ وزلفانِ یارم رانگاہ کن   کہ شمس طالع ست و لیل موجود

(یعنی منطقی جو کہتے ہیں کہ سورج اور رات باہمی نقیضین ہیں اس لئے جمع نہیں ہوسکتے، یہ غلط ہے۔ دیکھو میرے دوست کا چہرہ تو سورج ہے اور اس کی زلفیں رات ہیں، پھر یہ جمع کیوں ہیں؟)

یہ تو ایک شاعرانہ رنگ تھا مگر مرزا صاحب نے اس کو واقعی صحیح کر دیا۔ رجوع اور ہاویہ میں وہی نسبت ہے جس کو نسبت تضاد کہیں یا تناقض۔ یعنی رجوع، جس صورت میں ہوگا اس میں ہاویہ نہ ہوگا، اور جس میں ہاویہ ہوگا، اس میں رجوع کا تحقق نہ ہوگا۔ باوجود اس کے مرزا صاحب نے آتھم کے حق میں دونوں کو تسلیم کیا ہے۔

لطف یہ ہے کہ آتھم کا ایک ہی فعل ہے جس کو (بقول مرزا) گھبراہٹ کہیے یا بے چینی نام رکھیئے، وہی اس کا رجوع ہے اور وہی اس کا ہاویہ۔

مرزا جی کے دوستو! ام تامرکم احلامکم بھذا ام انتم قوم طاغون

حکیم صاحب! ایک ہی محل میں دو متضاد حکموں کا جمع ہونا کبھی ہوا؟

اہل علم سے مخفی نہیں کہ مباحثات میں جب کوئی فریق اپنی نسبت حق کا، دوسرے کی نسبت ناحق کا لفظ بولتا ہے تو اس سے مراد اس کی اولاً بالذات وہ مسئلہ ہوتا ہے جس میں دونوں فریق کا

مباحثہ ہو۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

فریق مقابل جو انسان کو خدا بناتا ہے ۱۵ مہینے میں بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔

اس کا مطلب صاف ہے کہ آتھم اگر الوہیت مسیح کے خیال سے تائب ہو کر خالص اسلامی توحید کی طرف آ گیا تو ۱۵ ماہ کی میعاد میں مرنے سے بچ جائے گا۔ چونکہ یہ مفہوم ایسا صاف ہے کہ ایک نابلد بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا، مرزا صاحب بڑے ہشیار تھے اس لئے ان کا ضمیر (کانشنس) ان کو ایسے رجوع کرانے سے رجوع کرنے کی ترغیب دیتا ہوگا، لہذا انہوں نے سب سے آخری جواب جو دیا وہ پہلے جواب سے بھی لطیف تر ہے۔ آتھم کے ذکر میں آپ فرماتے ہیں:

اگر کسی کی نسبت یہ پیش گوئی ہو کہ وہ ۱۵ مہینہ تک مجذوم ہو جائے گا۔ پس وہ اگر بجائے ۱۵ کے بیسویں مہینہ میں مجذوم ہو جائے اور ناک اور تمام اعضا گر جائیں، تو کیا وہ مجاز ہوگا کہ یہ کہے کہ پیش گوئی پوری نہیں ہوئی۔ نفس واقعہ پر نظر چاہیے۔ (حقیقت الوحی۔ حاشیہ ص ۱۸۵)

یہ اقتباس بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ مرزا صاحب نے اس جواب میں عدم رجوع کی شق (صورت) اختیار کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اس کوشش میں ہیں کہ پندرہ ماہ کی میعاد ٹوٹنے سے خرابی لازم نہ آئے۔ یہ ہے اس ملہم ربانی کے بیانات کا نمونہ جنکو حکیم نورالدین نے صحیفہ آصفیہ میں کئی ایک مقامات پر سلطان القلم لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ مخالفین اسلام، احمدی قوم کا لوہا مان گئے ہیں

حکیم صاحب! آپ کی طبع ناساز کے لحاظ سے میں اس پیش گوئی کے واقعات کو مختصر ہی لکھ کر چھوڑ دیتا ہوں۔ مفصل دیکھنے ہوں تو میرا رسالہ الہامات مرزا ملاحظہ فرماویں

گفتگو آئین درویشی نبود ورنہ باتو ماجراہا داشتیم

(بعد ازاں مرزا صاحب نے بات بدل کر وہ بات کہہ دی جس کا فسانے میں کہیں ذکر ہی نہ تھا۔ فرمایا: میری پیش گوئی میں تھا کہ کاذب صادق کی زندگی میں مرجائے گا، کیا وہ (آتھم) میری زندگی میں نہیں مرا۔ اگر پیشگوئی سچی نہیں نکلی تو مجھے دکھاؤ کہ آتھم کہاں ہے۔ پس اگر پیشگوئی صحیح نہیں تھی تو وہ کیوں میرے پہلے مر گیا۔ (بدر، شعبان ۱۳۲۰ھ)

کوئی مرزا صاحب یا ان کے مریدوں سے پوچھے کہ آتھم والی پیش گوئی میں کہاں لکھا تھا کہ کاذب صادق کی زندگی میں مرتا ہے۔ بہاء)۔

پیش گوئی بابت منکوحہ آسمانی

آغاز کتاب میں حوالہ منقولہ از شہادت القرآن مصنفہ مرزا قادیانی میں تین پیش گوئیوں کا ذکر ہے۔ ایک کا بیان تو ہو چکا دوسری کا بیان شروع ہوتا ہے۔

دوسری پیش گوئی سے ہماری مراد اس جگہ منکوحہ آسمانی والی ہے جسکے متعلق مرزا صاحب نے بڑی تفصیل سے مزے لے لے کر الگ الگ اجزاء بتلائے ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

اس (پیش گوئی متعلقہ نکاح آسمانی) کے اجزاء یہ ہیں۔

۱۔ کہ مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو۔

۲۔ اور پھر داماد اس کا جو اس کی دختر کلاں کا شوہر ہے، اڑھائی سال کے اندر فوت ہو۔

۳۔ اور پھر یہ کہ مرزا احمد بیگ تا روز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو۔

۴۔ اور پھر یہ کہ وہ دختر بھی تا نکاح اور تا ایام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو

۵۔ اور پھر یہ کہ یہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے پورے ہونے تک فوت نہ ہو۔

۶۔ اور پھر یہ کہ اس عاجز سے نکاح ہو جاوے۔

اور ظاہر ہے یہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں (شہادۃ القرآن۔ص ۸۱)

(یہاں مرزا صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ، تا اس نئی بیوی سے ان کی اولاد نہ ہو جائے، کیونکہ ان کی یہ پیش گوئی بھی موجود تھی کہ (نصرت بیگم کے بعد بھی) مبارک خواتین سے ان کا نکاح ہوگا اور اولاد ہوگی۔ بہاء)

اس پیش گوئی کی میعاد سہ سالہ پوری ہوگئی اور مرزا صاحب کی جان ضغطے میں آئی تو آپ بڑی خفگی کے لہجے میں معترضین کو ڈانٹ بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

سوچاہیے تھا کہ ہمارے نادان مخالف انجام کے منتظر رہتے اور پہلے ہی اپنی بدگوہری ظاہر نہ کرتے۔ بھلا جس وقت یہ ساری باتیں پوری ہو جائیں گی تو کیا اس دن یہ احمق مخالف جیتے ہی رہیں گے اور کیا اس دن یہ تمام لڑنے والے سچائی کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو جائینگے۔ ان بے وقوفوں کو کوئی بھاگنے کی جگہ نہیں رہے گی اور نہایت صفائی سے ناک کٹ جاوے گی اور ذلت کے سیاہ داغ انکے منحوس چہروں کو بندروں اور سؤروں کی طرح کر دیں گے۔ سنو! اور یاد رکھو! کہ میری پیشگوئیوں میں کوئی ایسی بات نہیں کہ جو خدا کے نبیوں اور رسولوں کی پیشگوئیوں

میں ان کا نمونہ نہ ہو۔ بے شک یہ لوگ میری تکذیب کریں۔ بے شک گالیاں دیں۔ لیکن اگر میری پیش گوئیاں نبیوں اور رسولوں کی پیش گوئیوں کے نمونہ پر ہیں تو ان کی تکذیب انہیں پر لعنت ہے۔ چاہیے کہ اپنی جانوں پر رحم کریں اور روسیاہی کے ساتھ نہ مریں۔ کیا یونس کا قصہ انہیں یاد نہیں کہ کیونکر وہ عذاب ٹل گیا جس میں کوئی شرط بھی نہ تھی اور اس جگہ تو شرطیں موجود ہیں۔ اور احمد بیگ کے اصل وارث جن کی تنبیہہ کیلئے یہ نشان تھا اسکے مرنے کے بعد پیش گوئی سے ایسے متاثر ہوئے تھے کہ اس پیشگوئی کا نام لے لے کر روتے تھے اور پیشگوئی کی عظمت دیکھ کر اس گاؤں کے تمام مرد وعورت کانپ اٹھے تھے اور عورتیں چیخیں مار کر کہتی تھیں کہ ہائے وہ باتیں سچ نکلیں۔ چنانچہ وہ لوگ اس دن تک غم اور خوف میں تھے جب کہ ان کے داماد سلطان محمد کی میعاد گزر گئی پس اس تاخیر کا یہی سبب تھا جو خدا کی قدیم سنت کے موافق ظہور میں آیا۔ خدا کے الہام میں جو توبی توبی انّ البلاء علی عقبک ۱۸۸۶ء میں ہوا تھا اس میں صریح شرط توبہ کی موجود تھی۔ اور الہام کذبوا بآیاتنا اس شرط کی طرف ایماء کر رہا تھا پس جب کہ بغیر کسی شرط کے یونس کی قوم کا عذاب ٹل گیا تو شرطی پیش گوئیوں میں ایسے خوف کے وقت میں کیوں تاخیر ظہور میں نہ آتی۔ یہ اعتراض کیسی بے ایمانی ہے جو تعصب کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ میں نے نبیوں کے حوالے بیان کر دیئے حدیثوں اور آسمانی کتابوں کو آگے رکھ دیا، مگر یہ نابکار قوم ابھی تک حیا اور شرم کی طرف رخ نہیں کرتی۔ یاد رکھو کہ اس پیش گوئی کی دوسری جزء (یعنی آسمانی نکاح کی تنفیذ) پوری نہ ہوئی تو میں ہر یک بد سے بدتر ٹھہرونگا۔ اے احمقو! یہ انسان کا افتراء نہیں۔ یہ کسی خبیث مفتری کا کاروبار نہیں۔ یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے۔ وہی خدا جس کی باتیں نہیں ٹلتی۔ وہی رب ذوالجلال جس کے ارادوں کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اسکی سنتوں اور طریقوں کا تم میں علم نہیں رہا اس لئے تمہیں یہ ابتلاء پیش آیا۔

(ضمیمہ انجام آتھم۔ ص ۵۳۔ ۵۴)

اسی مقام کے حاشیہ پر مزید تائید کیلئے مرزا صاحب یہ بھی فرماتے ہیں:

اس پیش گوئی کی تصدیق کیلئے جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی پہلے سے ایک پیشگوئی فرمائی ہے کہ یتزوّج و یولد لہ یعنی وہ مسیح بیوی کرے گا اور نیز وہ صاحب اولاد ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ تزوج اور اولاد کا ذکر کرنا عام طور پر مقصود نہیں کیونکہ عام طور پر ہر ایک شادی کرتا ہے اور اولاد بھی ہوتی ہے، اس میں کچھ خوبی نہیں، بلکہ تزوج سے مراد وہ خاص تزوج ہے جو بطور

نشان ہوگا اور اولاد سے مراد وہ خاص اولاد ہے جس کی نسبت اس عاجز کی پیش گوئی موجود ہے گویا اس جگہ رسول اللہ ﷺ ان سیاہ دل منکروں کو ان کے شبہات کا جواب دے رہے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ یہ باتیں ضرور پوری ہوں گی۔ (حاشیہ ص ۵۳ ضمیمہ انجام آتھم)

ناظرین! عبارات مرقومہ بالا میں کوئی تاویل ہوسکتی ہے؟ صاف صاف الفاظ میں اظہار مدعا ہے اور کھلے کھلے لفظوں میں لکھا ہے کہ ایسا نہ ہونے سے میں تمام بدوں سے بدترین ہونگا زندگی میں وعدے تو ہوتے رہے مگر خاتون معلومہ ابھی تک (یعنی ۱۹۰۹ء میں) زندہ سلامت ہے اور مرزا صاحب ہمیشہ کے لئے تشریف لے گئے۔ مرزا جی کے دوستو! مرزا صاحب کا حوالہ مذکورہ بالا دیکھو: میں ہر ایک بد سے بدتر ٹھہروں گا۔

ناظرین! مرزا صاحب کو آپ لوگ الہامی نہیں مانتے، نہ مانیں مگر ان کی لیاقت اور ہوشیاری کی تو آپ کو داد دینی ہوگی خصوصاً جب ہم ان کے واقعات آپ لوگوں کو بتلاویں گے تو انکار کی گنجائش نہ ہوگی۔ مرزا صاحب نے دیکھا کہ باوجود میرے مختلف حیلوں کے نکاح میں کامیابی نہیں ہوئی تو آپ نے ایک اور چال نکالی۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

احمد بیگ کے مرنے سے بڑا خوف اس کے اقارب پر غالب آ گیا، یہاں تک کہ بعض نے ان میں سے میری طرف عجز و نیاز کے ساتھ خط بھی لکھے کہ دعا کرو۔ پس خدا نے انکے اس خوف اور اسقدر عجز و نیاز کی وجہ سے پیش گوئی کے وقوع میں تاخیر ڈال دی (حقیقت الوحی ص ۱۸۷)

اس مقام میں تو تاخیر ہی لکھی مگر کتاب مذکور کے خاتمہ تک پہونچتے ہوئے آپ کے قوی بھی غالباً کمزور ہو گئے ہوں گے، اس لئے اس کتاب کے تتمہ میں آپ یوں گویا ہوئے کہ:

یہ امر کہ الہام میں یہ بھی تھا کہ اس عورت کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھایا گیا، یہ درست ہے مگر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس نکاح کے ظہور کے لئے جو آسمان پر پڑھا گیا خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی جو اسی وقت شائع کی گئی تھی اور وہ یہ کہ ایتھا المرأة توبی توبی فانّ البلاء علی عقبک پس جب ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہوگیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔ (تتمہ حقیقت الوحی۔ ص ۱۳۳۔۱۳۴)

اللہ اکبر! کہاں اتنا زور کہ اس کے عدم وقوع پر میں (مرزا) ہر ایک بد سے بدتر ہونگا، پھر اسی پر قناعت نہیں بلکہ حضور سید الانبیاء ﷺ فداہ ابی و امی کی ذات والا صفات پر بھی بہتان لگانے کی کوشش کی کہ آپ نے بھی اس نکاح کی بابت پیش گوئی فرمائی ہوئی ہے، جس کا آخر نتیجہ یہ

ہوا کہ : نکاح فسخ ہوگیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔ سبحان اللہ ! اسی کو کہتے ہیں کوہ کندن وکاہ برآوردن

حکیم صاحب ! آپ تو حکیم ہیں، مولوی ہیں، مناظر اور مصنف ہیں، کیا ایسی پیشگوئیوں سے مخالفوں پر حجت قائم ہوسکتی ہے کہ ایک وقت میں تو بڑے زور شور سے کہا جاوے کہ یہ ہوگا، وہ ہوگا، نہ ہو تو میں ہر ایک بد سے بدتر ہوں گا، مگر آخر کار خاتمہ اس پر ہو کہ یہ حکم منسوخ یا ملتوی ہو کر بعد موت منسوخ ہی ٹھہرا۔ سچ ہے

اذا غدرت حسنآء اوفت بعهدها ومن عهدها ا لا يدوم لها عهد

ہاں یاد آیا کہ حکیم صاحب اس نکاح کو نہ منسوخ کہتے ہیں نہ ملتوی، بلکہ اس کی ایک اور ہی تاویل کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں :

ایک لڑکی کے متعلق کہ اس سے آپ کی شادی ہوگی، اور ایک عورت سے زلازل کے پہلے ایک لڑکا ہوگا، اور پانچویں اولاد کی بشارت پر جو اعتراض ہیں ان کا للہ و باللہ قرآنی جواب یہ ہے کہ کتب سماویہ کا طرز ہے کہ مخاطب سے گاہے خود مخاطب ہی مراد ہوتا ہے اور گاہے وہ اور اس کا جانشین (جانشین تو حکیم صاحب تھے، تو کیا حکیم صاحب بھی اس پیش گوئی میں شامل تھے۔ حکیم صاحب کی تو مرزا صاحب کے بعد محمدی بیگم یا کسی بھی دیگر خاتون سے شادی نہ ہوئی۔ بہاء) اور اس کی اولاد بلکہ اس کا مثیل مراد ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ زمانہ نبوی میں فرماتا ہے اقیموا الصّلوۃ و آتو الزّکوۃ ۔ اس حکم الٰہی میں خود مخاطب اور انکے مابعد کے لوگ شامل ہیں جو ان مخاطبین کی مثل ہیں (اس کے بعد قرآنی تمثیلات دے کر لکھتے ہیں) اب تمام اہل اسلام کو جو قرآن کریم پر ایمان لائے اور لاتے ہیں ان آیات کا یاد دلانا مفید سمجھ کر لکھتا ہوں کہ جب مخاطبت میں مخاطب کی اولاد، مخاطب کے جانشین، اور اس کے مماثل داخل ہو سکتے ہیں تو احمد بیگ کی لڑکی یا اس لڑکی کی لڑکی کیا داخل نہیں ہوسکتی؟ اور کیا آپ کے علم فرائض میں بنات البنات کو حکم بنات نہیں مل سکتا؟ اور کیا مرزا کی اولاد مرزا کی عصبہ نہیں؟ میں نے بارہا عزیز میاں محمود کو کہا کہ اگر حضرت کی وفات ہو جائے اور یہ لڑکی نکاح میں نہ آئے تو میری عقیدت میں تزلزل نہیں آسکتا۔ پھر یہی وجہ بیان کی و الحمد للّٰہ رب العالمین

(ریویو آف ریلی جنز جلد ۷ نمبر ۷ ص ۲۷۶۔۲۷۹)

ماشاء اللہ کیا معقول جواب ہے، مطلب اسکا یہ ہے کہ قیامت تک مرزا کی اولاد میں سے یا افراد امت میں سے کسی کا محمدی بیگم کی اولاد در اولاد سے نکاح ہو گیا تو بھی پیشگوئی سچی ہے۔

کیوں نہ ہو آخر آپ حکیم ہیں فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ ۔اس جواب کی معقولیت میں تو شک نہیں مگر افسوس ہم اس کے سمجھنے ہی سے قاصر نہیں بلکہ الہامی تصریحات کے بھی اس کو خلاف پاتے ہیں۔ مرزا صاحب کا قول ہم پہلے نقل کر آئے ہیں کہ یہ نکاح میری زندگی میں ہوگا، بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ بموجب حدیث شریف اس زوجہ سے میری اعجازی اولاد ہوگی۔ ہاں یہ بھی مرزا جی کا قول ہے کہ: ملہم سے زیادہ کوئی الہام کے معنی نہیں سمجھ سکتا۔ اور نہ کسی کا حق ہے جو اس کے مخالف کہے (تتمہ حقیقت الوحی ص ۷)۔ اسی اصول کے مطابق آپ نے ۱۹۰۷ء میں بمقام لاہور آریہ کانفرنس میں مرزا جی کے مضمون میں الہاموں کا ترجمہ کرتے ہوئے مکرر سہ کرر کہا تھا کہ میرا ترجمہ کسی طرح حجت نہیں ہوگا بلکہ اصل ترجمہ وہی ہوگا جو صاحب الہام کرے گا۔ جب ترجمہ کرنے میں آپ کو یہ خوف دامن گیر ہوا اور آپ نے باوجود عربی دانی کے اپنے ترجمہ کو بھی ہیچ قرار دیا تو اب آپ کو یہ حق کس نے دیا کہ آپ صاحب الہام کی تصریح کے مخالف تشریح اور تفسیر کریں؟

حکیم صاحب آیئے میں آپ کو مرزا صاحب کا ایک اور کلام سناؤں۔ مرزا صاحب کی زندگی میں یہ سوال پیش ہوا تھا۔ پس وہ سوال اور مرزا جی کا جواب سنئے۔ غور سے نہیں بلکہ ایمان سے خدا کو حاضر و ناظر جان کر سنیئے۔ ۳۰ جون ۱۹۰۵ء کے اخبار الحکم میں مرزا جی کا ایک خط کسی کے جواب میں چھپا ہے اس میں مذکور ہے:

اعتراض پنجم: مسماۃ محمدی کو دوسرا شخص نکاح کر کے لے گیا۔ اور وہ دوسری جگہ بیاہی گئی۔

الجواب: وحی الہی میں یہ نہیں تھا کہ دوسری جگہ بیاہی نہیں جائے گی بلکہ یہ تھا کہ ضرور ہے کہ اول دوسری جگہ بیاہی جائے۔ سو یہ پیشگوئی کا حصہ تھا کہ دوسری جگہ بیاہی جانے سے پورا ہوا۔ الہام الہی کے یہ لفظ ہیں فسیکفیکھم اللّٰہ و یردّھا الیک ۔یعنی خدا تیرے ان مخالفوں کا مقابلہ کرے گا اور وہ جو دوسری جگہ بیاہی جائے گی خدا اس کو تیری طرف لائے گا۔ جاننا چاہیے کہ ردّ کے معنی عربی زبان میں یہ ہیں کہ ایک چیز ایک جگہ ہے اور وہاں سے چلی جاوے اور پھر واپس لائی جاوے۔ پس چونکہ محمدی (بیگم) اقارب میں بلکہ قریب خاندان میں سے تھی یعنی میری چچازاد ہمشیرہ کی لڑکی تھی اور دوسری طرف قریب رشتہ میں ماموں زاد بھائی کی لڑکی تھی یعنی احمد بیگ کی۔ پس اس صورت میں ردّ کے معنی اس پر مطابق آئے کہ پہلے وہ ہمارے پاس تھی۔ اور پھر وہ چلی گئی اور قصبہ پٹی میں بیاہی گئی۔ اور وعدہ یہ ہے کہ پھر وہ نکاح کے تعلق سے واپس آئے گی۔ سو ایسا ہی ہوگا۔ (الحکم مذکور کالم ۲ ص ۲)

مرزا جی کے دوستو! عبارت بالا غور سے دیکھو اور یہ نہ سمجھو کہ ہم تمہارے داؤ گھات سے بے خبر ہیں۔ ہم تمہارے رازوں سے اس قدر واقف ہیں کہ تم کو اس کا علم نہیں۔

قادیان میں طاعون نہ آنے کی پیشگوئی

اس پیش گوئی سے مرزا صاحب کی غرض تو یہ تھی کہ طاعون کے زمانہ میں لوگ بھاگ بھاگ کر قادیان میں آئیں اور اسی بہانہ سے حلقہ ارادت میں شامل ہو کر مستفیض ہوں۔ ایک حد تک مرزا صاحب کی یہ غرض پوری بھی ہوئی کہ بعض سادہ لوحوں نے طاعون سے نجات کا ذریعہ بس یہی سمجھا کہ چلو قادیان میں چل رہیں۔ مرزا صاحب کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

خدا قادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھے گا تا تم سمجھو کہ قادیان اسی لئے محفوظ رکھی گئی ہے کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں رہتا تھا ...خدا ایسا نہیں کہ قادیان کے لوگوں کو عذاب دے حالانکہ تو (مرزا) ان میں رہتا ہے۔ (دافع البلاء۔ص ۵، ۷)

اس مختصر الہامی کلام کی شرح مرزا جی کے پیش امام عبدالکریم سیالکوٹی نے مرزا جی کی زندگی میں انکی مرضی سے بڑی شرح وبسط کے ساتھ تھی جو بہت ہی لطف خیز ہونے کے علاوہ قادیانی مسیح کا حال بھی بخوبی روشن کرتی ہے اس لئے ہم اسے یہاں کلقاً طلقاً نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے:

مسیح موعود اور قادیان دارالامان:

پیسہ اخبار مطبوعہ ۵۔ اپریل ۱۹۰۲ء نے آٹھویں صفحہ میں، قادیان کے اخبار کی گالیاں اور قادیان کے مذہب کا نمونہ، عنوان جما کر لاہور کی نسبت لکھا ہے کہ لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے جلسہ پر صدہا آدمی طاعون زدہ ہواؤں سے آئے۔ پھر لاٹ صاحب کی تقریب وداع پر اسی قسم کے لوگوں کا بہت بڑا ہجوم ہوا۔ پھر بھی لاہور طاعون سے محفوظ رہا اور امید ہے کہ محفوظ رہے گا اور پھر بڑی جرأت اور شیخی سے لکھتا ہے:

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لاہور قادیان سے ایمان داری میں فائق ہے۔

پیسہ اخبار کی یہ امید یا پیش گوئی اور یہ نتیجہ خوفناک حملے ہیں، خدا غیور کی اس عظیم الشان وحی پر جو کئی دفعہ الحکم میں شائع ہوئی انّه آوی القریۃ یعنی یہ یقینی بات ہے کہ خدا تعالی نے اس گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیا اور اس وحی پر کہ لولا الاکرام لھلک المقام یعنی سلسلہ احمدیہ کا پاس اور اکرام اگر خدا کو نہ ہوتا تو یہ مقام بھی ہلاک ہو جاتا۔ اب سننے والے سنیں اور

دیکھنے والے دیکھیں کہ ایک طرف پیسہ اخبار ایک زمینی کیڑا اپنے جوش نفس اور ارضی مادہ کی ابخرات کی تحریک سے پیش گوئی کرتا اور ذمہ لیتا ہے کہ لاہور طاعون سے محفوظ رہے گا اور دوسری طرف خدا کا مامور، مرسل، جری اور مسیح موعود خود خدائے حکیم علیم قدیر کی وحی انہ آوی القریۃ کی بنا پر ساری دنیا کے طبیبوں فلسفیوں اور مٹیر لیسٹوں کو کھول کر سناتا ہے کہ قادیان یقیناً اس پراگندگی، تفرقہ، جزع فزع اور موت الکلاب اور تباہی سے محفوظ رہے گا اور بالضرور محفوظ رہے گا جس میں دوسرے بلاد مبتلا ہیں اور بعضے ہونے والے ہیں۔

پیسہ اخبار نے خدا کی جلیل الشان وحی کی کسر شان کیلئے ایسا جھوٹا دعوی کیا اور امید ظاہر کی اور ناپاک نتیجہ نکالا ہے۔ پیسہ اخبار کا دل اور کانشنس گواہ ہیں کہ اس کی امید کی بنیاد کسی مضبوط چٹان پر نہیں وہ ان زمینی قوتوں پر بھروسہ کر کے آسمان کے خدا اور اس کے کلام کی ہتک کرتا ہے جواب تک ہر سیلاب کے مقابل بند لگانے میں خس و خاشاک سے بھی بڑھ کر کمزور اور ہیچ ثابت ہوئی ہیں۔ پیسہ اخبار میں ذرا بھر بھی خدا شناسی کا، یا کم سے کم دور اندیشی کا مادہ ہوتا تو وہ کانپتے دل اور پرآب آنکھوں سے اس پرتحدی کلام کو دیکھتا اور بالبداہت اس نتیجہ پر پہنچ جاتا کہ زمین زادہ اور تاریکی کا فرزند ایسا دعوی کرنے اور کلام کرنیکا دل گردہ نہیں رکھتا۔ اس زمانہ میں جب کہ زمین کے غلیظ بخاروں یعنی علوم مادیہ ڈاکٹری اور طبعی تحقیقات اور خردبینی تکشیفات نے اپنے تئیں کمال عروج پر پہنچالیا ہے اور یورپ کے دلیر اور پرحوصلہ فرزند خدائی کی کل ہاتھ میں لے لینے کیلئے بحر و بر کو زیر و زبر کر رہے ہیں اور با ایں ہمہ اس بلائے جانستاں کے قابل جہل اور نادانی کا اعتراف کرتے ہیں۔ ایک شخص جو پرشغب اور پرہنگامہ اور پرتمدن شہروں سے ایک دور کے کنارہ میں رہتا ہے کس قدر قوت اور غیر متزلزل شوکت سے دعوی کرتا ہے کہ اگرچہ طاعون تمام بلاد پر اپنا پرہیبت سایہ ڈالے گی مگر قادیان یقیناً یقیناً اسکی دست برد.. سے محفوظ رہے گا۔ اور وہ دیکھتا اور جانتا ہے کہ قادیان کے چاروں طرف طاعون پھیلتا جاتا ہے اور قریب قریب کے اکثر گاؤں مبتلا ہو گئے ہیں اور جوق در جوق لوگ متاثر جگہوں سے قادیان میں آتے ہیں اور روک کا کوئی بھی سامان اور مقدرت نہیں۔ اس پر بھی وہ یہ بلند دعوی کرتا اور اقرار کرتا ہے کہ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ یہ خدا کا کلام ہے جو میں پہنچاتا ہوں۔ مگر افسوس پیسہ اخبار نے راستی کے تمام مکذبوں کی طرح سخت شتاب کاری اور گستاخی اختیار کر کے چاہا ہے کہ خدا کے کلام کو پیروں کے نیچے کچل دے مگر کیا پیسہ اخبار کی ذمہ داری

لاہور کیلئے اور قادر علیم خدا کی ذمہ داری قادیان کیلئے ایک مضحکہ آمیز بات یا بازاری گپ کی مانند غیر ممیز رہ جائے گی؟ نہیں نہیں عنقریب ظاہر ہو جائے گا کہ زمین کے کمزور کیڑے کی بات میں اور فاطر ارض وسما کے مقتدر کلام اور دعوی میں کیا فرق ہے۔

سنو! اے زمین کے فرزندو! اور کان لگاؤ اے آسمان سے انقطاع کر کے مادیات پر جھک جانے والو! پھر سنو! اے خدا کے مامور مرسل کی بے عزتی کرنے والو! اور راستیوں سے عداوت کرنے کے ٹھیکہ دارو! کہ انّه آوى القرية اس خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ پر توریت نازل کی اور حضرت خاتم النبیین ﷺ پر خاتم الکتب قرآن کریم کو اتارا۔ ہم آسمان وزمین کی خاطر خدا کو گواہ رکھ کر کہتے ہیں کہ یہ وحی ویسی ہی سچی ہے جیسے قرآن کریم کی وحی۔ اس لئے کہ یہ اسی کی تائید وتصدیق میں اتری ہے اور یہ ضرور پوری ہوگی اور ضرور ہوگی۔ انّه آوى القرية کا مفہوم صاف لفظوں میں تقاضا کرتا ہے کہ اس میں اور اس کے غیر میں بین امتیاز ہو اور یہ نہیں ہوسکتا جب تک کم از کم وہ شہر طاعون میں مبتلا نہ ہوں جنہوں نے سب سے زیادہ جنگ خدا کے سلسلہ سے کی اور جہاں پیسہ اخبار سا دشمن حق بود وباش رکھتا ہے غیور خدا اپنے کلام کے اکرام واعزاز کیلئے ایسا کرنے والا ہے تو کہ اڈیٹر پیسہ اخبار کی امید اور پیش گوئی کی آنکھ میں خاک ڈال دے اور آدم کے دشمنوں کی آنکھیں نیچی کروا کر اقرار لے کہ کیا یہ صحیح نہیں کہ قادیان دار الامان ہے؟ پھر سن لو، از بس ضروری ہے کہ یہ بلا عام طور پر محیط ہو اس لئے کہ کوئی کہنے کا موقع نہ پا سکے کہ قادیان ہی محفوظ نہیں فلاں فلاں جگہ بھی محفوظ ہے۔ خصوصاً خدا کی غیرت کا حملہ ان جگہوں پر ہے جہاں بڑے بڑے آئمۃ الکفر رہتے ہیں اور ممکن بلکہ غالب امید ہے کہ وہ بہتیرے کس مپرس ناتواں دیہات بچ رہے ہیں جہاں سے تابڑتوڑ توبہ اور استغفار اور بیعت کے خطوط آ رہے ہیں اور وہ چلا چلا کر کہہ رہے ہیں کہ یا مسیح الخلق عدوانا

....اگر اب تک پیسہ اخبار اور لاہور کے لوگ اپنی استہزاء اور تعلّی اور تکبر پر اصرار کرتے اور ان باتوں کو کذب اور افتراء سمجھتے ہیں تو ان کیلئے بڑا عجیب موقعہ ہے کہ خدا کی قدرت نمائی کے جلی اور صاف صاف پڑھے جانے والے نشان دیکھ لیں۔ ایک طرف حضرت مسیح موعود نے اپنی راستی اور شفاعت کبری کا یہ ثبوت پیش کیا ہے کہ قادیان کی نسبت تحدی کر دی ہے کہ وہ طاعون سے محفوظ رہے گا اور اپنی جماعت کے علاوہ اس جگہ کے ان تمام لوگوں کو جو اکثر دہریہ طبع کفار

مشرک اور دین حق سے ہنسی کرنے والے ہیں، خدا کے مصالح اور حکمتوں کی وجہ سے اپنے سایہ شفاعت میں لے لیا ہے جیسے کہ برسوں اس سے قبل خدا تعالی نے براہین احمدیہ میں خبر دی تھی کہ و ما کان اللّٰہ لیعذّ بھم و انت فیھم یعنی خدا ان کو عذاب سے ہلاک نہ کریگا جب کہ تو ان کے درمیان ہے۔غرض ایک طرف تو اس بڑے بھاری دعوی کے مدعی نے اپنی بستی کی نسبت یہ دعوی کیا ہے اور دوسری طرف یہ دعوی کیا ہے کہ لاہور اور اسکی مثل وہ مقامات جن میں آئمۃ الکفر رہتے ہیں طعمہ طاعون ہونے سے ہرگز نہ بچیں گے اور حضرت ممدوح نے لکھا ہے اور بار بار فرماتے ہیں کہ جہاں ایک بھی راست باز ہوگا اس جگہ کو خدا تعالی اس مشتعل غضب سے بچالے گا.... حضرت مرزا غلام احمد کا یہ دعوی ۲۵ برس سے ہے کہ ان کی تکذیب پر آخر کار دنیا میں طاعون پڑنا تھا اور پھر خدا نے اس اکیلے صادق کی طفیل قادیان کو جس میں اقسام اقسام کے لوگ تھے، اپنی خاص حفاظت میں لے لیا....وقت آ گیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی ایک عالم کے نزدیک مسیح موعود اور مہدی مسعود یقیناً ثابت ہو جائیں اور التباس اور شک کا سارا پردہ اٹھ جائے۔

اے نیچریو! اور اے بے باک زندگی کی چال کو پسند کرنے والو! اور اے مذہب اور خدا کو پرانے زمانہ کا مشغلہ کہنے والو! اور اے یورپ کی عقل اور سائنس کو خدا کے لاکھوں راست بازوں کے سچے فلسفہ پر ترجیح دینے والو! اور اے خدا کی صفت تکلم اور پیش گوئیوں پر ہنسی اڑانے والو! اور اپنی ہوا وہوس کے بتوں کے پرستارو! بولو اور سوچ کر بولو کیا تمہارے نزدیک مسیح موعود کے اس دعوی اور پیش گوئی میں خدا کی ہستی پر، قرآن کی حقیقت پر، خدا کے متصف بصفات کاملہ ہونے پر، یعنی ازل سے ابد تک متکلم ہونے اور مدبر بالارادہ ہونے اور قادر مطلق ہونے پر اور بالآخر میرزا غلام احمد قادیانی کے منجانب اللہ ہونے پر چمکتی دلیل نہیں؟ اب خدا کا ارادہ ہے کہ تم میں سے بہتوں کو جگائے جو غفلت کی نیند میں اینڈے پڑے سوتے تھے اور بہتوں کے منہ اپنی قدرت نمائی سے بند کردے جو بہت جلدی خدا کی باتوں پر ہنس دیتے تھے اور وقت آ گیا ہے کہ خدا کی اس وحی کی صداقت ظاہر ہو جائے جو آج سے ۲۲ برس پہلے براہین احمدیہ میں لکھی گئی اور وہ یہ ہیں:

دنیا میں ایک نذیر آیا، دنیا نے اسے قبول نہ کیا پر خدا اسے قبول کرے گا اور زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا۔

یہ وہی خدا کے زور آور حملے ہیں جو اس کی سچائی کے اظہار کیلئے ہو رہے ہیں اور ہنوز خدا معلوم کب تک ان کا سلسلہ جاری رہے۔ آج وہی سعید ہے جو ہوا سے محسوس کرے کہ پیچھے زور سے برسنے والا بادل آ رہا ہے و انّ فی ذلک لآیۃ لّقوم یؤمنون

... پادری صاحبان! غور کا مقام ہے کہ قادیان سے دو دو میل کے فاصلہ پر طاعون تاخت و تاراج کر رہی ہے اور قادیان ایک جزیرہ کی طرح اس موجزن خونخوار سمندر میں بن رہا ہے اور روک اور حفاظت کا کوئی قہری اور جبری سامان نہیں۔ گورنمنٹ حفاظت سے دست کش ہو چکی ہے اور طاعون زدہ مقامات سے بے روک ٹوک براتیں اور گنوار قادیان اور اس کے بازار میں آتے جاتے ہیں۔ با ایں ہمہ ایک شخص علی الاعلان کہہ رہا ہے کہ خدا تعالیٰ مجھ سے بولا اور اس نے مجھے کہا انّہ آوی القریۃ۔ لولا الاکرام لھلک المقام۔ آپ لوگوں کے پاس کس قدر سامان ہیں؟ آپکے کنوؤں میں کرم کش دوائیں چھڑکی جاتی ہیں اور طاعون کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے بڑی ہتھیار بندی کی جاتی ہے اور آپ ہزاروں ہزار تنخواہیں گورنمنٹ سے یا گورنمنٹ کی قوم سے پاتے ہیں۔ احسان کا معاوضہ دینے اور مذہب عیسی کی صداقت ظاہر کرنے کا امتحان اور میدان تو اب پیش آیا ہے۔ یہ موقعہ آپ ہاتھ سے جانے نہ دیجئے۔ اگر آپ نے بالمقابل کچھ شائع نہ کیا تو یسوع مسیح کی موت پر دوہری مہر لگ جائے گی اور ایک جہان پر روشن ہو جائے گا کہ نصرانیت مردہ مذہب ہے اور حضرت عیسی عاجز انسان اور خدا کا عاجز بندہ تھا جو اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح فوت ہو گیا۔

عبدالکریم از قادیان۔ ۱۰۔ اپریل ۱۹۰۲ء

ناظرین آپ غور کریں کہ مرزا صاحب اور مرزا صاحب کے امام نے کس زور کی تحدی کی ہے اور کس قدر اپنے دماغ اور قلم کا زور اس پر خرچ کیا ہے۔ آخر کار اس تحدی اور دعوی کے بعد کیا ہوا؟ یہ کہ قادیان میں ایسا طاعون آیا کہ الامان والحفیظ۔ اس کا ثبوت ہم اور جگہ سے کیوں دیں خود مرزا صاحب کی تحریریں موجود ہیں۔ مرزا صاحب اپنی آخری تصنیف حقیقت الوحی میں لکھتے ہیں

پھر طاعون کے دنوں میں جب کہ قادیان میں طاعون زور پر تھا، میرا لڑکا شریف احمد بیمار ہوا۔ (ص ۸۴)

ان دونوں کلاموں سے نتیجہ کیا نکلا؟ ہم سے کوئی پوچھے تو ہم یہ کہیں گے کہ

تکبر عزازیل را خوار کرد بزندان لعنت گرفتار کرد

ناظرین! یہ نمونہ ہے قادیانی مشن کی پیش گوئیوں اور غیب دانیوں کا، ورنہ ان کے علاوہ اور بہت سی پیش گوئیاں ہیں جو سراسر غلط ثابت ہوئیں۔ اس کے بعد کچھ ضروری نہ تھا کہ قادیانی مشن کے متعلق ہم مزید تحقیق کرتے لیکن حکیم نورالدین خلیفہ قادیان نے اپنے رسالہ صحیفہ آصفیہ میں جن واقعات کا ادھورا بلکہ غلط ذکر کیا ہے، ان کی قدرے تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

حکیم نورالدین صاحب نے صحیفہ آصفیہ میں دو طرح سے مرزا صاحب قادیانی کی نبوت کا ثبوت دیا ہے۔ ایک تو واقعات و حوادث بتا کر لکھا ہے:

> ایک طرف تو یہ امر متحقق ہے کہ دنیا کی اخلاقی حالت بہت گر چکی ہے اور اصلاح کی محتاج ہے اور دوسری طرف کل اہل دنیا یک زبان ہو کر بول اٹھی ہے کہ یہ حادثات مختلفہ معمولی اور اتفاقیہ مصائب نہیں بلکہ یہ تو منتقم حقیقی کا غضب اور واحد القہار کا عذاب ہے جو اہل دنیا کی سزا کے لئے نازل ہوا ہے۔ لہذا اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا تعالی نے اپنی لاتبدیل سنت کے مطابق کوئی پاک نفس انسان ہم میں مبعوث کیا جو دنیا پر عذاب نازل ہونے سے پہلے دنیا کیلئے نذیر ہو کر آیا۔ اس کے جواب میں، میں عرض کرونگا کہ ہاں خدا تعالی نے اپنی قدیم سنت کے مطابق اس زمانے کو خواب غفلت سے جگانے اور غافلوں کو ان کی ہلاکت سے پہلے آئندہ عذاب سے ڈرانے کے لئے ایک مقدس انسان ہم میں پیدا کیا جس نے سب سے پہلے اپنی قوم کو اور پھر کل دنیا کو پیش از وقت آئندہ عذاب سے اطلاع دے کر ان میں روح اور راستی پیدا کرنی چاہی لیکن اس کے ساتھ اہل ملک نے وہی سلوک کیا جو دیگر مرسلین کے ساتھ اپنی اپنی قوم کے اکثر افراد نے کیا یا حسرةً علی العباد۔ ما یاتیھم من رسولٍ الا کانوا بہ یستھزؤن (صحیفہ آصفیہ۔ ص ۷)

اس کا جواب تو اتنا ہی کافی ہے جو قرآن مجید میں خداوند عالم نے خود دیا ہے۔ غور سے سنیئے ما ارسلناک الا کافةً للنّاس (اے نبی ہم نے تجھ کو سب لوگوں کیلئے بھیجا ہے)۔ پس سنت اللہ کے مطابق نبوت اور ہدایت محمد یہ سب کیلئے کافی ہے۔ جدید نبوت یا رسالت کا دعوی کرنا نص قرآنی کے مخالف ہے جو یہ ہے:

> ما کان محمّد ابا احدٍ من رّجالکم و لکن رسول اللّٰہ و خاتم النّبیین (حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء اور خاتم المرسلین ہیں)

پس ایسی نص قرآنی اور فرمان رحمانی کے ہوتے ہوئے کس مسلمان کی جرأت ہے کہ نبوت یا رسالت کا مدعی ہو یا کسی مدعی سے ایسا دعویٰ سن سکے۔

اسی آیت قرآنی کی بنا پر علماء اسلام کا بالا جماع عقیدہ ہے کہ بعد آنحضرت ﷺ کے نبوت کا دعویٰ کرنے والا کافر ہے۔علماء کے اس اجماع پر مرزا صاحب قادیانی کے بھی دستخط ثبت ہیں، چنانچہ وہ اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ میں فرماتے ہیں:

ما کان محمّد ابا احدٍ من رجالکم و لکن رسول اللّٰہ و خاتم النّبیّین ، الا تعلم ان الرّب الرّحیم المتفضل سمّی نبیّنا ﷺ خاتم النّبیّین بغیر استثناء و فسّرہ نبیّنا فی قولہ لانبیّ بعدی ببیان وا ضح للطّالبین۔ و لو جوزنا ظھور نبیّ بعد نبیّنا ﷺ لجوز نا انفتا ح با ب وحی النّبوّۃ بعد تغلیقھا و ھذا خلف کمالا یخفی علی المسلمین و کیف یجیء نبیّ بعد رسولنا ﷺ و قد انقطع الوحی بعد وفاتہ و ختم اللّٰہ بہ النّبیّین (حمامۃ البشریٰ ص ۲۰) (حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کا نام بغیر کسی استثنا کے خاتم الانبیاء رکھا ہے جس کی تفسیر آنحضرت ﷺ نے کی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔اگر ہم کسی نبی کا بعد آنحضرت ﷺ کے آنا جائز قرار دیں تو وحی نبوت کا دروازہ باوجود بند ہونے کے ہم نے کھولنے کی اجازت دی۔ یہ امر خلاف اسلام ہے جیسا کہ مسلمانوں پر مخفی نہیں۔کس طرح کوئی نبی بعد ہمارے نبی ﷺ کے آسکتا ہے حالانکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد وحی نبوت بند ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نبیوں سلسلہ ختم کر دیا ہے)

اسی کتاب حمامۃ البشریٰ کے ایک اور مقام پر مرزا صاحب لکھتے ہیں:

وما کان لی ان ادعی النّبوّۃ و اخرج عن الاسلام و الحق بقوم کافرین۔ (ص ۷۹) (یعنی یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ میں نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام سے نکل جاؤں اور کافروں سے جاملوں)

باوجود نصوص قرآنیہ اور تصریحات مرزائیہ کے حکیم صاحب کا مرزا کی نسبت نبوت کا ادعا کرنا گویا آپ کو اور مرزا کو خود ہی کافر بنانا ہے۔ چنانچہ آپ صحیفہ آصفیہ صفحہ ۱۹۔۲۰ میں لکھتے ہیں:

حضور والا نے قرآن کریم ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ علم غیب کے راز کسی نجوم یا جفر کا نتیجہ نہیں ہوتے

بلکہ وہ انہیں پر ظاہر ہوتے ہیں جو خدا کے برگزیدہ و مرسل ہوتے ہیں۔ اور نہ کوئی زید و بکر اس طاقت اور تحدی کے ساتھ بغیر خدا کے بلائے بول سکتا ہے جیسے قرآن مجید فرماتا ہے: و ما کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب و لکنّ اللّٰہ یجتبی من رّسلہ من یّشاء۔ (آل عمران: ۱۷۹)۔ اور عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احد الّا من ارتضی من رسول۔ (جن۔ ع ۲) یعنی اللہ کسی کو غیبی امور سے اطلاع نہیں دیا کرتا مگر مجتبی رسولوں میں سے جسے چاہے اسے بتلا دیتا ہے، وہی عالم الغیب ہے اور رسولوں میں سے صرف انہیں کو غیب سے اطلاع دیتا ہے جو اسے پسند ہوں۔ یعنی بجز خدا کے علم دیئے کوئی غیب کی بات نہیں بتلا سکتا اور خدا کسی خاص اپنے رسول کو ہی علم دیتا ہے۔

اس عبارت میں حکیم صاحب نے صاف طور پر مرزا صاحب کی نسبت ادعاء نبوت کا اظہار کیا ہے جو مرزا کی اپنی سابقہ تحریرات کے بموجب چاہ ضلالت اور وادی کفران میں گرنا ہے۔ اسی ضمن میں حکیم صاحب نے مرزا صاحب کی طرف سے کئی ایک پیش گوئیاں قبل از وقوع بھی بیان کی ہیں لہذا ہم اس بحث سے ہاتھ اٹھا کر ان پیش گوئیوں کی تحقیق کرتے ہیں۔

پیش گوئی بابت پنڈت لیکھ رام

اس پیش گوئی کو بڑے فخر سے حکیم صاحب نے لکھا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ صحیح واقعات کو غلط اور خلط ملط کر دیا ہے۔ جناب مرزا صاحب ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ:

ہم اپنی اجتہادی باتوں کو خطا سے معصوم نہیں سمجھتے۔ ہمیں ملزم کرنے کے لئے ہمارا کوئی الہام پیش کرنا چاہیے۔ (تریاق القلوب۔ ص ۱۴)

پس اس اصول عامہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو مرزا صاحب کی پیشگوئی متعلقہ پنڈت لیکھ رام غلط اور بالکل غلط ثابت ہوئی۔ اصل اشتہار اس پیش گوئی کا وہی ہے جو حکیم صاحب نے بھی صحیفہ آصفیہ کے صفحہ ۱۶۔ ۱۷ پر نقل کیا ہے مگر افسوس ہے کہ فرط محبت میں بحکم حبّک الشیء یعمی و یصمّ حکیم صاحب نے اس کو بغور نہیں دیکھا۔ ہم اس کے بعض ضروری فقرات یہاں درج کرتے ہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

اب میں اس پیشگوئی کو شائع کر کے تمام مسلمانوں اور آریوں اور عیسائیوں اور دیگر فرقوں پر ظاہر کرتا ہوں کہ اگر اس شخص (لیکھ رام) پر چھ برس کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے کوئی ایسا

عذاب نازل نہ ہو جو معمولی تکلیفوں سے نرالا اور اپنے اندر الٰہی ہیبت رکھتا ہو، تو سمجھو کہ میں خدا کی طرف سے نہیں اور نہ اسکی روح سے میرا یہ نطق ہے۔ (صحیفہ آصفیہ ص ۱۷۔ حاشیہ)

یہ الفاظ اپنا مدعا بتلانے میں صاف ہیں کہ چھ برس کے عرصہ میں پنڈت لیکھ رام پر خرق عادت یعنی خلاف عادت کوئی عذاب نازل ہوگا۔ ایسا نہ ہو تو مرزا صاحب کا دعوی غلط۔ پس امر تنقیح طلب یہ ہے کہ کیا ایسا ہوا؟ صحیح جواب جو واقعات پر مبنی ہے یہ ہے کہ، نہیں۔ اسلئے کہ پنڈت لیکھ رام گو چھ سال کے عرصے میں چھری سے مارا گیا، لیکن اس کا مارا جانا کوئی خرق عادت عذاب نہیں بلکہ اس قسم کے قتل وخون آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ یہ قتل تو بڑی سازش سے ہوا ہوگا، اسی شہر لاہور میں دن دہاڑے کئی دفعہ انگریزوں کو قتل کیا گیا۔ غرض اس قسم کے واقعات بلاد پنجاب میں عموماً پیش آتے رہتے ہیں جن کو کوئی فرد بشر بھی خرق عادت نہیں کہتا، نہ جانتا ہے۔

حکیم نور الدین صاحب نے اپنی بات بنانے کو مرزا صاحب کا ایک عربی شعر نقل کیا ہے جس سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس شعر میں لیکھ رام کے قتل کا دن بھی بتلایا گیا ہے۔ چنانچہ صحیفہ آصفیہ صفحہ ۱۸ میں حکیم صاحب کے الفاظ یہ ہیں کہ:

پھر آپ نے اپنی عربی تصنیف موسومہ کرامات الصادقین میں دعا متعلق لیکھ رام کا ذکر کرتے ہوئے ذیل کا شعر لکھا ہے کہ لیکھ رام کی موت عید کے دن کے قریب ہوگی

و بشّرنی ربّی و قال مبشراً — ستعرف یوم العید والعید اقرب

اس کے جواب میں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مرزا صاحب کے اصل قصیدے سے اس شعر کا سیاق وسباق بتلانے کو ادھر ادھر کے چند شعر نقل کریں۔ ناظرین بغور سنیں:

الا ایها الواشی الام تکذب — و تکفر من هو مومن و تونب
والیت انی مسلم ثم تکفر — فاین الحیا انت امرء و عقرب
الا انّنی تبر و انت مذهب — الا اننی اسد و انت ثعلب
الا اننی فی کل حرب غالب — فکدنی بما زورت فالحق یغلب
فبشرنی ربی و قال مبشراً — ستعرف یوم العید و العید اقرب
و نعمنی ربی فکیف اردّه — و هذا عطاء الله و الخلق یعجب
وسوف تری انی صدوق مؤید — و لست بفضل الله ما انت تحسب

اشعار مذکورہ صاف بتلا رہے ہیں کہ یہ کلام کسی ایسے شخص کے جواب یا خطاب میں ہے

جو مرزا جی کا مکفر ہے یعنی خود مسلمان ہے اور مرزا صاحب کو کافر کہتا ہے ۔ اس کو مرزا جی ڈانٹ بتلاتے ہیں کہ تو بے حیا ہے، بچھو ہے، میں نیک ہوں، تو طمع ساز ہے۔ میں شیر ہوں تو لونبڑ ہے۔ میں ہر ایک لڑائی میں غالب ہوں ۔ مجھے خدا نے بشارت دی اور کہا کہ تو عید کو پہچانے گا اور عید قریب ہے ۔ میرے خدا نے مجھے نعمتیں دی ہیں لوگ تعجب کرتے ہیں تو دیکھ لے گا کہ میں سچا ہوں اور جیسا تیرا گمان ہے ویسا نہیں ہوں ۔

اس سے آگے صاف اور صریح لکھتے ہیں :

وقاسمتھم ان الفتاوی صحیحہ   وعلیک وزر الکذب ان کنت تکذب

وھل لک من علم ونص محکم   علی کفرنا او تخرصن و تتعب

(تو نے ان لوگوں سے قسم کھا کر بتلایا کہ یہ فتوی، جو مرزا پر لگائے گئے ہیں، صحیح ہیں ۔ اگر تو جھوٹا ہے تو جھوٹ کا وبال تجھ پر ہے

کیا تیرے پاس قطعی علم یا مضبوط نص ہمارے کفر پر ہے، یا تو محض اٹکل اور تکلف کرتا ہے)

صاف بات ہے کہ اس قصیدے میں نہ لیکھ رام کا ذکر ہے نہ آتھم کا بلکہ صریح خطاب علماء مکفرین سے ہے، نہ کسی اور سے ۔ نہیں معلوم ایسے صحیح واقعات کو غلط اور مصنوعی واقعات سے مکدر کرنا اگر لبس حق نہیں تو کیا ہے ؟ حکیم صاحب ! بہت سے امور اور مسائل میں اختلاف ہوتا ہے، مگر دیانت اور راست بازی میں کسی کا اختلاف نہیں پھر آپ کو بھی اس میں خلاف نہیں ہونا چاہیے ۔

اگر ہم حسب قول حکیم صاحب اس شعر کو پنڈت لیکھ رام کی تاریخ قتل سے متعلق مان لیں تو بھی مرزا صاحب کی تکذیب لازم آتی ہے پہلے شعر مذکور مکرر سنئے

وبشّرنی ربّی وقال مبشراً   ستعرف یوم العید والعید اقرب

غور طلب بات یہ ہے کہ اقرب صیغہ تفضیل کا ہے جس کیلئے ایک تو مفضل علیہ کی ضرورت ہے دوئم مقرّب الیہ کی، یعنی کس سے زیادہ قریب اور کس کے قریب ۔ اول یعنی مفضل علیہ تو زمان بعد از عید ہے اور مقرب الیہ مخاطب خاص یا عام ہیں ۔ پس معنی یہ ہیں کہ :

مجھے اللہ نے خوش خبری دیتے ہوئے کہا کہ تو عید کے دن کو پہچانے گا اور عید بہت قریب ہے ۔

یہاں عید ہی کو تعرف کا مفعول بہ بنایا اور عید ہی کو اقرب کا محکوم علیہ ۔ اس سے اگر کوئی بات ثابت ہوئی تو یہ کہ کوئی واقع عید کے دن ہوگا جس کا متکلم کو انتظار رہے اور مخاطب کا انتظار رفع کرنے کو متکلم کہتا ہے و العید اقرب (عید بہت قریب ہے) ۔ اس کی نظیر خود قرآن مجید میں بھی ملتی

ہے ۔غور سے سنئیے: انّ موعد ھم الصّبح الیس الصّبح بقریب۔ حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہے کہ فرشتوں نے ان کو قوم کی تباہی کے لئے صبح کا وقت بتلا کر رفع انتظار کے لئے کہا، کیا صبح قریب نہیں ہے، یعنی الصّبح قریب ۔اس کے نظائر اور بھی بہت ہیں ۔پس مطلب صاف ہے کہ جو کچھ ہونا ہے وہ عید کے روز ہونا ہے، نہ اس سے آگے نہ پیچھے۔لیکن لیکھ رام کا واقع عید کے روز نہیں ہوا بلکہ دوسرے روز ہوا ہے۔ پھر پیش گوئی کے کذب میں کیا شک ہے؟ہاں جو شخص پندرہ دن کی میعاد لگا کر چالیس دن میں واقع ہونے سے بھی سچا ہی بنتا ہو اسکا کوئی جواب ہی نہیں ہوسکتا۔

پیش گوئی بابت طاعون پنجاب

حکیم صاحب ! آپ نے غور نہیں فرمایا کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں آپ کے خلاف ہے۔ آپ نے مرزا صاحب کا اشتہار متعلقہ طاعون پنجاب نقل کیا ہے جس کے ضروری فقرے یہ ہیں:

میں نے خواب میں دیکھا کہ خدا تعالی کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں۔ میں نے بعض لگانے والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو ملک میں عنقریب پھیلنے والی ہے۔ میرے پر یہ امر مشتبہ رہا کہ اس نے یہ کہا کہ آئندہ جاڑے میں یہ مرض بہت پھیلے گا یا کہا کہ اس کے بعد کے جاڑے میں پھیلے گا۔ (صحیفہ آصفیہ۔ص۲۲)

اس خواب کو ہم صحیح بھی مان لیں اور اس کی آخری مدت بھی قرار دیں تو بھی پنجاب میں طاعون کا غلبہ ۱۹۰۰ء میں کمال تک ہو جانا چاہیے تھا حالانکہ خدائے ذوالجلال کی غیرت نے یہ کرشمہ دکھایا کہ آپ خود بھی مانتے ہیں کہ:

۱۹۰۱ء میں کشف مذکورہ بالا کے طاعونی درخت پنجاب میں کسی قدر بارور ہونے لگے۔(صحیفہ آصفیہ۔ص۲۳)

اس، کسی قدر ، کے لفظ کو دیکھئے اور مرزا جی کی عبارت منقولہ بالا میں ، بہت پھیلے گا ، کے لفظ کو ملاحظہ کر کے بتلائیے کہ ان دونوں لفظوں میں وہی نسبت ہے یا نہیں جو شیر قالین اور شیر نیستاں میں ہے؟ مرزائی خواب میں صاف تصریح ہے کہ غایت سے غایت ۱۹۰۰ء میں طاعون کی خوفناک اشاعت پنجاب میں ہو جائے گی حالانکہ بقول آپ کے ۱۹۰۱ء میں بھی کسی قدر (دبی زبان

سے) ہوا جو قریب قریب عدم کے تھا۔ چونکہ واقع بھی یہی ہے کہ پنجاب میں ۱۹۰۲ء سے طاعون کا شیوع ہوا اسی لئے پنجاب یونیورسٹی نے ۱۹۰۲ء ہی میں طلبا کو سرکلر دیا تھا کہ داخلہ امتحان سے پہلے ٹیکہ طاعون کرا کر آنا ہوگا اور آپ کو بھی اس کا اعتراف ہے چنانچہ آپ خود لکھتے ہیں کہ :

وہ سیاہ درخت جو سرزمین پنجاب میں ۱۸۹۸ء کے شروع میں لگائے گئے تھے ۱۹۰۲ء کی بہار میں آکر ثمر دار ہو گئے ۔ (صحیفہ آصفیہ ص ۲۵)

حکیم صاحب ! آیئے ! ہم آپ کی خاطر اس جواب کو صحیح مان لیں اور انہی معنی میں لیں جو مرزا اور آپ کے حسب منشاء ہے لیکن اس کا کیا علاج ہو کہ جناب مرزا خود ہی لکھتے ہیں کہ :

یہ عجیب حیرت نما امر ہے کہ بعض طوائف یعنی کنجریاں بھی جو سخت ناپاک فرقہ دنیا میں ہیں، سچی خوابیں دیکھا کرتی ہیں ۔ اور بعض پلید اور فاسق اور حرام خور اور کنجروں سے بدتر اور بد دین اور ملحد جو اباحتیوں کے رنگ میں زندگی بسر کرتے ہیں اپنی خوابیں بیان کیا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو کہا کرتے ہیں کہ بھائی میری طبیعت تو کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ میری خواب کبھی خطا ہی نہیں جاتی اور اس راقم کو اس بات کا تجربہ ہے کہ اکثر پلید طبع اور سخت گندے اور ناپاک اور بے شرم اور خدا سے نہ ڈرنے والے اور حرام کھانے والے فاسق بھی سچی خوابیں دیکھ لیتے ہیں ۔ (تحفہ گولڑویہ ۔ حاشیہ ص ۴۸)

پس ایک آدھ خواب کی سچائی سے ہم کیونکر تسلیم کر لیں جب تک تمام واقعات کی تصحیح نہ ہو لے کیونکہ موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہوتا ہے جس کا مطلب (بقول مرزا صاحب) دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ کنجروں اور بھڑووں کے بھی بعض خواب سچے ہو جاتے ہیں ۔

پیش گوئی بابت زلزلہ ۱۹۰۵ء

ہمارا تو دعوی ہے کہ جب سے آتھم کا واقع مرزا صاحب کے خلاف منشاء ہوا، مرزا جی نے کبھی کوئی پیش گوئی تعیین سے نہیں کی ۔ چنانچہ زلزلہ کے متعلق جو آج حکیم صاحب اور حکیم صاحب سے قبل خود جناب مرزا صاحب بھی زور دیتے رہے ہیں، یہ سب نکتہ بعد الوقوع ہے ۔ حکیم صاحب نے زلزلہ کے متعلق مرزا صاحب کے اشتہار سے اقتباس کیا ہے جو درج ذیل ہے :

میں نے اس وقت جو آدھی رات کے بعد چار بج چکے ہیں بطور کشف دیکھا ہے کہ دردناک موتوں سے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے ۔ میرے منہ پر یہ الہام الٰہی تھا کہ موتا موتی لگ

رہی ہے، کہ میں بیدار ہو گیا اور اسی وقت جو ابھی کچھ حصہ رات کا باقی ہے میں نے یہ اشتہار لکھنا شروع کر دیا ہے۔ دوستو ! اٹھو ! ہشیار ہو جاؤ کہ اس زمانہ کی نسل کے لئے نہائت مصیبت کا وقت آ گیا ہے اب اس دریا سے پار ہونے کے لئے بجز تقوی کے اور کوئی کشتی نہیں۔

(صحیفہ آصفیہ طبع اول ص ۲۹)

ناظرین ! اس اقتباس کو ذہن نشین رکھیں اور اصل اشتہار مرزا کا بھی ملاحظہ فرماویں جس سے یہ اقتباس کیا گیا ہے۔ تا سیاہ روئے شود ہر کہ دروغش باشد

مرزا صاحب ۲۷ فروری ۱۹۰۵ء کے اشتہار میں لکھتے ہیں:

دوستو! خدا تعالی آپ لوگوں کے حال پر رحم کرے۔ آپ صاحبوں کو معلوم ہو گا کہ میں نے آج سے قریباً نو ماہ پہلے الحکم اور البدر میں جو قادیان سے اخباریں نکلتی ہیں، خدا تعالی کی طرف سے اطلاع پا کر یہ وحی الہی شائع کرائی تھی کہ عفت الدّیار محلھا و مقامھا یعنی یہ ملک عذاب الہی سے مٹ جانے کو ہے، نہ مستقل سکونت امن کی جگہ رہے گی اور نہ عارضی امن کی جگہ، یعنی طاعون کی وبا ہر جگہ عام طور پر پڑے گی اور سخت پڑے گی، دیکھو اخبار الحکم پرچہ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء نمبر ۱۸ جلد ۸ کالم ۳۔ اور اخبار البدر نمبر ۲۰۔۲۱ صفحہ ۱۵ مورخہ ۲۴ مئی و یکم جون ۱۹۰۴ء۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ وقت قریب آ گیا ہے۔ میں نے اس وقت جو آدھی رات کے بعد چار بج چکے ہیں بطور کشف دیکھا ہے کہ دردناک موتوں سے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے۔ میرے منہ پر یہ الہام الہی تھا کہ موتا موتی لگ رہی ہے کہ میں بیدار ہو گیا اور اسی وقت جو ابھی کچھ حصہ رات کا باقی ہے میں نے یہ اشتہار لکھنا شروع کیا۔ دوستو ! اٹھو اور ہشیار ہو جاؤ کہ اس زمانہ کی نسل کے لئے نہائت مصیبت کا وقت آ گیا ہے اب اس دریا سے پار ہونے کے لئے بجز تقوی کے اور کوئی کشتی نہیں۔ مومن خوف کے وقت خدا کی طرف جھکتا ہے کہ بغیر اس کے کوئی امن نہیں۔ (اشتہار الوصیت ۲۷ فروری ۱۹۰۵ء)

حضرات ! آپ لوگ غور سے اس اشتہار کو پڑھیں، مکرر بلکہ سہ کرر پڑھیں۔ آپ کو بغیر اس کے کوئی مطلب معلوم نہ ہو گا کہ یہ اشتہار اور اس میں جتنی پیش گوئیاں ہیں طاعون کی تباہی کے متعلق ہیں۔ اخبار الحکم ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء کا حوالہ موجود ہے اس میں بھی الہام عفت الدیار محلھا و مقامھا لکھ کر ساتھ ہی لکھا ہے، طاعون کے متعلق ہے۔ باوجود اس تشریح اور تصریح کے پھر اسی الہام کو زلزلہ سے متعلق کرنا کون کہہ سکتا ہے کہ دیانت ہے یا شرافت ہے؟

حکیم صاحب! آیئے میں آپکو ایک خوشخبری سناؤں۔ جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں:

ملہم سے زیادہ کوئی الہام کے معنی نہیں سمجھ سکتا اور نہ کسی کا حق ہے کہ اس کے مخالف کہے

(تتمہ حقیقت الوحی۔ص ۷)

اصل یہ ہے کہ مرزا صاحب ایسے کچھ کلمات کے الہامات سنا دیا کرتے تھے جن کو موم کی گولی کی طرح سب طرف لگا سکیں چنانچہ فروری ۱۹۰۵ء تک یہی الہام عفت الدیار محلھا و مقامھا طاعون پر چسپاں ہوتا رہا۔ لیکن جونہی ایک مہینے بعد ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو پنجاب میں زلزلہ عظیمہ آیا تو قادیانی پارٹی نے اس سے فائدہ حاصل کرنے کو فوراً سے پہلے جھٹ زلزلہ عظیمہ پر اس کو چسپاں کر دیا، جو کچھ تعجب انگیز امر نہیں بلکہ ان لوگوں کی روزمرہ کی عادت ہوکر بائیں ہاتھ کا کھیل ہو رہا ہے۔ لیکن ہم تو مرزا صاحب کے اصول عامہ کو نہیں چھوڑ سکتے کہ الہام کی تشریح ملہم جو کر دے وہ مقدم ہے۔

پیش گوئی بابت زلزلہ ثانیہ

زلزلہ عظیمہ واقعہ ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کی بابت تو ہم بتلا آئے ہیں کہ کوئی الہام مرزا کا نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ یاروں کی خوش اعتقادی ہے اور بس۔ اس زلزلہ کے علاوہ بھی کوشش کی جاتی ہے کہ مرزا صاحب کے الہام سے اور زلزلوں کا وجود ثابت کیا جائے چنانچہ حکیم صاحب فرماتے ہیں:

ایک طرف جاپانی ماہر طبقات الارض نے اپنے علم و تجربہ کی بنا پر بعد از تحقیق دقیق اہل ہند کو یقین دلایا کہ آج سے دوصد برس تک ہند میں ہیچ قسم کے زلزلے کی امید نہیں۔ دوسری طرف پھر الہام الٰہی نے یکم فروری ۱۹۰۶ء کو اطلاع دی کہ صدیاں تو درکنار دنوں میں اسی موسم بہار کے شروع میں ایک اور زلزلہ آنے والا ہے جو پہلے زلزلہ کے ہم رنگ ہوگا۔ ملک کو ان دو پیشگوئی کرنے والوں کے متقابلہ حیثیت پر ابھی غور کرنے کا موقع نہ ملا ہوگا کہ خدا نے اپنے الفاظ ۲۹ فروری ۱۹۰۶ء کو پورے کر دکھائے جب کہ رات کے دو بجے ۴۔ اپریل کا سا زلزلہ وادی ہمالہ میں نمودار ہوا اور اس طرح اس زلزلہ نے ذیل کے ان الفاظ کو سچ کر دکھایا جو المسیح الموعود نے اپنے تیسرے اشتہار موسومہ البلاغ مجریہ ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۵ء میں ان سائنٹفک مکذبین الہام الٰہی کی تردید میں درج فرمائے تھے وھوھذا:

یہ خدا تعالیٰ کی خبر اور اس کی خاص وحی ہے جو عالم الاسرار ہے اس کے مقابل پر جو لوگ

یہ شائع کر رہے ہیں کہ کوئی سخت زلزلہ آنے والا نہیں ہے، وہ اگر منجم ہیں، یا کسی اور علمی طریق سے اٹکلیں دوڑاتے ہیں وہ جھوٹے ہیں اور لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ سچ ہے کہ وہ زلزلہ اس ملک پر آنے والا ہے۔ (صحیفہ آصفیہ صفحہ ۳۱ طبع اول)

حضرات! اشتہار ۲۹۔ اپریل کے ساتھ بھی حکیم صاحب نے وہی برتاؤ کیا جو ۲۷ فروری ۱۹۰۵ء والے اشتہار سے کیا ہے۔ جس کا ذکر گذر چکا۔ ہم اس اشتہار کی تمام عبارت نقل کرتے ہیں مرزا صاحب فرماتے ہیں:

آج ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو پھر خدا تعالی نے مجھے دوسری مرتبہ کے زلزلہ شدیدہ کی نسبت اطلاع دی ہے سو میں محض ہمدردی مخلوق کے لئے عام طور پر تمام دنیا کو اطلاع دیتا ہوں کہ یہ بات آسمان پر قرار پا چکی ہے کہ ایک شدید آفت سخت تباہی ڈالنے والی دنیا پر آوے گی جس کا نام خدا نے بار بار زلزلہ رکھا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے یا کچھ دنوں کے بعد خدا تعالی اس کو ظاہر فرماوے گا، مگر بار بار خبر دینے سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ بہت دور نہیں ہے۔ یہ خدا تعالی کی خبر اور اس کی خاص وحی ہے جو عالم الاسرار ہے اس کے مقابل پر جو لوگ یہ شائع کر رہے ہیں کہ کوئی سخت زلزلہ آنے والا نہیں ہے، وہ اگر منجم ہیں یا کسی اور علمی طریق سے اٹکلیں دوڑاتے ہیں وہ جھوٹے ہیں اور لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ سچ ہے اور بالکل سچ ہے کہ وہ زلزلہ اس ملک پر آنے والا ہے جو پہلے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں گزرا۔ بجز توبہ اور دل پاک کرنے کے کوئی اس کا علاج نہیں

(اشتہار ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۵ء)

ناظریں خدارا فقرہ: جو پہلے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا....، کو ملاحظہ فرمائیے اور بتلائیے کہ ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ عظیمہ کے بعد ایسا زلزلہ کوئی آیا ہے؟ ۲۹ فروری ۱۹۰۶ء کوئی دور نہیں کوئی صاحب بتلاویں کہ اس زلزلہ کی یاد کسی کے ذہن میں ہے؟ اے آسمان کے رہنے والو! اے زمین کے باشندو! پچھّم دکن اتر میں رہنے والو! خدارا بتلاؤ! کہ ۲۹ فروری ۱۹۰۶ء کو تم لوگوں نے ایسا کوئی زلزلہ دیکھا یا سنا جس کی بابت مرزا جی فرماتے ہیں: پہلے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی کے دل پر گزرا، گویا ۴۔ اپریل کے زلزلہ عظیمہ سے بہت بڑا۔

حکیم صاحب! بخدا میں سچ کہتا ہوں آپ کے اس دعوی کی تصدیق نہ ہو سکے گی گو مرزا صاحب بھی قبر سے تشریف لے آویں۔

ہاں ہم مانتے ہیں کہ زلزلہ عظیمہ کے بعد مرزا صاحب ایسے کچھ خوف زدہ ہوئے تھے کہ آپ کو ہر وقت زلزلوں ہی کے خواب آتے تھے چنانچہ آپ ہی کے خوابوں اور ایسے الہاموں کی وجہ سے آپ کے معتقدین نے (جن میں راقم صحیفہ آصفیہ بھی تھا) بہت دنوں تک خیموں میں بسیرا کیا اور چھتوں کے نیچے نہ سوئے

(جیسا کہ مرزا بشیر احمد بن مرزا غلام احمد نے لکھا ہے: خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب ۱۹۰۵ء کا زلزلہ آیا تو میں بچہ تھا اور نواب محمد علی خان کے شہر والے مکان کے ساتھ ملحق مرزا صاحب کے مکان کا جو حصہ ہے اس میں ہم دوسرے بچوں کے ساتھ چار پائیوں پر لیٹے سو رہے تھے۔ جب زلزلہ آیا تو ہم سب ڈر کر بے تحاشا اٹھے اور ہم کو کچھ خبر نہیں تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے صحن میں آئے تو اوپر سے کنکر روڑے برس رہے تھے۔ ہم بھاگتے ہوئے بڑے مکان کی طرف آئے، وہاں مرزا صاحب اور والدہ صاحبہ کمرے سے نکل رہے تھے ہم نے جاتے ہی حضرت کو پکڑ لیا اور آپ سے لپٹ گئے۔ آپ اس وقت گھبرائے ہوئے تھے اور بڑے صحن کی طرف جانا چاہتے تھے مگر چاروں طرف بچے چمٹے ہوئے تھے اور والدہ صاحبہ بھی۔ کوئی ادھر کھینچتا تھا تو کوئی ادھر۔ اور آپ سب کے درمیان میں تھے۔ آخر بڑی مشکل سے آپ اور آپ کے ساتھ چمٹے ہوئے ہم سب بڑے صحن میں پہنچے۔ اس وقت تک زلزلے کے دھکے بھی کمزور ہو چکے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ہم کو لے کر اپنے باغ میں تشریف لے گئے۔ دوسرے احباب بھی اپنا ڈیرا ڈنڈہ اٹھا کر باغ میں پہنچ گئے۔ وہاں حسب ضرورت کچھ کچے مکان بھی تیار کروالئے گئے اور کچھ خیمے منگوا لئے اور پھر ہم سب ایک لمبا عرصہ باغ میں مقیم رہے ان دنوں میں مدرسہ بھی وہیں لگتا تھا گویا باغ میں ایک شہر آباد ہو گیا تھا۔ سیرۃ المہدی ج ا ص ۲۶)

پیش گوئی بابت طوفان حیدر آباد (دکن)

اس طوفان کے متعلق بھی مرزا نے کوئی پیش گوئی نہیں کی تھی آج جو کچھ بتایا جاتا ہے محض حکیم صاحب اور انکے اتباع کے دماغ کا نتیجہ ہے۔ اسی لئے تو حکیم صاحب نے بھی اس واقع کے متعلق کوئی خاص پیشگوئی نہیں لکھی بلکہ ایک اٹکل پچو بات سے کام لیا ہے چنانچہ آپکے الفاظ یہ ہیں:

اس نے اپنے بھیجے ہوئے نذیر کی خاطر جس کی آواز حیدر آباد میں پہونچ کر وہاں ہنسی ٹھٹھہ کا باعث ہو چکی تھی، حیدر آباد میں وہی کیا جو اس نے اس طوفانی واقعہ سے دو سال پہلے کہا تھا:

دیکھ میں آسمان سے تیرے لئے برساؤنگا۔ پر وہ جو تیری مخالفت کرتے ہیں پکڑے جاویں گے، صحن میں ندیاں چلیں گی۔ سخت زلزلے آئیں گے۔ میں تجھے ایک عجیب طور پر عزت

دونگا۔ اوراس کے ساتھ دنیا پر بڑا رعب ڈالوں گا ..

چنانچہ اس واحد القہار نے آسمان اور زمین سے پانی نکالا۔ اس نے گھروں کے صحنوں میں ندیاں چلائیں۔ اس نے اس آباد معمورہ کو جو صدیوں سے شہر نظام ہو رہا تھا، آن کی آن میں ان کو گور کر دکھایا۔ اور اس طرح اسکے وہ الفاظ پورے ہوئے جو اس نے اس بلدہ کی تباہی کے متعلق کچھ عرصہ پہلے بطور پیش گوئی اپنے ملہم پر کے القاء کئے تھے۔

دبدبہ خسروی ام شد بلند　　　زلزلہ در گور نظامی فگند

اس نے وہ سیلاب بھیجا جس سے کوئی کوشش کسی کو نہ بچا سکی اور اس طرح وہ کلام پاک لفظاً لفظاً پورا ہوا جو مسیح وقت نے بطور انذار اس طوفان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

سونے والو جلد جاگو یہ نہ وقت خواب ہے　　　جو خبر دی وحی حق نے اس سے دل بے تاب ہے
زلزلے سے دیکھتا ہوں میں زمیں زیر و زبر　　　وقت اب نزدیک ہے آیا کھڑا سیلاب ہے
ہے سرہ پر کھڑا نیکوں کے وہ مولا کریم　　　نیک کو کچھ غم نہیں گو بڑا گرداب ہے
کوئی کشتی اب بچا سکتی نہیں اس سیل سے　　　حیلے سب جاتے رہے اک حضرت تواب سے

(صحیفہ آصفیہ صفحہ ۴۳، ۴۴ طبع اول)

اقتباسات مذکورہ بالا میں حکیم صاحب نے تین الہام لکھے ہیں اس لئے ہم ہر ایک کی الگ الگ پڑتال کرتے ہیں۔ پس غور سے سنئے:

ا۔ الہام اول کہ، دیکھ میں آسمان سے برساؤنگا، اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا محض زبانی بات ہے جس کا اعتبار نہیں ہوسکتا جب تک کہ اصل مقام کا حوالہ نہ ہو۔ بعد تصحیح حوالہ کہا جائے گا کہ اس میں کسی خاص مقام کا ذکر نہیں بلکہ یہ وہی موم کی گولی ہے کہ جدھر چاہو پھیر لو۔ اس کی مثال دینے کو آپ ہی کے قادیانی اخبار بدر کی ایک عبارت پیش کرنا کافی ہوگا۔ اڈیٹر بدر نے ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا: الہامی پیش گوئی اور اٹکل بازی میں فرق۔

اس بیان میں لائق اڈیٹر نے منجموں، پالیٹیشنوں اور اٹکل بازوں کی پیشگوئیوں کو الہامی پیش گوئیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے اٹکل بازوں کی پیش گوئی کی مثال دی تھی کہ:

مثلاً فلاں شخص کو کچھ خوشی پیش آئے گی، یا کچھ تکلیف پہنچے گی۔ اسی قسم کے فقرے جو بالکل گول مول اور ہر ایک پہلو سے مڑے ہوتے ہیں تا کہ پردہ رہ جائے ... برخلاف اس کے رسولوں کی پیش گوئیاں کثرت سے ایسی ہوتی ہیں جو بالکل صاف اور کھلا کھلا غیب اپنے اندر رکھتی ہیں

اوران میں تحدی اورشوکت ہوتی ہے۔ (بدر۔ ۸۔اگست ۱۹۰۷ء صفحہ ۳ کالم ۳)

ناظرین! یہ عبارت کیا معیار بتلاتی ہے؟ یہ کہ الہامی پیش گوئی اپنا مصداق اپنے لفظوں میں بتلایا کرتی ہے جس کی مثال قرآن مجید سے سنو غلبت الرّوم فی ادنی الارض وھم من غلبھم سیغلبون فی بضع سنین (روم کی سلطنت ابھی مغلوب ہوئی ہے اور وہ بہت جلد چندسالوں میں غالب ہونگے)

حکیم صاحب! آیئے میں آپ کو بتلاؤں کہ درصورت صحیح ہونے کے بھی یہ الہام آپ کے امام کا غلط ہے کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ: جو تیری مخالفت کرتے ہیں پکڑے جائیں گے۔

بڑے مخالف تو وہ ہیں جن کو مرزا صاحب نے رسالہ انجام آتھم میں مباہلہ کیلئے نام بنام بلایا اوران کو آئمۃ الکفر کہا۔تو کیا آپ بتا سکتے ہیں حیدرآباد کے طوفان میں ان مخالفوں میں سے کون پکڑا گیا۔پس اگر یہ قاعدہ الشّی اذا ثبت ثبت بلوازمہ (یعنی جب کوئی چیز موجود ہوتو اس کے لوازم بھی ساتھ ہوتے ہیں جیسے سورج کے ساتھ روشنی) صحیح ہے، جو بالکل صحیح ہے، تو آپ کے امام کی یہ پیش گوئی غلط ہے کیونکہ اس میں جونشان تھا کہ مخالف پکڑے جائیں گے وہ متحقق نہیں۔

دوسرے الہام کا آپ نے ایک شعرنقل کیا ہے جو یہ ہے

دبدبہ خسروی ام شد بلند زلزلہ در گور نظامی فگند

افسوس ہے اس الہامی شعر کے سمجھنے سے ہم ہی قاصر نہیں بلکہ عرفی اور خاقانی بھی اس کو نہیں سمجھ سکتے۔لفظی ترجمہ تو یہ ہے:

میری حکومت کا دبدبہ جب بلند ہوا تو نظامی کی قبر میں زلزلہ آیا

چونکہ لفظی ترجمہ مہمل تھا کہ کہاں دبدبہ حکومت اور کہاں نظامی (مصنف سکندرنامہ) کی قبر۔اس لئے حکیم صاحب نے اس کی تشریح میں یوں اشارہ کیا کہ نظامی سے مراد حضور نظام اور گور سے مراد لیا بلدہ حیدرآباد۔پس معنی یہ ہوئے کہ خدا کے حکم سے حیدرآباد میں طوفان آیا۔کیا کہنے ہیں۔ماشاءاللہ چشم بددور۔کیا سچ ہے؟

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا

ہم حیران ہیں کہ ان معقول پسندوں کی تردید کن لفظوں میں کریں۔ایسی بےاصولی قوم جو آسمان بول کر زمین مراد لیں اور زمین بول کر خدا کہدیں، ان سے کون پورا ہوسکتا ہے؟

حکیم صاحب! آپ حلفیہ کہہ سکتے ہیں کہ قبل ازطوفان حیدرآباد اس شعر کے معنی مرزا

نے یا آپ نے یہی سمجھے تھے جو آج ظاہر کر رہے ہیں۔ اگر سمجھے تھے تو بتلایئے کیونکر؟ اگر نہیں سمجھے تھے تو کیا یہ شعر کسی جنی زبان میں تھا؟ مانا کہ الہامی تھا لیکن جنی تو نہ تھا۔ الہام بھی تو آخر فارسی ہی تھا جس کے سمجھنے والے آج دنیا میں سینکڑوں نہیں، ہزاروں نہیں، لاکھوں نہیں، کروڑوں موجود ہیں۔ پھر کیا کوئی بھی آپ کا شریک حال ہوسکتا ہے کہ نظام سے مراد حضور نظام، اور گور سے مراد حضور نظام کا دارالسلطنت بلدہ حیدرآباد۔

حکیم صاحب آیئے میں آپکو علماء کا ایک متفقہ اور آپکا مسلّمہ اصول آپ ہی کے الفاظ میں سناؤں تا آپکو ایسی حرکت مذبوحی کرنے سے کچھ تو رکاوٹ ہو۔ غور سے سنیئے آپ فرماتے ہیں:

> ہر جگہ تاویلات وتمثیلات سے استعارات وکنایات سے اگر کام لیا جائے تو ہر یک ملحد منافق بدعتی اپنی آراء ناقصہ اور خیالات باطلہ کے موافق الٰہی کلمات طیبات کو لاسکتا ہے۔ اسلئے ظاہر معانی کے علاوہ اور معانی لینے کے واسطے اسباب قویہ اور موجبات حقہ کا ہونا ضرور ہے
>
> (خط ملحقہ بازالہ اوہام۔ ص ۸)

بتلایئے یہاں دونوں لفظوں (نظامی اور گور) کے مجازی معنے لینے کے اسباب قویہ کیا ہیں؟ ہاں یاد آیا کہ پنجابی میں ایک مثل ہے کہ: کنویں میں بیل گرے تو وہاں ہی خصی کر دینا چاہیے۔ یہ اس موقع پر بولتے ہیں جب کوئی ایسا کام پیش آجائے کہ اس وقت تو سہل ہوسکتا ہو اور دیر کرنے سے مزید تکلیف کا خطرہ ہو۔ سو اس مثال کے مطابق قادیانی مشن نے سمجھا کہ آج کل حیدرآباد کے طوفان کا چرچا ہے، باشندگان دکن عذاب الٰہی سے خوف زدہ ہو رہے ہیں، بس یہ وقت ہے کہ ایک چٹکلا ان میں چھوڑ دیں شائد کوئی ازلی بدبخت دام میں آجائے۔

تیسرا الہام بھی بالکل آپ کی کھینچ تان ہے جس اشتہار سے یہ ابیات نقل کئے ہیں اس کا نام ہے النداء من وحی السماء۔ یعنی ایک زلزلہ عظیمہ کی نسبت پیش گوئی وحی الٰہی سے۔

اس اشتہار کا تمام مضمون اس امر کی بابت ہے کہ ۴۔ اپریل کے زلزلہ عظیمہ کے بعد ایک اور زلزلہ آئے گا چنانچہ اس اشتہار کا شروع یوں ہے:

> ۹۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو پھر خدا تعالیٰ نے مجھے ایک سخت زلزلہ کی خبر دی ہے جو نمونہ قیامت اور ہوشربا ہوگا چونکہ دو مرتبہ مکرر طور پر اس علیم مطلق نے اس آئندہ واقعہ پر مجھے مطلع فرمایا ہے اس لئے میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ عظیم الشان حادثہ جو محشر کے حادثہ کو یاد دلادے گا دور نہیں ہے۔ مجھے خدائے عزوجل نے یہ بھی فرمایا ہے کہ دونوں زلزلے تیری سچائی ظاہر کرنے کے لئے دو

نشان ہیں انہیں نشانوں کی طرح جو موسیٰؑ نے فرعون کے سامنے دکھلائے تھے اور اس نشان کی طرح جو نوحؑ نے اپنی قوم کو دکھلایا تھا۔

تمام اشتہار پڑھ جایئے کہیں ایک لفظ بھی ان معنی کا نہیں پاوینگے کہ کوئی طوفان ملک میں خصوصاً حیدر آباد میں آئے گا۔ مرزا صاحب اور انکے قائم مقاموں کی عادت ہے کہ نکتہ بعد الوقوع بہت نکالا کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی ایک ہے۔

حکیم صاحب! آپ تمام اشتہار پڑھ کر ہمارے سامنے کسی لفظ پر نشان لگا دیں کہ یہ لفظ طوفان حیدر آباد کی طرف اشارہ ہے تو ہم بھی آپ کو اپنا خلیفہ بنا لیں گے۔ یاد رہے کہ متکلم کے خلاف منشاء تفسیر ہم نہیں سنیں گے نہ کوئی دانا اس کو مانے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ اور آپ کے معتقدین، گورنظامی، کے لفظ میں نظامی سے، حضور نظام، اور گور سے شہر حیدر آباد مراد لیں، مگر ہم ایسی مرادوں سے سوال نہیں کرتے بلکہ سیاق کلام چاہتے ہیں۔ غضب ہے متکلم (مرزا) تو اپنا مدعا اس اشتہار سے دوسرا زلزلہ عظیمہ بتلاتا ہے اور کھلے لفظوں میں کہتا ہے کہ: یہ دونوں زلزلے میری سچائی ظاہر کرنے کے لئے دو نشان ہیں۔ مگر حکیم صاحب اس کو طوفان پر چسپاں کریں تو اس طوفان بے تمیزی کا کیا انتظام؟

ہم حکیم نورالدین اور دیگر معتقدین مرزا کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ مرزا صاحب کی کوئی ایک پیش گوئی کھلے کھلے لفظوں میں حیدر آباد کی بابت دکھا دیں تو ہم سے منہ مانگا انعام پاویں۔

پیش گوئی بابت ڈاکٹر ڈوئی

امریکہ میں ایک شخص ڈاکٹر ڈوئی جو (بقول مرزا صاحب) مدعی نبوت تھا، مرزا صاحب کی زندگی میں مرا تھا۔ اس کی بابت حکیم صاحب لکھتے ہیں:

> ہندوستان میں لیکھ رام اور امریکہ میں کاذب مدعی نبوت ڈاکٹر ڈوئی اس کی تیر دعا کا نشانہ بن کر ہلاک ہوا۔ اور ہندوستان اور امریکہ اور یورپ میں اس مصدوق انسان کی دو زبردست پیشگوئیوں کو پورا کر کے اسکے دعاوی کی صداقت پر مہر لگا گیا۔ (صحیفہ آصفیہ صفحہ ۴۶ طبع اول)۔

ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے ڈوئی کے متعلق کوئی پیش گوئی نہیں کی تھی، جو کی تھی وہ بھی غلط نکلی۔ مرزا صاحب اور حکیم صاحب کی طرح ہم صرف زبانی باتیں کرنے کے عادی نہیں بلکہ واقعات پیش کرتے ہیں۔

مرزا صاحب نے ڈاکٹر ڈوئی کو ایک دفعہ دعوت دی جس کے اصل الفاظ یہ ہیں:

ڈوئی صاحب تمام مسلمانوں کو بار بار موت کی پیش گوئی نہ سناویں بلکہ ان میں سے صرف مجھے اپنے ذہن کے آگے رکھ کر یہ دعا کریں کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرجائے کیونکہ وہ یسوع مسیح کو خدا جانتا ہے مگر میں اس کو ایک بندہ عاجز مگر نبی جانتا ہوں۔ اب فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ دونوں میں سے سچا کون ہے۔ چاہیے کہ اس دعا کو چھاپ دے اور کم سے کم ہزار آدمی کی اس پر گواہی لکھے اور جب وہ اخبار شائع ہو کر میرے پاس پہونچے گی تب میں بھی بجواب اس کے یہی دعا کرونگا اور انشاء اللہ ہزار آدمی کی گواہی لکھدونگا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ڈوئی کے اس مقابلہ سے اور تمام عیسائیوں کیلئے حق کی شناخت کیلئے ایک راہ نکل آئے گی

(ریویو آف ریلی جنز بابت ستمبر ۱۹۰۲ء ص ۳۴۴)

اس عبارت کو دیکھ کر ہر ایک عالم اور جاہل سمجھ سکتا ہے کہ مرزا صاحب نے ڈوئی کی نسبت کیا لکھا ہے، کوئی دعا یا مباہلہ نہیں کیا۔ بلکہ درخواست ہے کہ تم ایسا کرو۔ اس کے ایسا کرنے کی صورت میں مرزا صاحب فرماتے ہیں:

مسٹر ڈوئی اگر میری درخواست مباہلہ قبول کرے گا اور صراحتاً یا اشارۃً میرے مقابلہ پر کھڑا ہوگا تو میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ اس دنیا فانی کو چھوڑے گا۔

(ریویو، اپریل ۱۹۰۷ء ص ۱۴۴)

پس اب تنقیح طلب امر صرف یہ ہے کہ کیا ڈوئی نے ایسا کیا؟ یعنی حسب منشاء مرزا صاحب اس نے مباہلہ کیا؟ اس کے جواب میں بھی ہم اپنی نہیں کہتے بلکہ مرزا جی کے ماہور رسالہ ریویو سے اصل حال بتلاتے ہیں، جو یہ ہے

باوجود کثرت اشاعت پیش گوئی کے ڈوئی نے اس چیلنج کا کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی اپنے اخبار لیوز آف ہیلنگ میں اس کا کچھ ذکر کیا۔ (ریویو۔ اپریل ۱۹۰۷ء ص ۱۴۲)

پس اب مطلع بالکل صاف ہے کہ مرزا صاحب نے ڈوئی کو جو شرطیہ دعوت دی تھی وہ اس نے قبول نہیں کی۔ یعنی حسب مراد مرزا صاحب ڈوئی نے دعا موت نہیں کی لہذا وہ مرزا صاحب کی نہ دعا کے ماتحت آیا نہ پیش گوئی کی زد میں پھنسا۔ ہاں مرزا صاحب کے اس شرطیہ کلام سے کہ:

ڈوئی میری درخواست قبول کرے گا تو میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت سے دنیا کو چھوڑیگا،

یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ بغیر قبول کرنے دعوت مرزائیہ کے ڈوئی کا مرزا جی کی زندگی میں

مرجانا مرزاجی کی کافی تکذیب کرتا ہے مگر سمجھنے کو دل و دماغ صحیح چاہیے۔

حکیم صاحب یا کوئی صاحب ہم کو مرزاجی کی کسی تحریر سے ڈوئی کے متعلق صاف الفاظ میں کسی قسم کی پیش گوئی دکھادیں تو ہم تسلیم کرینگے اور کچھ انعام بھی دیں گے۔

مرزاجی کے دوستو! ہمت کرو، مرد میدان بنو۔ سامنے آؤ۔ منہ نہ چھپاؤ۔

دیوانے کی بڑ

قادیانی پارٹی کو تصنیف کتب میں ایسا ملکہ ہے کہ واقعات بھی اپنی طرف سے تصنیف کر لیتے ہیں حالانکہ واقعات کسی کے تابع نہیں ہوتے۔ اگر اس کی مثال واقعات میں ہم نہ بتلا دیں تو پھر ہمارا دعوی بھی، دیوانے کی بڑ، سے کم نہ ہوگا۔ اس لئے ہم قادیانی صحیفہ آصفیہ ہی سے واقعات پیش کرتے ہیں۔ حکیم صاحب لکھتے ہیں:

> آپ (مرزا) کی بعثت سے آپ کے وصال تک صدہا مکذب آپ کے مقابل اٹھے جنہوں نے آپکی توہین پر کمر باندھی لیکن خدا تعالی نے انہیں ذلیل وخوار کیا جو آپکے مقابل آیا ہلاک ہوا جس رنگ میں کسی نے آپکی ذلت کا ارادہ کیا اسی طرح کی ذلت اسے نصیب ہوئی۔ آپکے مکفرین یکے بعد دیگرے قریباً کل کے کل دنیا سے اٹھائے گئے (صحیفہ آصفیہ ص ۵۳ طبع اول)

یہ ایک ایسا سفید جھوٹ ہے کہ شاعرانہ مبالغہ بھی اس کی حد تک نہیں پہنچ سکتا۔ واقعات صحیحہ اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ پنجاب میں بڑے مکذب اور سخت مخالف آپکے اصحاب ذیل تھے:

۱۔ مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی۔

۲۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی۔

۳۔ مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی مقیم امرتسر۔

۴۔ مولوی صوفی عبدالحق صاحب غزنوی مقیم امرتسر۔

۵۔ شمس العلماء مولوی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی مقیم لاہور۔

۶۔ مولوی اصغر علی صاحب روحی مقیم لاہور۔

۷۔ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ۔ اور

۸۔ یہ خاکسار ابوالوفاء ثناءاللہ جس کی بابت مرزا صاحب تتمہ حقیقت الوحی صفحہ ۳۰ میں لکھتے ہیں:

> مولوی ثناءاللہ صاحب آج کل ٹھٹھے ہنسی اور توہین میں دوسرے علماء سے بڑھے ہوئے ہیں۔

حکیم صاحب ! آپ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب مکذبین مر گئے ۔
قادیانی مشن کے ممبرو! یہ سب لوگ خدا کے فضل سے (۱۹۰۹ء میں) زندہ ہیں ۔ گو ان میں سے بعض (یعنی ڈاکٹر عبدالحکیم خان اور ابوالوفاء ثناء اللہ) کی موت دیکھنے کی ہوس تمہارا مسیح موعود دل میں رکھتا تھا، جس کا اظہار بھی اس نے کئی ایک دفعہ کیا مگر آخر کار نتیجہ وہی ہوا جو قرآن مجید نے بتلایا ہے یعنی لا یحیق المکر السیّ الا باھلہ (یعنی چاہ کندرا چاہ درپیش) جس کی مختصر کیفیت کسی زندہ دل کے کلام میں یوں ہے

لکھا تھا کاذب مرے گا پیشتر　　　　کذب میں سچا تھا پہلے مر گیا

ناظرین! یہ ہیں قادیانی مشن کی ابلہ فریبیاں اور دھوکہ بازیاں کہ واقعات کو از خود تصنیف کر لیتے ہیں ۔ اسی طرح یہ دعوی بھی قادیانی مشن ہی کی ایجاد ہے کہ :

اسلام کے کل مخالفوں نے مرزا صاحب کو سلطان القلم قرار دیا ۔ (صحیفہ آصفیہ ص ۱۴)

محض کذب اور صریح جھوٹ ہے سچے ہو تو کسی مخالف کی شہادت پیش کرو ۔ ہاں ہم بتلاتے ہیں کہ اسلام گرونانک پر مرزا کی تحریر کا جواب جو سکھوں نے دیا تھا اس میں لکھا تھا کہ :

مرزا صاحب کی تحریرات کسی شریف آدمی کے پڑھنے کے لائق نہیں ۔

شائد قادیانی اصطلاح میں سلطان القلم ہونے کی سند یہی ہے ۔ اگر یہی ہے تو ہمیں بھی انکار نہیں ۔

عقائد مرزا

اخیر رسالہ میں ہم مختصر لفظوں میں بتلاتے ہیں کہ مرزا اپنے حق میں کیا کہتے تھے:

۱ ۔ جس مسیح موعود اور مہدی مسعود کے آنے کی حدیثوں میں خبر آئی ہے وہ میں ہوں ۔ (ازالہ اوہام)

۲ ۔ ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو　　　　اس سے بہتر غلام احمد ہے (دافع البلاء)

۳ ۔ اینک منم کہ حسب بشارات آمدم　　　　عیسی کجاست تا بنہد پا بمنبرم (ازالہ اوہام)

منم مسیح زمانم منم کلیم خدا　منم محمد و احمد کہ مجتبی باشد (تریاق القلوب)

۵ ۔ فلا یقیسونی باحدٍ ولا احداً بی (پس مرا بدیگرے قیاس مکنید و نہ دیگرے را بمن مقائیسہ نمائید ۔ مجھے کسی دوسرے کے ساتھ قیاس مت کرو، اور نہ کسی دوسرے کو میرے ساتھ) (خطبہ الہامیہ ص ۵۲)

۶ ۔ وشمس لا یحجبھا دخان الشماس (آفتابے ہستم کہ دخان دشمنی و کینہ اور انمی پوشد ۔ میں سورج ہوں جس کو دشمنی اور کینہ کا دھواں چھپا نہیں سکتا) ۔ (خطبہ الہامیہ ص ۵۲)

انا خاتم الا ولیاء لا ولی بعدی الا الّذی ھو منّی (میں خاتم الاولیاء ہوں میرے بعد کوئی ولی نہیں ہوگا مگر وہ جو مجھ سے ہوگا، یعنی میری امت سے ہوگا)۔(خطبہ الہامیہ)

قد می علی منارة ختمت بھا کل رفعة (میرا قدم ایک ایسے منارے پر ہے جس پر ہر ایک بلندی ختم ہے (یعنی میں رتبے میں سب سے بڑا ہوں) (خطبہ الہامیہ)

۹۔ جو میری بیعت میں آتا ہے وہ حضرت محمد ﷺ کے اصحاب میں شامل ہو جاتا ہے (خطبہ الہامیہ)

۱۰۔ قرآن شریف میں جو آیت ہے یا تی من بعدی اسمہ احمد، اس احمد سے مراد میں ہوں ۔(ازالہ اوہام ۔ ص ۶۷۳)

مباحثہ رام پور

ہز ہائی نس نواب صاحب رام پور کے ملازموں میں ایک صاحب (منشی ذوالفقار علی) قادیانی تھے۔ ان کے چچیرے بھائی حافظ احمد علی خان ان کے مخالف تھے۔ اسلئے دونوں بھائیوں میں ہز ہائی نس کے سامنے تکرار رہتی، تو ہز ہائی نیس نے حکم دیا کہ سرکاری خرچ پر دونوں فریق اپنے اپنے علماء کو بلاؤ ہم مباحثہ کرائیں گے۔ چنانچہ ۱۵ جون کو میدان مباحثہ میں ہز ہائی نیس نواب صاحب کے حضور میں فریقین کے علماء پیش ہوگئے۔ قادیانی جماعت کے چیدہ چیدہ ممبر سب موجود تھے ادھر علماء اسلام بھی بکثرت شریک تھے۔ مناظرہ کے لئے راقم آثم منتخب ہوا۔ حضور نواب صاحب بنفس نفیس تمام ایام مباحثہ میں جلوہ فرما رہے۔ مباحثہ تقریری تھا اس لئے روئداد تو شائع نہ ہوئی۔ ہز ہائی نیس نے خاکسار کو جو سرٹیفکیٹ عنایت فرمایا اس سے کیفیت مناظرہ معلوم ہوسکتی ہے جو ناظرین کی اطلاع کے لئے درج ہے:

> رام پور میں قادیانی صاحبوں سے مناظرہ کے وقت مولوی ابوالوفا محمد ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی۔ مولوی صاحب نہایت فصیح البیان ہیں، اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید کی، اسے بدلائل ثابت کیا۔ ہم ان کے بیان سے محظوظ و مسرور ہوئے۔ دستخط۔ محمد حامد علی خان (والی رام پور)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ ابوالوفا ثناء اللہ۔ ۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ۔ ۳ نومبر ۱۹۰۹ء۔ (صحیفہ محبوبیہ ملخصاً ختم ہوا۔ بہاء)

تبصرے و تقریظات

☆ تحریک ختم نبوت حصہ سوم (طبع دسمبر ۱۹۰۵ء، ناشر۔ مکتبہ ترجمان دہلی) پر تبصرہ فرماتے ہوئے محترم جناب ابن احمد نقوی لکھتے ہیں:

قادیانیت..کو افرنگی استعمار نے وہابیوں کے جذبہ جہاد کو سرد کرنے اور تحریک جہاد حریت کو ناکام بنانے کے لئے پرورش کیا اپنے آغاز سے ہی شجر خبیثہ کی طرح ما لھا من قرار کا مصداق بنی رہی۔ غیر ملکی حکمران یہ سمجھتے تھے کہ قادیانی نبوت کی طرف سے جہاد کی منسوخی کے اعلان کے بعد مسلمان اپنی تحریک ختم کردیں گے اور پھر ان کے سب سے بڑے دشمن وہابیوں کے بے لچک موقف اور انگریزوں سے ان کی نفرت کا دور ختم ہو جائے گا، لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ امیدیں گھوڑے نہیں ہوتیں کہ سب ان پر سواری کریں، استعماری سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مسلمان مسلکی اختلافات کو فراموش کر کے مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر پر متفق ہو گئے۔ اس اجماع سے قادیان کا وہ پودا، جسے غلام احمد قادیانی برٹش سرکار کا خود کاشتہ پودا کہتے تھے، سر اٹھاتے ہی مرجھانے لگا۔...

چونکہ قادیانی نبوت وہابیوں کی تحریک جہاد کے خلاف برپا کی گئی تھی اس لئے وہابیوں نے ہی سب سے زیادہ مہلک وار اس پر کئے۔ مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے سب سے پہلے غلام احمد قادیانی کے کفر کا جملہ علمائے کرام سے فتویٰ حاصل کیا اور شیخ الاسلام علامہ امرتسری اور ان کے مؤقر جریدہ اہل حدیث نے قادیانی نبوت کے خلاف جو علم بلند کیا، اس نے مرزائے قادیان کو اس درجہ حواس باختہ کیا کہ مباہلہ کا چیلنج دیا۔ اور اپنی بددعا سے خود ہلاک ہو گیا۔...

اس سلسلے میں ایک بڑی عبرت کی بات یہ ہے کہ جہاں مسلمان متفقہ طور پر قادیانیت کی نبوت کاذبہ کے خلاف سر پر کفن باندھ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے وہیں بعض غیر مسلم حضرات نے قادیانیت کی حمایت پر کمر باندھی۔ لاہور کے ایک ڈاکٹر بنارسی داس نے ایک مضمون میں قادیانیت کی حمایت میں دلائل دیتے ہوئے لکھا کہ اگر مسلمان قادیانیت کو قبول کر لیتے ہیں تو اس سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ مسلمانوں میں ہندوستانی قومیت پر فخر کا جذبہ بیدار ہو گا۔ وہ عرب کی طرف دیکھنے کی بجائے ہندوستان کی طرف دیکھیں گے اور سچے ہندوستانی قوم پرست بنیں گے۔ جو لوگ

یہ نیا دین قبول کریں گے ان کے لئے مکہ و مدینہ کی بجائے قادیان مرکز عقیدت ہو گا۔ قادیان پنجاب میں ہے اور پنجاب ہندوستان کا صوبہ ہے اس لئے ہندوستان دنیا بھر کے قادیانیوں کا مرکز ہو گا۔ اور ہم سب ہندوستانیوں کے لئے خوشی کی بات ہو گی کیونکہ ہندوستان روحانی مرکز بن کر ابھرے گا۔ اس طرح ڈاکٹر بنارسی داس دن میں اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر سنہرے سپنے دیکھتے رہے۔ حالات کی نیرنگی دیکھئے کہ پنڈت جواہر لعل نہرو جو خود ملحد تھے، یعنی مذہب کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے، وہ بھی قادیانیت کی حمایت میں میدان میں کود پڑے۔ جب علامہ اقبال نے قادیانیت کے رد میں انگریزی مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا تو پنڈت جی نے قادیانیت کے حق میں اور علامہ اقبال کی تردید میں مضامین لکھنے شروع کئے۔ یہ ایک معمہ ہے کہ جواہر لعل نہرو جیسا شخص جو خود اپنے مذہب یعنی ہندو دھرم سے بھی عملاً بے نیاز تھے، انہیں قادیانیت کی حمایت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ شاید پنڈت نہرو جی بھی ڈاکٹر بنارسی داس کی طرح ہندوستان کو روحانی مرکز دیکھنے کے متمنی تھے، یا شائد وہ علامہ اقبال جیسے عبقری وقت کو چیلنج کر کے اپنی روشن خیالی اور وسیع المشربی کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے، بہر کیف قادیانی پنڈت جی کی اس حمایت پر ان کے اس قدر شکر گزار ہوئے کہ جب وہ لاہور گئے تو ریلوے سٹیشن پر قادیانی رضا کاروں نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔

لیکن باطل کبھی دیرپا نہیں ہوتا انّ الباطل کان زھو قاً افرنگی استعمار کی سرپرستی یا ہندوستان کے روشن خیالوں کی حمایت وہمدردی قادیانیت کو بیساکھیاں فراہم نہ کرسکیں اور وہ خلیفہ مرزا محمود جو قادیان میں کھڑے ہو کر اعلان کرتا تھا کہ اب مکہ مدینہ ویران ہو چکے ہیں اور صرف قادیان ہی شاداب ہے، وہ خود خوار و رسوا ہو کر مرا... قادیانی جن کا پاکستان میں وہ دبدبہ کہ محمد علی جناح کے مرنے کے بعد ظفر اللہ خان پاکستان کا گورنر جنرل بننے کا مدعی تھا اور اسے اس وقت بھی ایسا اقتدار حاصل تھا کہ تحریک ختم نبوت کے کارکنان نے جب وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے مطالبہ کیا کہ وزیر خارجہ ظفر اللہ خان کو وزارت سے نکال دیا جائے تو خواجہ صاحب نے انہیں سمجھایا کہ اس قسم کا قدم اٹھانے پر امریکہ پاکستان کو گیہوں دینا بند کر دے گا، یعنی افرنگی استعمار کی سرپرستی ختم ہو جانے پر قادیانیوں کو امریکی سرپرستی حاصل ہو گئی محض اس لئے کہ قادیانیت اسلام کی حریف بن کر ابھری تھی اور تثلیث ہر اسلام دشمن کو اپنا دوست اور جگر گوشہ سمجھتی ہے۔ لیکن انجام کار پاکستان نے چودھری ظفر اللہ خان سے یوں پیچھا چھڑایا کہ اسے عالمی عدالت کا جج بنوا کر ہیگ بھیج دیا۔ اس کے بعد بھی پاکستان کے ہر شعبہ پر قادیانیوں کی مضبوط گرفت تھی۔ فوج، انتظامیہ، عدلیہ، مقننہ ہر

جگہ ان کے مقتدر افراد موجود تھے اور وہ قادیانیت کو ہی اصل اسلام سمجھتے اور قرار دیتے تھے اور دنیا میں اس کی تبلیغ کرتے تھے۔لیکن جب حکومت پاکستان نے قانون کے ذریعہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا تو ان کی جڑیں ٹوٹ گئیں ان کا خلیفہ مع اپنے رفقاء کے پاکستان سے بھاگ کر انگلینڈ چلا گیا۔اب وہیں ان کا ہیڈ کوارٹر ہے۔

قادیانیوں کے پاس اپنی صداقت کے لئے کوئی ثبوت نہیں ہے۔علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید نے لکھا تھا کہ قادیانی بتائیں کہ مرزا غلام احمد کی نبوت سے امت یا انسانیت کو کون سا اخلاقی، روحانی، مادی و معاشرتی فائدہ پہنچا۔مسلمانوں کا کون سا مسئلہ تھا جو اس نبوت کے سر اٹھانے سے دب گیا یا ختم ہو گیا۔قادیانی صرف اپنی ضد اور مرزا کے دعاوی کی پاسداری میں ایک ایسے مسلک سے وابستہ ہیں جس کا کوئی مستقبل نہیں۔نہ ایسا ماضی ہے جس پر فخر کیا جائے نہ حال میں انہیں کوئی اعزاز واکرام حاصل ہے پھر بھی وہ ایک فاسد عقیدہ کا مردار پرندہ اپنی گردن میں ڈالے ہوئے ہیں۔مرحوم انوار علی خان سوز جامعہ ملیہ اسلامیہ میں انگریزی کے استاد تھے،دین کا گہرا شعور رکھتے تھے، ایک بار وہ قادیان گئے اور قادیانیوں کے مقامی سربراہ سے بات کی اور کہا کہ آخر آپ اسلام کے دائرہ میں واپس کیوں نہیں آجاتے۔سربراہ کا اصرار تھا کہ ہم مسلمان ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے قائل بھی لیکن اگر ہم مسلمانوں کے سواد اعظم میں لوٹ جائیں تو یہ ہماری امتیازی شناخت عقیدہ اور مسلک ہے اس سے ہمیں دستبردار ہونا پڑے گا اور یہ بات کوئی احمدی قبول نہیں کرے گا۔یعنی اصل مسئلہ اپنی امتیازی شناخت (قادیانی نبوت سے وابستگی) کا ہے اور محض ان کی خاطر یہ سارا کارخانہ چلایا جارہا ہے۔

قادیانیت کے رد میں جس قدر لٹریچر اہل حدیثوں نے فراہم کیا ہے کوئی دوسرا اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔صرف مولانا محمد حسین بٹالویؒ اور شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ کے اسماء گرامی ہی اتنے اہم ہیں کہ ابطال قادیانیت کے لئے ان سے بڑے نام نہیں ہیں۔رد قادیانیت یا تحریک ختم نبوت میں کے سلسلے میں علامہ احسان الٰہی شہید کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ان کی کتابیں القادیانیہ اور اردو میں مرزائیت اور اسلام بڑی وقیع ہیں اور عالمی سطح پر ان کی اشاعت نے قادیانیت کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے میں اہم کام کیا ہے۔خصوصاً براعظم افریقہ کے ممالک میں القادیانیۃ نے صداقت کو عام کرنے میں قابل تحسین کام کیا ہے۔

(زیر نظر کتاب) تحریک ختم نبوت بھی اسی سلسلے کی اہم کتاب ہے۔اس سیریز کے چار

حصے منظر عام پر آچکے ہیں اور یہ ایک قاموسی انداز کا کام ہے اور اس میں قادیانیت کا ابطال خود مرزا اور اس کے خلفاء کی تحریروں کے حوالے سے کیا گیا ہے اس طرح یہ ناقابل تردید حقائق ہیں اور ان واعظین اور مبلغین کیلئے بطور خاص مفید ہیں جو ردقادیانیت کیلئے تصنیفی یا تقریری طور پر سرگرم ہونا چاہتے ہیں۔ کتاب (جلد سوم) کے آخر میں ان گراں مایہ شخصیتوں کا تعارف اور خدمات پیش کی گئی ہیں جنہوں نے تحریک ختم نبوت میں سرفروشانہ حصہ لیا۔ ظاہر ہے کہ ان میں سب سے بڑا نام شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری کا ہے اور سوانحی خاکہ میں بڑی تفصیل سے شیخ الاسلام کی گراں قدر خدمات کو بیان کیا گیا۔ اس سے کتاب کی اہمیت وافادیت میں کئی گنا اضافہ ہوگیا ہے اور بعض ایسے علماء اور افراد کے تذکرے بھی آگئے ہیں جنہیں لوگ فراموش کر چکے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب ان بھولے ہوئے علماء اور مجاہدین تحریک ختم نبوت کی بازیافت کی دستاویز بھی بن گئی ہے اور ہماری ماضی قریب کے کئی گوشے بھی ان عظیم المرتبت علماء کے تذکرے کے تحت فروزاں ہو گئے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ امرتسری کے مؤقر جریدہ اہل حدیث میں قادیانی مشن کے نام سے ایک مستقل کالم ہوتا تھا جس میں قادیانیت کی تردید میں بڑی اہم علمی باتیں ہوتی تھیں۔ اگر قادیانی مشن کے تحت مطبوعہ شذرات کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تو تحریک ختم نبوت کے ایک تاریخی باب کی تالیف ہوگی۔ غالباً جمعیت اہلحدیث پاکستان اور الاعتصام کے دفتر میں اہل حدیث امرتسر کے پرانے شمارے دستیاب ہوں یا پھر پنجاب یونیورسٹی لائبریری یا دیگر اہلحدیث علماء یا افراد کے پاس اس کی فائلیں ہوسکتی ہیں۔ ان کی تالیف بڑا معرکہ آراء کام ہوگا۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند یا جمعیت اہل حدیث پاکستان کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے اگر ابھی تک یہ کام نہیں ہوا ہے تو اب اسے ضرور پایہ تکمیل کو پہنچایا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تحریک ختم نبوت سے متعلق لٹریچر کو ہندی اور انگریزی میں منتقل کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے (ہند میں) ہماری نئی نسل اردو سے بہت حد تک بے بہرہ ہوچکی ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے طلباء انگریزی جانتے ہیں یا ہندی، اس لئے ان تک قادیانیت کی اصلیت کا پیغام پہونچانے کے لئے یہ تراجم نہایت ضروری ہیں۔ پاکستان سے پسپا ہونے کے بعد اب قادیانیت ہندوستان میں پھر اپنا جال پھیلانے کی کوشش کر رہی ہے اور چونکہ ان کا شکار عام طور یہی نوجوان ہوتے ہیں جنہیں دین کا صحیح شعور اور معلومات نہیں ہیں وہ مرزائی مبلغین کیلئے آسان شکار مانے جاتے ہیں۔ ان نوعمر تعلیم یافتہ افراد میں دینی جذبہ ہوتا ہے، اس

لئے وہ اپنی سادہ لوحی سے تبلیغی جماعت کے چلّوں میں شریک ہوتے ہیں یا اسلام کے نام پر قادیانی تدلیس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وقت کی اہم ضرورت یہ ہے کہ ملت کے ان نوجوانوں کو ان خرافات سے بچایا جائے اور دین کا صحیح شعور ان کے اندر پیدا کیا جائے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کو علاقائی اور دیگر زبانوں میں تحریک ختم نبوت یا رد قادیانیت کے بارے میں علماء خصوصاً اہلحدیث علماء کی خدمات سے باخبر کرنا چاہیے اسی کے ساتھ قادیانیت کے اصلی چہرے سے دین کی نقاب نوچ پھینکی جائے۔ اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رد قادیانیت پر جمعیت کے ہندی اور انگریزی جرائد میں سلسلہ وار مضامین شائع کئے جائیں اور انہیں خاص طور پر ان علاقوں میں پہنچایا جائے جہاں قادیانی زیادہ سرگرم ہیں۔ اخباروں میں یہ خبریں آچکی ہیں کہ قادیانیوں نے دور دراز کے ان دیہی علاقوں کو اپنا نشانہ بنایا ہے جہاں غریب ناخواندہ یا نیم خواندہ مسلمان بستے ہیں اور دین کی صحیح فہم یا شعور سے بہت زیادہ واقف نہیں ہیں۔ مغربی ملکوں میں قادیانیوں کے پاس وسائل بھی ہیں اور سرمایہ بھی اور وہ فراخ دلی سے اپنے مبلغین کی کفالت کرتے ہیں ... جب کہ تقسیم (ہند) کے بعد مسلمان فنا اور بقاء کے مراحل میں ایسے الجھے ہوئے ہیں کہ دوسری طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہوسکتے۔ لیکن یہ بنیادی کام ہے اور ملت کو اسے بھی اپنی جہد للبقاء کا ایک حصہ سمجھنا چاہیے۔ اگر قادیانی اسلام کے نام پر اپنی دسیسہ کاریوں میں کامیاب ہو گئے تو ملت اور دین کا یہ ناقابلِ تلافی نقصان ہوگا۔ تقسیم ہند سے پہلے جماعت اہل حدیث اس محاذ پر سب سے زیادہ سرگرم تھی اور اس کا ماضی بے حد تابناک ہے لیکن اب ہر دینی تنظیم حالات کے جبر کا شکار ہے، اور اہل حدیثوں کو خاص طور پر آزمائشوں اور چیلنجوں کا سامنا ہے۔ لیکن نامساعد حالات کے باوجود جماعت اور جمعیت کو اپنے ماضی کی روشن روایات کو زندہ رکھنا چاہیے۔ عالمی سطح پر اہل حدیث قادیانیت کے خلاف جو کام کر رہے ہیں ان کوششوں کو مربوط کرنا اور زیادہ مؤثر اور منصوبہ بند طریقہ پر بروئے کار لانا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ہماری جماعت کے جو لوگ اس میدان میں سرگرم عمل ہیں جمعیت کو ان کی تصنیفی کاوشوں سے استفادہ کرنا چاہیے اور اپنے تصنیفی پروگرام میں انہیں شامل کرنا چاہیے۔ آج مسلمان، عیسائی یا بہائی یا دیگر مذاہب کے مبلغین کا شکار نہیں ہوتے لیکن قادیانیت کو اصل اسلام سمجھ کر ارتداد کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہم سب کو اس طرف توجہ کرنا چاہیے یہ پوری امت کی ذمہ داری ہے۔ کسی خاص مسلک یا جماعت تک یہ محدود نہیں۔ ہم سب اس کیلئے مسئول اور مامور ہیں۔

(جریدہ ترجمان دہلی۔ جون ۲۰۰۷ء)

☆ تحریک ختم نبوت حصہ سوم (طبع دسمبر ۲۰۰۵ء ناشر مکتبہ ترجمان دہلی) اور حصہ چہارم (طبع ۲۰۰۶ء، ناشر مکتبہ ترجمان دہلی) پر تبصرہ فرماتے ہوئے محترم جناب ابن احمد نقوی لکھتے ہیں:

.....قادیانی اپنے چہروں پر مسلمان ہونے کا نقاب ڈالے رہتے ہیں۔ اسلام کا نام لے کر اپنی بے اصل تبلیغ کا جال پھیلاتے ہیں اور سادہ لوح افراد کو اپنے دام ہم رنگ زمین میں اسیر کرتے ہیں۔لیکن مسلمان بھی غافل نہیں ہیں۔انہوں نے شروع سے آخر تک قادیانیوں کے دجل وکذب کا پردہ فاش کیا اور اس جہاد اکبر میں جماعت اہل حدیث کے اکابر صف اول میں رہے ہیں حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ اور ان کے ممتاز شاگرد مولانا محمد حسین بٹالویؒ، ان کے شریک کار علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ فاتح قادیان، علامہ محمد بشیر سہسوانی تلمیذ حضرت میاں صاحب کا ذکر کئے بغیر رد قادیانیت کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔خود مرزا غلام احمد کی تحریریں ان کے ذکر سے پر ہیں۔ انہی اکابر نے مرزا کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ پھر علامہ احسان الٰہی ظہیر نے یہ میدان سنبھالا اور... وہ عصر حاضر میں قادیانیت کے خلاف جہد و جہاد کے امیر کبیر بن گئے۔انہوں نے جس بے باکی سے قادیانیت کو عریاں کیا، ان کے قلم کی آتش فشانی سے مرزائی لاہوری اور مرزائی قادیانی دونوں کباب ہوگئے۔اللہ نے انہیں زبان وقلم کا وہ زور بخشا تھا کہ شمشیر برہنہ کی طرح کام کرتے تھے۔

اب ان اہل قلم میں ایک نام ڈاکٹر محمد بہاء الدین کا بھی شامل ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو قاموسی انداز کی تحریریں لکھنے میں مہارت ہے۔ وہ جب لکھتے ہیں تو پوری تفصیل سے جزئیات کا احاطہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔تحریک ختم نبوت کی یہ سلسلہ وار کتب ان کے وسعت مطالعہ، ژرف نگاہی اور اصل مواد تک ان کی کامل دسترس کی شاہد ہیں۔تحریک ختم نبوت جلد سوم اور چہارم ایک ہزار سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں اور یہ تحریر ایک مستند تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔حصہ اول اور دوم کو سامنے رکھا جائے تو یہ انسائیکلوپیڈیا بن جائے گی۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے یہ دونوں حصے (سوم اور چہارم) شائع کئے ہیں جو اس کے اشاعتی پروگرام کا ایک اہم حصہ ہیں۔اس سلسلہ کی اشاعت کیلئے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم اعلی حضرت مولانا اصغر علی سلفی نے خود مؤلف سے رابطہ قائم کرکے ان سے جمعیت کے لئے یہ کتابیں حاصل کیں۔فاضل مؤلف نے افتتاحیہ میں اس کا اعتراف کیا ہے..

جماعت اہل حدیث نے قادیانیت کی بیخ کنی میں جو سرفروشانہ جد و جہد کی ہے وہ

ہماری ملی تاریخ اور عالمی اسلامی تاریخ کا روشن باب ہے۔اس تناظر میں ناظم عمومی کا اس سلسلہ کتب کی مرکزی جمعیت اہل حدیث ھند کے زیر اہتمام شائع کرنے پر اصرار ایک فطری امر تھا۔ خوشی کی بات ہے کہ مؤلف ڈاکٹر بہاء الدین نے بھی اس جذبہ کو سمجھا اور جمعیت اہل حدیث ہند کو ردقادیانیت میں ایک اور سنگ میل قائم کر کے سعادت حاصل ہوئی۔

جمعیت اہل حدیث نے اسی سلسلہ اشاعت کے تحت علامہ ثناء اللہ امرتسری کی کتاب تاریخ مرزا اور مولانا محمد حسین بٹالویؒ کے فتاوی (جوانہوں نے تکفیر مرزا پر علماء امت سے حاصل کئے)، کو بھی شائع کیا ہے۔اوراس طرح اس موضوع پر ہمہ جہت اور مبسوط لٹریچر فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔تحریک ختم نبوت پر وسیع معلومات حاصل کرنے کیلئے اور ان فضلاء کیلئے جواس عنوان پر تحقیق و تحریر کا کام کرنا چاہتے ہیں یہ کتابیں بے حد مفید اور کار آمد ہیں۔ اور دینی جامعات میں انہیں منتہی طلبہ کے مطالعہ کیلئے خصوصی طور پر رکھا جانا چاہیے۔...(جریدہ ترجمان دہلی یکم مارچ ۲۰۰۸ء)

☆ مولانا محمد رمضان یوسف سلفی فیصل آبادی لکھتے ہیں:

انیسویں صدی کے آخر میں برصغیر کے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور ان کے درمیان مذہبی منافرت پیدا کرنے اور انہیں دعوت و جہاد کے پاکیزہ مشن سے دور رکھنے کیلئے انگریزوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے روپ میں جھوٹی نبوت کا دعویدار کھڑا کیا۔ جماعت اہلحدیث کی اوّلیات میں سے ہے کہ مرزا قادیانی کے خلاف پہلا فتوی تکفیر مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے مرتب کیا اور اس پر سب سے پہلے شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ نے دستخط ثبت کئے۔ پھر جس اہل حدیث عالم دین نے مرزا قادیانی کا مقابلہ کیا انہیں دنیا فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے نام سے جانتی ہے۔پاکستان میں سب سے پہلے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی بات مولانا محمد حنیف ندویؒ نے کی تھی۔... بلاشبہ علمائے اہل حدیث نے قادیانی تحریک کے خلاف بحث و مباحثے مناظروں مجادلوں اور تقریر و تحریر سے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔تاریخ کا یہ ایک روشن باب ہے اسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ردّ قادیانیت کے سلسلے میں ایک عرصے سے بعض الناس کی طرف سے تاریخی حقائق کو مسخ کر کے نہ صرف علمائے اہلحدیث کی ختم نبوت کے حوالے سے خدمات کو تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے بلکہ صحیح حالات واقعات سے دانستہ چشم پوشی کر کے اپنے بزرگوں کو ہیرو بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ان حالات میں ضرورت تھی کہ کوئی صاحب نظر اس

صورت حال کو ملحوظ رکھ کر علمائے اہل حدیث کی رد قادیانیت کے سلسلے کی خدمات کو اجاگر کرے۔
اللہ تعالی جزائے خیر دے اور صحت وسلامتی سے رکھے ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کو کہ انہوں نے اس کام اور خدمت کو نہایت محنت، توجہ اور خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا، اور تحریک ختم نبوت کے نام سے پانچ جلدوں پر مشتمل کتاب حوالہ قرطاس کردی۔ اس قابل قدر کتاب کی تین جلدیں قریباً تیرہ سو صفحات پر پاکستان میں مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں، اور باقی زیر طبع ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس کتاب میں سنین کے اعتبار سے تحریک ختم نبوت کا جائزہ لیتے ہوئے اس دور کے واقعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے مرزا قادیانی کی کتابوں سے اس کے افکار ونظریات، عقائد باطلہ، ہفوات وکذبات اور قادیانی نبوت کی جھوٹی پیشگوئیوں اور اس سے متعلقہ دیگر باتوں کو بیان کر کے اس کی سخت گرفت اور نکیر کی ہے
مبارک باد کے مستحق ہیں محترم ڈاکٹر صاحب کہ انہوں نے یہ کتاب لکھ کر جماعت اہل حدیث کی طرف سے قرض ادا کیا ہے۔ اللہ تعالی ان کی تحریری کاوش کو، جو کہ تحریک ختم نبوت کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا کر کے اسے ان کی اخروی نجات کا ذریعہ بنائے۔ (صحیفہ اہل حدیث کراچی۔ ۲۰۰۷ء)

☆ جناب ڈاکٹر عبدالوہاب انصاری ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث ایٹہ (یوپی۔ ہند) اس عاجز کے نام اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۱۶ نومبر ۲۰۰۶ء میں فرماتے ہیں:
میں نے دہلی سے کتاب تحریک ختم نبوت کی دوسری وتیسری جلد منگا کر پڑھی۔ اللہ پاک آپ کو جزائے خیر دے کہ خارج از اسلام فرقہ کا قلع قمع کرنے میں جن اسلاف نے خدمات انجام دی ہیں، آپ نے ان کا ذکر خیر احسن انداز میں کیا ہے بلکہ کتاب کے مطالعہ سے ایسا لگنے لگتا ہے کہ اگر ہمارے سامنے کوئی قادیانی آجائے تو اس سے مناظرہ، مباہلہ وغیرہ فوراً کرنے لگیں۔ کتاب کا انداز تحریر قاری کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کتاب میں اردو ادب کی بھی چاشنی موجود ہے جن میں سے کچھ کی نشان دہی کر رہا ہوں۔ جلد دوم (طبع دہلی) کے صفحہ ۳۸ پر آپ نے سید ابوالحسن تبتّی کا بیان کہ: اس روسیاہی کے بعد اس کو گدھے پر سوار کر کے کوچہ بکوچہ ان چاروں شہروں میں پھرایا جاوے اور بجائے دینے جرمانہ یا انعام آٹھ سو پچیس روپے کے صرف آٹھ سو پچیس جوتے حضرت اقدس (اکذب) کے سر مبارک پر رسید ہوں۔

صفحہ ۳۷ پر آپ نے لکھا کہ مکہ و مدینہ کے درمیان ریل کا جاری نہ ہونا ۹۴ سال (اب ۹۸ سال) کے بعد بھی مرزا کے جھوٹ کو بیان کر رہا ہے۔

صفحہ ۴۷ پر آپ نے خوب لکھا کہ : ۹۴ سال کا عرصہ گزر گیا۔ کیا کوئی مرزائی بتا سکتا ہے کہ براہین احمدیہ کی جلد ششم کہاں اور کب شائع ہوئی، اور جلد ہفتم کب اور کہاں شائع ہوئی اور جلد ۴۵ اور ۴۹ کہاں اور کب شائع ہوئیں؟

صفحہ ۷۷ پر کیا خوب لکھا ہے کہ : (مرزا صاحب) ۵۰ میں سے ۴۶ جلدوں کا مسودہ اپنے کفن میں لپیٹ کر قبر میں جا سوئیں تو وہ بھی نشان صداقت۔

ص ۱۵۹ تا ۱۶۳ پر (بسلسلہ جلسہ لاہور اور مقابلہ تفسیر نویسی) پیر مہر علی گولڑوی کی خدمات اور اہلحدیث اسلاف کی خدمات کو ایمان داری سے بیان کر دیا۔ جزاک اللہ

صفحہ ۲۰۵ سے ازالہ اوہام کی خوب تشریح کی ہے۔ صفحہ ۲۳۱ تا ۲۳۷ پر توفی کے معنی کی خوب وضاحت کی ہے۔ صفحہ ۲۳۷ تا ۲۹۵، یعنی ۵۷ صفحات پر براہین احمدیہ کے تعلق سے خوب تشریح کی۔

جلد سوم کے صفحہ ۹ پر حرف آغاز کے تحت میں اپنا نام دیکھ کر خوش ہوا کہ شائد قارئین مجھے بھی آپ کے ساتھ ساتھ دعاؤں میں یاد رکھیں لیکن اپنا نام بڑے بڑے علمائے کرام کے ساتھ دیکھ کر مجھے بڑی شرم آئی۔ آپ کو یہ لکھنا چاہیے تھا کہ قصبہ کا سکنج میں میرا ایک خادم رہتا ہے، میں اسے حکم کرتا ہوں تو وہ میرے حکم کو حتی الامکان بجا لانے کی کوشش کرتا ہے لہذا اس خادم کو بھی دعا میں شریک رکھیں۔ خیر اللہ آپ کو اجر عظیم سے نوازے۔

ص ۴۷ پر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور ان کی کتاب شہادۃ القرآن کا ذکر معلومات افزا ہے۔

ص ۵۳ پر عبدالحکیم پٹیالوی کے بارے میں معلومات ہوئیں۔ ۱۵۸ پر : اور اگر اجتہادی طور پر کہنے کے وقت بفرض محال مرزا صاحب کا الہام کنندہ سویا ہوا تھا یا کسی اور مصروفیت کے باعث مرزا صاحب کی طرف سے بے خبر تھا۔ بہت ہی چبھتا ہوا ہے۔ صفحہ ۱۳۸ تا ۱۴۸، اخبار اہلحدیث امرتسر کی لائف کے بارے اچھی جان کاری ہوئی

صفحہ ۱۶۶ پر خوب لکھا ہے : (پانچ اور پچاس کو برابر قرار دینے پر) ہمیں تو حیرت ہے کہ ان کے کسی مرید نے اس کلیہ کے پیش کرنے پر ان کا نام نوبل پرائز کے لئے تجویز کیوں نہیں کیا؟

صفحہ ۱۷۴ پر یہ پڑھ کر بہت ہی ہنسی آئی : مرزا برانڈ بنی فاطمہ کا خون۔

صفحہ ۲۰۳ پر لکھا کہ : پیش گوئی ایسی منحوس ثابت ہوئی کہ مرزا صاحب نے جس پر بھی چسپاں کی، اس

کی جان لینے سے باز نہیں آئی۔

صفحہ ۲۲۸ پر لکھا: ہاتھیوں کی لڑائی میں گھاس خواہ مخواہ روندا گیا۔

صفحہ ۳۷۳ پر لکھا: ایک طرف یہ عمر کا الزام بھی نامہ اعمال کے ساتھ نتھی ہو گیا۔

صفحہ ۲۹۲ کا یہ پیراگراف پڑھ کر بہت محظوظ ہوا:

وہ ہوائی جہاز میں سفر کر کے کسی شہر میں اتر کر فرماتے کہ دیکھو میں آسمان کے بادلوں سے آیا ہوں اس لئے میں ہی وہ مسیح موعود ہوں جس کا ذکر مسیح کی زبان سے انجیل متی میں ہوا ہے۔

تینوں جلدوں میں شخصیات کے ذکر سے کتاب میں چار چاند لگ گئے ہیں کیونکہ ہمیں اپنے اتنے اسلاف کی جان کاری ایک ہی موضوع کی کتاب میں مل گئی۔ اللہ پاک آپ کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

آخر میں، میں بھی وہی بات لکھوں گا جو امیر محترم مولانا ثناء اللہ سیالکوٹی مدظلہ العالی نے لکھی ہے کہ:

ڈاکٹر صاحب سے میری گذارش ہے کہ ان کا قلم چل پڑا ہے تو اسے مت روکیں اور اس طرح کے دیگر علمی گوہر بھی تلاش کر کے اہل علم کی ضیافت طبع کا اہتمام کریں۔

والسلام۔

☆ جناب ڈاکٹر عبدالوہاب انصاری ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث ایٹہ (یو پی۔ ہند) اس عاجز کے نام اپنے مکتوب گرامی مورخہ یکم فروری ۲۰۰۷ء میں جلد چہارم کی نسبت فرماتے ہیں:

میں نے ۳۰ دسمبر ۲۰۰۶ء کو کتاب تحریک ختم نبوت جلد۴ دہلی سے منگا کر دو مرتبہ مطالعہ کیا جو آج ۳۱ جنوری ۲۰۰۷ء کو بفضلہٖ تعالیٰ مکمل کیا۔ ایک مرتبہ سرسری مطالعہ کیا دوسری مرتبہ تدبر کے ساتھ۔ آپ نے اس جلد میں اصل ماخذوں سے کتاب کو مزین کیا ہے۔ آپ نے ۱۱۶ سال پرانے ماخذوں سے نئی نسل کو روشناس کرایا۔ واقعی یہ کام اللہ کے فضل و کرم سے ہی یہاں تک پہنچا ہے اور آئندہ بھی اللہ پاک اس کام کو تکمیل تک پہنچانے میں مدد فرمائے گا انشاء اللہ۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے جس کا اعتراف شیخ اصغر علی امام مہدی حفظہ اللہ نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

سب سے اہم یہ کہ اصل حقائق کی روشنی میں تاریخ کی ان کڑیوں کو ملانا بہت جان جوکھم کا کام ہے، کیونکہ ان جرائد و مجلّات کا کہیں یکجا طور پر حاصل ہو جانا بے حد

مشکل ہے، بہت سے مجلّات و جرائد کے اہم شمارے نہیں ملتے ۔ رسائل مل بھی گئے تو کرم خوردگی کی وجہ سے استفادہ مشکل اور بعض اوراق ایسے کہ فرسودگی کی وجہ سے اس سے استفادہ نہایت مشکل ۔بعض اجزاءاور شمارے ہندوستان میں مل رہے ہیں تو بعض کا وجود پاکستان میں،

گویا کہ در در کی خاک چھاننے کے بعد ہی یہ کام آج ہمارے سامنے ۲ ہزار صفحات کی شکل میں آیا ہے ۔ یہ کام بقول شیخ ثناء اللہ سیالکوٹی مدظلہ العالی آپ نے جنون کی حدتک محنت کر کے انجام دیا ہے اللہ پاک آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے ۔

صفحہ ۱۱ پر آپ کا یہ لکھنا کہ : محسوس ہوتا ہے کہ شائد یہ سلسلہ ابھی جاری رہے ؛ اس پر میں یہ اضافہ کروں گا کہ اللہ پاک اس سلسلہ کو ۱۹۱۲ء سے بھی آگے بڑھا دے ۔ مجھے امید ہے کہ ۱۹۱۲ء کے بعد کے واقعات کی ایک جلد تو اخبار اہل حدیث امرتسر کے ان شماروں سے ان شاء اللہ تیار ہو جائے گی جو میں نے آپ کو ۱۶ نومبر ۲۰۰۶ء کو بھیجے ہیں، اور آئندہ بھی آپ کی خدمت کرنے کو تیار ہوں ۔بس میں اسی دعا پر آمین کہتا ہے جو صفحہ ۶ پر مولانا اصغر علی صاحب نے لکھا ہے کہ : اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

جلد چہارم کے صفحہ ۱۲ تا ۴۰ پر آپ نے اس مراسلت کا ذکر تفصیلاً کیا ہے جو تحریک ختم نبوت کا نقطہ آغاز ہے ۔اس مراسلت کا ذکر اجمالاً جلد اول میں ہوا ہے، اب تفصیلاً ۔

ہر کام میں اللہ کی حکمت و مصلحت ہوتی ہے پہلی ۳ جلدوں میں تحریک ختم نبوت کے تعلق سے جو واقعات درج ہوئے کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً آسان پیرائے میں درج ہیں ۔اب چوتھی جلد سے واقعات تفصیلاً درج ہیں، بات سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی انشاء اللہ کیونکہ تین جلدوں کے مطالعہ سے قارئین کا ذہن بن چکا ہے ۔اگر ڈائریکٹ ہی واقعات تفصیلاً لکھے جاتے جیسے مباحثہ لدھیانہ یا فتوی تکفیر، تو ہوسکتا تھا کہ کچھ قارئین اکتاہٹ محسوس کرتے کیونکہ ان میں کچھ علمی نکات بھی ہیں جو شائد شروع میں سمجھ نہ آتے لیکن اب بہت سی باتیں سمجھ میں آچکی ہیں اس لئے اب ان موضوعات کو تفصیلاً سمجھنا آسان ہوگیا ۔ صفحہ ۴۱ تا ۲۸۵ مناظرہ لدھیانہ اصل ماخذوں سے نقل کر دیا ،شائد ہی کسی نے ماضی قریب میں پوری روئیداد اس مناظرہ کی نقل کی ہو ۔ ..پھر اس میں جو حاشیے مولانا بٹالویؒ اور آپ نے لکھے ہیں، انہیں پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا ۔

صفحہ ۲۸۶ تا ۳۵۵ فتوی تکفیر مرزا، اشاعۃ السنہ کی جلد ۱۳ سے نقل کیا ہے، یوں اشاعۃ السنہ

کے متعلقہ صفحات محفوظ ہو گئے ہیں۔ صفحہ ۳۶۲ سے مولانا بٹالویؒ کی مراسلت بنام قادیانی کا تذکرہ اور صفحہ ۳۷۹ سے سوالات جرح خوب ہیں۔ صفحہ ۳۹۵ سے ۴۴۰ تک محمد احسن امروہی کی بٹالہ ولاہور میں مباحثے سے گریز کی تفصیل معلوم ہوئی۔ صفحہ ۴۴۱ سے ۱۸۹۳ء میں حکیم نور الدین سے بٹالوی مرحوم کے مباحثہ کی تفصیل معلوم ہوئی۔ (ایک تجویز ہے کہ) ۱۴۔اپریل ۱۸۹۱ء کو جو مباحثہ حکیم جی سے (لاہور میں) ہوا تھا، جسے وہ ادھورا چھوڑ گئے تھے، اگر اس کی تفصیل بھی مل جائے اور شائع ہو جائے تو بہتر رہے گا کیونکہ اس کے بعد کا مباحثہ جو ریل میں ہوا وہ آپ نے مذکورہ بالا صفحات میں درج کر دیا ہے (اپریل ۱۸۹۱ء میں حکیم صاحب سے ہونے والا نامکمل مباحثہ جلد ہفتم میں نقل ہو گیا ہے۔ بہاء)۔ ایسے ہی اکتوبر ۱۸۹۱ء میں جو مناظرہ مولانا محمد بشیر سہسوانی اور مرزا قادیانی کے مابین ہوا تھا اس کی روئیداد بھی اصل ماخذ سے مل جائے اور شائع ہو جائے تو نئی نسل بھی مستفید ہو جائے (یہ مباحثہ جلد ششم میں درج کر دیا گیا ہے۔ بہاء)

صفحہ ۴۷۳ پر آپ نے بھی خوب حاشیہ لکھا کہ : اور مولانا بٹالویؒ کی یہ پیش گوئی یوں پوری ہوئی کہ اس پونے دو سال کے دوران مرزا صاحب کے ہاں کوئی موعود یا غیر موعود لڑکا پیدا نہیں ہوا۔ اور مرزا صاحب کی ۱۸۸۶ء والی وہ پیش گوئی کہ نو سال کی مدت میں ان کے یہاں موعود لڑکا پیدا ہو گا، کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

صفحہ ۴۹۳ سے مولانا بٹالویؒ کے وہ مکتوبات آپ نے درج کئے ہیں جو مرزا کی وفات سے ایک سال قبل کے ہیں۔ اور ان لوگوں کو دندان شکن جواب دیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مولانا بٹالویؒ اس تحریک سے الگ ہو گئے یا نعوذ باللہ مرزائی ہو گئے تھے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ مجھے امید ہے کہ مولانا بٹالویؒ کی کوئی تحریر مئی ۱۹۰۷ء اور مئی ۱۹۰۸ء کے درمیان کی بھی مل جائے گی بلکہ مئی ۱۹۰۸ء اور بٹالوی مرحوم کی وفات یعنی ۱۹۲۰ کے درمیان کی بھی تحریر ضرور مل جائے گی۔ انشاء اللہ ویسے مولانا بٹالوی کی وفات پر قادیانی اخبار کا لکھنا ہی کافی ہے کہ وہ آخر تک قادیانی کا ناک میں دم کئے رہے۔ حقیقۃ الوحی پر بھی خوب ریویو کیا اور فرخ تیلی کی مثال خوب دی ہے۔ آخر میں آپ نے مرزا قادیانی کی سیاست کی بھی خوب خبر لی ہے۔

میں آپ سے ایک گذارش کرونگا کہ آپ کے پاس مولانا بٹالویؒ کے جو مکتوبات موجود ہوں، چاہے وہ بنام قادیانی ہوں، یا بنام علمائے اہل حدیث ہوں یا بنام عوام اہلحدیث، کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کر دیں جیسے مکاتیب نذیریہ وغیرہ ہیں۔ یہ بھی تاریخ اہل حدیث اور اردو ادب

کی خدمت ہوگی۔

ایک دن میں مولانا محمد اسحاق بھٹی کی کتاب کاروان سلف پڑھ رہا تھا۔ اس میں آپ کا بھی تذکرہ پڑھا۔ بھٹی صاحب آپ کا تذکرہ بہت محبت سے کرتے ہیں۔

آپ مجھے یہ لکھیں کہ آپ کے پاس اشاعۃ السنہ کے کون کون سے شمارے موجود ہیں۔ ان کے علاوہ شمارے مجھے کہیں سے بھی دستیاب ہوں گے تو انہیں آپ تک فوٹو کاپی یا سی ڈی کی شکل میں پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ انشاء اللہ۔۔۔ والسلام۔

☆ مولانا اصغر علی سلفی ناظم اعلی جمیعت اہل حدیث ہند جلد پنجم پر حرف چند کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ (ملخصاً)

اللہ تعالی جزائے خیر دے علماء اسلام کو خصوصاً علماء اہل حدیث کو اور بالخصوص امام ہمام محدث دوراں شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین دہلویؒ اور ان کے تلامذہ اور اصحاب کو جنہوں نے (مرزا غلام قادیانی کے دعاوی) کی سرکوبی اور بطلان کا بیڑہ اٹھایا اور تقریری وتحریری مناظروں کے ذریعہ اس عدوئے نبوت و رسالت اور خادع امت کی قلعی کھول دی اور اس کو ہر مقام پر شکست و ریخت سے دوچار کیا۔ بالاخص علامہ محمد حسینؒ بٹالوی شاگردِ خاص حضرت میاں صاحبؒ نے سب سے پہلے اس پر ضرب کاری لگا کر اس کے مدوجزر باطل کو روک دیا۔ علامہ بٹالوی کی تحریروں پر سرسری نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس قدر عظیم الشان اور کثرت سے تحریر کسی اور کی نہیں ہے اور نہ آپ نے مرزا قادیانی کی تردید میں کوئی کسر چھوڑی ہے۔ گویا ما ترک الاوّل للآخر شیئاً

لیکن آپ کے اس عظیم کارنامے کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ٹھہرتا ہے جو تاریخ کا منفرد باب ہے اور آب زر سے لکھنے کا مستحق ہے۔ علامہ بٹالویؒ نے سب سے پہلے خود مناظرہ بذریعہ زبان وقلم کر کے مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کے گھر تک پہنچانے کے ساتھ بلا تفریق مذہب ومسلک تمام علمائے اسلام کے اجتماعی فتاوی کے ذریعہ اسے کافر قرار دیا۔ اس سلسلے میں آپ نے سب سے پہلے ایک جامع استفتاء تیار کیا اور اسے اپنے استاد گرامی شیخ الکل میاں صاحبؒ کی خدمت میں پیش فرمایا۔ میاں صاحبؒ نے اس پر مکمل ومفصل فتوی صادر فرمایا۔ اس کے بعد علامہ بٹالویؒ نے اس وقت کے اہم علماء اسلام سے فتاوی حاصل کیے اور اسے بڑے پیمانے پر شائع فرمایا اور یوں اجتماعی طور پر مرزا غلام احمد قادیانی کو اسلام سے خارج کرنے کا کام انجام دیا۔۔۔

علامہ بٹالوی کے علاوہ بہت سے دیگر علماء اہل حدیث نے بھی قادیانیت کی سرکوبی کی لائق تحسین وتقلید کوشش کی اور شیخ الاسلام امرتسری اور محمدیہ پاکٹ بک کے مؤلف مولانا عبداللہ معمار کی خدمات بے شمار و لازوال ہیں اور اس طائفہ منصورہ اور پاکباز گروہ اور ان کے علماء کی کوششوں، جدوجہد اور دفاع عن ناموس مصطفیٰ و رسالت محمدی ﷺ کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ لیکن اصل فتنہ کے فرو کرنے میں جو کارہائے نمایاں اور خدمات جلیلہ وعظیمہ اس جماعت حقہ کے ربانی علماء اور اولیاء اللہ نے بلا خوف لومۃ لائم اور سلطان جائر انجام دیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

اس سلسلہ تحریک ختم نبوت اور ناموس رسالت کی حفاظت و صیانت اور ختم نبوت و رسالت محمدیہ ﷺ کے دفاع کی تاریخ عظیم وجلیل کو مدوّن کرنے کا کام ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ کر رہے ہیں۔ آپکا قلم رواں اور سیّال، حافظہ بے پناہ، مطالعہ وسیع، شوق فراواں اور ذوق فزوں تر اور ولولہ عظیم اور عزم جواں اور حوصلہ بلند و بالا ہے۔ آپ نے جس طرح جماعت اہلحدیث کی تاریخ بے مثال اور خدمات وجہود مبارکہ کے بحر بیکراں سے موتیوں کو چنا ہے اور سنگریزوں کو لولوٗ و مرجان سے الگ رکھنے کی سعی مسعود کی ہے اس پر آپ ہر طرح کی مبارک باد اور دعاء خیر کے مستحق ہیں۔

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا احسان عظیم ہے کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے (ہندوستان میں) اس کی نشر و اشاعت کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ اب تک اس کی متعدد جلدوں کی اشاعت کے بعد ہمیں بڑا حوصلہ ملا ہے۔ اسلامی لائبریری میں اس اضافہ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، تحریک ختم نبوت کی تاریخ نویسی اور اس کی نشر و اشاعت کو، اور اس سلسلہ کے ذریعہ خود اس تحریک کو توانائی کا باعث بننے کو، سعادت عظمی سمجھتی ہے اور اس پر اللہ کا شکر بجالاتی ہے۔

من لّم یشکر النّاس لم یشکر اللّٰہ کے تحت ڈاکٹر صاحب کے شکریہ کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے دنیا و آخرت میں ان کی کامرانی اور صحت یابی اور فوز وفلاح کے لئے دعا گو ہوں۔ ساتھ ہی اس سلسلہ کو پایہ تکمیل پہنچانے میں سرگرداں اور پروف ریڈنگ کے جانگسل مراحل میں معاون خاص کرم فرما محترم مولانا شیر خان جمیل احمد کا شکریہ ادا کرنا فرض سمجھتا ہوں جن کی عنایات موجب توجہات والتفات لائق ستائش ہیں۔ نیز آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو علالت وپیری میں اس عظیم وہمہ جہت جماعتی اور تاریخی وعلمی کام کیلئے پیہم ترغیب دلا کر اس عظیم کام کے لئے مکمل طور پر آمادہ کیا، اور اس سلسلے میں ہر ممکن تعاون کے لئے ہمہ وقت تیار

رہتے ہیں اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ جماعت کے کاز کو آگے بڑھانے میں آپکا بڑا دخل ہے۔

(مولانا) اصغر علی سلفی ناظم اعلی مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند

☆ ڈاکٹر عبدالوہاب انصاری کاسگنج۔ یوپی سے جلد پنجم کے متعلق لکھتے ہیں:

تحریک ختم نبوت کی پانچویں جلد مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند سے شائع ہو کر منظر عام پر آگئی ہے جسکی اشاعت پر جمعیت کے ذمہ داران شکریہ کے مستحق ہیں اللہ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔

اب تک تحریک ختم نبوت کے شائع شدہ صفحات کی مجموعی تعداد ڈھائی ہزار سے زیادہ ہو چکی ہے اور یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کے ذریعہ ایک گمراہ فرقہ کی بیخ کنی میں علمائے اہل حدیث کی خدمات کو اجاگر کروایا، جب کہ یہ خدمات نئی نسل کے لوگوں سے اوجھل ہو گئی تھیں۔ ڈاکٹر بہاء الدین کو اس پہلو پر کام کرنے کے کیا اسباب بنے؟ یہ تو ڈاکٹر صاحب بہتر جانتے ہیں لیکن میرا خیال ہے اس پروجیکٹ کے پس پشت درج ذیل وجوہ بھی کارفرما ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر صاحب نے چوتھی جلد میں لکھا ہے کہ جن بزرگوں نے تحریک ختم نبوت کے تاریخی پہلو پر لکھا ہے ان میں ماسوا ایک آدھ کے سب مؤلفین نے فلٹر لگائے رکھے اور مرزائی لٹریچر یا مرزا غلام احمد کے معاصر لٹریچر میں سے کوئی ایسی تحریر (الا ماشاء اللہ) اپنی تالیفات میں نہیں آنے دی جس سے ظاہر ہوتا کہ تحریک اٹھانے والے اور چلانے والے کون تھے۔

۲۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی کی یہ نصیحت بھی کام کر گئی ہو گی جو وہ اکثر اپنی تحریروں میں لکھا کرتے ہیں کہ

> اپنے اکابر کے کارناموں کو عام کرنے اور ان کے عمل و حرکت کو نمایاں کرنے سے دامن کشاں رہنے کے مرض میں اہلحدیث کے کسی ایک ہی خاندان کے اصحاب علم مبتلا نہیں ہیں، بلکہ یہ متعدی مرض تقریباً تمام اہلحدیث حضرات کو لاحق ہے۔ کسی نے اپنے بزرگوں کے سوانح حیات قلم بند نہیں کیئے اور کسی کو یہ سوچنے کی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ ان کے فضل و کمال کے مختلف گوشوں کو واضح کرنے کے لئے قلم کو حرکت میں لایا جائے۔

یہ جلد پنجم ۵۱۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ شروع میں ۴ صفحے کا مولانا اصغر علی سلفی حفظہ اللہ کا مقدمہ ہے جس میں مولانا نے ڈاکٹر بہاء الدین کی خدمات کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے

> اسی سلسلہ تحریک ختم نبوت اور ناموس رسالت کی حفاظت وصیانت اور ختم نبوت و رسالت محمد ﷺ کے دفاع کی تاریخ عظیم وجلیل کو مدون کرنے کا کام ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ نے

کیا۔آپ کا قلم رواں اور سیال ،حافظہ بے پناہ ،مطالعہ وسیع ، شوق فراواں اور ذوق فزوں تر اور ولولہ عظیم اور عزم جواں اور حوصلہ بلند و بالا ہے۔

ایسے ہی ہندوستان کے دیگر اہل علم بھی آپ کی کوششوں کو اچھی نظر سے دیکھ رہے ہیں، جیسے ایک جگہ علامہ ابن احمد نقوی تحریک ختم نبوت کے معروف قلمکاروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

> اب ان اہل قلم میں ایک نام ڈاکٹر بہاء الدین کا بھی شامل ہوگیا ہے۔ڈاکٹر صاحب کو قاموسی انداز کی تحریریں لکھنے میں مہارت حاصل ہے۔وہ جب لکھتے ہیں تو پوری تفصیل سے اور جزئیات کا احاطہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔تحریک ختم نبوت کی یہ سلسلہ وار کتب ان کے وسعت مطالعہ، ژرف نگاہی اور اصل مواد تک ان کی کامل دسترس کی شاہد ہیں۔

مولانا اصغر علی نے ڈاکٹر بہاء الدین کے معاون خاص مولانا شیر خان جمیل احمد عمری کے بارے میں حقیقت بیان کی کہ:

> ڈاکٹر صاحب موصوف کی علالت و پیری میں دوبارہ اس عظیم و ہمہ جہت جماعتی اور تاریخی وعلمی کام کے لئے پیہم ترغیب دلاتے رہے اور اس عظیم کام کے لئے مکمل طور پر آمادہ کیا اور اس سلسلے میں ہر ممکن تعاون کے لئے تیار رہتے ہیں۔

مجھے بھی مولانا شیر خان جمیل احمد کی کاوشوں کا کچھ کچھ علم ہے۔مثال کے طور عرض کرتا ہوں کہ ۵ ستمبر ۲۰۰۷ء کو انہوں نے مجھے فون پر بتایا کہ ختم نبوت کے تعلق سے فلاں فلاں کتابیں مل جائیں تو تحریک ختم نبوت کی ۱۹۱۲ء تک کے واقعات پر مشتمل ساتویں جلد تیار ہو جائے گی ،اس لئے ان کتابوں کو تلاش کرنا ضروری ہے۔اس حکم کے بعد میں نے ادھر ادھر رابطے کئے اور مولانا کو بتایا کہ یہ کتابیں جامعہ سلفیہ بنارس کی لائبریری میں موجود ہیں۔مولانا نے فوراً ڈاکٹر مقتدی حسن ازھری صدر جامعہ سلفیہ بنارس اور مولانا محفوظ الرحمٰن لائبریرین جامعہ سلفیہ بنارس سے رابطہ کر کے ان کتابوں کے سلسلے میں تعاون کی درخواست کی۔ نتیجتاً مولانا محفوظ الرحمٰن نے اپنے تمام کام مؤخر کر کے ۳ دن میں ان کتابوں کی سی ڈی تیار کروا کر مجھے ارسال کر دی جسے میں نے ای میل کے ذریعہ ڈاکٹر بہاء الدین تک پہنچا دیا۔پھر اللہ کا کرم ایسا ہوا کہ ہند و پاک سے دیگر معاونین نے ڈاکٹر صاحب تک اور کتابیں پہنچائیں ،تو اب خیال ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے تحریک ختم نبوت کے ۱۹۱۲ء کے تک واقعات پر آٹھویں جلد بھی تیار ہو جائے گی انشاء اللہ۔ایسے ہی احباب کا تعاون جاری رہا اور اللہ سے ڈاکٹر صاحب کی صحت یابی کی دعا کرتے رہے (حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان

بھائی کی دعا دوسرے کے حق میں قبول ہوتی ہے) تو وہ انشاء اللہ ۱۹۱۲ء کے بعد کے واقعات بھی ترتیب دے سکتے ہیں۔ بہرحال مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ مولانا شیر خان جمیل احمد عمری اس پروجیکٹ کی تکمیل میں اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر صاحب کو اللہ جزائے خیر دے کہ انہوں نے ۱۱۷ سال پرانے لٹریچر سے استفادہ کر کے علمائے اہل حدیث کی خدمات کو ہم تک پہنچایا ورنہ ابھی تک اہل حدیثوں کی اکثریت یہ سمجھتی رہی کہ اس محاذ پر فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ہی خدمات ہیں اور یہ کہ مرزا قادیانی، مولانا امرتسریؒ سے مباہلہ میں مارا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی کتاب سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ رد قادیانیت میں مولانا امرتسری کی معیت میں اور ان سے پہلے کئی دیگر بزرگوں نے بھی بے پناہ کام کیا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ قادیانی کا ایک ہی مباہلہ ہوا ہے جو ایک اہل حدیث عالم مولانا عبدالحق غزنوی سے ہوا تھا۔ مولانا امرتسری سے قادیانی کا کوئی مباہلہ نہیں ہوا بلکہ مرزا صاحب نے انکے بارے میں یک طرفہ دعا کی تھی۔

صفحہ ۹ سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے اور بتایا ہے کہ جب جنوری ۱۸۹۱ء میں قادیانی نے مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا تو پے در پے فتح اسلام، توضیح مرام، ازالہ اوہام، دافع الوساوس نامی کتابیں لکھیں، جن کے بارے میں بٹالوی مرحوم نے فرمایا ہے:

> فتح اسلام میں تھوڑا سا کفر ظاہر کیا۔ پھر اس کے عذر میں توضیح مرام لکھا، تو اس میں کفر کا ڈربہ کھول دیا۔ پھر اس کی معذرت میں ازالہ اوہام لکھا تو اس میں کفر کا ایک دریا بہا دیا۔ اس کی معذرت میں دافع الوساوس لکھی ہے تو اس میں کفر کا طوفان برپا کر دیا ہے اور اس قدر زہر اگلا اور اپنے عقائد کو اسلامی ثابت کرنے کے لئے مکائد و وساوس سے اس دلیری سے کام لیا ہے کہ اپنے کذاب ہونے کا مکمل ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔

مرزا صاحب کی پہلی تین کتابوں کا تفصیلاً ردّ گزشتہ جلدوں میں ہو چکا ہے۔ اب مرزا کی دافع الوساوس کا ردّ پانچویں جلد میں مولانا بٹالوی مرحوم کے ۱۲۰ صفحے کے مقالے سے استفادہ کر کے ۱۲ مختلف عنوانات کے تحت کیا گیا ہے۔

نمبر ایک کے تحت دافع الوساوس کی عربی تحریر کے بارے میں لکھا ہے کہ بقول بٹالویؒ یہ عبارت عرب کی عربی نہیں قادیانی عربی ہے جس کے غلط کریہہ اور غیر مانوس الفاظ سے جی متلاتا ہے۔ نمبر ۲ میں تائید غیبی کے عنوان سے بٹالویؒ نے عام لوگوں کو عقلی دلائل کی روشنی میں سمجھایا ہے کہ

قادیانی، خداتعالی کا ہم کلام ومخاطب نہیں ہوسکتا۔نمبر۳ میں نقل کیا ہے کہ یہ شخص اسلام کا بڑا ہمدرد بن کرعوام سے روپئے اینٹھتا ہے جیسے کوئی بچے کو ہوّے سے ڈرا کراس کی ٹوپی اتارے۔نمبر۴ کے تحت حیات مسیح کے عنوان سے اہل اسلام کے متفقہ عقیدہ حیاۃ عیسیٰؑ کے مقابلہ میں مرزا قادیانی نے جو مغالطے دیئے ہیں ان کا ذکر ہے۔اور بتایا ہے کہ قادیانی کا کہنا ہے کہ عیسیٰؑ آسمان زندہ ہوں اور نبی ﷺ زیرزمین مدفون ہوں، تو اس سے نبی ﷺ کی توہین لازم آتی ہے۔مولانا بٹالویؒ نے اسکے جواب میں لکھا ہے:

اس توہین کی تجویز کے وقت مرزا قادیانی کو یہ خیال نہ آیا کہ نبی ﷺ فوت ہوکر زیرزمین مدفون ہیں اور میں زمین پر زندہ پھرتا اور توہین کرتا ہوں اور کیوں کرنہیں مرجاتا؟

نمبر۵ کے تحت مرزا قادیانی نے اہل اسلام کو یہ مغالطہ دیا کہ: میں ولایت کے اعلی درجہ (لقاء) پر فائز ہوں۔ جواباً بٹالوی مرحوم نے لکھا کہ

قادیانی صاحب! آپ کو درجہ لقاء حاصل ہے تو پھر آپ نے ان بے چارے اہل حاجات کا، جن سے پیشگی فیس لے چکے ہیں، اس وقت (یعنی بوقت لقاء) کیوں کام پورا نہ کردیا اور اپنی گردن کوان کے حق سے کیوں سبک دوش نہ کیا۔

نمبر۶ کے تحت معجزات مسیح کے عنوان سے دکھایا ہے کہ قادیانی نے مسیح کے معجزات کا انکار ازالہ اوہام میں کیا اور دافع الوساوس میں گھما پھرا کر اقرار کیا ہے۔لیکن آپ لوگوں کو مناسب ہے کہ اس کے داؤ میں نہ آویں اور یقین کریں کہ یہ شخص منافق ہے۔نمبر۷ پر بٹالویؒ نے لکھا کہ: ناظرین انصاف کرو کہ ہم نے خدا کے فضل وتوفیق سے قادیانی کے ملمع تعظیم وتوہین کو کیسا کھولا ہے۔نمبر۸ کے تحت مرزا نے میاں نذیرحسین محدثؒ اور بٹالویؒ پر بسلسلہ عقاید جو بہتان باندھا تھا اس کا جواب بٹالویؒ نے اس ڈھنگ سے دیا ہے: جس شخص کا یہ اعتقاد ہو اس پر ہزار لعنت۔ مرزا قادیانی اس اعتقاد کو ہماری طرف منسوب کرنے میں سچا ہے تو وہ جھوٹے پر ہزار لعنت کہے۔نمبر۹ کے تحت بٹالویؒ نے قادیانی کے کئی مکائد کا جواب دیا ہے۔نمبر۱۰ کے تحت نزول جبریلؑ کے تعلق سے قادیانی کی گمراہی واضح کی ہے اور صفحہ۸۳ پر لکھا ہے: تو پھر اس کا یہ اعتراض در پردہ آنخضرت ﷺ پر اعتراض ہے۔اور اس ذریعہ سے وہ لوگوں کے دلوں میں آنخضرت ﷺ کی نبوت کی نسبت شبہ ڈالنا اور اپنی نبوت کا اعتقاد جمانا چاہتا ہے۔خدا اس کو اس خیال میں ناکامیاب اور رسوا کرے۔

نمبر۱۱ میں قادیانی نے شیخ عبدالحق محدث پر افتراء کیا تو اسکے جواب میں بٹالویؒ نے لکھا:

اگر آپ لوگوں نے یہ ثابت کر دیا کہ شیخ عبدالحق کی کلام مذکورہ کا مطلب ادا کرنے میں قادیانی نے جعل وافتراء سے کام نہیں لیا تو میں آپ لوگوں (حافظ یوسف، مرزا خدا بخش وغیرہ) کو وعدہ دیتا ہوں کہ میں صرف اسی ایک بات پر آئندہ قادیانی کے خلاف لکھنا چھوڑ دونگا۔

نمبر ۱۲ کے تحت جبریلؑ کے حقیقی یا تمثیلی نزول پر بحث ہے اور اس میں قادیانی کی خرافات کو اجاگر کرتے ہوئے مولانا بٹالویؒ نے قادیانی کو انعامی چیلنج بھی کیا۔

اس کے بعد پھر ڈاکٹر صاحب نے دافع الوساوس کا خلاصہ بٹالویؒ کی تحریر سے نقل کیا ہے۔ اور صفحہ ۱۰۴ سے ۲۳۷ تک بٹالوی مرحوم کی تحریر کی روشنی میں آتھم عیسائی کے متعلق قادیانی کی پیش گوئی (کہ آتھم روز مباحثہ امرتسر ۱۸۹۳ء سے ۱۵ ماہ میں مرجائے گا) کے متعلق بہت دلچسپ انداز میں قادیانی کے ذلیل ہونے کو بیان کیا ہے۔ اس پیشگوئی کے جھوٹے نکلنے پر ہندی مسلمانوں نے اشتہارات کے ذریعہ قادیانی کو ذلیل کیا جن کی عبارات پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں جیسے:

یہ بن بلایا مہمان ان احمق مسلمانوں کے سر چڑھ ہی گیا اور جلسہ مباحثہ میں مان نہ مان میں تیرا مہمان، جا کو دا۔

اور ایک نظم کا شعر: ارے او بے وفا غدار مرزا ارے پر فتنہ و مکار مرزا

پھر بٹالویؒ نے قادیانی کے ان عذرات کا رد کیا ہے جو اس نے اس پیشگوئی کو درست ثابت کرنے کیلئے کیئے ہیں اور صفحہ ۱۳۳ پر کہا:

آفرین اے قادیانی تیری جرأت وحیا پر کہ جس منہ سے تو نے (آتھم کی) موت کو اصل الہام سے غیر اور اس کی تفسیر قرار دے کر اس کے تحقق کو غیر ضروری ٹھہرایا تھا اور اس تفسیر کو اصل الہام سے متحد سمجھنے کو وسوسہ شیطانی بتایا تھا، اسی منہ سے تو نے پھر اس کو ہاویہ کا فرد ٹھہرایا اور متحقق بتایا

صفحہ ۱۹۳ پر قادیانی کے ایک سیالکوٹی مرید کے تفہیم حق نامی رسالے کا بھی جواب بٹالویؒ نے دیا۔ ایک جگہ آپ نے لکھا: قادیانی کے احمق ملہم کو اتنی خبر نہیں کہ ایسا استغفار تو تمام پادری اور خاص کر آتھم اکثر اوقات اور خاص کر نمازوں میں کرتے رہے ہیں۔ صفحہ ۱۹۶ پر قطعی موعود عذاب، کے عنوان سے لکھا کہ: قادیانی کا یہ کہنا کہ کسی قدر ڈر جانے سے عذاب قطعی موعود ٹل جاتا ہے، تو اس ڈر جانے پر طبعی اور فطری مثالیں دیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں اور جن کا دنیا میں کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ صفحہ ۲۰۱ پر قادیانی کے آتھم سے مطالبہ قسم پر بٹالویؒ نے عیسائیوں کے ایک اشتہار کو نقل کیا ہے جس میں کہا گیا ہے:

اگر مرزا صاحب مجمع عام میں ایک لقمہ خنزیر کے گوشت کا سبھوں کے سامنے کھا کر کہیں کہ میں مسلمان ہوں تو ہم یقین کرینگے کہ علمائے اسلام کا فتوی غلط ہے اور یہ در حقیقت مسلمان ہیں۔

صفحہ ۲۴۷ سے ۲۵۰ تک قادیانی کی شریف الہامی زبان کے بارے میں بتایا کہ وہ اپنے مخالف کو فوراً حرام زادہ کہہ دیتا تھا۔ اور ایک جگہ بٹالویؒ سے نقل کیا کہ:

تمام مسلمان یہ سمجھ جائیں گے کہ آپ کا یہ محاورہ الہامی نہیں بلکہ شیطانی ہے اور آپ باوصف دعوی نبوت والہام ومجددیت ومسیحائیت، عام بازاریوں کی طرح لوگوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ اوراس وجہ سے آپ نبی، مجدد و محدث تو کجا، مسلمان یا مہذب انسان بھی نہیں ہو سکتے۔

صفحہ ۲۵۱ سے ۲۶۸ تک مرزا سلطان محمد کی موت وحیات کے تعلق سے قادیانی پیش گوئی پر ڈاکٹر صاحب نے بٹالوی کی تحریریں نقل کی ہیں (اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب جلد اول میں بحث کر چکے ہیں تاہم یہاں اس سے زائد چیزیں ہیں)۔ آخر میں بٹالویؒ سے نقل کیا کہ:

ایسی پیش گوئی اگر کوئی آپ کی موجودہ منکوحہ کی نسبت کر دے کہ آپ کے مرنے کے بعد وہ اس کے نکاح میں آوے گی، تو اس سے آپ اس کو ملہم یا مسیح وغیرہ ہرگز نہیں کہیں گے۔

صفحہ ۲۶۹ سے پنڈت لیکھ رام کے قتل کے بارے میں بحث ہے۔ قادیانی کہتا تھا کہ وہ اس کی پیشگوئی کی وجہ سے مرا ہے۔ بٹالویؒ لکھتے ہیں:

آپ مسلمانوں پر رحم فرماویں اور اپنے الہام کا ٹیلی فون یا ٹیلی گراف لگا کر خدا تعالی سے پوچھ کر بتادیں کہ (لیکھ رام کا) قاتل کون ہے جس کے سبب سے تمام مسلمان بدنام ہو رہے ہیں۔

اور ایک جگہ نے لکھا: یہ اعلام یا الہام کیا ہوا، موم کی ناک ہوئی جس کو جدھر چاہا پھیر دیا

صفحہ ۳۰۵ پر بٹالویؒ نے قادیانی کے چیلنج قسم ومباہلہ کا جواب دیتے ہوئے قسم اٹھانے پر اپنی تیاری کا اظہار کیا ہے۔ صفحہ ۳۱۵ پر بشیر ایمانوایل والی قادیانی پیشگوئی پر بٹالویؒ سے نقل کیا:

۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء کولڑکے کے تولد کی میعاد نو برس مقرر کی تھی اور اس وقت یعنی ۱۸۹۷ء میں اس وعدہ سے بارھواں سال گذر رہا ہے اور وہ لڑکا جو ماں کے پیٹ یا باپ کی پشت میں یا آسمان پر ہے، وہیں سے نہیں اترا۔ کیا اب بھی اس پیش گوئی کے جھوٹے ہونے میں کوئی شبہ باقی رہا۔

صفحہ ۳۳۶ سے طاعون کے متعلق قادیانی کی پیش گوئی پر طویل بحث ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ حکیم نورالدین وغیرہ نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قادیانی کو شہید کہا (حدیث میں ہے کہ دستوں سے مرنے والا شہید ہے) تو صفحہ ۴۴۱ پر ڈاکٹر بہاء الدین نے جواباً کہا

اگر مولانا ثناء اللہ دستوں کی بیماری سے مرزا کی زندگی میں فوت ہو جاتے تو کیا وہ بھی شہید ہوتے ؟ اگر حکیم نور الدین کی منطق تسلیم کر لی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ قادیانی نے جب مولانا ثناء اللہ کے ہیضہ سے مرنے کی دعا کی تھی، تو کیا یہ دعا مولانا کے لئے رتبہ شہادت کے حصول کی دعا تھی ؟

طاعون کی بحث صفحہ ۴۵۰ تک پھیلی ہوئی ہے ۔ صفحہ ۴۶۷ سے زلزلہ کے متعلق قادیانی پیش گوئی پر بٹالوی بحث ہے اور صفحہ ۴۷۵ پر نقل کیا ہے :

معلوم ہوتا ہے آپ کا ملہم (جو یقیناً معلم الملکوت ہے) احمق ہے یا مسخرہ ہے جو سال ہا سال سے الہاموں کے معنی در بطن خود رکھتا ہے آپ کو ان معنوں کی اطلاع نہیں دیتا ۔ اسی واسطے آپ ہمیشہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے رہتے ہیں اور جیسے واقعات پیش آتے ہیں ویسے معنی آپ بنا لیتے ہیں ۔

اور پھر ایک جگہ بٹالویؒ سے نقل کیا :

آپ (مرزا) کی پیش گوئی سچی بھی ہو جائے تو آپ کو نجومی مان لیا جائے گا، نہ کہ نبی ۔

پوری کتاب ایسی ہی دل چسپ تحریروں سے بھری پڑی ہے ۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس کتاب کی بقیہ جلدیں بھی جلد منظر عام پر آ جائیں تا کہ لوگ ان سے استفادہ کر سکیں ۔ اللہ اس پروجیکٹ کی تکمیل میں لگے ہوئے تمام معاونین کو دین و دنیا کی بھلائی عطا فرمائے ۔ آمین ۔ فقط ۔

ڈاکٹر عبدالوہاب انصاری کا سگنج ۔ یو پی ۔ ۲۸ ۔ جولائی ۲۰۰۸ء

☆ تحریک ختم نبوت جلد پنجم پر تبصرہ فرماتے ہوئے مولانا محمد سلیم چنیوٹی لکھتے ہیں :

زیر تبصرہ کتاب (تحریک ختم نبوت جلد پنجم ، ۵۱۰ صفحات ، مضبوط جلد ، اچھا کاغذ، اچھی طباعت، کمپیوٹر کمپوزنگ) ۱۸۹۱ء تا ۱۹۱۲ء کے عہد پر مشتمل ہے اور آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریروں کے جواب میں لکھی گئی ہے ۔

مرزا قادیانی کی ان تحریروں کا جواب شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد حسین صاحب بٹالویؒ نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں شائع کیا تھا ۔

مرزا غلام احمد کی کہانی جب سے شروع ہوئی، یعنی اس نے اپنے آپ کو انگریزوں کی پشت پناہی حاصل کر کے عقیدہ ختم نبوت و رسالت میں نقب لگائی تھی، تو اسی وقت اہل حدیث کے

سرخیل علامہ سید نذیر حسین محدث دہلویؒ اور ان کے شاگرد رشید علامہ محمد حسین بٹالویؒ نے اس کا پیچھا شروع کر دیا تھا، اور استاد شاگرد دونوں نے مرزا کی ہر تحریر، ہر چیلنج، ہر فتوی اور ہر قول کا جواب دیا اور اس طرح مرزا قادیانی کا ناطقہ بند کیئے رکھا کہ وہ ان کے سامنے دلائل دیتے دیتے پٹڑی سے اتر جایا کرتا تھا..۔اس کا ثبوت مرزا قادیانی کی تحریروں سے بہ آسانی مل سکتا ہے۔

شیخ الکل سید نذیر حسین دہلویؒ اور علامہ محمد حسین بٹالویؒ کے دور میں مرزا قادیانی اپنے آپ کو سچ اور حق ثابت نہیں کر سکا۔ پھر ایک تیسرے اہلحدیث سپوت اور فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے تو قادیانیت کے تابوت میں ایسے کیل ٹھونکے کہ مرزا کی ککڑوں کوں، بول اٹھی تھی۔ اللہ تعالی کے فضل وکرم اور اس کے احسان عظیم سے اس اہل حدیث سپوت نے اپنے مناظرانہ، عالمانہ، مفکرانہ، داؤ پیچ ایسے استعمال کیئے کہ خود مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک اشتہار کے ذریعہ اللہ تعالی سے حق و سچ کا فیصلہ طلب کرلیا اور دعا کی کہ اے اللہ سچے کی زندگی میں جھوٹے کو ہلاک کر۔ یہ دعا قبول ہوئی اور مرزا قادیانی لاہور کی برانڈ رتھ روڈ پر واقع احمدیہ بلڈنگز میں اپنے میزبان کے گھر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگیا۔ یعنی جھوٹا (مرزا قادیانی) سچے (مولانا ثناء اللہ) کی زندگی میں اپنی جان کی بازی ہار گیا اور علامہ امرتسریؒ اپنی زندگی کے مزید چالیس سال گزار کر ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں آسودہ رحمت ہوئے۔ اللھم ادخلہ جنۃ الفردوس

زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف جناب ڈاکٹر بہاء الدین ایک دلچسپ شخصیت ہیں اور انہوں نے بڑے ذوق شوق کے مظاہر پیش کر کے ایک بڑا مفید کام کر دکھایا ہے۔ یہ کتاب مرتب کر کے انہوں نے نئی نسل کو اس دور کی سیر کروادی ہے کہ جب مرزائیوں کے بانی کو ہمارے اکابر نے رگیدا تھا اور جب قاری اس کتاب کو پڑھے گا تو وہ محسوس کریگا کہ وہ مرزا کی تحریروں کا اثر کیسا دیکھتا ہے اور طائفہ منصورہ اہلحدیث کا جواب کیسا محسوس کرتا ہے۔ اس کتاب کا خاصہ یہ بھی ہے کہ مرزائیوں کی تحریروں کا فونٹ قدرے باریک رکھا گیا ہے جبکہ اسکا جواب قدرے موٹے فونٹ میں ہے۔

ڈاکٹر بہاء الدین کی مرتب کردہ تحریک ختم نبوت (جو شائد آٹھ جلدوں پر مشتمل ہوگی)، پاکستان میں مکتبہ قدوسیہ لاہور، ہندوستان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث، اور برطانیہ میں مرکزی جمعیت اہل حدیث نے اسے منصۂ شہود پر لانے کی سعی بابرکت فرمائی ہے۔....

ڈاکٹر بہاء الدین شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے ہمارے اکابر اور اس دور مرحومہ کی یاد تازہ کروائی جس میں مرزا غلام احمد سے دست بدست پنجہ آزمائی ہوتی تھی، اور ہمارے اکابر فتح مند

ہوا کرتے تھے۔اس کتاب میں مرزا قادیانی کے دعاوی، غلط الہامات، انکار معجزات، انکار وحی و نزول جبریل، انکار ختم نبوت واضح جھلکتا نظر آئے گا اور اس دور میں جن علماء مشائخ عظام نے مرزا کا پیچھا کیا ان کے کام اور نام سے آشنائی قارئین کو ہوگی۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ ہمارے جن اکابر نے فتنہ قادیانیت کے خلاف جدوجہد فرمائی اور اب تک فرما رہے ہیں اللہ کریم قبول فرمائے اور خصوصاً ڈاکٹر بہاء الدین کو اللہ کریم اجر عظیم سے نوازے کہ انہوں نے دیر آید درست آید کے مصداق ایک مفید کام کیا ہے۔

یہ ہر لائبریری اور قادیانیت کو سمجھنے والوں کیلئے بڑی ضروری دستاویز کہی جاسکتی ہے۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور۔ ۱۷۔ اکتوبر ۲۰۰۸ء)

مولانا ثناء اللہ سیالکوٹی امیر جمعیت اہلحدیث برطانیہ جلد ششم پر تاثرات لکھتے ہیں

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم۔ نحمدہ و نصلّی علی رسولہ الکریم

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہی کہے گا میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔(مسلم)

حضرت صادق المصدوق کی اس پیش گوئی کے مطابق جب جھوٹے نبیوں نے نبوت کا دعوی کیا تو اللہ نے لکلّ فرعون موسی، کے مطابق ایسے افراد پیدا کر دیئے جنہوں نے ان کی نبوتوں کو خاک میں ملا دیا۔ جھوٹے نبیوں کا قلع قمع کرنے کی سعادت سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو حاصل ہوئی۔آپ نے مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ اسدی کے خلاف جہاد کرکے ان کا خاتمہ کر دیا۔کسی مسلمان کے لئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی جان اپنا مال اپنی تلوار اپنا قلم ختم نبوت کے دفاع کے لئے وقف کر دے۔خوش قسمت ہیں وہ علماء و سکالر جنہوں نے اپنی زندگیاں اس مقصد کے لئے صرف کر دیں۔

ان تیس کذابین میں سے ایک نے جب ہندوستان میں نبوت کا دعوی کیا، تو اس کی نبوت کا پردہ چاک کرنے کے لئے علماء اہل حدیث میدان میں آئے۔ان علماء کو سابقین کا درجہ حاصل ہوا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی ؒ جو کہ مرزا صاحب کے قریب (ہی بٹالہ میں) رہتے تھے، انہوں نے اپنا رسالہ اشاعۃ السنہ مرزا صاحب کی تردید کے لئے وقف کر دیا تھا۔انہوں نے تقریر اور تحریر کے ذریعہ مرزا صاحب کو اس قدر رگیدا کہ وہ انہیں کافر کہنے اور گالیاں دینے پر مجبور ہوگیا۔مولانا نے ان پر

کفر کا فتویٰ لگانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ مولانا بٹالویؒ اور دیگر علماء نے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ مرزا صاحب قادیانی کو اتنا زچ کیا کہ وہ بد دعا کرنے پر مجبور ہوئے، اور انجام کار خود ہی اس دعا کی لپیٹ میں آ گئے۔

ڈاکٹر بہاء الدین صاحب نے جب ۱۹۹۶ء میں تحریک ختم نبوت پر کام کا آغاز کیا، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ کام اتنی وسعت اختیار کر جائے گا۔ اس وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ تحریک کے ابتدائی دور (۱۸۹۱ء تا ۱۹۱۲ء) تین ہزار صفحات لکھے جا چکے ہیں۔ آگے دیکھئے اور کتنا کچھ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تحریک ختم نبوت کے گمنام لوگوں کے کارناموں کو بھی اجاگر کیا ہے اور ان کی خدمات کو منظر عام پر لائے ہیں۔ پھر اشاعۃ السنہ کے کرم خوردہ اوراق کو، جو مختلف کتب خانوں میں زمانے کی ناقدری کا گلہ کر رہے تھے، ڈھونڈ ڈھونڈ کر عوام کے سامنے لائے ہیں۔ یوں انہوں نے احیاء التراث کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ان اوراق کی نشاۃ ثانیہ کے ذریعے ہمیں بتایا ہے کہ ہمارے اکابرین نے اس وقت اتنا کام کیا جب لکھنے پڑھنے اور طباعت و اشاعت کی وہ سہولتیں میسر نہ تھیں جو آج ہیں۔ یوں ڈاکٹر صاحب نے گلستان ختم نبوت میں بڑے نایاب پودے لگائے ہیں، پھر انہوں نے پھولوں کو گل دستہ کی شکل میں کتاب میں پیش کیا ہے جو ہر لائبریری کی زینت بن سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ سعادت بھی حاصل کی ہے کہ ختم نبوت کے دفاع میں ہزاروں صفحات لکھ کر اپنا نام بھی ختم نبوت کے لکھاریوں میں شامل کر لیا ہے یہ اتنا بڑا اعزاز ہے جس پر جتنا بھی رشک کیا جائے، کم ہے۔ یہ کام آنحضرت ﷺ کے ساتھ عقیدت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ قیامت کے دن جب بارگاہ ایزدی میں انہیں اس کا صلہ دیا جائے گا، ان سے گذارش ہے اس وقت راقم الحروف کو بھی یاد رکھنا۔ ان کی خدمت میں یہ شعر تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ حاضر ہے:

ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے ‏ ‏ ‏ ہمارا کام بھی شامل ہے تحریر گلستان میں

دعا ہے اللہ تعالیٰ ڈاکٹر محمد بہاء الدین صاحب کی اس محنت کو قبول و منظور فرمائے اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنائے۔

(مولانا) ثناء اللہ سیالکوٹی۔ ‏ ‏ ‏ امیر، مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، جلد ششم پر بایں الفاظ اپنے تاثرات لکھتے ہیں:

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم۔ نحمدہ و نصلّی علی رسولہ الکریم

تحریک ختم نبوت کی تاریخ پر ہمارے مخدوم، محسن جماعت ڈاکٹر محمد بہاء الدین صاحب متعنا اللّٰہ بطول حیاتہ الطّیّبۃ کا قلم آج سے تقریباً بارہ برس قبل چل پڑا اور آپ کی تحریریں ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم میں قسط وار شائع ہونا شروع ہوئیں۔ ابھی دوڈھائی سوصفحات ہی منظر عام پر آئے تھے کہ کئی احباب کے ہوش اڑتے نظر آئے۔ حقائق کے انکشافات اور بددیانتیوں کے راز افشا ہونے پر اغیار نے تو پریشان ہونا ہی تھا، بعض اپنے بھی حالات زمانہ کی نزاکت کا واسطہ دے کر جلد سے جلد اس سلسلہ کی آخری قسط کے منتظر رہنے لگے...... بہرحال تحریک ختم نبوت کی پہلی جلد جب منظر عام پر آئی تو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہ سلسلہ اتنا دراز ہو جائے گا کہ ماشاءاللہ اب اس کی چھٹی جلد مکمل ہو کر آپ کے سامنے موجود ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے تین ہزار صفحات مکمل ہو چکے ہیں اور یہ صرف ۱۸۹۱ء تا ۱۹۱۲ء تک کی داستان ہے جو کہ ابھی جاری ہے۔ انشاءاللہ ساتویں جلد بھی (جس پر ان دنوں کام ہو رہا ہے) عنقریب منظر عام پر آجائے گی۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ سلسلہ کتب، احیاء التراث بھی ہے کہ اس میں کئی بھولی بسری بیمثال تحریریں کم وبیش ایک سو سال کے بعد قارئین کے سامنے پیش ہو رہی ہیں۔ نیز یہ ابتدائی کارکنان تحریک ختم نبوت سے مؤلف محترم کی محبت وعقیدت کا مظہر بھی ہے کہ عہد حاضر کے قارئین کو ایسے اعیان امت سے متعارف کرایا ہے جو مرور ایام سے اٹھنے والے گرد و غبار میں نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ نیز ان کارکنان تحریک ختم نبوت کا تعارف ان کی تحریروں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ان بزرگوں کی تحریریں پڑھ کر بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے جزا ھم اللّٰہ عنّا و عن جمیع المسلمین احسن الجزاء ۔ بلاشبہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے طیراً ابابیل کی طرح دفاعی کام کر کے ابرھہء قادیان اور اس کے ہاتھیوں کو کعصفٍ مأکول بنا دیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب ایک دیانتدار مؤرخ کا کردار ادا کرتے ہوئے جہاں اہلحدیث بزرگوں کی خدمات کی داستان بیان کر رہے ہیں، وہیں ان سابقون الاولون کے نقش قدم پر چل کر اس میدان میں کام کرنے والے دیگر مکاتب فکر کے بزرگوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ایسی بے تعصبی اور دیانت داری کی مثالیں بہت کم ہی ملتی ہیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے بر صغیر (پاک وہند) کے دور دراز مقامات سے تحفظ ختم نبوت کی تاریخ کے گمشدہ اوراق جمع کئے ہیں جو بذات خود ایک مہنگا اور صبر آزما کام ہے۔ پھر ان اوراق کی جھاڑ پونچھ کا مشکل ترین مرحلہ طے کیا۔ قدیم اشاعتوں کی کتابت کو سمجھ کر طباعتی اغلاط کو درست کیا جو کہ موضوع پر مکمل عبور کے بغیر آسان نہیں تھا۔ پھر پرانی تحریروں کے لباس کہنہ کو لباسِ جدید سے تبدیل کیا، جو نئی تحریر کی تخلیق سے مشکل تر کام ہے۔ پھر ان قدیم تحریروں سے وقتی، ہنگامی اور غیر ضروری مواد کو اس خوبی سے حذف کیا ہے کہ متون کی اصل باقی رہی۔ پھر خود ہی کمپوزنگ سے آراستہ کیا جو علم اور ہمہ جہت صلاحیتوں کے علاوہ طویل وقت کا بھی محتاج ہے۔ یوں خرابی صحت کے باوجود ڈاکٹر صاحب کا یہ کارنامہ جہاں بالعموم اسلامی تاریخ کا اور بالخصوص تاریخ اہل حدیث کا نہ مٹنے والا حصہ بنے گا، وہیں ڈاکٹر صاحب کی سید ولد آدم خاتم النبیّین والمرسلین نبینا محمد ﷺ سے سچی محبت وعقدت کا بیّن ثبوت بھی ہے۔

اس گراں مایہ علمی، تحقیقی اور تاریخی نوعیت کی دستاویز کی تیاری کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا و ما کنّا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللّٰہ۔ اور

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

میری دعا ہے کہ اللہ جلّ شانہ اس سلسلہ کتب کو، جسے مؤلف نے بارگاہ رسالت ﷺ میں ہدیہ عقیدت کے طور پر پیش کئے جانے والے گلدستے سے تعبیر کیا ہے، قبول فرمائے، قارئین کے لئے مفید اور مؤلف محترم کے لئے توشہ آخرت بنائے۔ آمین

شیر خان جمیل احمد عمری۔ ناظم تعلیمات مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

☆ پروفیسر ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر ڈائریکٹر سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور لکھتے ہیں:

مولانا ثناء اللہ سیالکوٹی امیر جمعیت اہل حدیث برطانیہ نے کتاب ہذا کی جلد اول پر اظہار تشکر کے عنوان سے لکھا تھا:

> ہم ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ہندوستان پاکستان اور برطانیہ کے کتب خانوں سے علمی موتی چن کر انہیں ایک تسبیح میں پرو دیا ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں بڑی محنت اور جانفشانی سے وہ تمام کتب حاصل کی ہیں جن کی اس موضوع پر لکھنے والے کو ضرورت ہو سکتی ہے۔..اور حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب

نے اس موضوع پر جنون کی حد تک کام کر کے وہ قرضہ ادا کر دیا ہے جو اکابرین کا جماعت اہل حدیث کے ذمہ تھا۔ انہوں نے اس علمی تشنگی کو بھی دور کر دیا ہے جسے جماعت کا ہر فرد محسوس کرتا تھا اور جماعت کا ہر فرد اس بات پر ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔

بحمد اللہ اب اس کتاب کی پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور بات ادائیگی قرض سے بہت آگے نکل چکی ہے۔

دوسری طرف مولانا محمد اسحاق بھٹی کا کہنا ہے کہ مرزائیت کے متعلق اہلِ حدیث کی بہت سی اولیات ہیں جو ایک مستقل کتاب کی متقاضی ہیں۔

ہمارے دوست ڈاکٹر بہاء الدین کی زیرنظر کتاب سے اس تقاضے کی تکمیل ہوتی نظر آرہی ہے۔ اس میں مرزا غلام احمد کے حالات بھی ہیں اور تحریک ختم نبوت کا پورا پس منظر و پیش منظر بھی، اور ان حضرات کی تحریری و تقریری خدمات کا احاطہ بھی ہے جنہوں نے تحریک کے ابتدائی دو عشروں (۱۸۹۱ء تا ۱۹۱۲ء) میں کسی نہ کسی طرح اس میں حصہ لیا ہے۔

۱۸۹۱ء-۱۸۹۶ء کے واقعات پر مشتمل ۳۸۲ صفحات کی جلد اول میں بانی قادیانیت کے مختصر حالات کے بعد تحریک ختم نبوت کے آغاز (مولانا محمد حسین بٹالویؒ کے ایک خط بنام مرزا غلام احمد کو آغاز گردانا گیا ہے جو انہوں نے مرزا قادیانی کو ۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء کو لاہور سے لکھا تھا)؛ مقابلہ تفسیر نویسی؛ مباہلہ امرتسر (۱۸۹۳ء)؛ مولانا غلام دستگیر اور ردّ قادیانیت؛ مرزا غلام احمد اور محمدی بیگم؛ ایک منذر الہام بابت محمد حسین بٹالوی؛ غلام احمد قادیانی کے آتھم عیسائی سے مناظرے کا ذکر کر کے ان شخصیات میں سے چند ایک کا ذکر ہے جنہوں نے اس تحریک میں حصہ لیا۔ ان میں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ، مولانا محمد حسین بٹالویؒ، قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ، منشی محمد جعفر تھانیسریؒ، میر عباس علی لدھیانویؒ، غزنوی علماءؒ، مولانا محمد بشیر سہسوانیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد اسماعیل علی گڑھیؒ۔ مولانا عبدالرحمٰن لکھویؒ، منشی سعد اللہ لدھیانویؒ، مولانا محمد حسن لدھیانویؒ، مولانا ابوالحسن سیالکوٹیؒ شامل ہیں۔ آخر میں مراجع و مصادر درج کئے ہیں جن کی تعداد سو (۱۰۰) سے زائد ہے۔

دوسری جلد (طبع دہلی ۴۴۵ صفحات، طبع لاہور ۳۶۷ صفحات) ۱۸۹۶ء تا ۱۹۰۵ء کے احوال و واقعات پر محیط ہے۔ اس میں مولانا بٹالوی اور چیلنج مباہلہ ۱۸۹۶ء کا ذکر ہے؛ براہین احمدیہ کی قیمت کا تذکرہ ہے؛ قادیانیت کے بارے میں بعض تفصیلات ہیں۔ اس کے علاوہ مرزا صاحب کی

بعض پیش گوئیوں (مثل حجاز ریلوے، عذاب کی تین سالہ پیش گوئی، زلزلے وغیرہ) کے تنقیدی جائزے کے علاوہ ۱۹۰۰ء کے جلسہ لاہور، مباحثہ مدّ، اور فتح قادیان، کا ذکر ہے۔ نیز ازالہ اوہام اور براہین احمدیہ کے بعض مضامین پر نقد و تبصرہ ہے۔ آخر میں تحریک کے چند کارکنوں کا تعارف ہے جن میں حافظ محمد لکھویؒ، مولانا رحیم بخش لاہوریؒ، مولانا عبدالرحمٰن مئویؒ، مولانا عبدالغفار مہدانویؒ، مولانا محمد ابراہیم آرویؒ، مولانا عبدالمجید دہلویؒ، شیخ حسین بن محسن انصاریؒ، علامہ شمس الحق محدث ڈیانویؒ، مولانا محمد اشرف ڈیانویؒ، مولانا لطف اللہ علی گڈھیؒ، حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ، مولانا عبدالجبار عمرپوریؒ، سید احمد حسن دہلویؒ، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ، حافظ عبداللہ محدث غازی پوریؒ، سید شہید الدین احمد بنارسیؒ، مفتی محمد عبداللہ ٹونکیؒ، مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حکیم عبدالمجید بنارسیؒ، مولانا حیات محمد بنارسیؒ، قاضی عبدالاحد خان پوریؒ، قاضی محمد خانپوریؒ، قاضی یوسف حسین خانپوریؒ، مولانا احمد حسن کانپوریؒ، پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ، مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ شامل ہیں۔

جلد سوم (طبع لاہور ۵۷۶ صفحات، طبع دہلی ۶۲۰ صفحات) کا آغاز مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب الوصیت سے ہوتا ہے۔ بہشتی مقبرہ، تقسیم بنگال، علم الدرمان، شہادۃ القرآن، ڈاکٹر عبدالحکیم، طاعون، مباہلہ سے فرار، منشی الٰہی بخش، دعائے آخری فیصلہ، اخبار اہلحدیث، حقیقت الوحی، بشیر اول، دعائیں جو قبول نہ ہوئیں، کذبات مرزا، یوم الرحیل، عمر مرزا، اسمہ احمد۔ مباحثہ رام پور، مباحثہ لدھیانہ ۱۹۱۲ء، بحث متعلق آخری فیصلہ، دانیال کی پیش گوئی، مسیح موعود، اور دجال، کے عنوانات کے تحت قادیانیت کا مالہ و ماعلیہ اور تحریک ختم نبوت کے احوال بیان کئے ہیں۔

تحریک کے کارکنوں میں مولانا غلام علی قصوری، مولانا احمد اللہ امرتسری، مولانا حفیظ اللہ خان، محمد بشیر سہسوانی، مولانا سلامت اللہ جیراج پوری، مولانا عبدالوہاب دہلوی، قاضی احتشام الدین مرادآبادی، شاہ علی نعمت پھلواروی، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا غلام حسن سیالکوٹی سید عبدالسلام دہلوی، مولانا سید عبدالواحد غزنوی، مولانا عبدالغفور غزنوی، سید ابوالحسن تبتی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی شامل ہیں۔ اسکے علاوہ آخر میں کارکنوں کی ایک مفصل فہرست دی گئی ہے۔

۵۷۶ صفحات پر مشتمل **جلد چہارم** میں مولانا بٹالوی کی مرزا غلام احمد کے ساتھ ۱۸۹۱ء والی مراسلت کی تفصیل دی ہے۔ مولانا بٹالویؒ کے استفتاء دربارہ تکفیر مرزا، اور سید نذیر حسین محدثؒ کے

جواب استفتاء کو شامل کیا ہے۔ اسی طرح مباحثہ لدھیانہ ۱۸۹۱ء، مباحثہ بٹالہ اور مباحثہ لاہور کے عنوان سے مولوی محمد احسن امروہی قادیانی سے مولانا بٹالویؒ کے مباحثوں کی تفصیلات ہیں۔ نیز حکیم نورالدین صاحب سے دوران سفر مولانا بٹالویؒ کے ایک مباحثے کی تفصیلات ہیں۔ اس کے بعد مولانا بٹالوی کی مرزا صاحب سے ہونے والی ۱۸۹۳ء کی مراسلت بھی مکمل نقل کی گئی جس کے ضمن میں درخواست مباہلہ، الہام منذر کی اشاعت، عربی تفسیر کے معاملات بھی زیر بحث آئے ہیں۔ دیگر عنوانات میں، بٹالوی مکتوب مفتوح، حقیقۃ الوحی پر ریویو، کھوٹہ سکہ، ذوالقرنین، بے ادب، تحصیل دار، چاپلوس، حرز سلطنت وغیرہ شامل ہیں۔ کتاب کے آخر میں کتابیات، تبصرے اور تقریظات ہیں۔

۵۱۰ صفحات پر مشتمل جلد پنجم میں مولانا محمد حسین بٹالوی کے ماہنامہ اشاعۃ السنہ کی مختلف جلدوں سے بعض مضامین اپڈیٹ شدہ شکل میں نقل کئے گئے ہیں نیز تحریک کے بعض دوسرے کارکنوں مثل منشی سعد اللہ لدھیانوی، مولانا احمد حسین میرٹھی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور دیگر علماء کے مضامین نقل ہوئے۔ چند عنوانات درج ذیل ہیں۔

دافع الوساوس کی اشاعت، قادیانی عربی، حیات مسیح، معجزات مسیح، نزول جبریل، مس شیطان، جبریل کا حقیقی یا تمثلی نزول، قادیانیوں کو انعامی چیلنج، پیش گوئی متعلقہ ڈپٹی آتھم، تجزیہ عذرات بابت انجام آتھم، مرزا قادیانی کو انعامی چیلنج، حلال زادہ، سلطان محمد کی حیات و موت، لیکھ رام کی موت، تین کو چار کرنے والا لڑکا، محافظ سلطنت، پیش گوئی طاعون، قادیان پر ثنائی یلغار، محمد احسن امروہی کو چیلنج، قسمیہ تکذیب قادیانی، رسالہ دافع البلاء کا تجزیہ، رسالہ کشتی نوح کا تجزیہ، مواہب الرحمٰن کا تجزیہ، پیش گوئی زلزلہ، مکتوب مفتوح بنام وائسرائے۔ وغیرہ

ڈاکٹر بہاؤالدین مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے دیارِ مغرب میں بیٹھ کر اپنے دوستوں کے تعاون سے اور زر کثیر صرف کر کے ہندوستان، پاکستان اور برطانیہ کے معروف اور غیر معروف کتب خانوں سے ایسی نادر معلومات جمع کر کے کتابی شکل میں اہل علم تک پہنچادی ہیں جن کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے جس جاں فشانی سے کام لیا ہے وہ قابل تحسین و ستائش ہے۔ بلکہ اگر یہ کہہ دوں کہ انہوں نے جماعت اہلحدیث کی طرف سے ایک بہت بڑا قرض ادا کر دیا ہے، تو بے جا نہ ہوگا۔

زیر نظر کتاب رطب و یابس، اور اکابر پرستی سے پاک ہے۔ انداز تحقیقی اور علمی ہے۔

زبان نہایت عمدہ ہے اور اسلوب بیان نہایت دل کش ہے۔ ہر بات با حوالہ لکھی گئی ہے۔ اور یہ بھی کتاب کے محاسن میں سے ہے کہ اسے کسی خاص مکتب فکر کی خدمات تک ہی محدود نہیں رکھا گیا بلکہ برصغیر کے تمام مکاتیب فکر کے علماء ومشائخ اور عام کارکنوں کی ان دوعشروں میں انجام دی جانے والی خدمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کے مواد کو جمع کرنے میں بہت عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ اور کتاب میں کی گئی محنت صاف نظر آتی ہے۔ اور یوں یہ کتاب ہمارے دینی ادب کی ایک عظیم علمی اور مستند دستاویز بن گئی ہے۔

جس طرح سرسید احمد نے الطاف حسین حالی کی ''مسدس'' کو اپنے نامہ اعمال کیلئے کافی سمجھا، اسی طرح ہوسکتا ہے کہ ختم المرسلین سید الانبیاء حضرت رسول اکرم ﷺ کی نبوت پر ڈاکے ڈالنے والوں کے پردوں کو چاک کرنے اور اس میدان کے ہراول دستے کا ذکر تفصیل سے کرنے کی ڈاکٹر بہاء الدین کی یہ خدمت بھی بارگاہ محمدی میں شرف قبولیت حاصل کرے۔ اللھم زد فزد۔

آخر میں ڈاکٹر صاحب سے میری گزارش ہے کہ وہ اپنے گرامی قدر والد محترم حضرت مولانا محمد عبد اللہ گورداسپوری مدظلہ العالی کے ذکر جمیل سے بھی صفحہ قرطاس کو زینت بخشیں کیونکہ ردّ قادیانیت اور برصغیر میں مسلک اہل حدیث کی ترویج میں ان کی خدمات کا عرصہ اب سات عشروں سے تجاوز کر چکا ہے اور کتاب ہذا بھی درصل اسی سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی، دین حقہ کیلئے ان کی خدمات قبول فرمائے۔ اور خاص طور پر اس کتاب کو باپ بیٹے کے لئے توشہ آخرت بنائے۔ آمین۔

☆ ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں تحریک ختم نبوت جلد چہارم طبع لاہور پر تبصرہ کرتے ہوئے محترم مولانا محمد سلیم چنیوٹی لکھتے ہیں:

...مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں جن حضرات نے اولین بحث مباحثہ کر کے اور جن کے علمی معرکے برپا ہونے سے مرزائی عقائد ونظریات کی بیخ کنی ہو کر طشت از بام ہوئی، ان شخصیات میں اہلحدیث علمائے کرام ہراول دستے میں شامل ہوئے اور انہوں نے سب سے پہلے مرزائی عقائد کے خلاف فتوی دے کر اور قادیانی امت کو امت محمدیہ علی صاحبہا الصّلوٰۃ و السّلام سے الگ کر دیا۔

..چنانچہ اس دور میں اہل حدیث کے سرخیل مولانا سید نذیر حسینؒ صاحب کے محدث

دہلوی اور انکے تلمیذ رشید جناب مولانا محمد حسینؒ صاحب بٹالوی نے مرزا قادیانی کے متصادم اسلام عقاید کی وجہ سے فتوی تکفیر جاری کر دیا۔ اس فتوے کی تصدیق کے لئے مولانا محمد حسینؒ بٹالوی کو برصغیر کے دور ونزدیک کے تمام علمائے اسلام (بلاتفریق مسلک ومشرب) کے دستخط اس فتوی پر لینے پڑے۔ یہ فتوی تکفیر مولانا بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ کی جلد ۱۳ میں درج کر کے شائع کر دیا تھا۔ پھر ۱۹۸۰ء کے عشرے میں دار الدعوۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور نے اس فتاوی کو مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف برصغیر کے علمائے اسلام کا اولین فتوی تکفیر، کے نام سے شائع کیا۔

زیر تبصرہ کتاب تحریک ختم نبوت جلد چہارم ۱۸۹۱ء سے ۱۹۱۲ء کے درمیان کے عہد کی ہے یوں تو مرزا قادیانی کے خلاف لٹریچر لکھنے والے زعمائے اسلام کی بیش بہاء کتب ولٹریچر خوانندگان تحریک ختم نبوت کو میسر آئے گا مگر مرزا قادیانی کے خلاف اہل حدیث کی اولیات کے بارے میں بڑا غلط پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ تحریک ختم نبوت، کی کل چھ جلدیں مرتب نے ترتیب دی ہیں۔ زیر تبصرہ چوتھی جلد ہے اور اس سے قبل تین جلدیں چھپ کر چکی ہیں۔ ۲۰۰۱ء سے اس کتاب کا سفر شروع ہو چکا ہے ہندوستان پاکستان برطانیہ میں یہ چھپ کر مارکیٹ میں آ چکی ہیں۔

مرتب موصوف جماعت اہل حدیث کے بزرگ خطیب ومبلغ حضرت مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری کے صاحب زادہ گرامی قدر ہیں۔ عرصے سے برطانیہ میں مقیم ہیں۔ تصنیف وتالیف کے علاوہ اسلامی تاریخ پر ان کی گہری نظر ہے۔ اہل حدیث مسلک کی محبت اور اس مسلک کی خدمات کو اجاگر کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ تاریخ اہل حدیث پر بھی خامہ فرسائی فرما رہے ہیں۔ ان کی یہ کتاب بھی زیر ترتیب ہے اور بصورت مضامین ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم سے قسط وار شائع ہو رہی ہے۔ مرتب موصوف نے مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ مولانا محمد حسین بٹالوی کی مراسلت اور علمی وتحقیقی مباحثے اور تحریروں کے اقتباسات بھی شائع کئے ہیں جن سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علمائے اہل حدیث نے ہر جگہ مرزا غلام احمد کا ناطقہ بند کئے رکھا۔

ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کے والد گرامی قدر حضرت گرداسپوری، فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری کے آخری زمانے کے رفیق ہیں اور شیر اسلام مولانا امرتسری کے جنازے میں شریک ہونے کا شرف بھی انہیں حاصل ہے۔ ختم نبوت کے مجاہد ہیں اور اس حوالے سے قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ ۱۹۴۹ء سے بورے والا میں ایک ہی مسجد میں امامت وخطابت فرما رہے ہیں۔ مولانا امرتسری کے واقعات وحالات اور ان کے رفیق سفر ہونے کے ناطے ان کا بڑا

مقام ہے۔ اللہ تعالی انہیں صحت کاملہ سے نوازے۔ آمین۔

تبصرہ کے ضمن میں ہے کہ یہ کتاب تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں اصل اور صحیح معلومات پر مبنی ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے زمانے میں اور اس کے ساتھ براہ راست مباحثوں وتحریروں پر مشتمل واقعات پر مشتمل ہے۔

۵۷۶ صفحات کی اس کتاب میں زبان اردو نہایت شستہ اور عام فہم ہے اور بزرگان اسلام کی مساعی پیش کر کے تحریک ختم نبوت کو بڑے جچے تلے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جمیعت اہلحدیث برطانیہ کے عالم دین مولانا ثناء اللہ سیالکوٹی، مورخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی اور جمیعت اہلحدیث ہند کے ناظم اعلی مولانا اصغر علی سلفی کی تقاریظ وتبصرے بھی زینت کتاب ہیں۔

ایسی کتاب کا مرتب ہونا بہت پہلے ضروری تھا مگر دیر آید درست آید کے مصداق بڑی مفید اور نافع کتاب منظر عام پر آ گئی ہے۔ اسے ہر اہل حدیث صاحب ذوق فرد اور لائبریری کی زینت بننا چاہیے۔ ہم جہاں مؤلف موصوف کو اس تاریخی کتاب کی تصنیف پر مبارکباد پیش کرتے ہیں وہاں ناشر کی اس عظیم خدمت کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں کہ جن کی مساعی جمیلہ سے یہ کتاب شائع ہوئی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

(محمد سلیم چنیوٹی۔ الاعتصام لاہور۔ ۱۵۔ اگست ۲۰۰۸ء)

☆ مورخ عصر مخدوم محترم حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی مدظلہ العالی، تحریک ختم نبوت جلد ہفتم پر حرفے چند کے عنوان سے لکھتے ہیں:

ہمارے عزیز دوست جناب ڈاکٹر بہاء الدین صاحب نے کتاب تحریک ختم نبوت کا جو سلسلہ کئی سال پیشتر پہلی جلد سے شروع کیا تھا اب وہ چلتے چلتے ساتویں جلد تک پہنچ گیا ہے اور آثار بتاتے ہیں کہ یہ سلسلہ مزید آگے بڑھے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے کی ترتیب میں بے حد محنت کی ہے اور کر رہے ہیں۔ سو سال سے زائد عرصے کے اخبارات ورسائل اور اس موضوع کی بے شمار کتابوں میں سال ہا سال سے پھیلے ہوئے معلومات کو جمع کرنا اور پھر مناسب عنوانات کے ساتھ انہیں ترتیب دینا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ سب سے بڑی بات مرزا قادیانی اور ان کے، امتیوں، کی بد ذوقی پر مبنی عبارات کو پڑھنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ہمت قابل داد ہے کہ وہ برسوں سے ایسی کتابوں کا مطالعہ

کر رہے ہیں جن کا ادب و انشاء سے دور و نزدیک کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ہم نے قادیانی لٹریچر کو جب بھی پڑھنے کی کوشش کی اس میں کامیاب نہ ہو سکے اسے ہاتھ لگایا، دو چار سطریں پڑھیں اور رکھ دیا۔لیکن ہمارے دوست ڈاکٹر بہاء الدین پر احقاق حق اور ابطال باطل کا جذبہ پر خلوص اس قدر غالب آچکا ہے کہ انہوں نے اپنے مطلب کا مواد تلاش کرنے کے لئے قادیانی لٹریچر کے مطالعہ کو اپنے آپ پر ضروری قرار لیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پہلے وہ جلد اول سے چھٹی جلد تک پہنچے اور اب ساتویں جلد سے بھی آگے بڑھنے کے لئے پر تول رہے ہیں۔

یہ ساتویں جلد جو خوانندگان محترم کے زیر مطالعہ ہے، قادیانیت سے متعلق چند مباحث کا دلچسپ اور معلومات افزاء مجموعہ ہے۔فاضل مصنف نے جن عنوانات کے تحت یہ کتاب ترتیب دی ہے، ان میں چند عنوانات یہ ہیں: مباحثہ علی گڑھ ۱۸۸۹، مرزا قادیانی کا دہلی میں مباحثہ سے اعراض۔ حکیم نورالدین کا لاہور میں مباحثہ سے اعراض، دہلی میں مرزا قادیانی کو یک ہزاری چیلنج، محمد احسن امروہی کو بھوپال میں دعوت مباحثہ، مرزا قادیانی کو دعوت مناظرہ ومباہلہ، الحادات مرزا، احادیث در بارہ مسیح اور دجال، نبوی پیشگوئیوں کا وقوع۔یہ ضخیم جلد اس طرح کے بہت سے عنوانات کو اپنے دامن صفحات میں لئے ہوئے ہے۔ہمیں امید ہے کہ جس طرح قارئین کرام کی طرف سے اس کی پہلی جلدوں کو پذیرائی حاصل ہوئی ہے اسی طرح اس موضوع سے دل چسپی رکھنے والے حضرات اس کتاب کو بھی اپنے مطالعہ میں لائیں گے اور قادیانیت سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

ڈاکٹر صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ وہ مرزائیت کے ہر پہلو سے لوگوں کو باخبر کرنے کا عزم کر چکے ہیں اور اس کی تکذیب کے لئے انہیں ایسے مواد سے آشنا کر رہے ہیں جو طویل مدت سے کتب و رسائل کے ڈھیر میں دبا ہوا تھا۔

دعا ہے اللہ تعالی ڈاکٹر صاحب کی کوششوں کو قبول فرمائے، ان کی کتاب کے مطالعہ سے متاثر ہو کر وہ لوگ قادیانیت کے دائرہ سے باہر نکلیں اور صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی سعادت حاصل کریں جو اس سے وابستہ ہیں۔آمین یارب العالمین۔

محمد اسحاق بھٹی۔اسلامیہ کالونی۔سانده۔لاہور۔ ۱۱۔اگست ۲۰۰۸ء

 مولانا محمد داؤد ارشد، جلد ہفتم پر اپنے تاثرت میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالی نے ایمان کے اس ڈاکو (مرزا قادیانی) کے تعاقب کیلئے بڑے بڑے لوگ پیدا فرمائے جو اس کی تاویلات فاسدہ اور تحریفات سے عوام الناس کو مطلع کرتے رہے۔ اللہ تعالی بانیان تحریک کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے جنہوں نے اللہ کی توفیق سے ختم نبوت کی حفاظت کا کام باحسن طریق ادا کیا۔ اس سلسلہ مروارید اور سموط ذہبیہ کی کڑی محبی واخی الشیخ محمد بہاء الدین حفظہ اللہ ہیں جنہوں نے تاریخ کے ابتدائی ادوار پر ایک مفصل تصنیف کی بنیاد رکھی ہے جسکی چھ جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔ ان میں تحریک کا پس منظر، بانیان تحریک، اور اس کے مخلص کارکنوں کا تذکرہ ہے تحریک کے ابتدائی ادوار میں کام کرنے والے دیوبندی بریلوی اور اہل حدیث علماء کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کی خدمات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ کسی جگہ ڈنڈی مارنے کی کوشش نہیں کی کہ تاریخ نویسی کا یہی اسلوب ہے اور اس ڈھنگ سے ہٹ کر تاریخ سازی اور اپنی رائے سے تاریخ کے حقائق کو مسخ کرنا، تاریخ کے طالب علم کا کام نہیں، بلکہ متعصب و جاہل دوست کا فعل ہے۔ تحریک کے حوالے سے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو طائفہ منصورہ کی مٹھی بھر جماعت کی اولیات ہیں ان کا تذکرہ بھی کہیں کہیں موجود ہے تاکہ نئی پود ان تاریخی حقائق کو بھی پیش نظر رکھے لیکن یہ تذکرہ بھی برسبیل ہی ہوا ہے تاکہ قاری اسکو اپنے اوپر بوجھ نہ سمجھ لے۔ بہرحال یہ تاریخ کی امانت ہے جس کا اعتراف ماضی میں تحریک میں کام کرنے والے ہر مکتب فکر کے منصفین کیا ہے چنانچہ دیوبندی حضرات کے ایک صاحب علم محترم محمد شفیع خالد (ایم ایس خالد) وزیر آبادی فرماتے ہیں:

> میرا تو ایمان ہے کہ اگر ہمارے مولانا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری فاتح قادیان کا اس طرف رجحان نہ ہوتا تو یقینی امر تھا کہ دنیا کبھی کی گمراہ اور مرتد ہوگئی ہوتی (نوشتہ غیب صفحہ ۳۳۔
>
> مندرجہ احتساب قادیانیت جلد ۲۳ ص ۴۶۳۔ مطبوعہ ملتان ۲۰۰۸ء)

محترم ڈاکٹر بہاء الدین صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے دیار غیر میں بیٹھ کر اس اہم تاریخی کام کا بیڑا اٹھایا اور مختلف اشخاص اور غیر معروف کتب خانوں سے نادر معلومات کو جمع کر کے ایک گلدستہ کی صورت میں شائع کر کے صاحب علم لوگوں کو ایک نادر علمی تحفہ دیا ہے۔

بلاشبہ انہوں نے پوری کوشش اور محنت سے ان تاریخی حقائق کو جمع کیا اور پوری امانت و دیانت کے ساتھ حوالہ قرطاس کر دیا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ انہوں نے حق ادا کر دیا ہے اور پوری امت

مرحومہ بالخصوص طائفہ منصورہ کی طرف سے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ کتاب کا انداز بیان سلجھا ہوا، مجادلہ مکابرہ کی بجائے علمی و تحقیقی ہے۔ کتابت وطباعت عمدہ ہے، ظاہری و باطنی خوبیوں کی حامل یہ کتاب تاریخ کے طالب علم کے لئے ایک نادر علمی تحفہ ہے۔ اللہ تعالی محترم مؤلف کے علم و عمل میں برکت ڈالے اور ان کے مال اولاد اور گھر بار میں برکات وانوار کی بارش برسائے۔ اللہ تعالی محترم کے کام میں برکت ڈالے اور اندھیروں کے سوداگروں کے لئے مشعل راہ بنائے اور فاضل دوست کیلئے توشہ آخرت اور کفارہ سیئات۔ آمین یا ربّ العالمین

ابوصہیب محمد داؤد ارشد۔ کوٹلی ورکاں نزد نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ۔ ۶ ستمبر ۲۰۰۸ء

☆ مولانا محمد رمضان یوسف سلفی (فیصل آباد) لکھتے ہیں:

فتنہ قادیانیت کے خلاف علمائے اہلحدیث کی مساعی جاننے کیلئے محترم ڈاکٹر بہاء الدین کی کتاب تحریک ختم نبوت کا مطالعہ بہت مفید ہے اس کتاب کی پانچ ضخیم جلدیں ہندوستان میں شائع ہوئی ہیں اور پاکستان میں (اس کی چھ جلدیں) مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں مکمل ہوگی۔ اس علمی و تحقیقی کتاب میں محترم ڈاکٹر بہاء الدین نے فتنہ قادیانیت کی تردید اور اس کی بیخ کنی کے آغاز کی تاریخ اور مرزا قادیانی کی راہ میں حائل شخصیات کا تذکرہ، سب سے پہلے مرزا قادیانی کے خلاف فتوی تکفیر کی داستان اور تحریک ختم نبوت کے حقیقی اولین بانی اور قائدین کے حالات وخدمات کو نہایت تحقیق کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ حضرت ڈاکٹر صاحب نے فتنہ قادیانیت کے بانی مرزا غلام احمد کی اپنی تحریریں اور مکتوبات بھی دلیل کے طور پر پیش کئے ہیں، اس لحاظ سے یہ کتاب تحریک ختم نبوت پر ایک مستند، مدلل اور تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ (ماہنامہ الاخوہ لاہور اکتوبر ۲۰۰۸ء)۔

وصلی اللّٰہ تعالی علی خیر خلقہ محمّد و آلہ واصحابہ اجمعین

کتابیات

اس کتاب کی تیاری میں قرآن پاک کی متعدد تفاسیر اور صحاح ستہ کے علاوہ درج ذیل کتب و رسائل سے مدد لی گئی ہے۔

Holy Bible, Authorised King James Version

Good News Bible, 2nd Edition 1994,

حیات ثنائی، مولانا محمد داؤد راز، نور ایمان دہلی طبع اول ۱۹۷۸ء اغلباً

حیات لودی معروف بہ شوکت افغانی مصنف و مطبع نامعلوم۔ طبع اغلباً بیسویں صدی کا عشرہ اول

سیرۃ المہدی۔ مرزا بشیر احمد قادیانی

شہادۃ القرآن۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔ نعمانی کتب خانہ لاہور۔ جنوری ۲۰۰۱ء

صحیفہ محبوبیہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری۔ امرتسر۔ دسمبر ۱۹۰۹ء۔

عشرہ کاملہ۔ شیخ غلام حیدر ہیڈ ماسٹر بورڈ سکول چکوال، مطبع گلزار محمدی لاہور۔

قطع الوتین (۲) من بشیر الدین۔ حافظ عنایت اللہ وزیر آبادی۔ طبع دوم ۱۹۶۱ء

تصانیف مرزا غلام احمد قادیانی:

براہین احمدیہ، ازالہ اوہام، دافع الوساوس، جنگ مقدس، دافع البلاء، تریاق القلوب، کرامات الصادقین، ضمیمہ انجام آتھم، انوار الاسلام، تحفہ گولڑویہ، خطبہ الہامیہ، حمامۃ البشریٰ، سرمہ چشم آریہ، چشمہ معرفت، حقیقت الوحی، مکتوبات احمدیہ، مجموعہ اشتہارات۔

اخبارات و رسائل:

ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۶، ۱۷، ۲۱؛۔ ہفت روزہ شحنہ ہند میرٹھ ضمیمہ ۱۹۰۳ء

الحکم، قادیان؛۔ بدر، قادیان؛۔ ریویو آف ریلی جنز قادیان

ہفت روزہ الاعتصام لاہور؛۔ پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

صحیفہ اہل حدیث کراچی؛۔ ماہنامہ الاخوہ، لاہور